

www.Paksociety.com
گھر کے ہر فرد کے لیے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
جون 2012
نگرانِ اعلیٰ
معراج رسول
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
ناہید سلطانہ اختر
اور دیگر مصنفات کی خوب صورت تحریروں سے آراستہ
www.Paksociety.com

مدیرۂ اعلیٰ
عذرا رسول
مدیرہ
انجم انصار
معاون
آمنہ حماد



پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول • مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

شعبہ اشتہارات
نیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789 نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391
نمائندہ لاہور فراز علی نازش 0332-4214400 رانا لائے حمید 0323-2895528
ماڈل: ربیعہ .... میک اپ: روز بیوٹی پارلر .... فوٹو گرافر: موسیٰ رضا
جلد 40 • شمارہ 03 • جون 2012 • زرِ سالانہ 600 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 50 روپے •
پتا: پوسٹ بکس نمبر 662 کراچی 74200 • فون: 35895313 (021) فیکس 35802551 (021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

ان دنوں پوری دنیا میں نوعمر بچوں کے مسائل اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ہم ان کو گننا چاہیں بھی تو گن نہیں سکتے۔ اب ایسے ایسے مسئلے سر اٹھا رہے ہیں جو نہ کبھی دیکھے تھے اور نہ ہی سنے تھے۔ تقریباً تمام والدین ہی یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے بچے نہ صرف ان کے نقش قدم پر چلیں بلکہ ان کے پسندیدہ اخلاقی اور سماجی اقدار کو بھی اپنائیں۔

ماہر نفسیات کے مطابق پانچ سے دس برس کی عمر کے دوران بچے بڑے پرجوش ہوتے ہیں۔ اگر اس دوران انہیں اپنے والدین کی طرف سے کوئی رہنمائی نہ ملے تو وہ ایسی قدروں کو اپنا سکتے ہیں جو ان کے والدین کے لیے قطعی قابل قبول نہ ہوں تو ایسے حالات میں بھی والدین کو چاہیے کہ بچوں کے ساتھ سختی نہ کریں بلکہ پیار سے سمجھائیں...... تیرا سے اٹھارہ برس کی عمر بہت ہیجان خیز قرار دی گئی ہے جس میں بچوں کی خصوصی نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے جس میں اپنا آپ بالکل درست اور سامنے والا بالکل غلط دکھائی دیتا ہے۔

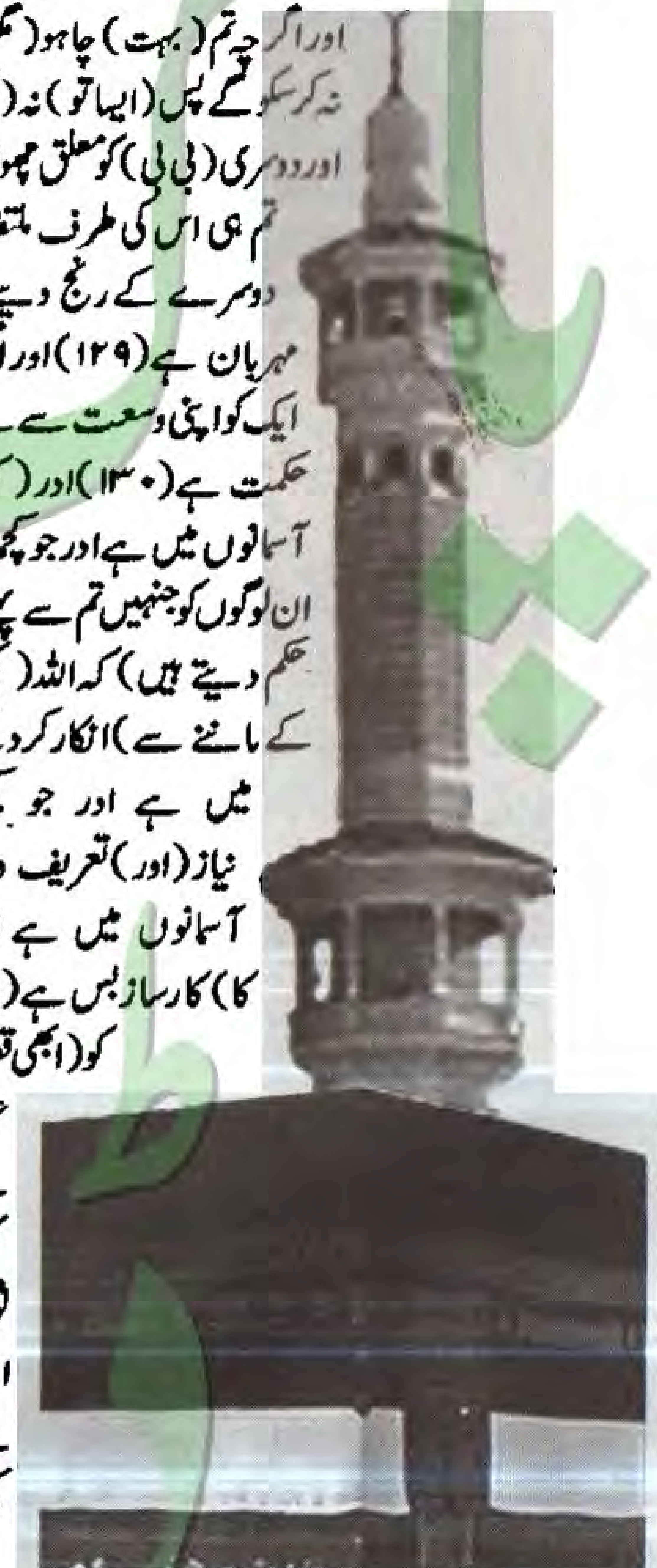
بے شمار والدین اپنے بچوں کو یہ طعنہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ تمہاری عمر میں، ہم تو یہ کرتے تھے اور وہ کرتے تھے۔ ایسے جملے بچوں کے ذہن میں عموماً منفی ردعمل کو جنم دیتے ہیں۔

یاد رکھیں محض طعنے دینے سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔ اپنے بچوں کے سوالات تحمل سے سنیں اور ان سوالات کے تسلی بخش جوابات دینے کی کوشش کیجیے۔

وہ بچے بے حد خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں اپنے والدین کی توجہ اور پیار ملتا ہے۔ آپ خواہ کتنے ہی معروف کیوں نہ ہوں اپنے بچوں کو وقت دیں...... ان کی باتیں سنیں، انہیں پیار کریں۔ ان کی تعریف کریں اور آنے جانے والوں کے سامنے ان کی خوبیاں گنوائیں...... انہیں یہ احساس دلائیں کہ وہ آپ کے لیے کتنے اہم ہیں۔ اور آج مجھے آپ سے صرف یہی کہنا ہے کہ اپنے بچوں کو قدرت کا حسین تحفہ سمجھتے ہوئے انہیں خوب سنبھال کر رکھیں۔ اور ان کی تربیت میں عقل، سمجھ، محبت اور شائستگی کا عنصر شامل رکھیں۔ باقی اللہ ہر چیز کا مالک ہے۔ (بے شک)

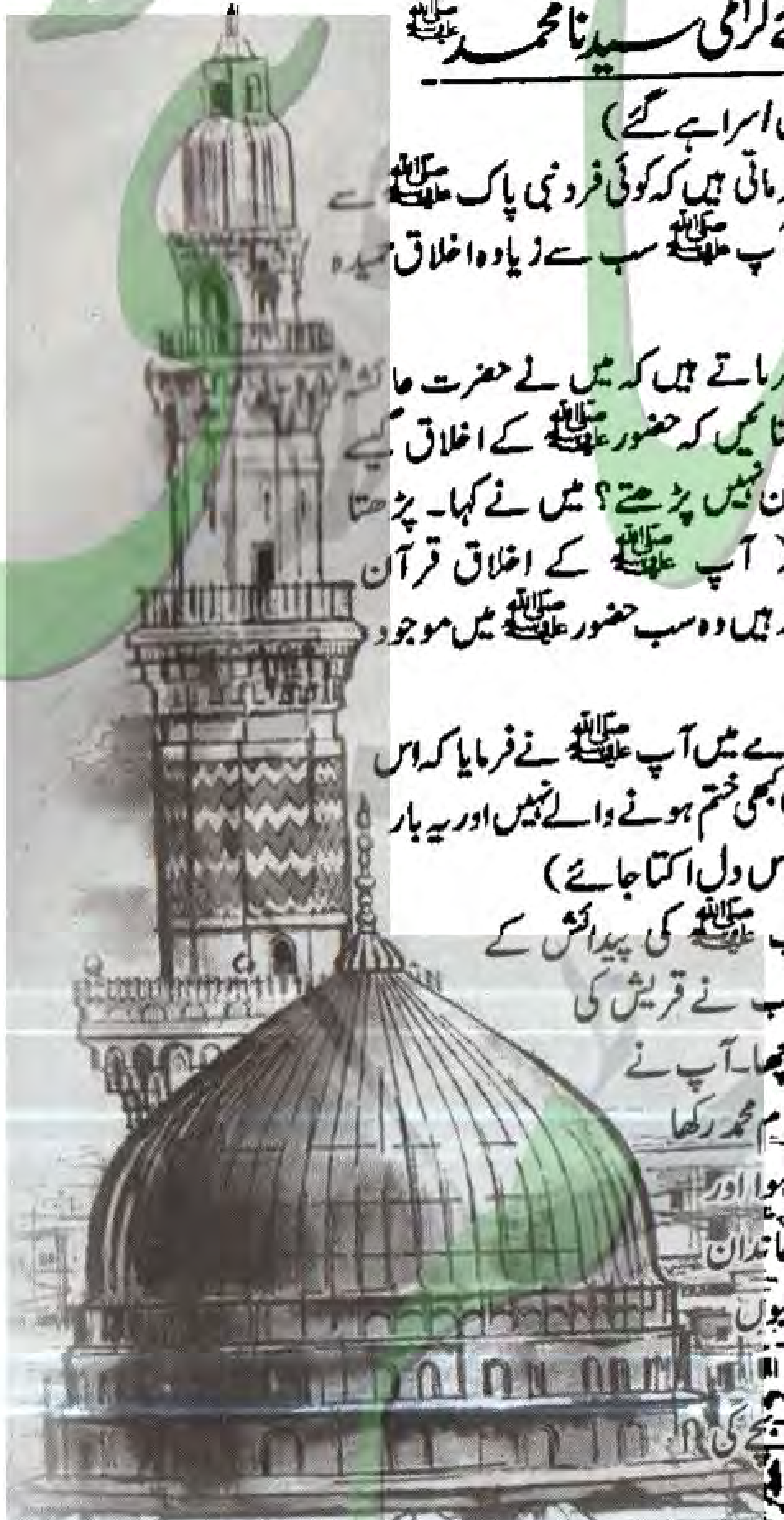
مدیرہ

انجم انصار



اور اگر چہ تم (بہت) چاہو (مگر کئی) بیبیوں (سے برتاؤ) میں ہرگز برابری نہ کرسکو گے پس (ایسا تو) نہ (کرو کہ ایک ہی کی طرف) ہمہ تن مائل ہو جاؤ اور دوسری (بی بی) کو معلق چھوڑ دو (کہ نہ کسی اور سے نکاح کرسکتی ہے اور نہ تم ہی اس کی طرف ملتفت ہوتے ہو) اور اگر تم صلح رکھو اور (ایک دوسرے کے رنج دینے سے) بچتے رہو تو اللہ بے شک بخشنے والا مہربان ہے (۱۲۹) اور اگر دونوں جدا ہو جائیں گے (تو) اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے نیاز کردے گا اور اللہ وسعت والا صاحب حکمت ہے (۱۳۰) اور (کیا تم نہیں جانتے کہ) اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک ہم نے حکم دیا تھا ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب (الٰہی) دی گئی تھی اور تم کو (بھی یہی حکم دیتے ہیں) کہ اللہ (کی نافرمانی) سے بچتے رہو اور اگر تم (اس حکم کے ماننے سے) انکار کردو گے تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ (بڑا) بے نیاز (اور) تعریف والا ہے (۱۳۱) اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ (سب کا) کارساز بس ہے (۱۳۲) (اور) اے لوگو اگر وہ چاہے تو تم سب کو (ابھی قعرِ عدم میں) لے جا (کے ڈال دے) اور (بہ عوض تمہارے) دوسروں کو (صفحہ ہستی میں) لے آئے اور اللہ اس پر قادر ہے (۱۳۳) جو کوئی (صرف) دنیا (میں اپنے اعمال) کا ثواب چاہتا ہے تو (اسے کیا معلوم نہیں کہ) اللہ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب ہے (پھر اس نے دنیا کے ثواب پر کیوں اکتفا کی) اور اللہ سنتا (اور) دیکھتا ہے (۱۳۴)

(سورۂ نسا آیت نمبر ۱۲۹ تا ۱۳۴)



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی سیدنا محمد ﷺ

محمد ﷺ (تعریف کے قابل اسراہے گئے)

1۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ کوئی فرد نبی پاک ﷺ سے حسن خلق میں برابری نہیں کرسکتا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ اخلاق حمیدہ کے قابل تھے۔

2۔ حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے بتائیں کہ حضور ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا۔ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا۔ پڑھتا ہوں۔ فرمایا۔ کان خلقه القرآن (آپ ﷺ کے اخلاق قرآن تھے) یعنی جو اخلاق قرآن میں مذکور ہیں وہ سب حضور ﷺ میں موجود تھے۔ (مسلم)

(اور اسی طرح قرآن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس قرآن کے عجائبات (علوم و معارف) کبھی ختم ہونے والے نہیں اور یہ بار بار کی تکرار سے کبھی پرانا نہیں ہوگا کہ اس دل اکتا جائے)

3۔ ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتویں دن جب حضرت عبدالمطلب نے قریش کی دعوت کی تو لوگوں نے نونہال کا نام پوچھا۔ آپ نے جواب دیا۔ میں نے اپنے بچے کا نام محمد رکھا ہے۔ یہ نام سن کر لوگوں کو تعجب ہوا اور عبدالمطلب سے دریافت کیا کہ آپ نے خاندان کی روایت اور روش کو چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا تو آپ نے جواب دیا۔

"میری آرزو یہ ہے کہ میرے بچے کی ساری دنیا میں تعریف کی جائے۔"

"قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماء النبی ﷺ سے اقتباس"







عکس

قسط 11

عمیرہ احمد

آج کی زندگی تیز رفتار ہے، اس کے تجربے بڑی تیزی سے
کرداروں کے نئے رخ سے متعارف کراتے ہیں۔ اس تیز رفتار
زندگی میں چونکا دینے والے موڑ بھی ہوتے ہیں... اور
پُراسراریت بھی... کہیں کرداروں کے حوالے سے تو کبھی
ماحول کے حوالے سے... عمیرہ احمد کے اس ناول میں نہ
صرف آپ تیز ترین، سنسنی خیز اور چونکا دینے والے موڑ
دیکھیں گے بلکہ ان کی مہارانہ چابک دستی کے ساتھ ان کے
کرداروں کی تہ داری کے بھی قائل ہو جائیں گے... عکس بھی اپنا
عکس اور اپنا سایہ ہر شخص کے ساتھ رہتا ہے... مگر ان کی
کہانیاں جدا جدا ہوتی ہیں... کہیں ایسا تو نہیں... ہماری
یہ مایہ ناز مصنفہ... کوئی ایسا ناسور دکھانا چاہتی
ہیں... جس کا آپریشن بھی ضروری ہو... بقول
شاعر...

اس کائنات محبت میں ہم مثلِ شمس و قمر کے ہیں
اِک رابطہ مسلسل ہے اِک فاصلہ مسلسل ہے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

شیر دل ڈپٹی کمشنر کی پوسٹ پر فائز تھا اس کو سرکاری رہائش گاہ کے طور پر جو گھر ملتا ہے اس کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور تھیں کہ وہاں کئی بونے مقیم ہیں۔ شیر دل کی بیوی شہر بانو ان سب باتوں سے بہت خوفزدہ ہو جاتی ہے لیکن جب انہوں نے وہاں سکونت اختیار کی تو ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ تزمین کے پوچھنے پر کہ ان کی شادی لو میرج کا نتیجہ ہے...... یہ بات سن کر شہر بانو ماضی کی خوب صورت یادوں میں کھو جاتی ہے...... جہاں صرف وہ اور شیر دل ہوتے ہیں...... دونوں کی ذہنی ہم آہنگی انہیں شادی کے بندھن میں جکڑ دیتی ہے۔ ہاجرہ اور اس کے شوہر...... نے اپنے بیٹے کو پڑھا لکھا کر ایک بڑا آدمی بنانے کا خواب دیکھا۔ خیر دین میٹرک کے بعد کوئی اور نوکری تو نہ کر سکا لیکن ڈی سی ہاؤس میں کک کی نوکری کرنے لگا۔ خیر دین کی ایک ہی بیٹی تھی حلیمہ جسے طلاق ہو جاتی ہے۔ خیر دین اس کی دوسری شادی کرا دیتا ہے جس سے اس کی ایک بیٹی تولد ہوتی ہے، ایبک ڈپٹی کمشنر کی چھوٹی بہن آئزہ کا بیٹا ہے وہ لوگ چھٹیاں گزارنے اپنے ماموں کے گھر آتے ہیں ایبک کی چڑیا سے دوستی ہو جاتی ہے وہ ایبک سے ٹینس کھیلنا سیکھتی ہے اور ایبک اس سے شطرنج میں ہارتا ہے تو انکل سے چڑیا کی تعریف کرتا ہے۔ چڑیا کی باربی ڈول سے دوستی ہو جاتی ہے، چڑیا اسکول میں باربی ڈول کا خیال کرتی ہے اور اسے چیزیں دیتی ہے، عکس سے پہلا تعارف شیر دل کا پبلک سروس کمیشن کے امتحان کے رزلٹ کے بعد ہوا کیونکہ پہلی پوزیشن شیر دل کی متوقع تھی لیکن وہ پہلی پوزیشن حاصل نہ کر سکا پہلی پوزیشن عکس مراد علی نے لی تھی۔ چڑیا ایبک کے رویے سے بہت ہرٹ ہوتی ہے اور ایبک کو نظر انداز کر دیے تو ایبک سے یہ برداشت نہیں ہوتا۔ شہر بانو جب دس سال کی تھی تو اس کے باپ شہباز کا انتقال ہو گیا تھا اور شرمین دوسری شادی فاروق سے کرتی ہے اس کی پہلی بیوی سے دو بیٹے تھے۔ فاروق اور شرمین کی ایک بیٹی ہوئی تھی جو مر جاتی ہے۔ شرمین کو شہر بانو جب شیر دل کے بارے میں بتاتی ہے تو وہ اس رشتے پر راضی نہیں ہوتی۔ ایبک چڑیا سے سوری کرتا ہے اور اسے رات کو بلاتا ہے تاکہ اسے میگنٹک چیس دکھائے لیکن ایبک خود سو جاتا ہے اس کی آنکھ کسی کے رونے اور چیخنے سے کھلتی ہے یہ چڑیا کی آواز تھی وہ باہر نکل کر جو منظر دیکھتا ہے وہ اس کے ذہن سے محو نہیں ہوتا۔ چند ساتھیوں نے اسے شہد کی دلدل کا ٹائٹل دے دیا تھا۔ اتنے عرصے بعد شیر دل عکس کو میٹنگ میں دیکھتا ہے تو اس کو عکس میں کوئی فرق نہیں لگتا وہ اب بھی ویسی ہی تھی۔ ڈپٹی کمشنر خیر دین پر چوری کا الزام لگا کر اسے نوکری سے نکال دیتا ہے۔ ڈپٹی کمشنر کی بیوی کو اس بات پر یقین نہیں آتا، باربی ڈول، چڑیا کے اسکول نہ آنے سے پریشان ہوتی ہے۔ عکس، شیر دل کے گھر ڈنر پر آتی ہے تو اس کی ملاقات شہر بانو سے ہوتی ہے۔ خیر دین کی تھانے سے رہائی کے بعد خیر دین، چڑیا اور حلیمہ کو لے کر گاؤں چلا جاتا ہے۔ گاؤں میں جب سب کو خیر دین کی نوکری ختم ہونے کا پتا چلتا ہے تو ان کے رویے بدل جاتے ہیں۔ چڑیا کے اسکول کا نتیجہ جب خیر دین دیکھتا ہے تو سوچ میں پڑ جاتا ہے، باربی ڈول اپنی ممی کو بتاتی ہے کہ پاپا نے اسکول آ کر سسٹر ایگنس سے چڑیا کو اسکول سے نکالنے کا کہا ہے۔ فاطمہ ایبک کو ڈیبیٹ کے لیے اسٹیج پر جاتا دیکھ کر نروس ہو جاتی ہے۔ فاطمہ کو دیکھ کر ایبک یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اسے پہلے کہاں دیکھ چکا ہے فاطمہ کے نروس ہونے سے نوین نے پہلی پوزیشن لی لیکن ٹرافی ایبک اور اکبر نے لی۔ ڈی سی کی بیوی اس سے پوچھتی ہے کہ وہ کیوں چاہتا ہے کہ چڑیا اسکول چھوڑ دے، ڈی سی اپنا ٹرانسفر کرا لیتا ہے اور باربی ڈول کے اسکول اپنی بیوی کے ساتھ سرٹیفکیٹ لینے جاتا ہے۔ باربی ڈول اسکول سے جانے سے پہلے ایک بار چڑیا سے ملنا اور اس کو اپنے جانے کے بارے میں بتانا چاہتی ہے لیکن مل نہیں پاتی، خیر دین گاؤں سے جانے کا اور زمین بیچنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے بھائی زمین اپنے نام کرا لیتے ہیں۔ خیر دین شہر واپس آتا ہے تو چڑیا کو واپس اسکول میں داخل کراتا ہے خیر دین نے ڈاکٹر فرح کے شوہر کو فون کیا تو پتا چلا کہ فرح کی ڈیتھ ہو گئی ہے لیکن عابد چڑیا کی فیس دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ شیر دل پروفیشنل کورس کے لیے سنگاپور جا رہا تھا تو شہر بانو نے امریکا جانے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ شیر دل ٹرانسفر ہو کر عکس کی جگہ آیا تھا۔ وہ پہلا سرکاری گھر تھا جو شہر بانو کو خوش کر گیا۔ ڈپٹی کمشنر کے کہنے پر میونسپلٹی کے اہلکار خیر دین کی ریڑھی کا سامان پھینک دیتے ہیں اور اسے اس علاقے میں ریڑھی لگانے سے منع کر دیتے ہیں۔ باربی ڈول اسکول کے آخری دن چڑیا سے ملنے اپنی ممی کے ساتھ جاتی ہے۔ شیر دل اور عکس لاہور میٹنگ اٹینڈ کرنے جاتے ہیں، مثال اور شہر بانو بھی شیر دل کے ساتھ تھیں وہ دونوں اگلی رات کی فلائٹ سے امریکا جانے والی تھیں۔ خیر دین حلیمہ کی دوبارہ شادی کر دیتا ہے اور وہ کویت چلی جاتی ہے۔ خیر دین سسٹر ایگنس کو سچائی بتا کر چڑیا کا ایڈمیشن دوبارہ کرا دیتا ہے۔ جواد کو پولیس نشے کی حالت میں پکڑتی ہے اور وہ عکس سے اپنا رشتہ ظاہر کرتا ہے۔ نیوز چینل پر یہ خبر بار بار آتی ہے۔ شیر دل اپنے تعلقات استعمال کر کے اس خبر کو رکوا دیتا ہے۔ ایبک، فاطمہ سے ملتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ شاید پہلے بھی اس سے ملا ہے لیکن کہاں اور کب یہ یاد نہیں۔ فاطمہ، ایبک سے باقاعدہ طور پر ملنے کا کہتی ہے۔ ایبک بتاتا ہے کہ اس کی منگنی اس کی کزن سے ہوئی ہے، وہ اسے ختم کرنے کی کوشش میں ہے۔ خیر دین گاؤں جا کر اپنے خاندان پر جلسازی کے ذریعے زمین ہتھیانے کی ایف آئی آر درج کرائی۔ خیر دین کے خاندان نے ایف آئی آر کے جواب میں ایک مقامی ایم پی اے کی مدد لی جس کے حلقے میں وہ ووٹر تھے۔ خیر دین کو حوالات سے نکلوانے کے بعد چڑیا، وہ گاؤں میں نہیں رکے۔ ایبک فاطمہ سے کہتا ہے کہ اس کی ممی اس سے ملنا چاہتی ہیں تو وہ حیران رہ جاتی ہے۔ ایبک کی والدہ اسے کہتی ہیں کہ وہ اپنی دوستی پہلے کی طرح رکھے فاطمہ کی روم میٹ خانزہ اسے بتاتی ہے کہ اس کی طرح ایبک کے بھائی ایزد نے بھی اس کی بہن سے اسی طرح فائدہ اٹھایا تھا۔ 26 سال بعد اس شیشے کو وہیں دیکھ کر ایبک رک گیا تھا۔ شیر دل حیران تھا کہ وہ عکس مراد علی کو پہچان نہیں پایا۔ عکس اسی گھر میں آ گئی تھی لیکن وہ یہاں چڑیا بن کر رہنا چاہتی تھی عکس مراد بن کر رہنا چاہتی تھی۔ اس نے بلیم بتائے خیر دین کو بھی بلوا لیا تھا۔ چڑیا کے طفیل خیر دین کی زندگی میں فخر کے بہت سے لمحے آئے تھے، یہ بھی ان ہی سے ایک تھا۔

(اب آگے پڑھیں)

عکس نے گاڑی سے اُترتے ہوئے سر اٹھا کر اس آئینے کو دیکھا جو اس گھر کے برآمدے میں دروازے کے پاس رکھا تھا اور جس میں اس وقت شیر دل اور شہر بانو کی پشت نظر آ رہی تھی۔ ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے وہ کمشنر اور اس کی بیوی کا استقبال کر رہے تھے جن کی گاڑی اس وقت پورچ میں داخلی برآمدے کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ خود اس کی گاڑی پورچ کی چھت سے باہر تھی۔ وہ وہاں سے اس آئینے کو دیکھ سکتی تھی اور وہ وہاں سے بھی شیر دل اور شہر بانو کو بھی دیکھ سکتی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے دل کی دھڑکن پر قابو پایا تھا۔ دوسری گہری سانس میں اس نے اپنے دماغ سے وہ سب غائب کرنے کی کوشش کی تھی جس کی کرچیاں اس گھر کے سامنے بیرونی سڑک پر سامان کے ایک ڈھیر پر اپنی ماں کے ساتھ گزاری ہوئی ایک رات سے یہاں اندر تک چپے چپے پر بکھری ہوئی تھیں۔

سب کچھ غائب ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ ایک عام سرکاری رہائش گاہ تھی اب اس کے لیے۔ ایسی درجنوں عمارتوں میں وہ جا چکی تھی، رہ چکی تھی۔ اس گھر میں بھی اس کے لیے کچھ غیر معمولی نہیں تھا...... ایک عام پرانی لیکن شاندار عمارت.. ویسی ہی ایک تقریب جو وہ کئی دفعہ اٹینڈ کرتی آئی تھی۔ ایک پرانی طرز کا پورچ اور داخلی دروازے کے پاس ایک پرانا آئینہ...... ایک سرسری نگاہ میں اس مینٹل بلاک کے ساتھ اس نے صرف یہ دیکھا تھا...... کسی بھی چیز پر نظر جمائے بغیر ہر چیز سے نظریں چراتے ہوئے۔ لوگ...... جگہ نہیں...... باتیں...... چیزیں نہیں...... میں کوئی تکلیف دہ یاد ذہن میں نہیں لاؤں گی۔ میں ماضی کی کسی چیز کے بارے میں سوچ ہی نہیں رہی۔ میرا کل کا ورک شیڈول کیا ہے؟ یہاں سے ڈنر کے بعد کیا کیا کام کرنے ہیں مجھے...؟ وہ اپنے ذہن کو مسلسل بھٹکا رہی تھی، بڑی کامیابی کے ساتھ۔ ایک کے بعد ایک رکاوٹ کو عبور کر رہی تھی، جب تک اس نے شہر بانو اور شیر دل کو اکٹھا نہیں دیکھ لیا تھا۔ وہ شہر بانو کو تصویروں میں دیکھ چکی تھی۔ وہ اسے چند فنکشنز میں شیر دل کے ساتھ دور سے دیکھ چکی تھی لیکن وہ آج پہلی بار اسے اتنے قریب سے دیکھنے والی تھی، اس سے ملنے والی تھی...... اس باربی ڈول سے جو اس کے بچپن کی چند facinations میں سے ایک تھی اور جو اس کی زندگی میں سیاہ ترین باب کا اضافہ کرنے والے شخص سے منسلک تھی...... اور جو اس شخص کی زندگی کا حصہ تھی جس سے اس نے شدید محبت کی تھی۔

آئینے میں نظر آتے اس عکس سے نظریں ہٹاتے ہوئے عکس مراد علی نے جیسے خود کو سنبھالنے کی ایک اور

کوشش کرتے ہوئے لمحے بھر کے لیے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا جہاں سے ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی...... وہ برسات جو اس کی آنکھوں سے نہیں برس پا رہی تھی‘ وہ کہیں اور سے برسنا شروع ہو گئی تھی۔ اس نے ڈرائیور سے کچھ بات کرنے کی کوشش کی تھی جو اس کے لیے دروازہ کھولنے کے لیے باہر آیا تھا۔ خود کو سنبھالنے کے لیے وہ ہر چیز کا سہارا لے رہی تھی۔

پانی کی ہلکی سی پھوار نے اس کے چہرے، بالوں اور لباس کو ذرا سا نم کیا اور برآمدے میں کمشنر اور اس کی بیوی کا استقبال کرتے ہوئے شیر دل نے بالکل اس لمحے گردن موڑ کر اس کو دیکھا تھا۔ وہ سیاہ موتیوں سے ایمبرائیڈڈ...ایک فٹنگ والا سیاہ شیفون کا لباس پہنے ہوئے تھی جو اس کے متناسب جسم کو کچھ اور بھی متناسب کر رہا تھا۔ عام طور پر کھلے رہنے والے گھنے سیاہ بال اس وقت ایک سیاہ نیٹ میں ڈھیلے جوڑے کی شکل میں اس کی گردن کے پیچھے سمٹے اس کی پتلی اور لمبی گردن کو نمایاں کیے ہوئے تھے۔ دائیں کندھے پر اسٹول کی شکل میں تہ شدہ دوپٹا ڈالے وہ بائیں ہاتھ میں ایک بہت چھوٹا اور خوب صورت سیاہ پرس پکڑے ہوئے تھی۔ شیر دل نے اس سے نظریں ہٹائیں۔ مشکل کام تھا یہ اور اس نے مشکل سے ہی کیا تھا۔ وہ کمشنر اور ان کی فیملی کے ساتھ آئی تھی۔ کمشنر اور ان کی بیوی گاڑی سے اتر کر اندر جانے کے بجائے چند لمحوں کے لیے وہیں برآمدے میں رک گئے تھے۔ کمشنر کا استقبال کرنے کے بعد شیر دل برآمدے سے نکل کر اس کی گاڑی کی طرف بڑھ آیا تھا۔ عکس کی طرف جاتے ہوئے غیر محسوس انداز میں اس نے اپنی جیب میں پڑا ٹشو پیپر ٹٹولا تھا۔ اس کی یہ بے اختیاری شہر بانو نے نوٹس کی تھی جس کے برابر سے وہ یک دم ہٹا تھا۔ اس نے کمشنر کی گاڑی کے پورچ سے ہٹ جانے اور عکس کی گاڑی کے آگے آنے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔ وہ یہ نہیں دیکھ پائی تھی کہ عکس کے گاڑی سے نکل آنے پر وہ اس کا استقبال کرنے چلا گیا تھا۔ وہ دور جاتے شیر دل سے نظریں ہٹانا چاہتی تھی لیکن وہ ہٹا نہیں پائی تھی۔ کمشنر کی بیوی سے بات کرتے ہوئے بھی وہ عجیب بے چین انداز میں شیر دل کو لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اس گاڑی کی طرف بڑھتے دیکھتی رہی تھی جہاں اس کی طرف پشت کیے ڈرائیور سے بات کرتے ہوئے عکس مراد علی کو اس نے ایک عجیب سے اضطراب کے ساتھ دیکھا تھا۔

ڈرائیور سے بات کرتے ہوئے عکس جب تک پلٹی‘ شیر دل اس کے سامنے کھڑا تھا۔ دونوں بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ عکس نے اس سے نظر چرائی...... خود کو سنبھالا...... پھر اسے دیکھا...... وہ بہت بار ایک دوسرے کے اتنے ہی قریب آ کر کھڑے ہو چکے تھے...... بہت بار ایک دوسرے کے بالمقابل اتنے ہی فاصلے پر کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں یونہی جھانکتے بھی رہے تھے...... اور عکس مراد علی نے کبھی ان آنکھوں میں پہچان کی کوئی جھلک نہیں دیکھی تھی...... نہ چڑیا کے لیے...... نہ اس سترہ سالہ عکس مراد علی کے لیے جو ایک انٹر کالجیٹ کے مقابلے میں ایک شیر دل کا نام ہی سن کر بدک گئی تھی۔ جس نے اپنے کیریئر کے بدترین تقریری مقابلے میں اسٹیج پر روسٹرم کے پیچھے کھڑے ایک ایک لمحہ اس خوف میں گزارہ تھا کہ وہ ابھی...... ابھی چڑیا کو پہچان لے گا...... اور وہ یہ کیوں نہ سوچتی کہ وہ اسے پہچان لے گا۔ چڑیا کی زندگی کے آٹھ سال ایک شیر دل کے بارے میں سوچتے گزرے تھے۔ آٹھ سال گزر جانے کے بعد بھی اگر کوئی اس سے ایبک کا حلیہ پوچھتا تو وہ سیکنڈز میں اس کے حلیے کی ڈیٹیل بتا دیتی۔ اس کے نین نقش سے لے کر اس کے زیرِ استعمال اسنیکرز اور اسپورٹس ویئر کے

لیبلز اور برانڈز تک اسے یاد تھے۔ وہ ایبک کے ساتھ گزارے ہوئے ان چند ہفتوں کو اپنے ذہن کی ڈائری کی انٹریز کی طرح پڑھ سکتی تھی...... ایبک کا ایک ایک جملہ...... ایک ایک بات...... پھر اگر وہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ بھی ایبک کو اسی طرح یاد ہو گی تو یہ زیادہ بڑی خوش فہمی نہیں تھی۔ آٹھ سال اتنا طویل عرصہ نہیں ہوتا کہ ایبک اس کے چہرے کے نقوش میں کوئی یاد کھوج نہیں پاتا...... لیکن ایبک شیر دل اسے نہیں پہچانتا تھا۔ وہ نام سے اسے نہیں پہچان سکتا تھا کیونکہ خیر دین اسے چڑیا کہتا تھا یا پھر فاطمہ...... اس کے نام کا دوسرا حصہ جس سے وہ چڑیا کے بعد جانی اور پہچانی جاتی تھی...... عکس کے نام سے وہ اسکول کے علاوہ اور کہیں نہیں پکاری جاتی تھی۔ نہ گھر میں نہ خاندان میں...... فاطمہ اس کے نام کا وہ حصہ تھا جس کا اضافہ اس کی پیدائش کے بعد اس کے خاندان کے افراد نے عکس نام سے اسے پکارنے میں دقت کے بعد کیا گیا تھا۔ خیر دین نے اس کا نام بڑے شوق سے رکھا تھا لیکن چند ہفتوں میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نام کو اس کے خاندان اور گاؤں والے کبھی بھی صحیح تلفظ سے ادا نہیں کر سکتے تھے۔ خیر دین نے چڑیا کا نام نہیں بدلا صرف اس میں فاطمہ کا اضافہ کر دیا لیکن وہ اسکول، کالج میں عکس مراد علی کے طور پر ہی جانی جاتی رہی۔ ایبک بھی خیر دین کی طرح اسے عکس یا فاطمہ کے بجائے چڑیا ہی کہتا رہا تھا۔ چڑیا کو پھر بھی خوش فہمی تھی وہ عکس کا لفظ سنتے ہی چڑیا تک پہنچ جائے گا، وہ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی اسے پہچاننے لگے گا۔ یہ پہچان چڑیا کو کبھی خوف زدہ نہ کرتی اگر اس رات اس نے ایبک کو وہاں ریلنگ کے پاس کھڑے چلاتے نہ دیکھ لیا ہوتا۔ خوف اور وحشت کے عالم میں بھی ایبک کے سامنے بے لباسی کا احساس چڑیا کو گاڑ دینے کے لیے کافی تھا۔ اس کی چیخوں نے چڑیا کی جان بچائی تھی مگر ان آٹھ سالوں میں بہت بار چڑیا اس ایک نظر سے نادم رہی جو اس نے ایبک کو خود پر ڈالتے دیکھی تھی......

وہ جس حالت میں ایبک کے سامنے آئی تھی‘ وہ اس حالت میں کبھی بھی اس کے سامنے آنا نہیں چاہتی تھی۔ اور اسے جیسے خوف بھی یہی تھا کہ وہ اسے پہچانے گا تو اس بے لباسی کے حوالے سے اس ایک رات کے حوالے سے پہچانے گا...... ان چند شاندار ہفتوں میں اکٹھے گزارے ہوئے یادگار وقت کے حوالے سے نہیں۔

اس تقریری مقابلے کے بعد بھی اسے یقین تھا ایبک کو اگر فوری طور پر وہ یاد نہیں آئی ہو گی تو گھر جا کر یاد آ جاتی...... چند دنوں کے بعد یاد آ جاتی...... اور کچھ نہیں تو کم از کم چڑیا کا چہرہ اس کی نظروں میں بھی اٹک جاتا۔

اس کی یہ خوش فہمی اکیڈمی میں دور ہو گئی تھی۔ عکس مراد علی کے حوالے سے ایبک شیر دل کی کسی قسم کی کوئی یادداشت نہیں تھی...... اسے شروع میں یقین نہیں آیا کہ وہ واقعی اسے یاد نہیں تھی۔ کئی ہفتے وہ اسے اگنور کرتی رہی صرف اسی ایک خدشے کے تحت کہ وہ اب اسے ضرور پہچان لے گا...... اگر چڑیا کا چہرہ نہ پہچان سکا تو کم از کم سات آٹھ سال پہلے ہونے والے اس تقریری مقابلے کی تو کوئی میموری ہو گی اس کے پاس......

اور جب عکس مراد علی کو بالآخر یہ یقین آیا کہ ایبک شیر دل کو اس کے حوالے سے ”کچھ بھی“ یاد نہیں تھا تو وہ ہل کر رہ گئی تھی...... شاک کی ایک عجیب ہی کیفیت تھی جس سے وہ دوچار ہوئی تھی۔ ایبک شیر دل کمزور یادداشت کا مالک نہیں تھا کم از کم عکس کو اس حوالے سے کوئی ابہام نہیں تھا اس کے باوجود اس کا یاد نہ رہنا صرف ایک چیز کا اظہار تھا...... چڑیا ایبک کے لیے ٹائم پاس تھی...... وہ اس کے لیے وہ اہمیت نہیں رکھتی تھی جو ایبک اس کے لیے رکھتا تھا...... اور کیوں اہمیت رکھتی آخر وہ ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھنے والے ایک کم عمر بچے کے لیے جس کے

پاس کزنز اور دوستوں کا ایک جمِ غفیر تھا جو اسی کی طرح کے سوشل سیٹ اَپ سے تعلق رکھتے تھے۔ چڑیا ایک چھوٹے شہر میں آکر بوریت سے بچنے کے لیے ڈھونڈی جانے والی ایک ساتھی ہوسکتی تھی لیکن وہ اس کی وہ دوست نہیں ہوسکتی تھی جسے اس نے واپس ایچی سن اپنے جیسے دوستوں میں جا کر مس کیا ہو...... وہ چڑیا کے بچپن کی بہترین چیزوں میں سے ایک تھا لیکن چڑیا ایبک کے لیے ایک بہترین یاد کیسے ہوسکتی تھی۔ بڑے سالوں بعد عکس مراد علی نے بیٹھ کر جذباتیت کی گرد جھاڑ کر اپنے اور ایبک کے تعلق کو دیکھا تھا اور عجیب سی ندامت اور رنجیدگی ہوئی تھی اسے۔

ایبک شیر دل عکس مراد علی کو اس تقریری مقابلے کے حوالے سے بھی یاد نہیں رکھ پایا تھا...... اسے اپنی شکل و صورت کے حوالے سے کوئی خوش فہمی کبھی نہیں رہی تھی لیکن وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ مرد اسے اگنور نہیں کرسکتے۔۔ وہ کم از کم اتنے معمولی خدوخال کی مالک نہیں تھی کہ ایبک اسے یاد بھی نہ رکھتا...... اور یہاں اسے اہم سمجھنے کا سوال بھی نہیں تھا یہاں بات صرف یاد رکھنے کی تھی...... صرف اور صرف یادداشت کا حصہ رکھنے کی...... عکس مراد علی وہ بھی نہیں تھی۔

”زندگی میں ہارنے والوں کو بہت کم لوگ یاد رکھتے ہیں...... ہار انسان کے غیر معمولی چہرے کو بھی معمولی بنا دیتی ہے اور جیت معمولی شکل کو غیر معمولی۔“ عکس مراد علی نے اس گتھی کو خیر دین سے حل کروانے کی کوشش کی تھی۔

”میرے ساتھ اکیڈمی میں ایک لڑکا ہے نانا...... سات آٹھ سال پہلے ایک انٹر کالجیٹ مقابلے میں اس نے مجھے ہرا کر وہ مقابلہ جیتا تھا لیکن میں حیران ہوں کہ اسے میں یاد تک نہیں حالانکہ وہ مجھے یاد ہے۔“ اس نے خیر دین کو ایبک شیر دل کا نام لیے بغیر اپنا مسئلہ بتایا۔ ”مجھے لگتا ہے وہ دکھاوا کر رہا ہے مجھے نہ پہچاننے کا ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اسے میں یاد ہی نہ ہوں۔“ عکس نے اپنا اندازہ بھی اس کے ساتھ شیئر کیا۔

”لوگ ہارنے والوں کے چہروں اور ناموں پر غور نہیں کرتے چڑیا۔ تم نے تو دوسری، تیسری پوزیشن بھی نہیں لی اس مقابلے میں...... پھر تمہیں وہ کس حوالے سے یاد رکھتا...... ہارنے والے تو بہت سے ہوتے ہیں۔“ کیا تلخ حقیقت تھی جو خیر دین نے مصری کی ڈلی کی طرح توڑ کر چڑیا کے سامنے رکھ دی تھی۔ ایبک شیر دل عام شخص تھا اس کی نفسیات بھی عام شخص جیسی ہی تھی...... جیت اور جیتنے والوں کو یاد رکھنے کی کوشش...... ہار اور ہارنے والوں کو بھول جانے کی...... وہ اوپر دیکھنے کا عادی تھا نیچے نہیں۔

زندگی میں ایک اور سبق عکس مراد علی نے اس دن حاصل کیا تھا۔ وہ زندگی میں ان تمام لوگوں کے چہروں اور ناموں پر بھی غور کرے گی جنہیں وہ زندگی میں ہرائے گی۔ وہ زندگی میں خود بھی عکس مراد علی جیسے حریف کا سامنا نہیں چاہتی تھی جو یک دم کسی dark horse کی طرح ایک دن اس کے سامنے آکر کھڑا ہو جائے اور اسے اس کے بارے میں کچھ بھی پتا نہ ہوتا۔

بلیک ڈنر سوٹ کے ساتھ ایک سرخ striped ٹائی لگائے، سلور کف لنکس اور ٹائی پر ایک کرسٹل کی ٹائی پن لگائے وہ اپنے اس حلیے میں اس کے سامنے کھڑا تھا جو اس کی ایک وجۂ شہرت تھی۔ اکیڈمی میں کوئی اور کامنر اپنی ڈریسنگ سینس میں شیر دل کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ عکس مراد علی نے اتنے سالوں کی سروس میں بھی...

ل نے زیادہ خوش لباس مرد نہیں دیکھا۔

عکس نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ ستائشی نظروں سے شیر دل کو دیکھا ہوا کے ایک جھونکے نے شیر دل کی ٹائی کو اڑایا۔ عکس کی نظر بھٹکی، اس کی ٹائی کو اڑنے سے روک دینے کی خواہش کو اس نے اتنی ہی بے اختیاری کے ساتھ دبایا جس طرح وہ اُبھری تھی۔

دونوں کے درمیان اب خیر مقدمی کلمات کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ وہی رسمی جملے...... اور وہی ان کہے مفہوم...... وہ ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بات کر رہا تھا اور وہ کبھی بھی اس کے چہرے سے اس کے دل تک نہیں پہنچ پایا تھا۔ وہ اسے راستے میں ہی بھٹکا دیتی تھی...... ہمیشہ بڑی کامیابی کے ساتھ...... عکس نے سوچا اس کے چہرے پر نظریں جمائے شیر دل کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا کہ اس کے چہرے پر موجود کون سی فیکس کو ماند کر رہی تھی۔ اس کے کانوں کی لوؤں میں دمکتے سفید موتیوں کے studs اس کی شفاف چمکدار سیاہ آئی لائنر سے سجی آنکھوں کو یا سرخ لپ اسٹک سے رنگے ہونٹوں سے جھلکتی دودھیا دانتوں کی قطار کو جو اس کی مسکراہٹ کو اور بھی دلکش کر رہی تھی۔ بارش کی پھوار کے ننھے ننھے قطرے اوس کے قطروں کی طرح اس کے بالوں اور چہرے پر چمک رہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے شیر دل کا دل چاہا وہ ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کر دے...... صرف ایک لمحے کے لیے...... پھر اس نے نظر چرائی تھی...... جیب سے ایک ٹشو نکال کر غیر محسوس انداز میں عکس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔

”تم نے بڑا رسک لیا۔“ عکس نے وہ ٹشو تھام کر اسی غیر محسوس انداز میں اپنا چہرہ اور سر تھپتھپاتے ہوئے کچھ حیرانی سے اس سے پوچھا۔

”کیا؟“ وہ دونوں اب ساتھ چل رہے تھے۔

”بارش میں گاڑی سے نکل آئیں۔“ قدم بڑھاتے ہوئے شیر دل نے اس سے کچھ سنجیدگی سے کہا۔

”تو؟“ وہ الجھی۔

”اگر میک اپ بہہ جاتا تو؟“ اس بار شیر دل کے ہونٹوں اور آنکھوں میں شرارت لہرائی تھی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ ایک سیاہ آئی لائنر اور لپ اسٹک کے علاوہ شاید ہی کچھ اور لگائے ہوئے تھی۔

”ہاں رسک تو تھا۔ میک اپ صاف ہو جاتا تو تم اس سے زیادہ گھورتے مجھے...... جتنا ابھی گھور رہے تھے۔“ عکس نے ہاتھ میں پکڑے ٹشو کو بڑی نفاست سے لپیٹ کر پرس میں بے نیازی سے رکھتے ہوئے کہا۔ جواب بھی ویسا ہی آیا تھا جیسا سوال کیا گیا تھا۔ اسے دیکھے بغیر شیر دل نے بے اختیار سر جھکا کر اپنی مسکراہٹ چھپائی۔ وہ اس کی اس حسِ مزاح کی عادی تھی۔ اسے دیکھ کر شیر دل کے لیے خاموش رہنا اور کسی نہ کسی بات پر کوئی نہ کوئی پھڑکتا ہوا تبصرہ نہ کرنا ناممکن تھا۔ وہ بچپن سے اس کی عادی تھی۔ ایبک شیر دل کے پاس بچپن میں بھی احمقانہ باتوں کا ڈھیر ہوتا تھا اور ڈھیر کا مطلب ڈھیر ہی ہوتا تھا اور وہ ہر احمقانہ بات بے حد سنجیدگی سے کرتا تھا۔ چڑیا اس کے ان چند قریبی ساتھیوں میں سے ایک ثابت ہوئی تھی جو بہت جلد ہی یہ سمجھ گئی تھی کہ وہ ساری باتیں کم از کم ایبک کے لیے احمقانہ نہیں تھیں۔ وہ انہیں بڑی سنجیدگی سے کرتا تھا...... اور چڑیا دوسرے بچوں کے برعکس بڑی سنجیدگی سے انہیں سن لیا کرتی تھی۔ .... اس کی یہ عادت اب بھی قائم

تھی۔

وہ اب باقی لوگوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔ شیر دل اسے جواباً کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کمشنر کی بیوی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے شہر بانو عکس کے استقبال کے لیے کچھ آگے بڑھ آئی تھی۔ دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"شہر بانو...... عکس مراد علی۔" چند لفظوں میں شیر دل نے باری باری دونوں کو ایک دوسرے سے متعارف کروایا۔ دونوں ناموں کے ساتھ کوئی سیاق و سباق نہیں تھا پھر بھی دونوں ایک دوسرے کو اس سے کہیں زیادہ جانتی تھیں جتنا شیر دل نے ان کا تعارف کروایا تھا۔ سفید شیفون کے کلیوں والے کرتے اور چوڑی دار پاجامے میں شہر بانو ایک باربی ڈول لگ رہی تھی۔ عکس اس کے لیے کوئی اور تشبیہ نہیں ڈھونڈ سکی تھی۔ وہ آج بھی اس کی باربی ڈول تھی۔ ڈاکٹر فرح کی بیٹی کے پاس موجود وہ گڑیا جو اسے ہمیشہ للچایا کرتی تھی اور اس جیسی گڑیا خریدنے کے لیے اس نے خیر دین سے بہت اصرار کیا تھا۔

خیر دین اسے لے کر بازاروں میں کھلونوں کی دکانوں پر باربی ڈول کی تلاش میں پھرتا رہا تھا۔ جو سستی نقل دکانوں پر مل رہی تھی وہ چڑیا کو پسند نہیں آ رہی تھی وہ اصل اور نقل کا فرق بتا نہیں سکتی تھی لیکن سمجھتی ضرور تھی اور جو اصلی باربی ڈول اسے چند دکانوں میں نظر آئی تھی اس کی قیمت اتنی تھی کہ خیر دین اسے چڑیا کو دکھا سکتا تھا دلوا نہیں سکتا تھا۔ کئی دن بازاروں کی خاک چھاننے کے بعد بالآخر چڑیا کو پتا چل گیا تھا کہ باربی ڈول اس کی استطاعت اور اوقات سے باہر کی چیز تھی اور اس کے لیے ضد یا اصرار کرنا خیر دین کو تکلیف اور شرمندگی کے سوا کچھ نہ دیتا۔ اس نے باربی ڈول کی فرمائش ختم کر دی تھی مگر وہ اس کے حواس پر سوار رہی تھی۔ تین سالہ شہر بانو پر پہلی نظر میں بھی اسے خوب صورت ایوننگ گاؤن والی وہ باربی ڈول ہی یاد آئی تھی۔ اس کے صرف بال سنہری نہیں تھے مگر اس کی خوب صورتی، ناز نخرہ، لباس سب اسی باربی ڈول جیسا تھا جو اس کے لیے untouchable تھی۔

اتنے سالوں بعد شہر بانو کو دیکھتے ہوئے عکس مراد علی کو آج بھی باربی ڈول ہی یاد آئی تھی۔ دودھیا رنگت، سیاہ لمبی خمدار آنکھیں، ننھی سی نوک والی تیکھی ناک اور بے حد باریک مسکراتے ہونٹ...... عکس کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی تھی اسے دیکھ کر...... اسے آج بھی اس پر ویسا ہی پیار آیا تھا جیسا اس کو پہلی بار دیکھ کر آیا تھا۔ اس کا دل آج بھی اس کی طرف...... اسی طرح ہمکا تھا جس طرح پہلی بار اسے دیکھ کر ہمک کر اس کی طرف گیا تھا۔ شیر دل کو اس سے زیادہ پرفیکٹ لڑکی نہیں مل سکتی تھی۔ وہ واقعی صرف شیر دل کے ساتھ سجتی تھی۔ اس کی طرف بڑھتے ہوئے عکس نے سوچا تھا۔ شیر دل کے ذہن میں سب سے پہلے شہر بانو کے حوالے سے اس طرح کا خیال ڈالنے والی بھی وہی تھی۔

"میرا خیال ہے وہ تم سے محبت کرتی ہے۔" اس نے فون پر شیر دل سے شہر بانو کے حوالے سے کوئی قصہ سننے کے بعد کہا تھا۔ وہ جواباً ہنسا تھا۔

"یہ کون سی نئی بات ہے جو تم مجھے بتا رہی ہو، میں جانتا ہوں وہ مجھ سے محبت کرتی ہے...... مجھ پر مرتی ہے۔" اس نے آخری جملہ بڑے اعتماد سے بڑے جتانے والے انداز میں کہا تھا۔ "کوئی پہلی لڑکی تو نہیں ہے وہ جسے مجھ سے محبت ہو گئی ہو......"

مسٹر شیخ چلی اگر تم شیخیاں بگھارنا بند کرو تو میں کچھ کہوں۔" عکس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے ٹوکا "تم سے زندگی میں پہلی بار کوئی اچھی لڑکی محبت کر رہی ہے۔"

"Now that,s not fair" شیر دل نے اس کی بات کاٹ کر احتجاج کیا۔ "تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو...... تمہیں کیا پتا مجھ پر کون کون مرتا......" عکس نے اس کی بات کاٹی۔

"تم تقریر کرنے کے بجائے ان لڑکیوں کے ناموں کی ایک لسٹ بنا لو جو تم پر مرنے کا شرف حاصل کر چکی ہیں...... ہو سکے تو تصویریں بھی لگا لینا ساتھ...... تصویریں تو ہوں گی نا ہر لڑکی کی تمہارے پاس؟" عکس نے اسے بظاہر بڑی سنجیدگی سے مشورہ دیتے ہوئے کہا یوں جیسے دونوں اکیڈمی میں کوئی سینڈیکیٹ رپورٹ تیار کرنے کے بارے میں suggestion پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔

"ہر لڑکی کی تصویر ہے میرے پاس سوائے تمہارے......" شیر دل نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"میں تو اس کیٹگری میں ویسے ہی نہیں آتی کیونکہ نہ میں تم پر مرتی ہوں، نہ تمہارے ساتھ جی سکتی ہوں۔" عکس نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "تو اس لیے میں تو تمہاری سوینئر کولیکشن کا حصہ بن ہی نہیں سکتی...... ویسے ہم شہر بانو کی طرح بات کر رہے تھے۔" عکس نے بات کے اختتام پر اسے پھر شہر بانو یاد دلائی۔

"میں تو مرتا ہوں نا تم پر۔" شیر دل ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

"تم کس لڑکی پر نہیں مرتے شیر دل۔" عکس نے ہنس کر کہا۔ وہ بھی ہنس دیا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔

"شہر بانو پر غور کرو...... پرفیکٹ میچ ہے وہ تمہارا۔" عکس گھوم پھر کر ایک بار پھر اسی موضوع پر آ گئی۔

"تمہیں میری اور شہر بانو کی match making میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟" شیر دل نے یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔ "جب تمہیں مجھ میں دلچسپی نہیں ہے تو leave it...... میں جس سے چاہے شادی کروں تمہیں کیا......؟" شیر دل نے اسی انداز میں کہا۔

"میں چاہتی ہوں تمہیں کوئی تمہارے جیسی نہ مل جائے۔" عکس نے ترکی بہ ترکی کہا۔ "تم دوست ہو...... اتنی پروا تو ہے مجھے تمہاری کہ میں تمہیں کسی کنویں میں نہ کودنے دوں۔"

"نہیں، نہیں تم مجھے کودنے دو کنویں میں...... تم ٹینشن مت لو۔" اس نے اطمینان سے کہا عکس کو ہنسی آ گئی۔

"میں تم سے کیا کہہ رہا تھا؟" شیر دل نے موضوع یاد کرنے کی کوشش کی۔

"تم مجھ سے شہر بانو کی بات کر رہے تھے۔" عکس بات کو پھر وہیں لے آئی...... شہر بانو کی طرف بڑھتے ہوئے عکس کو پتا نہیں کیا کیا یاد آ رہا تھا لیکن ان تمام یادوں میں کوئی تلخ یاد نہیں تھی وہ سب کچھ جیسے فلٹر کرتی جا رہی تھی۔

شہر بانو نے اس سے پہلے عکس مراد علی کا نام سنا تھا یا اس کو شیر دل کے گروپ فوٹو گرافس میں دیکھا تھا۔ جہاں وہ لاکھ غور کرنے کے باوجود بھی اس کی شکل و صورت اور حلیے میں وہ خاص چیز کھوجنے میں ناکام رہی تھی جو اس کے ذہن میں کسی اندیشے یا خدشے کو جنم دیتی لیکن آج اس پر پہلی نظر ڈالتے ہی وہ عکس مراد علی سے بری طرح خائف ہوئی...... کیوں ہوئی؟ یہ اسے کئی دن سمجھ نہیں آیا...... نہ اسے شیر دل سے کوئی خدشہ تھا عکس مراد علی اس حسن و جمال کی مالک تھی جس سے اسے کوئی احساسِ کمتری ہونے لگتا لیکن اس کے باوجود

اسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ عکس مراد علی کو نظر انداز کرنا بے حد مشکل تھا اور اس کو پسند نہ کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار۔

برآمدے کی انٹرنس پر ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے وہ دونوں شہر بانو کو کسی فوٹو فریم کا حصہ لگے تھے۔ ایک پرفیکٹ پکچر...... دراز قد، اٹریکٹو، پُراعتماد، اسمارٹ ...... سیاہ لباس میں ملبوس وہ ایک ایسا کپل لگ رہے تھے جو گھر سے نکلتے ہوئے top سے toe تک پرفیکٹ میچنگ کرکے آئے تھے۔ کوئی بھی ایک نظر میں دیکھ لیتا کہ عکس کے ہونٹوں کی لپ اسٹک کا رنگ شیر دل کی ٹائی کے رنگ کا ایک حصہ لگ رہا تھا...... شہر بانو نے بھی نوٹس کیا تھا...... ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے کسی رشتے اور تعلق کے بغیر بھی ان دونوں کی باڈی لینگویج میں ایک عجیب کیمسٹری تھی ...... ایک عجیب سا ربط اور تعلق تھا۔ جس کو نہ چھپانے کی کوشش کی تھی، نہ دکھانے کی...... لیکن وہ پھر بھی چھپ چھپ کے دکھ رہا تھا۔

شہر بانو الجھی ٹھٹکی ...... اور پھر چاہنے کے باوجود وہ عکس سے ویسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کرسکی جو وہ کرنا چاہتی تھی جو وہ دوسرے مہمانوں کے ساتھ کررہی تھی اور عکس نے یہ محسوس کرلیا تھا۔ وہ نپے تلے انداز میں اس کی طرف بڑھی اور عکس نے بھی اس کا ہاتھ اسی احتیاط سے پکڑا تھا جس سے وہ بڑھایا گیا تھا۔ اسے اسکول میں اپنا اور باربی ڈول کا پہلا آمنا سامنا یاد آیا تھا...... وہ تب بھی اسی طرح ملی تھی اس سے...... ڈرتی، جھجکتی، کھنچتی......

شہر بانو نے عکس مراد علی کے ہاتھ کی نرمی اور حدت کو بیک وقت محسوس کیا۔ دونوں کی نظریں ملیں، عکس کو اس سے نظریں ملانے میں کوئی عار نہیں ہوئی۔ چار سال کی وہ بچی اسے کبھی نہیں پہچان سکتی تھی۔

''آپ کیسی ہیں؟'' شہر بانو نے اسے کہتے سنا۔ اس کی آواز کی ملائمت نے شہر بانو کے وجود کی سرد مہری کو عجیب انداز میں پگھلایا۔

''I 'm fine ,how are you'' اس نے جواباً اپنی مسکراہٹ کو کچھ گرم جوش کرنے کی کوشش کی۔

''I 'm good too'' عکس نے جواباً ایک دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ دونوں کا ذہن بیک وقت blank ہوا تھا۔ اگلا جملہ دونوں کے پاس نہیں تھا۔ شیر دل اب کمشنر کے ساتھ اندر جارہا تھا۔ شہر بانو کو جیسے ایک عجیب اطمینان ہوا تھا اس فوٹو فریم کے ایک حصے کو وہاں سے ہٹتے دیکھ کر۔

''شیر دل سے بہت سنا ہے میں نے آپ کے بارے میں۔'' گفتگو کا ٹوٹا سلسلہ جوڑنے کی کوشش عکس نے کی تھی۔

''اچھا......؟ میں نے آپ کے بارے میں کبھی نہیں سنا۔'' عکس اس کی بات پر مسکرادی۔ وہ جانتی تھی شہر بانو نے اسے کچھ جتانے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ جانتی تھی شہر بانو جھوٹ بھی نہیں بول رہی تھی۔ شیر دل اس کا ذکر شہر بانو سے کبھی نہیں کرسکتا تھا کسی بھی حوالے سے نہیں کرسکتا تھا...... کرتا تو عکس مراد علی کو شاک لگتا...... وہ اس کی گرل فرینڈ نہیں تھی، وہ اس کا افیئر بھی نہیں تھی، وہ اس کی محبوبہ بھی نہیں تھی، وہ اس کی دوست بھی نہیں تھی ...... اس کے باوجود وہ شیر دل کا سب کچھ تھی ...... اس کا وہ راز جو ایک شیر دل ہمیشہ چھپاتا رہا تھا ہمیشہ چھپا سکتا تھا۔ ایک نو سالہ بچے کے طور پر بھی وہ چڑیا کو guard کرسکتا تھا۔ ایک adult کے طور پر تو یہ کچھ مشکل بات ہی نہیں تھی۔

ان دونوں کے درمیان چند اور جملوں کا تبادلہ ہوا تھا ساتھ چلتے ہوئے...... موسم کے بارے میں...... مہمانوں کے بارے میں...... ڈنر کے بارے میں اور پھر عکس اس کے ساتھ اس ہال کمرے میں داخل ہوگئی تھی جہاں ڈنر کا انتظام تھا۔

اس ہال کمرے میں بیٹھ کر اس رات اس نے گزرے ہوئے کل کی ساری یادوں، ساری آوازوں سے خود کو shut off کرلیا تھا بالکل اسی طرح جیسے سڑک پر خیر دین کے پھلوں کی ریڑھی پر بیٹھی اسکول سے ملنے والا ہوم ورک کرتے ہوئے وہ سڑک پر سے گزرنے والے ٹریفک کے بے ہنگم شور سے خود کو کاٹ لیا کرتی تھی۔

لوگوں کے ہجوم کے بیچ بیٹھ کر عکس مراد علی نے اپنے آپ پر اپنی زندگی پر اپنی زندگی میں آنے والی تکلیفوں پر کبھی ماتم نہیں کیا تھا...... کبھی خود پر ترس کھاتے ہوئے خود کو دوسروں سے کمتر اور دوسروں کو برتر نہیں سمجھا تھا۔ خیر دین نے اسے زہر کے گھونٹ پیتے ہوئے بھی جینا اور مسکراتے ہوئے جینا سکھایا تھا اور اس ہال میں اتنے سالوں کے بعد بیٹھے ہوئے وہ زندگی کے زہر آلود حصوں کو چھوئے بغیر گزر رہی تھی ...... اور وہ گزر گئی تھی۔

☆☆☆

''تم یہ کیوں کرنا چاہتی ہو؟'' خیر دین نے بے حد حیرانی سے عکس کا چہرہ دیکھا تھا۔ بیرونِ ملک اپنی ڈگری مکمل کرنے کے بعد وہ چند ہفتے پہلے پاکستان آئی تھی اور اس کی پرموشن ہوئی تھی اور پرموشن کے بعد اس نے آج خیر دین سے جو بات کی تھی اس نے خیر دین کو حیران کردیا تھا۔ وہ خیر دین کی زمین واپس لینے کے لیے کیس کرنا چاہتی تھی۔ وہ زمین جس کو خیر دین کبھی نہیں بھولا تھا لیکن ہمیشہ بھولنے کی کوشش کرتا رہا تھا...... لیکن رزقِ حلال پر ڈالا ہوا ڈاکا کسی انسان کو نہیں بھولتا...... خیر دین نے بھی وہ زمین نہیں اپنی ساری زندگی محنت سے کمایا اور بچایا ہوا رزقِ حلال گنوایا تھا...... وہ بھی تب جب وہ پائی پائی کا محتاج تھا...... اور آج اتنے سالوں بعد وہ عجیب اچنبھے والی بات کررہی تھی...... اتنے سالوں سے جاب میں آنے کے بعد وہ ایک بار بھی گاؤں نہیں گئی تھی۔ خیر دین اب گاؤں آنے جانے لگا تھا اور گاؤں میں اب وہ اس کا شاندار استقبال ہوتا تھا۔ وہ اپنے بھائیوں اور ان کی اولادوں کے اصرار کے باوجود کبھی ان کے گھر نہیں ٹھہرتا تھا بلکہ اپنے اسی دوست کے پاس ٹھہرتا تھا جہاں اس نے مشکل وقت میں پناہ لی تھی۔ اپنے خاندانی گھر میں نہ ٹھہرنے کے باوجود اس نے وہاں سے گزرتے ہوئے اس گھر کے دروازے پر وہ نیم پلیٹ دیکھ لی تھی جس پر عکس مراد علی کا پورا نام اس کے عہدے کے ساتھ لکھا ہوا تھا اور وہ تختی بڑے نمایاں انداز میں اس گھر کے دروازے پر لگی ہوئی تھی جہاں کبھی اس کے، حلیمہ اور چڑیا کے لیے رہنے کی جگہ تک نہیں تھی۔ خیر دین نے گاڑی رکوا کے نم آنکھوں اور مسکراہٹ کے ساتھ وہ تختی دیکھی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے اسے کئی سال پہلے کی وہ تختی یاد آئی تھی جس پر اس نے بھی ایسے ہی فخریہ انداز میں اپنا نام، اپنا عہدہ اور اپنے صاحب کا نام بھی لکھوایا تھا۔ پتا نہیں وقت زیادہ بے شرم ہے یا انسان ...... جو رنگت بدلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ فخریہ انداز میں ٹنگی ہوئی وہ تختی دروازے پر نہیں انسان کی بے ضمیری پر لگائی گئی تھی ...... خونی رشتے بعض دفعہ طوائف جیسی اور جتنی وفاداری بھی نہیں دکھاتے ...... کتابیں لکھ لیں مادہ پرستی پر یا بیچ بازار میں

مجمع اکٹھا کر کے مذمتی تقریریں کر کے نعرے لگوالیں یہ وہ بیماری ہے جس کا کوئی حل نہیں ...... جسم کی بیماریاں ہوں تو کوئی علاج کوئی حل نکلتا جو نفس کو لگ جائے وہ کیسے ختم ہو...

وقت خیر دین کو دنیا سے جانے سے پہلے سارے تماشے دکھا دینا چاہتا تھا اور وہ دیکھ رہا تھا۔ بعض تختیاں انسان کا دل بوجھل کرتی ہیں۔ عکس مراد علی کے نام کی تختی نے بھی خیر دین کا دل اسی طرح بوجھل کر دیا تھا۔ ہر بار گاؤں جانے پر ایک بار پھر اس کے پاس سفارشی رقعے اور درخواستیں لے کر آنے والے لوگوں کا جمگھٹا لگنا شروع ہو گیا تھا۔ خیر دین چپ چاپ ماضی کو یاد کرتے ہوئے ان رقعوں اور درخواستوں کو اکٹھا کرتا جاتا اور پھر واپس آ کر عکس کے سامنے رکھ دیتا۔ جو اگلے کئی دن ان درخواستوں کی منظوری اور ان پر عمل درآمد کے لیے بھاگ دوڑ میں مصروف رہتی۔ اس نے کبھی نانا کو یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ جن لوگوں کی مدد کے لیے اس سے کہہ رہا ہے وہ بہت بے رحم اور بے حس لوگوں کا ایک ہجوم ہے۔ جنہوں نے ان لوگوں کی زندگی کے مشکل ترین دنوں میں ان کی رسوائی اور بربادی کا تماشا بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا اور کسی نے آگے بڑھ کر ان کے حق کے لیے ان کی مدد کے لیے آواز نہیں اٹھائی تھی اور وہ آج بھی صرف ان کے اچھے دنوں کی چھاؤں سے لطف اندوز ہونے کے لیے ان کے پاس آتے تھے...... نہ وہ بدلے تھے نہ ان کا ضمیر نہ ان کا خمیر ...... مگر خیر دین کو یہ سب یاد دلانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا...... اور عکس کو اپنا وقت ضائع کرنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔

''تم بڑے نصیب والی ہو چڑیا......'' خیر دین نے ایک بار گاؤں سے آنے کے بعد عکس کے پاس بیٹھے ہوئے اس کا چہرہ دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ ان دنوں اسسٹنٹ کمشنر کے طور پر اسلام آباد میں پوسٹڈ تھی اور خیر دین گاؤں سے سیدھا اسی کے پاس آ گیا تھا۔ وہ شام کے وقت اپنا کچھ کام نمٹاتے ہوئے ساتھ خیر دین سے گاؤں کے قصے سن رہی تھی جب اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے خیر دین نے یک دم اس سے کہا۔ اس نے کام کرتے کرتے مسکرا کر ایک نظر خیر دین کو دیکھا اور پھر اپنا کام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''یہ بیٹھے بٹھائے آپ کو میرے خوش قسمت ہونے کا خیال کیسے آ گیا؟''

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں کتنی عزت دی ہے...... اس قابل بنایا ہے کہ تم لوگوں کے لیے کچھ کر سکو، گاؤں والے گھر میں درجنوں بچے، بچیاں ہیں لیکن اس گھر کے دروازے پر کسی مرد کا نام نہیں ہے...... بلکہ تمہارا نام ہے۔ اس پورے گاؤں میں کسی گھر کے دروازے پر کسی عورت کا نام نہیں لکھا ہوا سوائے تمہارے نام کے...... اور ہر کوئی پہلی بار جب بھی اس دروازے کے سامنے سے گزرتا ہے تو رک کر اس تختی کو ضرور پڑھتا ہے۔ میں تو ہر بار ہی رک کر اس تختی کو پڑھتا ہوں۔'' خیر دین بات کرتے کرتے آخری جملے پر ہنس کر شرمایا تھا۔ عکس کو اپنے نانا پر عجیب سا پیار آیا۔ وہ اس سے جیسے کوئی گہرا راز شیئر کر رہا تھا۔

''نانا وہ میرا نام نہیں ہے...... میرا عہدہ ہے جس کی وجہ سے اس گھر کے ماتھے پر میرا نام لکھا گیا ہے......'' عکس نے اپنے کام میں مصروف مسکراتے ہوئے کسی تاثر کے بغیر اس کو جیسے یاد دلایا۔

''یہ عہدہ بھی تمہاری ہی قابلیت ہے...... گاؤں میں ہے کسی کے پاس یہ عہدہ......؟ کسی عورت کے پاس تو کیا کسی مرد کے پاس بھی نہیں ہے۔'' خیر دین اس کی بات کے جواب میں عجیب انداز میں جذباتی ہو گیا تھا۔ عکس مسکراتے ہوئے کام کرتے ہوئے خیر دین کی بات سنتی رہی۔

''گاؤں میں کیا پورے ضلع میں کسی اور عورت کے پاس یہ عہدہ نہیں ہے۔ اللہ ہر ایک کو عہدے کہاں

دیتا ہے۔ جب تم کالج گئی تھیں تو تم اس گاؤں سے کالج جانے والی پہلی لڑکی تھیں پھر اس گاؤں سے امتحانات میں ٹاپ کرنے والی واحد لڑکی ...... ڈاکٹر بننے والی پہلی لڑکی ...... اسسٹنٹ کمشنر بننے والی پہلی لڑکی ...... سی ایس ایس کے امتحان میں ٹاپ کرنے والی پہلی لڑکی ...... یہ سارے کوئی چھوٹے اعزاز تھوڑی ہیں۔ پاکستان میں کتنی لڑکیاں ہیں جن کے پاس اتنی قابلیت ہو گی اور اس قابلیت کا صلہ بھی۔'' خیر دین بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے اس کے اعزاز گنوا رہا تھا۔ پتا نہیں وہ دن میں کتنی بار چڑیا کی ان کامیابیوں کو گن گن کر چلتا تھا۔ ''ایک دن تم اس گاؤں سے ڈپٹی کمشنر بننے والی بھی پہلی لڑکی ہو گی اور کمشنر بننے والی بھی۔'' عکس، خیر دین کی اس جذباتی پیش گوئی پر ہنس دی تھی۔

''نانا پاکستان میں عورتیں ڈپٹی کمشنر اور کمشنر نہیں بنتیں۔ ہمیں ڈویژن چلانے کے لیے نہیں دیا جاتا۔'' اس نے جیسے خیر دین کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ''سندھ میں شاید ایک آدھ خاتون آفیسر کو کچھ عرصہ کے لیے ڈپٹی کمشنر کے طور پر تعینات کیا گیا تھا لیکن وہ بھی بہت کم عرصے کے لیے...... آپ اور خواب نہ دیکھیں میرے بارے میں۔''

''ایک دن آئے گا کہ یہ بھی ہو گا تم دیکھ لینا چڑیا، تم ڈپٹی کمشنر بھی بنو گی اور کمشنر بھی...... لیکن شاید تب تک میں نہ رہوں۔'' خیر دین کو بات کرتے کرتے یک دم خیال آیا۔

''آپ اس بات کو چھوڑیں یہ بتائیں دروازے پر لگی اس تختی پر کیا لکھا تھا؟'' عکس نے بڑی مہارت کے ساتھ خیر دین کو جیسے اداس ہونے سے روکا۔ وہ اب اکثر اپنی موت کا ذکر کرنے لگا تھا۔

''اس تختی پر لکھا تھا ڈاکٹر عکس مراد علی، نواسی خیر دین۔ اسسٹنٹ کمشنر اسلام آباد۔'' خیر دین بچوں کی طرح بہلا اور اسے اس تختی پر لکھی تحریر فر فر سنانے لگا۔ عکس نے کام کرتے کرتے اپنا ہاتھ روک دیا اور وہ خیر دین کا چہرہ دیکھنے لگی...... وہ جانتی تھی اس نے خیر دین کو زندگی میں فخر کے بے شمار لمحے دیے تھے۔ اس نے خیر دین کی جھولی کو بھر دیا تھا لیکن زندگی میں جو کچھ خیر دین نے اس کے لیے کیا تھا وہ اس سے بہت زیادہ تھا جو وہ اس کے لیے کر پائی تھی۔ وہ جانتی تھی خیر دین کی زندگی کا اب آخری حصہ اس کے پاس تھا اور وہ اس آخری حصے کے گزر جانے سے پہلے خیر دین کے زندگی کے کھوئے ہوئے اثاثے بھی لوٹا دینا چاہتی تھی اسے کم از کم وہ چیزیں جو خیر دین نے اس کی وجہ سے کھوئی تھیں۔

اور کئی سال بعد یہ پہلا کام اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ ''گڑے مردے اکھاڑنے کا فائدہ۔'' اس رات جب اس نے بالآخر خیر دین کو یہ بتایا تھا کہ وہ زمین واپس لینے کی کوشش کرنا چاہتی ہے تو خیر دین نے اس سے کہا تھا۔

''وہ گڑا مردہ نہیں ہے...... ہمارا حق ہے...... اور اپنے حق کے لیے آواز اٹھانی چاہیے...... جدوجہد کرنی چاہیے...... ہمیشہ آپ ہی سکھاتے رہے مجھے یہ بات......'' عکس نے بے حد سنجیدگی سے اس سے کہا۔ وہ عکس کی بات پر کچھ دیر بول نہیں پایا۔

''تمہیں بیٹھے بٹھائے زمین کا خیال کیسے آ گیا؟'' خیر دین نے جواباً اس سے پوچھا۔

''اب خیال نہیں آیا...... ہمیشہ سے خیال رہا ہے مجھے اس کا۔ آپ کو یاد ہے میں نے آپ سے کہا تھا ملازمت ملنے کے بعد دو کام کروں گی۔'' عکس نے مسکراتے ہوئے اسے کئی سال پہلے کی کہی ہوئی اپنی بات یاد

دلائی۔

"یہ پہلا کام تھا تمہارا جو تم کرنا چاہتی تھیں؟" خیر دین ہنس دیا تھا۔

"ہاں یہی پہلا کام تھا۔" وہ بھی مسکرائی۔

"اور دوسرا کام؟" خیر دین نے اس سے پوچھا۔

"ابھی ہم پہلے کام کے بارے میں بات کر رہے ہیں نانا۔" عکس نے خیر دین کو بات گھمانے نہیں دی۔

"دیکھو چڑیا میں اس عمر میں کورٹ کچہری کے دھکے نہیں کھانا چاہتا۔" عکس نے خیر دین کی بات کاٹ دی۔

"آپ سے کس نے کہا آپ کو کورٹ کچہری کے دھکے کھانا پڑیں گے؟"

"ہمارے پاس اس زمین کا کوئی کاغذ تک نہیں ہے...... کوئی ثبوت کوئی گواہ نہیں ہم کیسے یہ ثابت کریں گے کہ وہ ہماری زمین ہے ہم سے چھینی گئی ہے۔" خیر دین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اس کا خیال تھا چڑیا جذبات میں آ کر کچھ حقائق نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ چڑیا کبھی بھی جذباتی نہیں رہی تھی۔ اس پہلے کام کو کرنے سے پہلے وہ بہت سا ہوم ورک کر چکی تھی، بہت سی سرنگیں لگا چکی تھی۔ اسے اس معاملے کے پیچیدہ پہلوؤں کا خیر دین سے زیادہ ادراک نہ ہوتا تو وہ جاب پر پوسٹ ہوتے ہی زمین کے اس ٹکڑے کی ملکیت کے لیے تگ و دو شروع کر دیتی لیکن اس نے یہ نہیں کیا تھا اس نے مناسب وقت کا بڑے تحمل کے ساتھ انتظار کیا تھا۔ اپنی پروموشن کا...... اپنے جونیئر سے سینئر آفیسر ہونے کا...... اپنے طاقتور ہونے کا...... اور وہ بالکل صحیح وقت پر صحیح جگہ سے وہ محاذ کھول رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کر کے اندھا دھند اس جنگ میں نہیں کود رہی تھی۔

"نانا آپ اس کی پروا مت کریں، ان چیزوں کو آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔" عکس نے خیر دین کو بڑے اطمینان کے ساتھ تسلی دی تھی۔

"تم اپنا وقت بے مقصد کاموں میں ضائع مت کرو۔" خیر دین نے اسے ڈانٹا تھا۔ وہ خیر دین کی ڈانٹ پر ہنس دی تھی۔

"نانا یہ بے مقصد کام کیسے ہے؟" اس نے جواباً خیر دین سے پوچھا۔

"جس کام کا کوئی نتیجہ نکلنے کا امکان نہ ہو اس پر وقت ضائع کرنا بے مقصد ہی ہے چڑیا۔" خیر دین بہت سنجیدہ ہو گیا...... "تم اس طرح کا کوئی کام شروع کرو گی تو پورا خاندان ایک بار پھر سے ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ تمہیں کوئی نقصان پہنچا دیا تو......" عکس نے خیر دین کی بات بڑے تحمل سے کاٹ دی۔

"نانا وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ وہ گیدڑ ہیں شیر نہیں۔ صرف اندھیرے میں نکل کر نقصان پہنچا سکتے ہیں اور ہمارا اندھیرا ختم ہو چکا ہے۔" وہ بڑی سنجیدگی سے خیر دین سے کہہ رہی تھی۔ "اور آپ کو اگر یہ لگتا ہے کہ زمین لے لینے کے بعد وہ ہم سے میل جول ختم کر دیں گے تو نانا میں آپ کو یقین دلاتی ہوں وہ یہ بھی نہیں کریں گے۔ وہ آپ سے پہلے ہی کی طرح ملتے رہیں گے، آپ کو اگر زمین کی وجہ سے اپنوں کے ایک بار پھر سے چھوٹ جانے کا ڈر ہے تو مت ڈریں۔ وہ اب آپ کو چھوڑنا افورڈ نہیں کر سکتے۔" خیر دین ایک بار پھر گنگ رہ گیا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا وہ اس کے لاشعور کی تہوں تک پہنچی ہوئی تھی، وہ کچھ بھی پڑھ رہی تھی جو وہ اپنے آپ سے بھی چھپا رہا تھا۔ ایک طویل خاموشی کے بعد اس نے عکس سے کہا۔

"میں اپنے خاندان والوں پر قانون کی آری نہیں چلاؤں گا۔ میں جانتا ہوں وہ کمزور ہیں۔ ہمارے ما اب نہیں ٹھہر سکتے لیکن میں انہیں بھوکا ننگا نہیں کرنا چاہتا۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"لیکن کیوں؟" عکس نے بھی سنجیدگی سے پوچھا۔ "آپ اپنی زمین جانتے بوجھتے انہیں دے دینا چاہتے ہیں؟"

"مجھے یقین نہیں ہے کہ مجھے میری زمین مل سکتی ہے۔"

"میں نے آپ سے کہا ہے آپ اس بات کی فکر مت کریں۔ آپ کو آپ کی زمین مل جائے گی اور کسی طویل قانونی لڑائی کے بغیر ملے گی۔" عکس نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"زمین مل بھی گئی تو بھی اب اس عمر میں، میں نے اس زمین کا کیا کرنا ہے...... نہ میں ہل چلا سکتا ہوں، نہ وہاں گھر بنا سکتا ہوں۔" خیر دین اس سے آنکھیں ملائے بغیر کہہ رہا تھا۔ "اور چڑیا اب میرے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ دکان ہے جس کی قیمت اب ایک کروڑ سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ اپنا ذاتی ڈبل اسٹوری گھر ہے۔ گاڑی ہے، دکان سے ہر ماہ اتنی آمدنی ہوتی ہے کہ ایک مہینے کی آمدنی سے بھی میرا پورا سال گزر سکتا ہے۔ تمہارے پاس اتنی اچھی نوکری ہے، تم بھی اپنا کماتی اپنا کھاتی ہو...... تو ہمیں اس چیز کو کسی دوسرے سے چھیننے کی کیا ضرورت ہے جس سے کسی کے گھر کا چولہا جلتا ہو۔" خیر دین کچھ رنج کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ "اس زمین کے ٹکڑے سے حاصل ہونے والی آمدنی میں کبھی اتنی برکت نہیں ہوئی کہ وہ میرے بھائیوں، ان کی اولادوں اور ان کی اولادوں کی اولادوں کو پیٹ بھر کر کھلا سکے۔ وہ آج تک اسی پرانے خستہ حال گھر میں رہ رہے ہیں...... زمین کا وہ ٹکڑا ان کے پاس رہنے سے بھی ان کے پاس وہ برکت نہیں آ سکتی جو اللہ نے ہمارے رزق میں دی ہے۔" خیر دین بڑی سنجیدگی اور دلسوزی سے کہہ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا عکس اسے ٹوکے گی۔ عکس نے اسے نہیں ٹوکا تھا وہ بے حد خاموش اور تحمل سے خیر دین کی بات سنتی رہی تھی۔ جب خیر دین خاموش ہوا تو اس نے اس سے کہا۔

"آپ بات ختم کر لیں پھر میں بات کروں گی۔"

"زندگی بہت قیمتی شے ہے چڑیا...... زندگی کا مقصد انتقام اور بدلہ بنانا اسے کوڑیوں کے بھاؤ بیچنا ہے۔" عکس بے اختیار خیر دین کی بات پر مسکرا دی...... خیر دین نے چاندی کے ورق میں لپیٹ کر اسے جو بات کہی تھی وہ اس کا مطلب اور اشارہ بخوبی جانتی تھی۔

اپنی کرسی پر آگے ہو کر اس نے خیر دین کے ہاتھ کو بڑی نرمی سے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ میں آپ کی تربیت کے بعد اپنی زندگی کو سازشوں اور انتقام لینے میں ضائع کر سکتی ہوں؟ کیا آپ واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ میں اپنے دن رات ان چیزوں اور ماضی کے اس baggage کے بارے میں سوچتے ہوئے گزارتی ہوں؟" خیر دین نے کچھ اچنبھے سے اس کا چہرہ دیکھا پھر کہا۔

"نہیں میں کبھی ڈاکٹر عکس مراد علی سے یہ توقع نہیں کر سکتا۔" وہ ہنس دی تھی۔ خیر دین اس کا اس طرح نام شاذ و نادر ہی لیتا تھا۔

"نانا انتقام لینے میں اور احسن طریقے سے اپنا حق لینے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ میں چاہتی ہوں آپ کو آپ کا وہ حق مل جائے جو بددیانتی اور بدنیتی سے چھینا گیا اور میں جانتی ہوں میں آپ کو آپ کا حق دلوا سکتی ہوں۔

آپ گاؤں کے اتنے لوگوں کے سفارشی رقعے اور درخواستیں لے کر میرے پاس آتے ہیں اور مجھے ہر وقت یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا مجھ پر حق ہے اور میرا فرض ہے ان کی خدمت کرنا...... مجھ پر آپ کا بھی تو حق ہے۔'' خیر دین اس کی بات سنتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

''رحم کرنا بہت اچھی بات ہے...... نیکی کرنا، سخاوت کرنا، رشتے داروں کا خیال رکھنا سب اچھا ہے لیکن جس طریقے سے آپ یہ کام کرنا چاہتے ہیں' وہ اچھا نہیں ہے۔'' وہ اب بہت سنجیدہ ہو گئی تھی۔ ''آپ اس گاؤں میں ایک بہت غلط اور خطرناک مثال قائم کر کے چھوڑنا چاہتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ اس گاؤں میں خاندان والے جس کو کمزور اور نہتا پائیں اس کا حصہ چھین کر کھا جائیں کیونکہ وہ غریب ہیں اور آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس ناانصافی کی کبھی تلافی نہ کی جائے...... آپ غریب کو برائی کا لائسنس دینا چاہتے ہیں' سخاوت اور رحم کا نام دے کر...... اور آپ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے کہتی جا رہی تھی' خیر دین خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

''میں سمجھتی ہوں ہمیں وہ زمین ضرور واپس لینی چاہیے، اس گاؤں کے لوگوں کے لیے یہ بہت بڑا سبق ہوگا۔ آپ اپنے بہن بھائیوں اور ان کے بچوں کو بھوکا ننگا نہیں دیکھ سکتے ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں' ضرور کریں۔ زمین لینے کے بعد ان کی مالی مدد کر دیں کہ وہ کہیں اور زمین لے لیں یا ماہانہ کچھ رقم انہیں دے دیا کریں۔ ان کی مدد کریں لیکن ان کے ظلم اور زیادتی پر نیکی کی چادر نہ ڈالیں...... ہم خدا نہیں ہیں اور ہم انسانوں کے رازق بھی نہیں ہیں۔ ہم ان سے صرف وہ چیز لے رہے ہیں جو ہماری ہے...... انسانوں کو برائیاں کرتے ہوئے یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ اس کا بھی ایک اجر ہوتا ہے۔ اس کی بھی فصل کاٹنی پڑتی ہے۔ میں نہیں سمجھتی اس زمین کو واپس نہ لینا ایک اچھا فیصلہ ہے...... لیکن وہ آپ کی زمین ہے اور آپ جو فیصلہ کریں گے بہتر ہوگا۔'' خیر دین کے پاس لمبی خاموشی کے سوا بہت دیر تک کچھ نہیں بچا تھا۔ عکس بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی لیکن ایک مشکل کام کرنے کو کہہ رہی تھی۔ وہ بہت دیر ایسے ہی چپ بیٹھا رہا تھا۔ پتا نہیں یہ بڑھاپا تھا جو اس کے حواس کو کمزور کر رہا تھا یا پھر عکس کی دلیل...... وہ خیر دین کو الجھانا جانتی تھی اور اس نے خیر دین کو الجھا دیا تھا۔ اس نے بالآخر ایک بار پھر عکس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔ ایک وقت تھا جب وہ اس کی انگلی پکڑ کر چلتی تھی، خیر دین اسے رستہ دکھایا کرتا تھا اور اب خیر دین اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی رہنمائی میں چلنے لگا تھا۔

وہ دو دن کے بعد عکس کے ساتھ گاؤں گیا تھا اور وہاں جاتے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہاں ساری تیاری پہلے ہی پوری تھی۔ عکس کا ایک بیچ میٹ اس ضلع میں ڈپٹی کمشنر کے طور پر فائز تھا اور وہ بہت سے احکامات پہلے ہی دے چکا تھا۔ وہ دونوں اس بار وہاں کے ایک ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے تھے۔

ان کے وہاں پہنچنے کے چند گھنٹوں میں ہی علاقے کا پٹواری اپنے بیج کھاتوں سمیت وہیں ریسٹ ہاؤس میں آ گیا تھا۔ اس کے کھاتوں میں خیر دین کی زمین کا ریکارڈ بھی موجود تھا۔ عکس کے اسٹاف کا ایک شخص پہلے ہی اس شخص کو بھی وہاں لا چکا تھا جس سے خیر دین نے وہ زمین خریدی تھی اور وہ گواہ بھی وہیں موجود تھے جنہوں نے خیر دین کی ملکیتی زمین کے کاغذات پر دستخط کیے تھے۔

چند گھنٹوں کے اندر خیر دین کی زمین واپس اس کے نام منتقل ہو چکی تھی...... کوئی کاغذی ثبوت اپنے پاس نہ ہونے کے باوجود...... خیر دین ہکا بکا تھا۔ وہ ان کاغذات پر انگوٹھا لگاتے ہوئے بھی ایسے ہی بوکھلایا تھا۔

''یہ جعلسازی تو نہیں ہو رہی۔'' وہ بار بار عکس کے کانوں میں سرگوشی کرتا۔ ''اصلی کام ہے؟''

''جی نانا...... بالکل اصلی۔'' وہ ہر بار مسکرا کر اسے جواب دیتی۔

چند گھنٹوں بعد پٹواری اور تمام متعلقہ لوگوں کے جانے کے بعد بھی خیر دین عجیب اچھنبے کے عالم میں زمین کے کاغذات دیکھتا رہا جو اسے خواب لگ رہے تھے۔ پتا نہیں اس نے ان کاغذات کو کتنی بار کھول کر پڑھا تھا۔ پھر اس نے عکس سے بڑی معصومیت سے کہا۔

''اب کل میں اس زمین پر جاؤں گا؟''

''نہیں نانا...... کل ہمیں کہیں اور جانا ہے۔'' عکس نے جواباً کہا۔

اور اگلی صبح وہ عکس کے ساتھ جہاں گیا تھا اس جگہ نے بھی اس کے بہت سارے زخم ہرے کر دیے تھے۔

وہ اپنی سرکاری گاڑی میں پولیس ایسکورٹ کے ساتھ اسی پولیس اسٹیشن میں گئی تھی جہاں کئی سال پہلے خیر دین ایک صبح حوالات کے پیچھے اٹھوا کر پھنکوایا گیا تھا۔ متعلقہ تھانے کے ایس ایچ او نے اپنے عملے کے ساتھ تھانے کے گیٹ پر ان کا استقبال کیا تھا۔ انہیں بڑی عزت و احترام سے لا کر ایس ایچ او کے آفس میں بٹھایا گیا تھا۔ ایس ایچ او مصر تھا کہ وہ اس کی کرسی پر تشریف رکھیں اور یہ پیش کش عکس نے شکریے کے ساتھ رد کر دی تھی۔ ایس ایچ او نے تھوڑی دیر بعد خیر دین کے تقریباً تمام بھائیوں اور بھتیجوں کو ہتھکڑیوں کے ساتھ پولیس اسٹیشن میں پیش کیا تھا۔ وہ خیر دین کی زمین پر ناجائز قبضے کے الزام میں دھر لیے گئے تھے۔ عکس مراد علی کی ایک دن پہلے درج کرائی گئی ایف آئی آر کے تحت جس کے بارے میں خیر دین کو علم نہیں تھا ورنہ وہ کبھی عکس کو ان لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی نہ کرنے دیتا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ زمین کاغذات پر کسی کے نام ہو جانے سے اس کی ملکیت نہیں ہوتی۔ زمین اس کی ملکیت ہوتی ہے جس کے قبضے میں ہوتی ہے۔ عکس اس سسٹم کی موشگافیوں کو اپنے بوڑھے نانا سے زیادہ بہتر طریقے سے جانتی تھی لیکن خیر دین اپنے رشتے داروں کو وہاں پولیس اسٹیشن میں دیکھ کر شاکڈ تھا۔ ایس ایچ او اب ان لوگوں سے اسی طرح مخاطب تھا جس طرح کئی سال پہلے اس تھانے میں وہ پرانے ایس ایچ او نے خیر دین اور عکس سے بات کی تھی۔ ایس ایچ او نے خیر دین کے دو بھائیوں اور دو بھتیجوں کو یہ کہا تھا کہ وہ حوالات میں موجود اپنے تمام رشتے داروں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کر لیں کہ انہیں جعلسازی اور فراڈ کے مقدمات بھگتانے ہیں یا رضا سے زمین سے دستبردار ہو کر صلح صفائی کرنی ہے۔ وہاں موجود پٹواری نے اپنے کھاتوں میں سے زمین کے اصلی کاغذات ان لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے ان کے پاس موجود رجسٹری کو جعلسازی کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ وہ اس بات پر مصر تھے کہ انہوں نے ایک بھاری رقم دے کر زمین خیر دین سے خرید لی تھی۔ ایس ایچ او نے ان کے کاغذات پر موجود خیر دین کے انگوٹھے کے نشانات کو جعلی قرار دیا تھا کیونکہ وہ جعلی ہی تھے۔

پٹواری کے پاس زمین کے اس انتقال کا جو ریکارڈ تھا' وہ بھی جعلی تھا کیونکہ خیر دین کے بھائیوں میں سے ایک خیر دین بن کر پٹواری کے پاس پیش ہو کر رشوت کے کچھ پیسوں کے عوض اس کی زبان بندی اور کاغذات میں تبدیلی کروا آیا تھا لیکن اس تمام چکر بازی میں اس قدر جھول تھے کہ عکس جانتی تھی وہ اگر مقدمہ لڑتی تو وہ دنوں میں جیت جاتی لیکن وہ مقدمے بازی میں نہ اپنے آپ کو الجھانا چاہتی تھی نہ خیر دین کو...... وہ

وہی کام کرنا چاہتی تھی جس کا نشانہ وہ اور خیر دین کئی سال پہلے بنے تھے۔

خیر دین کے ان دو بھائیوں اور بھتیجوں نے ایک ڈیڑھ گھنٹے کی بات چیت کے بعد بھی یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ مقدمہ لڑیں گے، اس طرح آسانی سے اس زمین کو اپنے ہاتھوں سے جانے نہیں دیں گے جس پر ان کی بقا کا دار و مدار تھا۔ عکس کو ان سے یہی توقع تھی۔ وہ گاؤں دیہات کے ان پڑھ لوگ تھے جن کے لیے عزت کا ہر سرا زمین سے شروع ہو کر زمین پر ہی ختم ہوتا ہے۔ مقدمے، جھگڑے، مار کٹائی ان کے لیے نئی بات نہیں تھی، نہ ہی تھانہ کچہری کوئی نئی چیز...... عکس کے پاس پلان بی پہلے ہی تیار تھا۔ وہ اگر خیر دین کی زمین سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے اور بات کو وہ کورٹ کچہری تک لے کر جانا چاہتے تھے تو پھر کورٹ کچہری میں فیصلہ صرف اس زمین کا نہیں ہوگا جو خیر دین کی ملکیت تھی بلکہ خیر دین خاندانی گھر اور اپنے باپ کی ملکیت زمین میں سے بھی اپنے حصے کے لیے مطالبہ کر بیٹھے گا۔ خیر دین کے بھائیوں کے لیے یہ ایک بڑی پریشانی کی خبر تھی کیونکہ خیر دین نے اس سے پہلے کبھی بھی اپنے خاندانی گھر یا خاندانی زمین میں سے اپنے حصے میں دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔ قانونی طور پر وہ ابھی بھی اس جائداد میں حصے دار تھا اور یہ صرف ہمیشہ سے اپنے بھائیوں کے لیے احساسِ ترحم تھا جس نے خیر دین کو اپنے حصے پر دعویٰ سے روکے رکھا تھا۔ اس کے پاس اچھی سرکاری نوکری تھی اور وہ وہاں سے جو کھا کما رہا تھا وہ اس سے بہت زیادہ اور بہتر تھا جتنا اس کے بھائی گاؤں میں اپنی خاندانی زمین پر کاشت کاری کر کے کما رہے تھے۔ خاندانی گھر کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اس لمبے چوڑے احاطے میں بے ترتیبی سے بنائے گئے کچے پکے کمروں میں بہ مشکل اس کا خاندان سمایا ہوا تھا۔ وہ ان سے حصے کا مطالبہ کرتا تو یہ جیسے کسی کے جسم پر موجود کپڑوں میں سے کوئی کپڑا مانگنا تھا۔ اور خیر دین اپنے خونی رشتوں کو ننگا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ کبھی کبھار گاؤں آنے پر اسے چند دن کے لیے اس گھر میں خوش دلی سے رکھ لیا جاتا تھا اور یہ خوش دلی اس لیے بھی زیادہ تھی کیونکہ اس زمانے میں خیر دین کئی بار اپنے بھائیوں کو زبانی طور پر یقین دہانی کروا چکا تھا کہ اسے اپنے باپ کی جائداد میں سے اپنا حصہ نہیں چاہیے وہ اس سے دستبردار ہو جائے گا لیکن اب اچانک عکس کے منہ سے اس زمین اور گھر کا سن کر ان لوگوں کو جیسے غش پڑ گیا تھا۔ نہ صرف ان لوگوں کو بلکہ خیر دین بھی بے حد بھونچکا ہو کر عکس کا چہرہ دیکھنے لگا تھا۔

وہ ان کے سامنے ایک اور چال چل کر خیر دین کو ساتھ لیے وہاں سے اٹھ کر واپس ریسٹ ہاؤس آ گئی تھی ریسٹ ہاؤس پہنچتے ہی خیر دین نے عکس سے وہی کہا جس کی وہ توقع کر رہی تھی۔

''کیا ضرورت تھی اس سب کی؟ میں نے منع بھی کیا تھا تمہیں۔'' خیر دین اب بہت خفا تھا۔ ''اتنا پڑھا لکھا کر اب میں تمہیں تھانے کچہریوں کے دھکے کھلواؤں گا۔''

''نانا تھانے کچہری میں آتی جاتی رہتی ہوں میری جاب کا حصہ ہے یہ بھی۔'' عکس نے اطمینان سے اسے کہا۔ وہ جانتی تھی خیر دین کو پریشان کرنے والی یہ بات نہیں تھی وہ اگر پریشان ہو رہا تھا تو اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کو حوالات میں اس حال میں دیکھ کر ہو رہا تھا۔

''اتنی عزت کرتے تھے گاؤں میں خاندان میں سب تمہاری اور تم نے بیٹھے بٹھائے سب کچھ ڈبو دیا۔'' وہ بے حد بے چین تھا۔

''نانا مجھے اس تختی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے جو انہوں نے اپنے گھر کے دروازے پر گاؤں میں شو آف کے

لے ہے۔ میں ایک تختی کی خاطر کسی کو اپنا تختہ کرنے نہیں دوں گی اور آپ بھی اس خوش فہمی سے باہر آ جائیں ہماری بہت عزت کرنے لگے ہیں۔ وہ ہم سے مرعوب ہیں اور ہماری عزت کرنے پر مجبور ہیں ان کے پاس ل، دوسرا آپشن ہے کیا؟'' عکس اب خیر دین کے ساتھ بہت صاف گوئی کا مظاہرہ کر رہی تھی، اس صاف گوئی کا ان کے پروفیشنل کیریئر کا حصہ تھا۔

''ہمارے ساتھ ملنا اچھے تعلقات رکھنا ان کی ضرورت اور مجبوری ہے ہماری نہیں...... ہم نہ اب یہاں ہیں نہ کل رہیں گے...... نہ ہی ہمارا یہاں کوئی میل جول ہے...... نہ ہم ان پر کسی بھی اعتبار سے ڈیپنڈنٹ ہیں سارے مسائل اور مجبوریاں ان کی ہیں تو پھر ہم ان کو اپنا استعمال کیوں کرنے دیں۔ وہ اگر دل سے ہماری عزت کرتے تو اس زمین کو خود ہی معذرت کر کے آپ کو واپس کر دیتے...... لیکن وہ معذرت نہیں کریں گے، شرمندہ نہیں ہوں گے، زمین واپس نہیں کریں گے لیکن بڑی ڈھٹائی اور دھڑلے سے میرا نام استعمال کرنے کے لیے اپنے گھر کے دروازے پر لگا لیں گے اور آپ کے پاس شہر میں سیر و تفریح کرنے کے لیے آتے رہیں گے، آپ کو چھوٹے بڑے کاموں کے لیے سفارشیں اور درخواستیں بھی دیتے رہیں گے ... نانا اچھائی کرنی چاہیے لیکن دوسروں کے ہاتھوں exploit نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ بہت دوٹوک انداز میں کہہ رہی تھی۔ خیر دین کے پاس اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں تھا...... وہ جواب دینا بھی چاہتا تو بھی نہیں دے سکتا تھا...... جواب ڈھونڈنا بھی چاہتا تو نہیں ڈھونڈ سکتا تھا...... چڑیا اسے جو دکھا رہی تھی وہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا...... خونی رشتوں کے لالچ، خود غرضی اور سفاکی سے وہ جان بوجھ کر آنکھیں موند لینا چاہتا تھا لیکن یہ کام چڑیا نہیں کرنے دے رہی تھی۔ وہ حق ں پر خیر دین ناراض تھا وہ چڑیا کے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتی...... سوائے exploitation کے ایک حربے کے۔

خیر دین کو جنریشن گیپ کے لفظ کا مطلب اب سمجھ میں آیا تھا۔ چڑیا بہت سی باتوں پر وہ نہیں سوچتی جو وہ سوچتا تھا، یہ وہ ہمیشہ سے جانتا تھا لیکن چڑیا اس کے بہت سے فیصلوں کو غلط اور احمقانہ سمجھتی تھی، یہ وہ پہلی بار جان رہا تھا...... تکلیف دہ تھا یہ احساس...... ساری عمر عقل کی گتھی دینے والے کو اگر کوئی یہ کہہ دے کہ اس کے علم میں نقص ہے تو اس پر جو گزر رہی گی وہ خیر دین پر بھی گزر رہی تھی۔ چڑیا نافرمانی نہیں کر رہی تھی نہ ہی کوئی زبردستی کرتے ہوئے اس پر اپنا فیصلہ مسلط کر رہی تھی لیکن وہ خیر دین کو خوش فہمیوں کے خوش نما باغ میں بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔ اسے بڑی تمیز اور تہذیب سے وہ حقائق بتا اور دکھا رہی تھی جو خیر دین نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

''میں اس عمر میں کوئی دشمنی نہیں چاہتا۔'' خیر دین نے بالآخر لمبی خاموشی کے بعد بے حد کمزور لہجے میں ایک بہت ہی بودی تاویل پیش کی۔

''نانا دوستوں کے بھیس میں دشمنوں کو پالنے سے کھلے دشمن بہتر ہوتے ہیں۔'' خیر دین اس کی بات پر ہنس دیا تھا۔ وہ بالکل اسی کی طرح نصیحتیں کرنے لگی تھی اسے...... اور اس کی نصیحتیں اس کے دل پر بھی لگتی تھیں۔

''مجھے اچھا نہیں لگا اپنے بھائیوں اور ان کے بیٹوں کو اس طرح ہتھکڑیوں میں حوالات میں دیکھ کر...... جو کچھ بھی ہے وہ اپنا خاندان ہے اپنے خاندان کو انسان ذلیل نہیں کر سکتا۔'' خیر دین نے بالآخر چڑیا کے سامنے اپنا dilemma رکھ دیا۔

''میں جانتی ہوں نانا اور مجھے بھی یہ بات اچھی نہیں لگی لیکن اس کے سوا اور کوئی آپشن نہیں تھا۔ وہ سب حوالات میں ضرور ہیں لیکن آپ اطمینان رکھیں ان پر کسی قسم کا کوئی تشدد نہیں ہوگا...... اس طرح کا ذہنی اور جسمانی تشدد جو انہوں نے آپ پر کروایا تھا اور نہ ہی ان کے خاندان کی کسی عورت کو تھانے ... بلوایا گیا جیسے مجھے بلوایا گیا تھا۔'' وہ تلخ ہونا نہیں چاہتی تھی کیونکہ تلخی انسان کو جذباتی کر کے منتقم المزاج بناتی ہے، بہت سے غلط فیصلے کرواتی ہے، بہت سی زیادتیاں بھی کروا دیتی ہے لیکن خیر دین کو قائل کرنے کے لیے دی جانے والی ہر مثال اس کے دل کو عجیب سے رنج سے بھر رہی تھی اور خیر دین چڑیا کی مثالوں میں چھپی تلخی اور تکلیف سے واقف تھا۔

''میں صرف ایک چیز چاہتی ہوں نانا اور وہ یہ کہ کم از کم اس گاؤں میں دوبارہ کبھی کوئی کسی کو بے بس دیکھ کر اس کے ساتھ وہ نہ کرے جو ہمارے ساتھ کیا گیا اور میں آپ کو ایک بات بتاؤں...... اس زمین کو واپس لینے کے بعد آپ کا خاندان اور یہ گاؤں آپ کی زیادہ عزت کرے گا کیونکہ آپ نے اپنا حق قانونی طریقے سے لیا اسے بے بس اور مجبور ہو کر چھوڑ نہیں دیا۔'' خیر دین نے ایک بار پھر چڑیا کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ اس کی دلیلیں اسے تواتر سے لاجواب کرنے لگی تھیں۔

رات تک ایس ایچ او دوسری پارٹی کی طرف سے راضی نامہ لے کر آ گیا تھا۔ اس کے خاندان پر مزید کیا دباؤ ڈالا گیا تھا خیر دین نہیں جانتا تھا نہ عکس نے اسے بتایا تھا لیکن اگلے دن اس زمین سے اس کے خاندان کا قبضہ ختم ہو گیا تھا۔ پولیس کی نگرانی میں اس زمین کی حد بندی کروا کر اسے اسی علاقے کے ایک دوسرے زمیندار کو ٹھیکے پر دے دیا گیا تھا۔ اور یہ سب پورے گاؤں والوں کی نظروں اور چہ میگوئیوں کے درمیان دن دہاڑے کیا گیا تھا۔ خیر دین بڑے سالوں بعد اس زمین پر کھڑا ہوا اس کی حد بندی دیکھتا رہا تھا...... اسے فخر ہونا چاہیے تھا لیکن نہیں ہوا تھا...... اس کے دل پر ایک عجیب سا بوجھ پڑ گیا تھا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ اس زمین کے اس طرح اچانک ہاتھ سے نکل جانے پر اس کے خاندان کے کیا تاثرات اور احساسات ہوں گے...... کبھی وہ ایسی ہی کیفیات سے گزرا تھا...... اس کی اذیت ان سے اس لیے زیادہ تھی کیونکہ وہ اپنی چیز سے ناحق بے دخل کیا گیا تھا...... لیکن تکلیف اس کے بھائیوں کو بھی بہت زیادہ ہوئی تھی یوں جیسے میلا دیکھنے بھری جیب کے ساتھ کوئی جائے اور میلا دیکھنے سے پہلے ہی جیب کٹ جائے۔

راضی نامہ ایس ایچ او کے پولیس اسٹیشن پر اس کی نگرانی کے بجائے متعلقہ ڈی پی او آفس میں ڈی پی او کی نگرانی میں سائن ہوا تھا اور اس کے بعد خیر دین کے خاندان والوں کو بالآخر رہائی مل گئی تھی۔ عکس بھی خیر دین کے لیے اسی دن وہاں سے واپس لوٹ آئی تھی۔

اگلے کئی دن خیر دین اس زمین کا دوبارہ مالک بن جانے کے باوجود بھی ایک عجیب سے ملال میں رہا۔ گاؤں سے واپس آ جانے کے بعد کئی ہفتے اس کے خاندان میں سے کسی نے اس کے ساتھ پہلے کی طرح گپ شپ لگانے کے لیے فون پر رابطہ نہیں کیا تھا، نہ ہی کسی نے شہر آ کر اس سے ملنے کی کوشش کی تھی۔ خیر دین عکس سے بار بار اس بات کی شکایت کرتا رہا اور وہ بڑے اطمینان سے ہر شکایت پر اس سے کہتی رہی۔ ''نانا وہ آئیں گے...... آپ دیکھ لیجیے گا۔'' اور اس کی یہ بات بالکل ٹھیک ثابت ہوئی تھی۔ اس واقعے کے پورے ایک مہینے بعد گاؤں سے اس کے بھائی نے اسے پہلی کال کی تھی۔ خیر دین کا خیال تھا کہ وہ اس سے لمبے گلے شکوے کرے

اس واقعے کے حوالے سے لیکن خلافِ توقع ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے انہوں نے اسے اپنی ایک پوتی کی شادی میں دعوت دی تھی اور جب خیر دین نے خوشی سے بے قابو ہوتے دعوت قبول کر لی تھی تو انہوں نے ساتھ ہی اس بچی کی شادی کی تیاریوں کے لیے کچھ رقم بھی مانگ لی۔ اس کو اس پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا، اس نے بڑی خوشی خوشی اپنے بھائی سے اس کی پوتی کی شادی کے لیے رقم بھیجنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ اپنے بھائی سے فون پر بات ختم کرتے ہی خیر دین نے بڑے جوش و خروش کے عالم میں عکس کو فون کیا تھا۔

''تم بالکل ٹھیک کہتی تھیں چڑیا، وہ واقعی اب ہمیں نہیں چھوڑ سکتے۔'' خیر دین نے ساری تفصیلات چڑیا کو سنانے کے بعد جیسے اس کے Judgement پر اسے داد دی لیکن تمام تفصیلات میں سے اس نے اپنے بھائی کو دیا جانے والا رقم کا وعدہ چھپا لیا تھا۔

''نانا انہوں نے آپ سے شادی کے لیے کتنی رقم کا مطالبہ کیا ہے اور آپ نے کتنی رقم دینے کا وعدہ کیا ہے؟'' عکس نے خیر دین کی داد پر فخر محسوس کرنے کے بجائے بڑے اطمینان کے عالم میں اپنی اسی میٹھی اور ملائم آواز میں اگلوانے والے انداز میں خیر دین سے پوچھا۔ خیر دین جواباً ہنسنے لگا۔

''چڑیا تم اڑتی چڑیا کے پَر گن لیتی ہو۔'' خیر دین کی بات پر وہ ہنس دی۔

''چڑیا کے نہیں نانا صرف کوؤں کے۔'' اس نے جواباً خیر دین کو کہا تھا لیکن خیر دین سے یہ جاننے پر اصرار نہیں کیا تھا کہ وہ اس شادی میں کیا Contribute کرنا چاہتا تھا۔ خیر دین کے خاندان سے زمین چھین لینے کے باوجود وہ اس خاندان کے مسائل سے واقف تھی۔ مالی طور پر وہ بہت کمزور سماجی حیثیت رکھتے تھے اور پہلے خیر دین اور اب عکس کا نام وہ واحد سہارا تھا جو ان کی عزتِ نفس اور ساکھ کو سنبھالے ہوئے تھا اور وہ گاؤں کے کمی کمین نہیں کہلاتے تھے۔ عکس کو اندازہ تھا کہ خیر دین کی مالی معاونت کے بغیر وہ عزت سے اپنی کسی بچی کو نہیں بیاہ سکتے تھے اور اسے اس مالی امداد پر اعتراض نہیں تھا۔

خیر دین گاؤں میں شادی میں شرکت کرنے کچھ جھجکتا ہوا پہنچا تھا لیکن اسے وہاں یہ دیکھ کر عجیب حیرت ہوئی تھی کہ گاؤں اور خاندان میں اس کا استقبال پہلے سے بھی زیادہ گرم جوشی اور مرعوبیت سے کیا گیا تھا۔ اسے عکس کی بات یاد آئی اس نے کہا تھا۔ ''نانا اپنا حق لینے کے قابل ہونے کے بعد گاؤں میں آپ کا زیادہ احترام

ہوگا۔" اس نے شادی میں شرکت کرنے کے بعد واپس شہر جا کر عکس کو یہ بات بتائی تھی۔

"تم ٹھیک کہتی تھیں چڑیا......" خیر دین نے اس جملے سے اپنی بات کا آغاز کیا اور تب اچانک اسے احساس ہوا کہ اب وہ اکثر عکس سے اپنی بات چیت کا آغاز اسی اعترافی جملے سے کرنے لگا تھا...... وہ بے اختیار مسکرا دیا تھا۔

"نانا آپ کچھ کہہ رہے تھے؟" عکس نے اسے بات شروع کر کے پھر خاموش ہوتے دیکھ کر پوچھا۔ خیر دین نے بے پناہ شفقت سے خود پر جمی ان گہری چمکتی آنکھوں کو دیکھا...... اپنی چڑیا کی آنکھوں کو...... پھر اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہتی تھیں چڑیا اپنا حق لینے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے اور اپنا حق لینا کوئی جرم نہیں ہے۔" عکس خیر دین کی بات پر مسکرا دی۔

"یہ میں نہیں کہتی تھی نانا...... یہ ساری عمر آپ کہتے رہے۔" اس نے جیسے خیر دین کو یاد دلایا۔ وہ ہولے سے ہنسا تھا۔ عکس نے خیر دین کا ہاتھ بڑی نرمی سے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "نانا میں اپنی authority کا استعمال بے مقصد انتقام لینے کے لیے کبھی نہیں کروں گی لیکن میں جس چیز کو اپنا حق سمجھتی ہوں' اسے حاصل کرنے کے لیے میں سب کچھ کروں گی۔"

خیر دین کو اندازہ نہیں ہوا وہ اسے اپنے اگلے کام کے لیے انفارم کر رہی تھی۔ اس نے سر جھکا کر عکس کے اس ہاتھ کو دیکھا جس میں اس نے خیر دین کے ہاتھ کو لیا ہوا تھا۔ مخروطی انگلیوں والا بہت نرم ہاتھ جو کبھی بہت چھوٹا سا تھا اور خیر دین نے اسے قلم تھما کر اس کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر اسے لکھنا سکھایا تھا...... ٹیڑھی میڑھی لکیریں...... آڑے ترچھے حرف...... ٹوٹے پھوٹے لفظ...... اور پھر اپنا نام...... عکس مراد علی...... اور اب جب وہ ہاتھ کاغذ پر اپنا نام لکھا کرتا تھا تو وہ حکومتی فرمان ہوتا تھا...... اس ہاتھ میں بہت طاقت تھی اور اس قلم میں اس سے زیادہ...... جس سے وہ اپنے علم سے دنیا کو متعارف اور متاثر کیا کرتی تھی...... وہ اس ننھی سی بچی کے ہاتھ میں قلم کے بجائے جھاڑو پکڑانے پر اصرار کرتا تو وہ بھی وہی ہوتی اور وہی بنتی جو اس کے گاؤں اور خاندان کی ساری لڑکیاں بنتی تھیں...... بے شناخت وجود...... جن کے پاس انگوٹھا ہوتا تھا' دستخط نہیں......

بے شک تعلیم نصیب بدل دیتی ہے اور راستہ بھی...... زندگی کا بدل جانا تو پھر مقدر ہو جاتا ہے۔ خیر دین نے نم آنکھوں کے ساتھ اس ہاتھ کو چوما جسے ایک ننھی بھنچی ہوئی مٹھی سے آسمان تک پھیلے ہوئے پنجے تک اس نے اپنے خون سے سینچا تھا۔

☆☆☆

ایک شیر دل کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں اس کا ہاتھ برف کا ہو گیا ہوگا...... چند لمحوں کے لیے اسے ایسا ہی لگا تھا...... اگر وہ ہاتھ برف کا نہیں ہوا تھا تو پھر وہ خود ضرور کچھ دیر کے لیے فریز ہوئی تھی...... وہ اس کا سانس...... اس کے دل کی دھڑکن...... کائنات کی گردش اور آس پاس کا شور...... آوازیں...... سب کچھ سب ہی کچھ...... چند سیکنڈز...... چند منٹ...... وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے پھر وہ پگھلی...... پہلی آواز شاید دل کی تھی...... دوسری سانس کی...... پھر سب کچھ ایک جھٹکے سے چلنے لگا تھا...... بالکل پہلے کی طرح...... جاتی ہوئی سانس اور اوسان ایک ہی وقت میں لوٹے تھے......

عکس نے اسی نرمی اور سہولت سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکال لیا تھا جس طرح اس نے اس کا ہاتھ

...ا تھا پھر اس نے نظریں چرائی تھیں۔ اس نے اور ایک شیر دل نے ایک ساتھ...... پھر وہ دونوں سیدھے ہو کر ...ہ گئے تھے اب وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ رہے تھے' ایک دوسرے کے بالمقابل نہیں تھے صرف ساتھ بیٹھے ...وئے تھے...... قریب، برابر لیکن اجنبی......

"تو چڑیا اسے یاد ہے۔" عکس نے سوچا تھا اور درد کی عجیب سی لہر اٹھی تھی۔ یہ خالی نام تھوڑی تھا جو اس کی ...داشت میں ابھرا ہوگا۔ وہ اس سے آگے کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی، کچھ بھی نہیں۔ اسے اندازہ نہیں تھا نوٹس اتنی ...لدی شیر دل کی فیملی تک پہنچ گیا ہوگا اس کا خیال تھا ابھی ایک دو دن اور لگیں گے تب تک شیر دل سنگاپور پہنچ چکا ...گا جو کچھ ہوگا اس کے بعد ہوگا، اندازے کی ایک معمولی سی غلطی ہو گئی تھی۔

اس کے برابر یوں بیٹھے ہوئے اس نے سوچا آخری بار وہ کب اس طرح مجرمانہ سی حالت میں یوں برابر ...اموش بیٹھے رہے تھے...... اسے یاد آ گیا۔ جب ایک اپنی ممی کے کہنے پر اس کے ساتھ کھیلنا چھوڑنے پر نادم ہو کر ...س کے پاس واپس آیا تھا اور وہ اس کے اصرار پر اس کے پاس آ گئی تھی۔ اس دن بھی وہ برآمدے کی سیڑھیوں ...ں یونہی چپ چاپ بیٹھے رہے تھے...... ایک ریکٹ کی string کو نادم انداز میں ٹھیک کرتا رہا تھا اور اسے ...جھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس سے کیا کہے لیکن اس کے باوجود وہ دونوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھے رہے تھے۔ خاموشی اور تحمل سے...... کسی بات کے آغاز کا انتظار کرتے کرتے......

"تم نے کبھی چیری کھائی ہے؟" تب بہت دیر بعد ایک نے گفتگو کا آغاز اسی طرح کیا تھا۔

"ہاں۔" چڑیا نے تحمل سے جواب دیا تھا۔ ایک بچے کے طور پر بھی اسے احساس تھا وہ بے تکا سوال تھا اور ...س کا آم کے سیزن میں کرنے کا کوئی مقصد نہیں تھا جب ایک ہر روز آم کھانے بیٹھا ہوتا تھا۔

"کبھی اسٹرابری کھائی ہے؟" اگلا سوال بھی ویسا ہی بے تکا تھا۔

"ہاں۔" چڑیا نے ایک بار پھر وہی تحمل دکھایا تھا۔

"بلیو بیری کھائی ہے؟" ایک اور سوال۔

"نہیں، اس بار چڑیا نے کہا تھا۔

"وہ بہت مزے کی ہوتی ہے۔" اس بار جواب آیا تھا۔ چڑیا اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھی۔ ایک کو اس کی ...طرا ل سے جیسے مزید شرمندگی ہوئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر ٹینس ریکٹ کی string ٹھیک کرنی شروع کر دی

تھی۔ آج بھی ویسی ہی مشکل آن پڑی تھی اس خاموشی کو توڑنے میں۔

فلائٹ اناؤنس ہونے لگی تھی۔ ان دونوں نے بیک وقت اپنے باقی ساتھیوں کو دیکھا..... ان میں سے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ان کے درمیان چند منٹ پہلے کیا ہوا تھا شاید کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ کوئی دیکھ بھی لیتا تو شیر دل کو اس کی پروا نہیں تھی۔ وہ سب اپنے اپنے بیگز اٹھاتے ہوئے بورڈنگ پاس ہاتھ میں لیے جہاز میں سوار ہونے کے لیے اٹھ رہے تھے..... وہ اور شیر دل بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے ایک دوسرے سے کچھ کہے بغیر۔

جہاز میں ان کی سیٹس ساتھ نہیں تھیں اور یہ عجیب طمانیت بخش شے تھی جیسے ان دونوں کے لیے..... وہ ساتھ بیٹھ کر اتنا لمبا سفر خاموشی سے ایک دوسرے کے سامنے ٹوٹ جانے کے بغیر کیسے طے کرتے۔ وہ دونوں دوسرے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔

کراچی ائیرپورٹ پر ایک بار پھر وہ جیسے میکانیکی انداز میں ایک دوسرے کے پاس آکر بیٹھے تھے اور پھر سنگاپور کی فلائٹ پکڑنے تک اسی طرح بیٹھے رہے تھے۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کے کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے..... ان میں سے کسی کے پاس آجانے پر اس کے ساتھ گپ شپ لگاتے ہوئے..... لیکن آپس میں بالکل خاموش......

سنگاپور کے لی کوان یو انسٹیٹیوٹ آف پبلک پالیسی میں پہلے دو دن بھی انہوں نے اسی خاموشی میں گزارے تھے۔ تیسری شام کو شیر دل اور وہ بالآخر شام کو اس عمارت کے لان میں جا کر بیٹھ گئے تھے جہاں وہ رہائش پذیر تھے۔

"تم ہمیشہ سے جانتی تھیں، میں کون تھا؟" شیر دل نے کسی سیاق وسباق کے بغیر اسی طرح ایک بے تکے سوال سے گفتگو کا آغاز کیا تھا جس طرح تب چیری والا سوال کیا تھا۔

"ہاں۔" عکس نے آج بھی اسی تحمل کے ساتھ وہی ایک لفظی جواب دیا تھا۔ اس کے برابر میں بینچ پر بیٹھے شیر دل نے اسے دیکھنے کی کوشش کیے بغیر اس فوارے کے گرتے ہوئے پانی پر نظریں جمائے رکھتے ہوئے سر ہلایا جس سے کچھ فاصلے پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ یوں جیسے اپنے اندازے کے ٹھیک ہونے کا یقین تھا اسے۔

"میرے نام سے پہچانا تم نے..... یا میرے چہرے سے؟" اب اسٹرابری والا سوال آیا تھا۔

"دونوں سے۔"

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" اس بار بالآخر بلیو بیری والا سوال آگیا تھا۔

"کیا بتاتی تمہیں..... کہ میں کون ہوں۔" اس بار عکس نے اس سے کہا تھا۔ ایک بار پھر ایک عجیب سی خاموشی ان کے درمیان آگئی۔

شیر دل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہے..... تمہید باندھے تو تمہید کے بعد کیا کہے..... بعض دفعہ انسان گونگا نہیں ہوتا لفظ گونگے ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا..... معذرت کرتا تو کیسے اور کس بات کی۔ نہ کرتا تو..... وہ اپنی ممی سے ملنے کے بعد سے جیسے اپنی راتوں کی نیند کھو بیٹھا تھا..... شاک 26 سال پہلے بھی لگا تھا اس رات اسے لیکن عکس کے تعارف نے جو شاک اب دیا تھا اس کی شدت بھی ویسی ہی تھی..... اس رات کے واقعات کئی بار اس کی آنکھوں کے سامنے گزرے تھے اس کے ذہن کی اسکرین پر چلتے رہے تھے وہ عینی شاہد تھا اس واقعے کا لیکن اب عکس کے سامنے بیٹھے ہوئے اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ عینی شاہد بن کر بات کرے یا پھر ہر چیز سے لاعلمی اور بے خبری کا ڈھونگ کرے..... دوسرا آپشن زیادہ مناسب تھا۔ زیادہ suit کرتا تھا اسے اور وہ دوسرے آپشن ہی کا انتخاب کرتا اگر وہ عکس مراد علی نہ ہوتی اور اسے یہ یقین نہ ہوتا کہ اسے ریلنگ کے پاس کھڑا

"اچھا ہوا ایک بھولا نہیں ہوتا۔

"جو کچھ ہوا نہیں ہونا چاہیے تھا....." بہت دیر کے بعد شیر دل نے بالآخر بات شروع کرنے کے لیے کچھ لولے لنگڑے لفظ ڈھونڈ لیے تھے۔ عکس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے لفظ مبہم تھے۔

"جو کچھ میں نے کیا وہ؟" اس نے شیر دل کی بات کاٹ کر اس سے پوچھا..... اس بار شیر دل نے اسے دیکھا۔

"نہیں..... جو کچھ اس رات ہوا....." وہ بات مکمل کرتے کرتے بھی مکمل نہیں کر سکا۔

عکس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ سننا چاہتی تھی وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اس میں شیر دل کا قصور نہیں تھا وہ اسے کسی لحاظ سے جواب دہ نہیں سمجھتی تھی لیکن پھر بھی سننا چاہتی تھی وہ کیا کہنا چاہتا تھا اس فیملی کے فرد ہونے کے حوالے سے۔

"اور تم یہ بھی جانتی تھیں کہ شہر بانو انکل شہباز ہی کی بیٹی ہے؟" شیر دل نے وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس سے اگلا سوال کیا تھا۔ اس بار وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں۔" عکس نے بھی اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ شیر دل کے چہرے پر بے حد عجیب سا تاثر آیا تھا۔ عکس کو اس تاثر کی توقع تھی اس نے شیر دل کے چہرے سے نظریں ہٹالیں اور سیدھا دیکھنے لگی۔ شیر دل نے اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹائی تھی۔ وہ اس عورت کو کبھی سمجھ نہیں پایا تھا نہ تب جب وہ اس سے نو سالہ ایک بچے کے طور پر پہلی بار ملا تھا نہ اتنے سالوں میں جب وہ ایک دوسرے کے بہت قریب آچکے تھے اور نہ آج..... وہ نہ چڑیا کو سمجھ پایا تھا نہ عکس مراد علی کو..... اس نے ایک بار پھر اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے؟" عکس نے یک دم اسے یاد دلایا۔ شیر دل جان گیا تھا وہ کیا سننا چاہتی تھی اور وہی موضوع سب سے مشکل تھا۔ وہ دونوں ایک closure چاہتے تھے اور closure نہیں ہو پا رہا تھا۔

"تم یہ سب مت کرو۔" وہ جو اس سے سننے کی توقع رکھتی تھی اس نے وہ نہیں کہا..... اور جو کہا تھا عکس کو اس سے عجیب مایوسی ہوئی تھی۔

"شیر دل تم اس معاملے میں مت آؤ..... یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔" عکس نے جواباً بڑے مستحکم لہجے میں اس سے کہا۔

"عکس یہ میری فیملی کا معاملہ ہے، میں اس سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ تم جس آدمی کو بنا رہی ہو وہ میرا انکل ہے میری بیوی کا باپ ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ میں اس معاملے میں نہ آؤں کیونکہ اس معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے..... تم واقعی سمجھتی ہو کہ میں اس معاملے سے خود کو الگ تھلگ رکھ سکتا ہوں؟" شیر دل نے بے حد سنجیدگی سے اس سے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی بات ختم ہونے کا انتظار کرتی رہی پھر اس نے کہا۔

"تم چاہو تو اپنے آپ کو الگ رکھ سکتے ہو....."

"نہیں رکھ سکتا..... میرے خاندان کی عزت کی بات ہے یہ۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ عکس بے اختیار ہنس دی۔ شیر دل الجھا۔

"میں یہی سننا چاہتی تھی تمہاری زبان سے..... یہ تمہارے خاندان کی عزت کا سوال ہے اسی لیے تم غلطی پر ہونے کے باوجود بھی آخری حد تک جاؤ گے مجھے اس کیس سے روکنے کے لیے۔ تم سمجھتے ہو عزت صرف تمہارے

خاندان کی ہوتی ہے اور اس کی حفاظت کرنا صرف تمہارا حق ہے؟'' وہ بڑی سرد مہری سے کہہ رہی تھی۔ شیر دل نے کچھ الجھ کر اس کی بات کاٹی۔

''میں نے ایسا نہیں کہا عکس......''

''تمہاری بات کا یہی مطلب نکلتا ہے۔''

''غلط مطلب نکال رہی ہو تم۔''

''پھر تو سارا مسئلہ حل ہو گیا۔ میں بھی جو کچھ کر رہی ہوں اپنے نانا کی عزت کے لیے کر رہی ہوں۔ مجھے بھی ان کی عزت اتنی ہی پیاری ہے جتنی تمہیں اپنے انکل کی۔'' شیر دل چند لمحوں کے لیے اس کی بات پر کچھ بول نہیں پایا پھر اس نے جیسے کچھ خفا ہو کر کہا۔

''تم غلط comparison کر رہی ہو عکس۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''انکل شہباز مر چکے ہیں...... تمہیں اندازہ نہیں ہے انہوں نے کتنا suffer کیا ہے...... تم انہیں معاف کیوں نہیں کر رہیں۔'' وہ عجیب اکھڑے انداز میں بولا تھا۔ وہ انکل شہباز کی وکالت نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اسے احساس ہوا وہ وکالت ہی کرتا لگا تھا۔ عکس کو بھی ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔

''شیر دل میں نے تم سے شادی کیوں نہیں کی تم جانتے ہو؟'' اس نے عجیب رنجیدگی سے اس سے کہا۔ وہ نہ بھی کہتی تو بھی شیر دل کو اس سوال کا جواب اسی دن مل گیا تھا جس دن خیر دین کی برطرفی کے خلاف اور اس کی پنشن اور دوسرے واجبات کے لیے فائل کیے گئے کیس میں اس نے عکس مراد علی کا نام دیکھا تھا۔

''ہاں جانتا ہوں۔'' شیر دل نے اس سے نظریں ملائے بغیر کہا۔

''شہباز حسین وجہ نہیں ہے اس کی۔'' عکس جیسے اس کا ذہن پڑھ رہی تھی۔ ''یہ کلاس ڈفرنس وجہ ہے اس کی جو بار بار تمہاری باتوں میں جھلکتا رہا ہے۔'' شیر دل نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''تمہارے لیے تمہاری تکلیف بڑی ہے دوسروں کی چھوٹی۔'' شیر دل نے اسے بات کرتے کرتے ٹوک دیا۔

''میں نے کبھی ایسا نہیں کہا۔''

''ہاں تم نے کبھی نہیں کہا لیکن تم نے ہمیشہ جتایا...... کبھی شعوری طور پر کبھی لاشعوری طور پر...... جیسے ابھی تم سمجھتے ہو تمہارے انکل نے بہت suffer کیا ہے...... خیر دین نے نہیں جس کو صفائی کا موقع دیے بغیر چوری کے الزام میں ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ پنشن اور ہر طرح کے واجبات سے محروم کر دیا گیا...... اس نے کوئی تکلیف نہیں کاٹی ہو گی۔'' وہ بے حد خفگی سے بول رہی تھی۔

''تم نے......'' شیر دل نے کچھ کہنا چاہا۔ عکس نے اس کی بات کاٹ دی۔

''نہیں شیر دل، تم پہلے میری بات سنو، تم مجھ پر یہ جتانا چاہتے ہو کہ خیر دین کی تکلیف شہباز حسین کی تکلیف سے اس لیے کم ہے کیونکہ شہباز حسین کا گھر ٹوٹ گیا۔ بیوی بچی چھوڑ کر چلی گئیں اور وہ مر گیا تو اس لیے انہوں نے خیر دین سے زیادہ suffer کیا۔''

''نہیں، میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انکل شہباز نے جو غلط کام کیا انہیں اس کی سزا مل گئی اور اس سے بہت زیادہ ملی جتنی کورٹ انہیں دے سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے ہر اس رشتے کو کھو دیا جس سے وہ پیار کرتے

انی شرمین، شہر بانو...... میں...... ممی...... تمہیں اندازہ نہیں ہے انہوں نے اپنی زندگی کے آخری سال طرح گزارے تھے...... اور تم جانتی ہو انہوں نے خودکشی کی تھی۔'' وہ بول رہا تھا، وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

''مجھے کوئی افسوس نہیں ہوا۔'' شیر دل کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزرا۔

''میں تمہاری فیلنگز سمجھ سکتا ہوں اس لیے مجھے کوئی حیرانی نہیں ہوئی تمہاری اس بات سے۔'' شیر دل نے مدھم آواز میں کہا۔

''شیر دل تم کبھی میری فیلنگز نہیں سمجھ سکتے...... اگر سمجھ سکتے تو شہباز حسین کے دفاع میں اتنا لمبا...... argument نہ کرتے۔'' عکس نے خفگی سے اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ ''لیکن میں تمہیں blame نہیں کروں گی...... وہ تمہارے انکل ہیں، تم انہی کی سائڈ لو گے...... اور ٹھیک بھی ہے۔ تمہیں ان کو defend کرنا بھی چاہیے۔'' عکس کا لہجہ مدھم ہو گیا تھا۔

''تم سمجھتی ہو میں اگر تمہارے ساتھ نہیں ہوں تو تمہارے خلاف ہوں۔'' شیر دل نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ ''میں تمہیں بھی نقصان سے بچانا چاہتا ہوں۔''

''کیسا نقصان؟'' عکس نے بے حد سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔

''تم سمجھتی ہو میری فیملی اتنی آسانی سے تمہیں یہ کیس جیتنے دے گی اور تمہیں واقعی لگتا ہے کہ تم یہ کیس جیت جاؤ گی۔'' وہ اب بے حد سنجیدگی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے شیر دل میں نے سوچے سمجھے بغیر اس کنویں میں چھلانگ لگا دی ہے میں نے کوئی calculations نہیں کی؟'' عکس نے جواباً اس سے پوچھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

''نہیں، میں کم از کم یہ تو نہیں سمجھتا کہ تم نے کوئی calculations نہیں کی ہوں گی۔ تم چیس پلیئر ہو ہر چال بہت سوچ کر چلتی ہو۔'' اس کا لہجہ بات کرتے کرتے عجیب ہو گیا تھا۔ عکس نے اس سے نظر نہیں ملائی۔

''چیس کھیلنا چھوڑ چکی ہوں میں...... زندگی چیس سے بڑھ کر ملی ہے۔'' اس نے دور فوارے کو ایک بار پھر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے شیر دل سے یہ نہیں پوچھا تھا اسے یہ کیسے یاد تھا کہ وہ چیس کھیلتی تھی...... اسے اندازہ ہو گیا تھا صرف وہ نہیں تھی جسے چیزیں یاد رکھنی آتی تھیں...... کبھی کبھار کوئی اور بھی ایسا ہی نہ بھولنے والا مل جاتا ہے۔

''وہ تمہارا ٹرانسفر کر دیں گے اس کے بعد تم کیا کرو گی؟'' فوارے کے پانی کو روشنیوں میں اچھلتے دیکھتے ہوئے اسے شیر دل کی آواز آئی۔ اس نے گردن موڑ کر شیر دل کو دیکھا۔

''وہ......؟ یعنی تمہاری فیملی؟'' عکس نے بڑی سنجیدگی سے شیر دل سے پوچھا۔ وہ اس کی فیملی کے اثر و رسوخ سے واقف تھی۔

''پھر کیا کرو گی تم؟'' شیر دل نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اگلا سوال کیا۔ ''تم نے ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن کو ذمے دار ٹھہرایا ہے یہ سوچ کر کہ تم وہاں بیٹھی ہو اور تم اس کیس میں شہباز حسین کے الزامات کو غلط ثابت کر کے خیر دین کو بے قصور قرار دو گی اور اس کے حق میں ثبوت اکٹھے کر کے پیش کر دو گی، تمہیں

یہ اس لیے آسان لگتا ہے کیونکہ ابھی تم پوسٹڈ ہو۔ اتنے پرانے کیس کا کوئی عینی شاہد نہیں ملے گا...... وہ لوگ جنہوں نے انکل شہباز کے ماتحت عملے کے طور پر تمہارے نانا کے خلاف بیانات ریکارڈ کروائے تھے اب اتنے سالوں بعد انہیں بڑی آسانی سے غلط ثابت کردو گی ...... یہ سب اتنا سیدھا اور آسان نہیں ہے...... تم ٹرانسفر کے بعد وہاں اپنا اثر ورسوخ استعمال نہیں کرسکتیں...... تمہیں فرض کرو واپس ڈی بنا دیتے ہیں تو کیا کرو گی تم پھر......؟'' شیر دل اسے بڑی سنجیدگی سے مضمرات سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔

''میں اگر یہاں پوسٹڈ نہ بھی ہوتی تو بھی میں کم ازکم زندگی میں ایک بار اپنے نانا کو چوری کے اس کیس سے باعزت بری کروا کر ملازمت سے یکطرفہ اور ناجائز برطرفی کا فیصلہ غلط قرار دلوانے کی کوشش ضرور کرتی...... ان کی پنشن اور واجبات بحال کروانے کی کوشش بھی ضرور کرتی۔'' اس نے جواباً بے حد مستحکم آواز میں شیر دل سے کہا تھا۔

''میں نے زندگی میں کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں وہاں پوسٹ ہوں گی لیکن میں نے ہمیشہ یہ سوچا تھا کہ میں اپنے نانا کے ساتھ ہونے والی اس زیادتی کا ازالہ ضرور کروں گی۔ وہ سرکاری ملازمت میرے نانا کے لیے بہت معنی رکھتی تھی۔ انہوں نے بڑی جدوجہد کرکے حاصل کی تھی۔ ان کے سر کا تاج تھا وہ زندگی بھر کا اثاثہ...... اور وہ یہ deserve نہیں کرتے تھے کہ ایک رات......'' وہ بات کرتے کرتے رک گئی تھی۔ شیر دل کو لگا وہ اپنی بھرائی ہوئی آواز پر قابو پانے کی کوشش کررہی تھی۔ شیر دل کے دل پر ایک عجیب سا بوجھ آکے گرا تھا۔

''میرے نانا بہت بوڑھے ہوچکے ہیں اور ان کے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے اور میں چاہتی ہوں کہ میں ان کے ماتھے پر لگی ہوئی یہ واحد تہمت ہٹا دوں...... جس کا باعث میں تھی۔ میرے لیے یہ اہم نہیں ہے کہ میں یہ کیس جیتتی ہوں یا نہیں...... اس کا کوئی فائدہ ہوتا ہے یا نہیں...... میرے لیے اہم بات صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ میں نے اس کام کے لیے کوشش تو کی...... میں کم ازکم یہ پچھتاوا نہیں رکھنا چاہتی کہ میں نے کوشش بھی نہیں کی اپنے نانا کے لیے کچھ کرنے کی...... میں تمہیں بالکل نہیں روکتی تم اپنے انکل کو defend کرو...... اپنے خاندان کی سپورٹ کرو...... تمہیں بالکل ایسا ہی کرنا چاہیے۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم مجھے بھی ایسا ہی کرنے دو...... تم میرے دوست ہو...... اس مسئلے کی وجہ سے دوست نہیں رہنا چاہتے تو بھی ٹھیک ہے۔ وہ مزید کچھ کہے بغیر اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ شیر دل وہیں بیٹھا شام کے اندھیرے میں اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ اس کے پاس عکس مراد علی سے کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے پھر بھی کوشش کی تھی...... ایک واحد اور آخری کوشش۔

وہ بینچ پر بیٹھا تب تک عکس کو دیکھتا رہا جب تک وہ نظر آتی رہی......

''تم جانتے ہو شیر دل میں نے تم سے شادی کیوں نہیں کی......؟ شہباز حسین وجہ نہیں ہے اس کی...... وہ کلاس ڈفرنس وجہ ہے جو بار بار تمہاری باتوں میں جھلکتا ہے...... تمہارے لیے تمہاری تکلیف بڑی ہے دوسروں کی چھوٹی...... ہاں تم نے کبھی زبان سے نہیں کہا لیکن ہمیشہ جتایا...... کبھی شعوری طور پر...... کبھی لاشعوری طور پر......''

وہ باتیں نہیں کرکے گئی تھی اس کی انا کے غبارے میں کیل گاڑ کر گئی تھی۔ ایک شیر دل کو کبھی اندازہ نہیں ہوا۔ پیاز کی وہ پرتیں جو وہ اپنے وجود کے گرد چڑھائے ہوئے تھا اسے اتار کر رکھ گئی تھی... طبقاتی فرق اس کے انداز اور لب ولہجے میں اتنا نمایاں تھا کہ دوسروں کو چبھتا تھا یا کم ازکم اس عورت کو ضرور چبھتا تھا جس سے اس نے واقعی محبت کی تھی...... اور پتا نہیں وہاں بیٹھے بیٹھے اسے پہلی بار کیوں یہ یقین ہوا تھا کہ وہ بھی بالکل اسی کی طرح اس کی محبت میں پاگل تھی۔ اس پر مرتی تھی اس کے لیے جان دے سکتی تھی...... وہ جس چیز کو صرف اپنا پاگل پن سمجھتا رہا

...لرفہ نہیں تھی...... لیکن عکس مراد علی اس کی طرح عقل سے پیدل نہیں ہوئی تھی۔ وہ بہت کچھ چھپا سکتی تھی ...مالی اور مہارت کے ساتھ کہ کوئی دوسرا کچھ پوچھ نہیں سکتا تھا۔

''وہاں بیٹھے اسے یاد آیا تھا جب چڑیا فریزبی کی ڈسک شدید تکلیف کے باوجود بار بار پکڑنے کی کوشش ...رتی رہی تھی اور اس نے اپنے ہاتھ نیلے کرلیے تھے۔ ایک اس پر شدید خفا ہوا تھا وہ اسے اس نوسالہ بچی کی بے ...ولی سمجھ رہا تھا...... وہ قوتِ برداشت تھی...... وہی قوتِ برداشت جو اس نے گھوڑے سے گرنے کے بعد چند ...وں میں دوبارہ اسی گھوڑے پر بیٹھ کر دکھائی تھی...... وہ درد تھا اور درد سہہ جاتا ہے انسان...... لیکن محبت پر بند ...یے باندھے تھے اس نے...... یہ ایک شیر دل کو اس سے سیکھنا تھا۔

☆☆☆

''سر ہم بھی یہاں سیکھنے کے لیے آئے ہیں مکھیاں مارنے تو نہیں آئے یا پھر آپ ہمیں اجازت دیں ہم باہر گلی ...ڈنڈا کھیل لیتے ہیں آپ تب تک میڈم کو پسٹل شوٹنگ کی پریکٹس کراتے رہیں ہوسکتا ہے آپ کی یہ محنت رنگ لائے ...ور میڈم اگلے اولمپکس میں پسٹل شوٹنگ میں گولڈ میڈل لے کر آپ کا اور پاکستان کا نام روشن کرکے آئیں۔'' عکس ...و ہنسی آگئی تھی شیر دل کی جھلاہٹ پر لیکن اس نے سر جھکا کر ہاتھ میں پکڑے پسٹل کا بلٹ چیمبر کھولتے ہوئے اپنی ...ی چھپائی۔ اسے بہت دیر سے وقتاً فوقتاً شیر دل کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہورہا تھا کہ شیر دل اب کسی بھی وقت پھٹنے ...والا تھا۔ وہ اس کی شکل اور تاثرات دیکھ کر بھی اس کی جھلاہٹ اور بے زاری کو پہچان سکتی تھی۔

وہ لوگ ایلیٹ فورس کے ٹریننگ اسکول میں نشانے بازی کی تربیت کے لیے آئے تھے۔ وہ پہلا ڈی ایم جی گروپ تھا جن کی تربیت کا ایک حصہ نشانے بازی میں مہارت بھی تھا۔ تین روزہ اس ترتیب کے پہلے ہی دن شیر ...ل کا موڈ اس وقت بری طرح آف ہوا تھا جب اس نے اپنے گروپ کے انسٹرکٹر کو مکمل طور پر عکس کی طرف متوجہ ...بلکہ فریفتہ پایا تھا۔ وہ لوگ چار چار کے گروپس میں تھے اور عکس اسی کے گروپ میں تھی۔ انہیں پاکستانی پولیس کے ...زیر استعمال اسلحے سے متعارف کرواتے ہوئے انسٹرکٹر نے پورا لیکچر عکس کو دیکھتے ہوئے دیا تھا بلکہ اس کا شاید بس ...چلتا تو وہ اس ٹریننگ سیشن کو صرف ون ٹو ون کردیتا۔ ایلیٹ فورس کا وہ اہلکار پہلی بار ڈی ایم جی کی کسی خاتون آفیسر کے متھے لگا تھا جو اسے سر کہہ رہی تھی اور خاتون آفیسر بھی وہ جن کے لیے اکیڈمی میں موجود بہت سارے ...ضرات گدھے بننے کے لیے تیار تھے اور وہ اہلکار خوش قسمت تھا کہ 18 کے اس گروپ کی ''ہیروئن'' اس کی فلم ...میں تھی اور اسے اپنی اس خوش قسمتی اور باقی انسٹرکٹر کی بدبختی کا احساس بھی تھا۔

گروپ میں شیر دل کے علاوہ دوسرے دونوں مرد آفیسر نے اس التفات پر صرف معنی خیز مسکراہٹوں کا ...بادلہ کرکے اسے نظرانداز کردیا تھا۔ صرف شیر دل تھا جو نظرانداز نہیں کرسکا تھا۔ پتا نہیں اسے انسٹرکٹر کے ساتھ ...س کی یہ قربت اچھی لگی یا اس انسٹرکٹر کا ایک شیر دل کو ایک لڑکی کی وجہ سے اس بری طرح نظرانداز کرنا۔

اکیڈمی میں سب ایک شیر دل کے خاندان سے واقف تھے۔ ایڈیشنل سیکریٹری کے بیٹے کو بہت واضح انداز ...میں کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی حد تک پروٹوکول دیا جاتا تھا۔ ایک شیر دل اس پروٹوکول کا عادی تھا۔ وہ بہت دیر تک ...ب دیکھتا رہا...... پریکٹس سیشن کے دوران بھی انسٹرکٹر باقی تینوں ممبرز کو ہلکی پھلکی ہدایات دینے کے بعد بار ...عکس کے پاس پہنچ جاتا تھا اور شیر دل کی توجہ شوٹنگ رینج اور پریکٹس سے زیادہ اسی چیز پر تھی۔ نہ پسٹل اس کے ...لیے نئی چیز تھی نہ وہ پہلی بار شوٹنگ پریکٹس کررہا تھا اس کے باوجود اس نے جان بوجھ کر انسٹرکٹر کو اپنی طرف بلانا

شروع کر دیا تھا اور پھر جب ایک بار انسٹرکٹر اس کے بلانے پر آنے کے بجائے اسے عکس کی وجہ سے انتظار کرواتا رہا تو ایک نے کانوں پر چڑھائے ہوئے ear pluge اتار کر بڑی خفگی سے انسٹرکٹر سے کہہ ہی دیا تھا۔

چند لمحوں کے لیے انسٹرکٹر کو اس کی بات کی سمجھ ہی نہیں آئی۔ بات مزاحیہ لگی تو اسے لیکن یقیناً ہنسانے کے لیے نہیں کی گئی تھی۔

''سر آپ پہلے ان کی بات سن لیں۔'' عکس نے انسٹرکٹر سے کہا۔ وہ انسٹرکٹر کی اس قدر توجہ کو خود بھی ہضم نہیں کر پا رہی تھی۔ انسٹرکٹر با دلِ ناخواستہ شیر دل کی طرف چلا گیا۔

بریک میں شیر دل اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔ یہ اب روٹین میں ہونے لگا تھا وہ بے مقصد اس کے پاس آ کر بیٹھ جاتا تھا اور پھر بات چیت شروع کر دیتا آج بھی اس نے یہی کیا تھا۔

''اس طرح کے دو چار الو تمہیں پھر مل گئے تو بیسٹ پروبیشنر کی ٹرافی ایک بار پھر تم لے جاؤ گی۔'' بڑے سرسری انداز میں کہی ہوئی اس بات میں بڑی تضحیک تھی جو عکس نے محسوس کی تھی۔

''ایکسکیوزمی...... میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھی۔'' اس نے بڑی شائستگی سے شیر دل کو ٹوکا۔ پتا نہیں شیر دل کس موڈ میں تھا لیکن اس نے بڑے اطمینان سے اس کی CTP کی بیسٹ پروبیشنر کی ٹرافی کا کریڈٹ ان دو مردوں کو دیا تھا جن میں سے ایک کا نام لینا وہ سؤر کا نام لینے کے مترادف سمجھتا تھا اور دوسرے کو وہ گدھا نہیں خچر سمجھتا تھا۔ بڑے استہزائیہ انداز میں اس نے عکس کو جتایا تھا کہ وہ اسپورٹس کے ان دو ایونٹس میں مردوں کی پارٹنر شپ کی وجہ سے جیت سکی تھی اور صرف ان فتوحات کی وجہ سے شیر دل اور اس کے پوائنٹس میں فرق آ گیا تھا ورنہ وہ کبھی بیسٹ پروبیشنر ٹرافی اپنے بل بوتے پر نہیں جیت سکتی تھی۔ پانی کی بوتل سے پانی پیتے ہوئے عکس نے شیر دل کی یہ بکواس بے حد اطمینان سے سنی تھی۔

''تمہارا خیال ہے وہ اسپورٹس پوائنٹس مجھے نہ ملتے تو یہ ٹرافی اب بھی تمہارے خاندان کے پاس جاتی؟'' اس کی بات سننے کے بعد اس نے بے حد شائستگی کے ساتھ شیر دل سے پوچھا تھا یوں جیسے وہ کسی بہت اہم مسئلے پر اس کی رائے لے رہی ہو۔

''fact ہے یہ۔'' شیر دل نے کندھے اچکا کر کہا تھا۔

''شیر دل اس بار تو کوئی مکسڈ گیمز نہیں ہیں نا...... تم اس بار بیسٹ پروبیشنر کی ٹرافی لے لو۔'' شیر دل چند لمحے اس سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ وہ سنجیدہ تھی لیکن بلا کے اطمینان کے ساتھ اسے بیسٹ پروبیشنر کی ٹرافی جیتنے کا چیلنج یوں دے رہی تھی جیسے کسی بیکری سے کپ کیک لانے کا کہہ رہی ہو۔

''تمہیں لگتا ہے میں نہیں جیت سکتا؟'' ایک ابرو بے حد تیکھے انداز میں اچکاتے ہوئے شیر دل نے اس سے پوچھا۔

''کیوں نہیں جیت سکتے...... تم ہمارے کامن کے بیسٹ رائڈر ہو، بیسٹ سوئمر ہو، بیسٹ ٹینس پلیئر ہو، مجھے یقین ہے بیسٹ شوٹر بھی تم ہی ہو گے...... کیوں نہیں جیت سکتے تم۔'' اس نے اس طرح اطمینان سے کہا تھا جیسے ایک فارم ٹیچر اپنے اسٹوڈنٹ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اسے اس کی قابلیت کا یقین دلاتے ہوئے کسی بڑے مقابلے میں بھیجنے کے لیے تیار کر رہی ہو۔

''لیکن بات یہ ہے ابک شیر دل کہ یہ اولمپکس ہوتے تو تمہی جیتتے ہر کھیل میں لیکن خوش قسمتی سے یہ اولمپکس

نہیں ہے۔'' شیر دل جانتا تھا وہ اسی کے استعمال کیے ہوئے لفظ کو لے کر اس پر چوٹ کر رہی تھی۔

''دیکھیں گے۔'' شیر دل کرسی جھلاتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''ضرور......'' عکس نے مسکرا کے کہا۔

''تم چیلنج کر رہی ہو کہ تم مجھے یہ ٹرافی نہیں لینے دو گی؟'' شیر دل نے اس کے جواب پر کہا۔ عکس جواب دینے کے بجائے اسے دیکھ کر مسکرا دی...... ایک بے حد گہری...... بے حد معنی خیز...... لیکن چیلنج کرتی ہوئی مسکراہٹ۔

تقریباً آٹھ ماہ کے بعد CTP کی ٹریننگ کے اختتام پر اس بار کوئی کانٹے دار مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ اسپورٹس کا ایونٹ شیر دل کا نام رہا تھا۔ لیکن کورس کے تمام پیپرز میں وہ کسی ایک میں بھی ٹاپ نہیں کر سکا تھا۔ صرف وہی نہیں گروپ کے دوسرے آفیسرز میں سے کوئی بھی اکیڈمکس میں کسی ایک پیپر میں بھی عکس مراد علی کو beat نہیں کر سکا تھا۔ اکیڈمکس میں اتنی واضح اور یکطرفہ پرفارمنس کے بعد بیسٹ پروبیشنر کی ٹرافی جیتنے کے لیے عکس کی باقی چیزوں میں بہت معمولی ایوریج پرفارمنس بھی بہت کافی تھی۔ اس نے شیر دل کو کڑا جواب دیا تھا۔

پاسنگ آؤٹ ceremony اٹینڈ کرتے ہوئے شیر دل نے پہلی بار عکس مراد کے لیے کھلے دل سے تالیاں بجائی تھیں۔ وہ ڈی ایم جی کی بیسٹ پروبیشنر کی ٹرافی حاصل کرنے والی پاکستان کی پہلی خاتون آفیسر تھی اور اس کے ایوارڈ سے پہلے اس کا یہ اعزاز بھی دہرایا گیا تھا۔

دو سال کی ٹریننگ کے دوران شیر دل ایک حریف کے طور پر اسے جتنا سخت مقابلہ دے سکتا تھا اس نے دیا تھا۔ اس نے کبھی کہیں عکس مراد علی کی سبقت اور قابلیت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ یہی کچھ اس گروپ کے باقی 16 آفیسرز نے کیا تھا۔ عکس مراد علی مرد بھی ہوتی تب بھی وہ اس کے ساتھ ایسا ہی کڑا مقابلہ کرتے لیکن اس کا عورت ہونا ان 17 مرد آفیسرز کے لیے جیسے ایک اور چیلنج تھا۔ ان میں سے ہر ایک وہاں اپنی ذاتی prestige کے لیے تو لڑ ہی رہا تھا لیکن وہ 17 لوگ اپنی صنف کی prestige کے لیے بھی لڑے تھے۔ جتنا اور جیسا لڑ سکتے تھے اور اب اس لڑائی کے اختتام پر وہ 17 لوگ بالآخر ڈاکٹر عکس مراد علی کو تعظیم دے رہے تھے..... کھلے دل سے۔ اعلیٰ ظرف حریفوں کی طرح شیر دل نے بھی بالآخر عکس مراد علی کی جیت کو خوش دلی سے تسلیم کر لیا تھا۔ اس عورت کے لیے تحسین اور تعظیم کے جذبات کے ساتھ...... اس کے باوجود کہ وہ اپنے چیلنج میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

ہال میں بیسٹ پروبیشنر کے لیے فخریہ انداز میں تالیاں بجاتے ہوئے خیر دین کو اس شام مسز بختیار شیر دل نے کئی سال بعد پہلی بار دیکھا تھا...... پہلی خاتون بیسٹ پروبیشنر کے نام کے اعلان پر ہال اسٹینڈنگ اوویشن دینے کے لیے کھڑا ہوا تھا اور وہ پہلا لمحہ تھا جب پاکستان کے بااثر اور بارسوخ لوگوں کی اس gathering میں مسز بختیار شیر دل نے فرسٹ رو میں اپنے اور اپنے شوہر سے کچھ فاصلے پر بے حد جوش و خروش سے تالیاں بجاتے ہوئے خیر دین کو دیکھا تھا۔ کئی سال گزرنے اور چہرے پر داڑھی ہونے کے باوجود مسز بختیار شیر دل نے اس cook کو پہچاننے میں چند سیکنڈز لگائے تھے جو ان کے خاندان میں ہونے والی سب سے بڑی ٹریجڈی کا ایک کردار تھا۔ ان کا دھیان عکس مراد علی سے ہٹ گیا تھا...... کچھ دیر کے لیے وہ اس صدمے کو بھی بھول گئی تھیں جو ایک بار پھر اس ٹرافی کے شیر دل کو نہ ملنے پر انہیں ہوا تھا...... کچھ دیر کے لیے ان کا ذہن جیسے بالکل blank ہو گیا تھا۔ مسئلہ صرف خیر دین کو دیکھنے کا نہیں تھا مسئلہ خیر دین کو ایک غلط gathering میں دیکھنے کا تھا۔ وہ کس [illegible]مر کی وجہ سے وہاں موجود تھا۔ یہ بھی بہت دیر تک ان سے چھپا نہیں رہا تھا۔ انہوں نے شاک کے عالم میں

عکس مراد علی کو دیکھا تھا۔ یوں جیسے انہوں نے کسی بھوت کو دیکھ لیا تھا...... اور یہ غلط بھی نہیں تھا وہ اپنے خاندان کے ماضی کا ایک بھوت ہی دیکھ رہی تھیں اس لڑکی کی شکل میں ....انہیں وہ نو سالہ بچی یاد آئی تھی جس کی باتیں ان کا بیٹا quotations کی طرح دہرایا کرتا تھا ان کے سامنے اور جس کی باتیں انہیں شدید خفا کرتی تھیں کیونکہ انہیں لگتا تھا ان میں بغاوت کی بو تھی...... عمر سے زیادہ کی maturity تھی...... اور چیلنج تھا...... وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس بچی کو ناپسند کرنے لگی تھیں جس کے ساتھ کھیلنے کے لیے ایک شیر دل ان سے سو جھوٹ بولنے پر تیار رہتا تھا...... وہ کبھی بھی چڑیا کی باتوں کو ایک بچے کی ذہانت سمجھ کر اسے داد نہیں دے سکی تھیں اور اب اسی چڑیا کے لیے وہ اسی ہال میں کھڑے تالیاں بجانے پر مجبور تھیں اس کے باوجود کہ اس نے وہ ٹرافی ان کے خاندان سے چھینی تھی جیسے شیر کے منہ سے نوالہ چھین لیا ہو اور اس کے باوجود کہ وہ اس لڑکی کی وجہ سے اپنے عزیز ترین اثاثے اپنے بھائی سے محروم ہوئی تھیں۔

اسی خالی ذہن اور بے تاثر چہرے کے ساتھ انہوں نے تقریب کے بعد ہونے والے ڈنر کو اٹینڈ کیا تھا۔ شیر دل نے ماں کے اکھڑے ہوئے موڈ کو محسوس کر لیا تھا اور اس کا خیال تھا یہ اس کے ٹرافی نہ جیتنے کی وجہ سے تھا۔ ڈنر کے دوران تمام کانسرز کے والدین ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ شیر دل نے بھی بختیار اور ماں کو عکس اور اس کے نانا سے ملوانے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا...... بے حد کورا انکار۔ شیر دل نے ان کے لہجے کی اس رکھائی اور انکار کو بھی عکس مراد علی کو ملنے والی ٹرافی کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ ماں زندگی میں پہلی بار کسی سوشل گیدرنگ میں اس طرح ری ایکٹ کر رہی تھیں کہ شیر دل کو انہیں سمجھنا مشکل ہو رہا تھا۔ بختیار شیر دل اپنی بیوی کے انکار کے باوجود شیر دل کے ساتھ بڑی خوش دلی سے عکس اور اس کے نانا سے ملے تھے۔ خیر دین اور ان کا کبھی پہلے آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے چند منٹ خیر دین کو عکس مراد علی کی کامیابی کی مبارک باد دی، عکس کے ساتھ گپ شپ کی اور پھر شیر دل کے ساتھ ہی واپس آ گئے۔

''اچھی لڑکی ہے۔'' شیر دل کی ممی نے بختیار شیر دل کو عکس سے مل کر واپس آنے پر اس کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے سنا تھا۔ انہوں نے شوہر کے اس تبصرے کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ شیر دل سے عکس مراد علی کے بارے میں بہت کچھ سنتی رہتی تھیں۔ انہیں اندازہ تھا CTP میں ایک شیر دل کی عکس کے علاوہ کسی اور سے دوستی نہیں تھی۔ بعض دفعہ انہیں شیر دل عکس سے ضرورت سے زیادہ متاثر محسوس ہوتا لیکن انہوں نے کبھی اس چیز پر زیادہ غور و خوض نہیں کیا تھا کیونکہ عکس مراد علی ایک شیر دل کی پہلی دوست نہیں تھی۔

وہ اس رات تقریب سے واپس چلے آنے پر گھر میں بھی بہت اپ سیٹ رہی تھیں اور بختیار نے ان کی اس پریشانی کے بارے میں سب سے پہلے تبصرہ کیا تھا۔

''آپ اب اس ٹرافی کو ذہن سے نکال دیں it went to the better officer''

بختیار شیر دل نے انہیں بڑی صاف گوئی سے کہا تھا۔ وہ بھی اپنی بیوی کی اس خاموشی کو اس ٹرافی کے کھو دینے کا ردِعمل سمجھے تھے لیکن انہیں حیرت تھی کہ ان کی بیوی اس ایک ٹرافی کو اتنا سیریسلی کیوں لے رہی تھیں۔

''سول سروس میں بھی اب پتا نہیں کیسے کیسے لوگ آنے لگے ہیں۔'' بختیار نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنی بیوی کو عجیب سا تبصرہ کرتے سنا۔ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے کچھ حیرانی سے انہیں دیکھا تھا۔

''سول سروس میں ہمیشہ سے ہی پتا نہیں کیسے کیسے لوگ آتے رہتے ہیں۔ ویسے تمہارا اشارہ کس طرف

ہے؟'' انہوں نے خوش دلی سے بات کرتے ہوئے اپنی بیوی کے تبصرے کو lightly لیا۔ ان کی بیوی کبھی بھی اس طرح کی باتیں اور تبصرے کرنے کی عادی نہیں تھیں جیسا تبصرہ انہوں نے اس وقت ان سے سنا تھا۔

''generally بات کر رہی ہوں کسی خاص شخص کی طرف اشارہ نہیں ہے میرا۔'' انہوں نے شوہر کی بات پر......... ایک دم کچھ سنبھل کر کہا تھا۔

''ویسے آپ عکس مراد علی کی تعریف کس حوالے سے کر رہے تھے؟'' انہوں نے بات کرتے کرتے ایک دم موضوع بدلا۔

''بہت قابل آفیسر ہے اور بہت گروڈ...... اچھا لگا مجھے اس سے مل کر۔'' بختیار نے کہا۔

''فیملی بیک گراؤنڈ کوئی اتنا اچھا نہیں ہے اس کا۔'' شیر دل کی ممی نے بے ساختہ ان سے کہا۔ ''ماں نے دوسری شادی کی ہوئی ہے مڈل ایسٹ میں کہیں ہے وہ سوتیلے باپ اور فیملی کے ساتھ...... اور نانا دال کی کوئی دکان چلاتا ہے۔ خیر دین کی دال کا سنا ہوگا آپ نے۔'' بختیار کو بیوی کا انداز آج حیران کر رہا تھا۔ ان کے لہجے میں پہلی بار وہ اس طرح کی تضحیک محسوس کر رہے تھے اور انہیں وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کیا صرف وہ جیلسی جو ایک ماں اس لیے محسوس کرتی ہے کیونکہ اس کے بیٹے کا حق سمجھی جانے والی چیز کسی اور نے چھین لی تھی...... چاہے قابلیت کے بل پر درست طریقے سے ہی سہی لیکن تھوڑی بہت خفگی اور جیلسی بہت نیچرل بات تھی اس صورتِ حال میں۔

''ہاں میں نے سنا ہے خیر دین کی دال کے بارے میں۔ پہلے بھی میں نے سنا تھا اس حوالے سے کسی سینئر آفیسر سے...... لیکن مجھے اس آدمی سے ملتے ہوئے بہت اچھا لگا۔ وہ بات چیت سے رکھ رکھاؤ سے بالکل مزدور نہیں لگ رہا تھا بلکہ مجھے کافی پڑھا لکھا لگا...... تمہیں بھی ملنا چاہیے تھا اس سے جب شیر دل کہہ رہا تھا۔'' بختیار نے بات کو تھوڑا سا بدل دیا تھا۔

''مجھے دلچسپی نہیں تھی۔'' انہوں نے کہہ کر بات کا موضوع ایک بار پھر بدل دیا.... لیکن اب ایک عجیب سی بے چینی انہیں ہو رہی تھی۔ شیر دل نے ان سے ذکر نہیں کیا تھا لیکن کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ وہ خیر دین کو اس پوسٹنگ کے حوالے سے اور عکس کو چڑیا کے حوالے سے جانتا تھا اور وہ ان سے چھپا رہا تھا۔ انہیں یاد تھا وہ ماں کی چڑیا کے لیے ناپسندیدگی جاننے کے بعد ماں سے چڑیا کے بارے میں بہت کچھ چھپانے لگا تھا۔ مسز بختیار شیر دل کو ایک عجیب سا اضطراب ہوا تھا۔ ایسا بھی ہو سکتا تھا یہ ناممکن تو نہیں تھا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اس کی عکس مراد علی سے اتنی دوستی ہو اور عکس مراد علی اور خیر دین اس کا نام اور خاندان کے بارے میں جاننے کے بعد یہ نہ جان پائیں کہ وہ کون تھا...... اور اگر انہوں نے بالفرض شیر دل کو نہیں پہچانا تھا تو شیر دل تو ان دونوں کو پہچان سکتا تھا...... یا پہچانتا تھا اور ان سے چھپا رہا تھا اور چھپا رہا تھا تو یہ بہت خوفناک بات تھی۔ اس رات وہ اپنے بستر پر کروٹیں لیتی رہیں انہیں نیند نہیں آئی۔ وجوہات بہت ساری تھیں انہیں شہباز حسین یاد آیا تھا...... ان کا جان سے پیارا اکلوتا چھوٹا بھائی...... جس کی موت کے ساتھ ہی اس کا خاندان ختم ہو گیا تھا۔ منزہ کی زندگی کا سب سے بڑا taruma یہی تھا۔ وہ شرمین کو شہباز کی خودکشی کا ذمے دار سمجھتی تھیں اور آج خیر دین اور عکس کو دیکھنے پر یک دم انہیں یوں لگا تھا جیسے شہباز کی موت کی وجہ وہ دونوں تھے...... وہ ایک پھانس تھی جو ان کے دل سے نکلتی ہی نہیں تھی۔ انہوں نے اگلے ہی دن شیر دل سے عکس مراد علی کے بارے میں بات چیت کی تھی۔ ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ خود اسے خیر دین کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں بتا کر بات شروع کریں لیکن وہ یہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ شیر دل ان کے بارے میں کیا جانتا تھا اور کیا نہیں۔

''پتا نہیں میری کبھی اس معاملے پر اس سے تفصیلی بات نہیں ہوئی۔ اس کے نانا کی تو دال کی ایک بڑی مشہور دکان ہے میں نے آپ کو بتایا تھا۔'' شیر دل نے کہنا شروع کیا۔

''اور جو اس کے سوتیلے والد ہیں وہ......'' منزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اس کے نانا دال کی دکان کھولنے سے پہلے کیا کرتے تھے؟'' شیر دل ماں کی بات پر ہنس دیا۔

''ممی ان کا بزنس ہے یہ اور بہت established ہے یہ...... یہی کرتے ہوں گے وہ ہمیشہ سے......'' اس نے بے پروائی سے کہا تھا۔ منزہ اس کا چہرہ بڑے غور سے دیکھتی رہیں یوں جیسے یہ جانچنے کی کوشش کر رہی ہوں کہ وہ ان سے کچھ چھپانے کی کوشش تو نہیں کر رہا تھا لیکن شیر دل کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے انہیں یہ وہم ہوتا کہ وہ ایسا کچھ کر رہا تھا۔

''زیادہ اچھا فیملی بیک گراؤنڈ نہیں ہے اس کا۔'' منزہ نے بالآخر کہنا شروع کیا۔ ''ویسے تم تو اس کے نانا سے اکثر ملتے رہتے ہو گے؟'' منزہ نے بات شروع کر کے یک دم کہا۔

''نہیں اکثر تو نہیں لیکن ہاں ان سے مل چکا ہوں چند بار پہلے بھی...... کبھی کبھار دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ کے دوران آؤٹ آف سٹی جاتے ہوئے دال کھانے لے جاتے تھے میرے دوست وہاں...... یہ تو مجھے بعد میں پتا چلا کہ عکس کے نانا ہیں وہ...... اچھے آدمی ہیں ویسے......'' شیر دل نے بے پروائی سے تبصرہ کیا تھا۔

''خاندان بڑا matter کرتا ہے۔'' منزہ نے یہ بات اس ساری گفتگو کے جواب میں کیوں کہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ نہ اس کی سمجھ میں آیا...... نہ شیر دل کی سمجھ میں...... لیکن وہ خیر دین اور عکس کے بیک گراؤنڈ کے حوالے سے منزہ کی باتیں سنتا رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے وہ منزہ کی بہت سی باتوں سے متفق تھا۔

اکیڈمی سے پاس آؤٹ ہونے کے ایک سال بعد منزہ کے سامنے شادی کے تذکرے پر سرسری انداز میں عکس کا نام لینے پر اس نے ماں سے دوبارہ وہی لیکچر سنا تھا اور اس وقت اسے احساس ہوا اس کی ماں بہت پہلے اس خطرے کو بھانپ چکی تھی، نہ بھانپ چکی ہوتی تو اسے ڈھکے چھپے لفظوں میں اپنے خاندانی ہونے اور خاندانی رہنے کی اہمیت کو جتا نہ چکی ہوتی۔ وہ ماں سے زیادہ بحث نہیں کر سکتا تھا۔ کہیں نہ کہیں لاشعوری طور پر وہ بھی طبقاتی فرق اور اچھے بیک گراؤنڈ کی اہمیت پر یقین رکھتا تھا اور کہیں نہ کہیں وہ بھی عکس مراد علی سے شادی کرنے کی شدید خواہش کے باوجود اس ایک معاملے کی وجہ سے ہچکچاتا تھا۔ وہ ہلکا پھلکا پروپوزل جو اس نے بظاہر غیر سنجیدگی سے عکس کو دیا تھا اس نے تھینک یو ویری مچ کہہ کر ٹھکرا دیا تھا...... اسے عکس کی طرف سے کسی دلچسپی کا اظہار ملا ہوتا تو وہ ماں کی ان باتوں پر کسی نہ کسی حد تک عکس کا دفاع کرتا...... بالکل اسی طرح جس طرح اس نے عکس کو دوسری بار پروپوزل کرنے کے وقت منزہ سے اس معاملے پر شدید بحث کی تھی...... وہ کم سے کم دوسری بار عکس سے شادی کرنے میں اس کے خاندانی بیک گراؤنڈ کی وجہ سے متامل نہیں تھا، نہ ہی وہ ماں کو اس بات کے لیے blame کرتا تھا کہ عکس سے اس کی شادی نہ ہونے کی وجہ وہ بنی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ اگر عکس راضی ہو جائے تو وہ ماں کو منا لیتا...... شیر دل کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ وہ بختیار شیر دل کو منا سکتا تھا۔ وہ منزہ بختیار کو کبھی راضی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ یہاں مسئلہ خاندانی بیک گراؤنڈ نہیں تھا، یہاں مسئلہ شہباز حسین تھا۔

☆☆☆

شرمین شہباز حسین کو کبھی نہیں بھول سکی تھی بالکل اسی طرح جیسے شہباز حسین اس کی زندگی سے نکل جانے کو

بھول کر نارمل نہیں ہو سکا تھا۔ ان دونوں کی کم عمری میں شادی ہوئی تھی۔ شہباز ان دنوں امریکا میں اپنی ای کر رہا تھا جب وہاں کسی فیملی فرینڈز کے ہاں اس کی شرمین سے پہلی ملاقات ہوئی اور تیسری ملاقات میں اس نے شرمین کو پرپوز کر دیا تھا۔ وہ اس وقت 17 سال کی تھی شہباز 22 سال کا تھا۔ دونوں بہت اچھی فیملیز سے تعلق رکھتے تھے اور شکل و صورت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔

''ان کی شادی پرفیکٹ میچ تھا۔ آئیڈیل کپل...... love birds شہباز تھوڑا temperamental تھا لیکن شرمین کے لیے یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ وہ اس سے اتنی محبت کرتا تھا کہ کبھی غصہ کر بھی لیتا تو بھی اسے خود ہی منایا کرتا تھا۔ وہ کبھی کبھار ڈرنک کرتا تھا لیکن شرمین اس کی اس عادت سے شادی سے پہلے ہی واقف تھی۔ اس کا اپنا فیملی سیٹ اپ بھی اتنا لبرل تھا کہ کبھی کبھار کی شراب نوشی اس میں معیوب بات نہیں تھی۔ شہباز حسین میں اور کوئی خامی نہیں تھی کم از کم تب تک شرمین ایسا کچھ اس میں دیکھ نہیں پائی تھی جس پر اسے کبھی پریشانی یا تشویش ہوتی۔ شادی کے بعد وہ سول سروس میں آیا تھا اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں کی طرح اور شرمین پاکستان شفٹ نہ ہونے کی خواہش رکھنے کے باوجود اس کی محبت میں اس کے ساتھ پاکستان چلی آئی تھی۔ اسے وہاں آ کر ایڈجسٹ ہونے میں زیادہ دقت نہیں ہوئی تھی۔ شہباز کی صرف ایک بہن تھی اور وہ بھی میرڈ تھی لیکن اس کی extended family کافی زیادہ تھی۔ شرمین کو اس کی فیملی میں بڑی گرم جوشی سے لیا گیا تھا۔

شادی کے دس سال بہت آرام سے گزرے تھے۔ شادی کے شروع کے چند سالوں میں اوپر نیچے کے تین چار miscarriages کے بعد شہباز شرمین کے بارے میں ضرورت سے زیادہ پرٹیکٹو ہو گیا تھا۔ شہر بانو کی پیدائش کے بعد اس نے شرمین سے کہہ دیا تھا کہ اسے مزید بچوں کی ضرورت اور خواہش نہیں تھی۔ شرمین خود بھی زیادہ اولاد میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ ان کی زندگی میں آنے والا واحد طوفان خیر دین اور چڑیا کی وجہ سے آیا تھا اور وہ پہلا طوفان ہی ان کے رشتے کی جڑیں اکھاڑ گیا تھا۔

سسٹر ایگنس سے شرمین کی کئی سالوں کے بعد لاہور کانونٹ میں ملاقات ہوئی تھی۔ شہباز کی اگلی پوسٹنگ بہت عرصے کے بعد واپس لاہور میں ہوئی تھی۔ شہر بانو تب آٹھ سال کی تھی۔ سسٹر ایگنس لاہور کانونٹ میں تھیں لیکن اس بار وہ وہاں پرنسپل کے طور پر نہیں تھیں۔ شرمین سے ان کی ملاقات اتفاقی ہوئی تھی۔ شرمین خود بھی لاہور کانونٹ میں بہت بچپن میں چند سال زیر تعلیم رہی تھی۔ سسٹر ایگنس کے ساتھ کچھ سال پہلے ہونے والے تلخ تجربے کے باوجود شرمین ان سے بہت گرم جوشی سے ملی تھی لیکن سسٹر ایگنس اس سے تب بھی کھنچی کھنچی ہی رہی تھیں۔ ان کے رویے نے شرمین کو ایک بار پھر چند سال پہلے ہونے والے اس واقعے کے حوالے سے تجسس کا شکار کر دیا تھا۔ اس نے اس بار شہباز حسین کو سسٹر ایگنس کے بارے میں بتانے کی حماقت نہیں کی تھی۔ وہ ایک بار پھر سے شہر بانو کی اسکولنگ کے حوالے سے شہباز حسین کے رویے میں کوئی افراتفری دیکھنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس بار اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سسٹر ایگنس سے ان کے اور شہباز حسین کے درمیان ہونے والے تنازعے کی اصل وجہ جاننے کے لیے ضرور کوشش کرے گی اور اگر ممکن ہوا تو وہ اس تنازعے کو حل بھی کرا دے گی۔

وہ سسٹر ایگنس سے اس تنازعے کی وجہ جاننے پر اتنا اصرار نہ کرتیں تو سسٹر ایگنس چڑیا اور خیر دین کے ساتھ ہونے والے واقعات کبھی شرمین کے ساتھ شیئر نہ کرتیں۔ سسٹر ایگنس سے سب کچھ سننے کے بعد شرمین اگلے کئی

منٹ بے یقینی کے عالم میں سسٹر ایگنس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اسے لگا سسٹر ایگنس کو کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔

''یہ شہباز نے کیا؟'' اس نے شاک میں پوچھا تھا۔ سسٹر ایگنس تائید میں سر ہلاتے ہوئے اسے کچھ اور تفصیلات بتانے لگی تھیں۔

شرمین سرد ہاتھ پیروں کے ساتھ پلکیں جھپکائے بغیر سسٹر ایگنس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اس کا دماغ گھومنے لگا تھا۔ وہ شہباز حسین پر کیسا گھناؤنا الزام لگا رہی تھیں۔ شہباز ایسا کس طرح ہو سکتا تھا۔ اس نے اتنے سالوں میں اپنے شوہر میں معمولی سی بھی اخلاقی بے راہ روی نہیں دیکھی تھی اور سسٹر ایگنس کہہ رہی تھیں وہ...... شرمین آگے کچھ سوچ نہیں پا رہی تھی۔ اس کا دل کسی بات پر یقین نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس کا دماغ اس واقعے کے بعد شہباز کی طرف سے بولے جانے والے تمام جھوٹوں کو جیسے کسی flashback کی طرح ایک کے بعد ایک اس کے دماغ کی اسکرین پر لاتا جا رہا تھا۔ عجیب جنگ تھی جو اس کے دل و دماغ میں ہو رہی تھی۔ وہ سسٹر ایگنس کے پاس سے ایک لفظ بھی کہے بغیر اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔ باہر آ کر گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اسے یاد آیا اسے شہر بانو کو اسکول سے لینا تھا۔ عجیب خالی الذہنی کے عالم میں اس نے شہر بانو کو اسکول سے نکلتے ہوئے بچوں میں ڈھونڈنا شروع کیا تھا اور جو ڈھونڈتی ہی چلی گئی تھی لیکن شہر بانو تو ملنے پر نہیں آ رہی تھی اور تب اس پر یہ خوفناک انکشاف ہوا تھا کہ وہ تو شہر بانو کی شکل ہی بھول گئی تھی۔ ذہن پر بہت زور ڈالنے کے باوجود اسے اپنی اکلوتی بیٹی کی شکل یاد نہیں آ رہی تھی۔ اس نے عجیب خوف کے عالم میں اپنے پرس میں پڑے والٹ میں سے شہر بانو کی تصویر نکال کر جیسے خود کو اپنی بیٹی کا چہرہ یاد دلانے کی کوشش کی تھی اور پھر دوبارہ سر اٹھا کر بچوں کے اس ہجوم میں شہر بانو کا چہرہ تلاش کیا تھا۔ ایک بار پھر شہر بانو کا چہرہ اس کے ذہن کی اسکرین سے صاف ہو گیا تھا۔ وہاں ایک اور چہرہ ابھر آیا تھا...... اس نو سالہ چڑیا کا چہرہ...... وہاں ہر بچے کا چہرہ ایک دم چڑیا کا چہرہ بن گیا تھا۔ اس کے سامنے درجنوں چڑیائیں ادھر سے ادھر جا رہی تھیں۔ وہ کسی بت کی طرح بے حد خوف کے عالم میں پرس ہاتھ میں پکڑے ان بچوں کے ہجوم میں کھڑی تھی...... ایک لمحے کو لگا تھا اس کا ذہنی توازن خراب ہو گیا تھا ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی ہی اولاد کو نہ پہچان سکے...... ماں ہو کے وہ اپنی اولاد کو نہ پہچان سکے...... اور تبھی کوئی یک دم اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا تھا۔ شرمین نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ممی......'' اسے شہر بانو کی کھلکھلاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ اپنی پشت پر بیگ لٹکائے ماں کے پاس آ چکی تھی۔

پتا نہیں شرمین کو کیا ہوا تھا وہ بے اختیار وہیں کھڑے کھڑے پنجوں کے بل بیٹھ گئی تھی۔ شہر بانو کو ساتھ لپٹاتے ہوئے وہ اسکول گیٹ کے پاس بچوں اور ان کے پیرنٹس کے ہجوم میں دھاڑیں مار مار کر روئی تھی اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہاں سے گزرنے والے بہت سے بچوں کے پیرنٹس اسے شہباز حسین کی بیوی کے طور پر جانتے تھے...... اور وہ اپنی بچی کو emmbarras کر رہی تھی۔ شہر بانو عجیب دہشت زدہ ہو کر ماں کو اس طرح روتا دیکھتی رہی تھی۔ اس کا ذہن کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

شرمین اس دن اسکول سے گھر تک اسی طرح روتے ہوئے آئی تھی۔ وہ جگسا پزل جو وہ کئی سال پہلے صرف ایک پیس نہ ملنے کی وجہ سے حل نہیں ہوا تھا۔ وہ آج حل ہو گیا تھا۔ وہ گمشدہ پیس مل گیا تھا...... لیکن اسے حل نہیں ہونا چاہیے تھا وہ بہت غلط وقت پر حل ہوا تھا۔ وہ کئی سالوں بعد ایک دوسرے بچے کے لیے کوشش کر رہے تھے اور شرمین کو چند دن پہلے اپنی پریگنینسی کا پتا چلا تھا۔ وہ اور شہباز بہت خوش تھے اور اس ساری خوشی کے درمیان اسے

اپنی زندگی کے سب سے بڑے کرائسس کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

اس دن شرمین نے گھر جا کر شہباز سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس نے طے کیا تھا کہ وہ اس بار خیر دین اور اس سے ملے گی...... کسی بھی طرح کچھ بھی کر کے...... اور وہ خیر دین سے ملنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

زندگی میں بہت دفعہ شرمین کو اس ایک ملاقات کا رنج رہا۔ وہ خیر دین سے نہ ملتی تو اس کا گھر بچا رہ سکتا تھا...... شہباز حسین زندہ رہ سکتا تھا۔ اسے پاکستان چھوڑ کر نہ آنا پڑتا۔

☆☆☆

''تم واپس کب آ رہی ہو؟'' شہر بانو نے مسکراتے ہوئے منزہ کا سوال سنا اور پھر ہنس دی۔

''ممی لگتا ہے آپ اس بار مجھے شیر دل سے بھی زیادہ مس کر رہی ہیں۔'' منزہ جواب میں مسکرا نہیں سکی تھیں۔

''شیر دل تو جب سے سنگاپور کورس کے لیے گیا ہے اسے سب بھول گیا ہے ممی......'' شہر بانو نے منزہ کے موڈ کا اندازہ لگائے بغیر مسکراتے ہوئے اس سے شیر دل کی شکایت کی۔

''شہر بانو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' منزہ نے یک دم اسے ٹوک دیا۔ اس وقت پہلی بار شہر بانو نے اپنی ساس کے لہجے کا اضطراب نوٹس کیا۔

''کیا ہوا ممی؟ خیریت تو ہے؟'' وہ بھی سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''خیریت نہیں ہے۔'' منزہ نے بے ساختہ کہا۔

''آپ مجھے پریشان کر رہی ہیں ممی۔'' شہر بانو الجھ گئی تھی۔

''دیکھو بیٹا میں تم سے جو بھی ڈسکس کروں اس کا ذکر تم شرمین سے مت کرنا۔'' منزہ نے بات شروع کرنے سے پہلے اسے ہدایت دی۔

''ایسی کیا بات ہے ممی۔'' وہ کچھ اور الجھی۔

''شرمین کبھی اس مسئلے کی سنجیدگی کو نہیں سمجھے گی۔ وہ ایک سمجھدار عورت نہیں ہے۔ بے وقوف ہے، جذباتی ہے۔ اس نے خود ہمیشہ غلط فیصلے کیے ہیں اور میں جانتی ہوں وہ تمہیں کبھی صحیح طریقے سے گائیڈ نہیں کر سکتی۔ وہ تمہیں بھی ہمیشہ غلط فیصلہ کرنے ہی کا مشورہ دے گی۔'' منزہ کی یہ ساری تنقید شہر بانو کے لیے نئی چیز نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی منزہ اور شرمین ایک دوسرے کو شدید ناپسند کرتی تھیں اور یہ ناپسندیدگی منزہ کی طرف سے زیادہ تھی۔ وہ اپنے بھائی کی موت کا ذمے دار کھلے لفظوں میں شرمین کو کہتی تھی لیکن بہر حال وہ یہ بات شہر بانو کے سامنے نہیں کہتی تھی۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہ بات شہر بانو کے سامنے کہہ بھی دے تو بھی شہر بانو کو برا نہیں لگے گا کیونکہ ایک بہت طویل عرصہ وہ بھی منزہ ہی کی طرح شرمین کو اپنے باپ کی موت کا ذمے دار سمجھتی رہی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ منزہ کی شرمین پر کی جانے والی تنقید کا اس نے کبھی برا نہیں منایا تھا۔ منزہ خود اسے بے حد عزیز رکھتی تھی۔ وہ بچپن میں بھی اپنے بھائی کی اکلوتی اولاد سے بہت پیار کرتی تھی اور شرمین کے پاکستان سے چلے جانے کے بعد بھی اس نے شرمین سے بہت دفعہ رابطہ کر کے شہر بانو سے ملنے کی کوشش کی تھی۔ شرمین نے ہمیشہ ان کی ان کوششوں کا بہت حوصلہ شکن جواب دیا تھا۔ آہستہ آہستہ منزہ نے بھی یہ کوشش ختم کر دی تھی۔

''ممی آپ بتائیں کیا بات ہے؟'' شہر بانو نے فی الحال شرمین پر ہونے والی تنقید میں دلچسپی لینے کے بجائے پوچھا تھا۔

”شہباز پر اس کے ایک پرانے کک نے کچھ الزامات لگا کر کئی سال پہلے اس کی سرکاری نوکری سے برطرفی کے فیصلے کو کورٹ کے ذریعے چیلنج کیا ہے۔“ منزہ نے بالآخر اسے مختصر لفظوں میں بتایا۔

”میری سمجھ میں نہیں آیا...... پاپا پر اب کوئی کیس کیسے کر سکتا ہے؟“ منزہ کی بات شہر بانو کے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔

”تم عکس مراد علی کو جانتی ہو؟“ منزہ کے اگلے سوال نے شہر بانو کو کچھ اور بھی حیران کیا۔

”جی وہ شیر دل کی دوست اور کولیگ ہے۔“ اس نے بے ساختہ کہا۔

”وہ اس کک کی نواسی ہے۔“ شہر بانو کو ایک لمحے کے لیے کچھ سمجھ نہیں آیا۔

”ممی مجھے یہ equation سمجھ میں نہیں آئی۔ کون کک، کیسے الزامات؟ اور اس میں پاپا یا عکس کا کیا کنکشن ہے؟“ اس نے کچھ الجھ کر منزہ سے کہا۔

”اس فیملی نے کبھی اس گھر میں شہباز اور تمہاری ممی کو serve کیا تھا۔ پھر خیر دین نے گھر میں چوریاں کرنی شروع کر دیں اور شہباز نے اسے گھر سے نکال دیا۔ تمہاری ممی اس پر بہت خفا ہو گئیں کیونکہ خیر دین اس کا بڑا فیورٹ نوکر تھا اور خیر دین نے بھی شرمین کو الٹی سیدھی پٹیاں پڑھائیں...... شہباز پر بہت برے برے الزامات لگائے۔ اسی کے الزامات کی وجہ سے شرمین نے شہباز سے علیحدگی اختیار کی تھی اور اب اتنے سالوں کے بعد وہ پھر معصوم بن کر واپس آ گیا ہے اپنی اس نواسی کو لے کر جو پہلے شیر دل سے شادی کے لیے اس کے پیچھے پڑی ہوئی تھی اور جب وہ نہیں ہوا تو اب یہ نیا پینڈورا باکس لے کر آ گئے ہیں وہ دونوں۔ میں چاہتی ہوں تم شیر دل سے بات کرو۔ اسے سمجھاؤ کہ وہ اس لڑکی کو اور اس کے نانا کو منع کرے اس کیس سے...... وہ اس کی دوست ہے اس کے لیے مشکل نہیں ہے اسے یہ بات سمجھانا...... میں نے ابھی بھی اس سے بات کی ہے سنگاپور...... لیکن وہ کہہ رہا ہے وہ عکس کو منع نہیں کرے گا۔ اسے اپنے ماموں، اپنے خاندان تمہارے باپ کی پروا نہیں ہے۔ اس لڑکی کی پروا ہے...... شہر بانو تم اس سے بات کرو گی تبھی کچھ ہوگا۔“ منزہ اس سے کہتی جا رہی تھی یہ اندازہ لگائے بغیر کہ انہوں نے شہر بانو کے کانوں میں سیسہ انڈیلا تھا تھوڑی دیر پہلے...... وہ گنگ فون کا ریسیور کان سے لگائے بیٹھی رہی تھی۔

شہباز حسین...... شرمین...... الزامات...... علیحدگی...... عکس مراد علی...... شیر دل...... پتا نہیں ان میں سے کون سی بات نے اسے زیادہ کاٹا تھا...... کون سی بات آری تھی اور کون سی چھری...... لیکن شہر بانو کا گھر گرداب میں پھنس گیا تھا اور اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے چکراتے ہوئے سر کے ساتھ رات کے دو بجے شیر دل کے بیڈ روم کے دروازے کو بجانا شروع کیا تھا اور پھر وہ بے اختیار پاگلوں کی طرح بجاتی ہی چلی گئی تھی۔ اس نے اندر سے شیر دل کی خفگی میں کچھ کہنے کو بھی نہیں سنا تھا۔ شیر دل نے نائٹ سوٹ میں بہت ہڑبڑاتے ہوئے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تھا اور وہ عکس مراد علی کو دروازے پر دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا تھا۔ اس کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔

”کیا ہوا؟“ شیر دل نے بے اختیار اس کا بازو پکڑا۔ وہ بچوں کی طرح اس سے لپٹ گئی تھی۔

”نانا...... نانا......“ شیر دل نے ہچکیوں اور سسکیوں میں اس کی آواز سنی۔

(باقی آئندہ)

ہماری بھول

عطیہ عمر

جمیلہ کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ جھاڑو، پونچھے سے فارغ ہو کر اسے کپڑے بھی دھونے تھے۔ وہ چاہتی تھی عقیلہ باجی کے گھر سے جلدی کام ختم کر کے عرفانہ باجی کے گھر پہنچے، ان کی نند کو دیکھنے کے لیے آج کچھ مہمانوں نے آنا تھا۔ ویسے تو وہ ان کے گھر بھی صرف جھاڑو پونچھا ہی کرتی تھی لیکن کبھی کبھار عرفانہ باجی کسی فالتو کام کے لیے روک لیتیں تو اضافی پیسے بھی دے دیتی تھیں۔ آج بھی جمیلہ کو ایسی ہی



امید تھی، پھر وہاں سے اسے قریشی صاحب کے ہاں جانا ہوتا تھا۔ تب تک شام ہوجاتی تھی۔ وہ اس گھر میں کپڑے دھونے اور استری کا کام کرتی تھی۔ گھر جاتے جاتے تھک کر چور ہوجاتی مگر پھر اسے گھر کے کام بھی کرنے پڑتے۔ تینوں بچے ابھی چھوٹے تھے۔ بڑا بیٹا بارہ، تیرہ برس کا تھا۔ اس سے چھوٹی بیٹی دس برس کی اور سب سے چھوٹا بیٹا سات برس کا تھا۔ تینوں بچے محلے کے سرکاری اسکول میں پڑھتے تھے۔ بے شک پرائیوٹ اسکولوں کی طرح شاہانہ خرچ نہ تھا مگر پھر بھی کتابیں، کاپیاں، یونیفارم وغیرہ کا خرچ تو تھا ہی۔ جمیلہ کی طرح اس کے شوہر کو بھی شوق تھا کہ اس کے بچے پڑھ لکھ جائیں۔ نذیر ایک فیکٹری میں روزانہ کی اجرت پر کام کرتا تھا۔ کھینچ تان کر گزارہ ہو ہی رہا تھا مگر اس مہنگائی نے جو کسی عفریت کی طرح پھیلتی جارہی تھی اب تو دو وقت کی روٹی بھی دوبھر کردی تھی۔

گیس بجلی کی کئی کئی گھنٹوں اور دنوں کی بندش نے فیکٹری مالکان کو بھی پریشان کر رکھا تھا۔ ان کی پریشانی کا اثر پڑتا تھا روزانہ اجرت پر کام کرنے والے کارکنوں پر۔ یہ لوگ آئے دن چھانٹی کی زد میں آئے رہتے۔ نذیر بھی اس آفت کا شکار رہتا...... اگرچہ پہلے بھی اس کی نوکری جاتی رہتی تھی مگر اس قدر پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ وہ ایک محنتی کاریگر تھا۔ اسے جلد ہی دوسری جگہ نوکری مل جاتی تھی مگر آج کل جس طرح ملک کے معاشی حالات دگرگوں تھے اسی طرح نذیر اور جمیلہ کی پریشانی بھی روز بروز بڑھ رہی تھی۔

اب کی بار جب نذیر کی نوکری ختم ہوئی تو دوسری مل ہی نہیں رہی تھی۔ جمیلہ کی تنخواہ میں پورا ہی نہیں پڑتا تھا۔ گھر کا کرایہ، بجلی، گیس کا بل۔ جمیلہ نے اچھے دنوں میں جو تھوڑی بہت بچت کر کے رکھی تھی کہ اپنا گھر بنائیں گے، وہ تیزی سے خرچ ہورہی تھی۔

جمیلہ نے پھرتی سے اپنا کام ختم کیا۔ عقیلہ باجی کی یہ عادت اچھی تھی کہ وہ جمیلہ کے پیچھے پیچھے گھوم پھر کر اس کے ہر کام کا باریک بینی سے مسز قریشی کی طرح معائنہ نہیں کرتی تھیں۔ مسز قریشی تو قمیصوں کے کف، کالر، شلوار کے پائنچے چشمہ لگا کر دیکھتیں۔ ذرا سا دھبا دکھائی دے جاتا تو دوبارہ دھلواتیں لیکن ان کی اس مین میخ نکالنے والی عادت کو جمیلہ خوش دلی سے اس لیے برداشت کرتی تھی کہ وہ اجرت بہت فراخ دلی سے دیتیں۔ مقررہ تنخواہ کے علاوہ بھی اکثر ہی اسے کچھ نہ کچھ دیتی رہتی تھیں۔

عقیلہ باجی کچن میں کھانا بنارہی تھیں، ساتھ ہی ساتھ کپڑے دھونے کے لیے مشین لگا رکھی تھی۔ جمیلہ نے جھاڑو تو پورے گھر کی لگادی تھی لیکن پونچھا صرف لاؤنج اور ڈائننگ روم میں لگایا۔ باتھ رومز میں صرف وغیرہ ڈالنے کے بجائے صرف پانی بہا کر اپنا کام ختم کیا۔ البتہ لانڈری اور کچن اس نے اچھی طرح صرف اور وم ڈال کر رگڑ رگڑ کر دھویا۔ عقیلہ اس کی جانفشانی دیکھ کر خوش ہوگئیں۔ فریج میں سے رات کا بچا سالن اور چاول نکال کر جمیلہ کے حوالے کیے۔

عقیلہ باجی کی مہربانی بچے کھچے کھانے یا پرانے کپڑوں تک محدود رہتی تھی۔ عید، بقرعید پر ہی تنخواہ کے علاوہ نقد رقم ہاتھ میں رکھتیں۔ جمیلہ کے خیال میں انیس صاحب یعنی عقیلہ کے میاں کی تنخواہ اچھی تھی لیکن عقیلہ باجی کافی کفایت شعار تھیں۔ تینوں بچے ابھی چھوٹے ہی تھے لیکن وہ ابھی سے ان کے مستقبل کے حوالے سے منصوبہ بندی کرتی رہتیں۔

''باجی، یہ کھانا ابھی اپنے فریج میں ہی رکھے رہنے دیں۔ کل لے جاؤں گی۔'' جمیلہ کو عرفانہ کے ہاں سے زیادہ اچھے مال کی توقع تھی۔

عرفانہ کے ہاں کافی کام پھیلا ہوا تھا۔ عرفانہ کی ساس نے پورے گھر کو پھرکی بنا رکھا تھا۔ رمشا اچھی سلجھی ہوئی خوش شکل لڑکی تھی گریجویشن کے بعد اس کی امی کی تو

مجھ سے ملیے



مجھے نور افشاں شیخ کہتے ہیں، میں سندھ کے ایک پیارے سے شہر شکار پور میں پیدا ہوئی۔ ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ میں سب بہن بھائیوں میں آخری نمبر پر ہوں۔ مجھے میری سب دوستیں ''نور'' کہتی ہیں۔ دن کا آغاز میں اللہ پاک کے پیارے نام سے کرتی ہوں۔ میری تعلیم ڈبل ماسٹر ہے، ایک اکنامکس میں دوسرے انگلش میں جو ابھی کمپلیٹ ہوا ہے۔ میں مختلف سندھی اخباروں میں مضامین بھی لکھتی ہوں۔ پانچ سال پہلے لکھنا شروع کیا اور پہلا آرٹیکل ہی میرٹ پر پرنٹ ہوگیا تھا۔ میرے ایک سو سے زیادہ آرٹیکل اور سات کہانیاں چھپ چکی ہیں۔ کھانے میں مجھے دال، چاول، بریانی، حلیم، باربی کیو، کوفتے، شامی کباب، مچھلی بہت پسند ہے۔ چائے بھی میں بہت شوق سے پیتی ہوں۔ مجھے اچھی اچھی خوشبوؤں والے سارے پرفیومز اچھے لگتے ہیں۔ موسموں میں مجھے ساون کا موسم اچھا لگتا ہے جب میرا دل خوش ہوتا ہے۔ مجھے ایف ایم ریڈیو سننے کا بھی بہت شوق ہے، شکار پور اور سکھر ایف ایم کے لائیو پروگرامز میں بھی حصہ لیتی رہتی ہوں۔ فارغ وقت میں ڈائجسٹ پڑھتی ہوں۔ درود پاک پڑھنا، کبھی آرٹیکل لکھنے کا کام، مجھے اپنی بہنوں کے ساتھ بہت محبت ہے اور وہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں میں اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات اپنی بہن عینی کو بتاتی ہوں، مجھے حج اور عمرہ کرنے کا تو بہت بہت شوق ہے۔ اللہ کرے میری یہ خواہش اس سال ہی پوری ہو، آمین۔ آپ بھی دعا کریں پلیز۔

مرسلہ: نور افشاں، شکار پور

خواہش تھی کہ اس کی فوراً شادی ہوجائے۔ مگر انسان کی ہر خواہش من وعن پوری ہونا اس قدر آسان نہیں ہوتا۔ اس اثنا میں رشتے تو کئی آئے مگر بات نہیں بن سکی۔ رمشا نے گھر میں فارغ بیٹھنے کے بجائے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ ابھی چند ہفتے پہلے کسی عزیز کے ہاں ایک تقریب میں کسی خاتون نے رمشا کو اپنے بیٹے کے لیے پسند کرلیا۔ رمشا کی امی اور بھابی سے ملاقات بھی کرلی اور اپنی خواہش کا اشاروں میں اظہار بھی کردیا۔

رمشا کے بھائی اور والد نے اریب کے بارے میں معلومات بھی کسی حد تک کرلی تھیں۔ ابھی تک جو کچھ معلوم ہوسکا وہ سب تسلی بخش تھا۔ چنانچہ آج جب اریب کے گھر والے رمشا کو دیکھنے آرہے تھے تو رمشا کے گھر والے مطمئن تھے کہ بظاہر کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہورہی تھی۔ امید یہی تھی کہ رشتہ طے ہوجائے گا۔

''میرا اللہ بہت مہربان ہے۔ وہی سب کی سننے والا ہے، ورنہ یہ دنیا والے تو کسی کے کام نہیں آتے۔ آس پاس، خاندان، برادری میں رمشا کے جوڑ کے کئی لڑکے تھے مگر ان کی ماؤں، بہنوں کے مزاج آسمانوں سے باتیں کررہے ہیں لیکن میرے اللہ نے مجھ گنہگار کی بھی سن لی۔ ایسا نیک، خوبرو اور پیسے والا داماد

مل رہا ہے کہ سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔"
عرفانہ کی ساس زہرہ بیگم جمیلہ سے بولیں۔

عرفانہ کچن میں کچے قیمے کے کباب کے لیے مسالا تیار کررہی تھی۔ اپنی ساس کی باتیں سن کر ملال سا ہوا۔ اس نے کئی بار وضاحت کی تھی مگر اماں (زہرہ بیگم) نے جو رائے قائم کرلی تھی اسی پر قائم تھیں۔ عرفانہ کی شادی کو آٹھ، دس سال ہوچکے تھے۔ فطرتاً وہ صلح جو قسم کی لڑکی تھی۔ اس کے اپنے شوہر ماجد اور ساس، نند سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ وہ نمائش اور دکھاوے کی قائل نہیں تھی۔ جو کچھ بھی کرتی خلوصِ نیت سے کرتی...... رمشا سے اس کا رشتہ روایتی نند بھاوج کا نہ تھا۔ جس میں حسد، جلن اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا جذبہ کارفرما رہتا ہے۔ بلکہ وہ رمشا کو چھوٹی بہن اور دوست ہی سمجھتی تھی۔ اماں نے بھی اس کے خلوص کو پہلے تو کبھی شک کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا مگر جب..... ان کے دل میں رمشا کے لیے عرفانہ کے خالہ زاد مسعود کا خیال آیا اور عرفانہ نے یہ کہہ کر منع کردیا کہ مسعود کی بات تو اپنی چچی زاد عروج سے طے ہے تب سے زہرہ بیگم کے دل میں گرہ پڑگئی۔ ان کو شک تھا کہ عرفانہ نہیں چاہتی کہ رمشا کی شادی مسعود جیسے خوبرو، اعلیٰ تعلیم یافتہ اچھے کھاتے کماتے لڑکے سے ہو۔

"عروج کی تو سنا ہے کہ منگنی ہوچکی ہے۔" انہوں نے یونہی باتوں باتوں میں ایک بار عروج کی امی سے پوچھا۔

"نہیں منگنی وغیرہ تو نہیں کی ہے میں تو اس بات کی قائل ہوں کہ جب مناسب رشتہ ہو تو فی الفور شادی کردیں۔ منگنی وغیرہ کی کوئی قانونی شرعی حیثیت تو ہے نہیں۔" اس کی امی بولیں۔

یہ سچ تھا کہ عروج اور مسعود کی باقاعدہ منگنی وغیرہ نہیں ہوئی تھی۔ دونوں کے والدین اور بزرگوں کے بیچ یہ طے ہوا تھا کہ اللہ کو منظور ہوا تو عروج کی تعلیم مکمل ہونے پر شادی کردیں گے۔ اب عروج کی امی نے جتنی بات پوچھی گئی تھی اس کا جواب دیا تھا مگر زہرہ بیگم نے یہ بات دل میں رکھ لی۔ بعد میں اگرچہ عرفانہ نے انہیں قائل کرنے کی بہت کوشش کی یہاں تک کہا کہ آپ مسعود کی امی اور عروج کی امی سے وضاحت سے پوچھ سکتی ہیں اور ایک بار ساس کے سامنے ان سے عروج اور مسعود کے رشتے کا ذکر بھی کیا کہ اب تو عروج کا ماسٹرز مکمل ہونے والا ہے تو اب مسعود کے گھر والوں کا کیا ارادہ ہے۔ جس پر عروج کی امی نے بتایا کہ مسعود کو اس کی فرم کی جانب سے مزید ٹریننگ کے لیے سال بھر کے لیے چین بھیجا جارہا ہے۔ اس کی امی کی خواہش ہے کہ وہ شادی کرکے عروج کو بھی ساتھ لے جائے۔ اس کے باوجود زہرہ بیگم کا دل صاف نہ ہوسکا۔ عرفانہ کو یہی ملال تھا کہ اتنے سالوں کی اس کی خدمت، وفا اور خلوص کا اماں کے نزدیک بس یہی صلہ تھا؟ لیکن بہرحال وہ رمشا کے اچھے مستقبل کے لیے دل سے دعا گو تھی۔ جمیلہ کے ساتھ مل کر اس نے جلدی جلدی کام سمیٹا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد جمیلہ برتن دھونے لگی۔ قریشی صاحب کے ہاں سے اس نے آج چھٹی کی ہوئی تھی۔ ان کی بیگم کو کہہ کر آئی تھی کہ آج بیٹے کو اسپتال لے کر جانا ہے، اس کی آنکھیں خراب ہورہی ہیں۔ پچھلے دنوں اس کے سب بچوں اور خود اس کی بھی آنکھیں خراب رہی تھیں۔ تب اس نے چھٹی کی تھی اور علاج کی غرض سے مسز قریشی نے اسے پیسے بھی دیے تھے۔ ابھی بھی انہوں نے اسے پانچ سو روپے دیے تھے، جمیلہ نے ان سے وعدہ کیا کہ کل زیادہ دیر آپ کے گھر کام کروں گی۔

☆

شام کی چائے پر لڑکے والے آئے اور اگلے ہفتے رمشا کے گھر والوں کو مدعو کر گئے۔ اریب کی امی کہہ گئیں کہ انہیں رمشا بہت پسند آئی۔

"آپ لوگ بھی اپنی تسلی کرلیں تو پھر میں چاہتی ہوں کہ منگنی وغیرہ کا سلسلہ چھوڑ کر شادی کی ہی تاریخ طے کرلیں۔ اریب کی بڑی بہن آج کل ہالینڈ سے پاکستان آئی ہوئی ہے اس کے لیے پھر بھائی کی شادی کے لیے جلد پاکستان آنا مشکل ہوگا۔" رمشا کی امی کو کچھ اعتراض نہیں تھا بس رسمی طور پر سوچنے کی مہلت مانگی۔

شام کو سب کام سمیٹ کر بچا کھچا کھانا، چائے کے لوازمات سمیت، مٹھائی وغیرہ لے کر جب جمیلہ گھر جانے لگی تو عرفانہ نے اسے الگ سے تین سو روپے دیے۔ اس کی ساس نے بھی پانچ سو روپے دیے۔

"میرے اللہ نے میری مدد کی، میری رمشا کی بات طے ہوگئی، اب خیریت سے شادی ہوجائے تو تمہیں الگ سے انعام دوں گی۔ جوڑا، پیسے سب کچھ، خوش کردوں گی زہرہ بیگم بولیں۔

☆☆☆

جمیلہ خوش خوش گھر آئی تو نذیر اداس سا بیٹھا تھا۔

"آج پوری امید تھی کہ کام مل جائے گا مگر بُرا ہو اس کم بخت منظور کا، دھوکا دے گیا۔" نذیر بولا۔

"ہائیں وہ کیسے؟" جمیلہ کے پوچھنے پر وہ بولا۔

"کافی بڑی مشہور فیکٹری ہے، کاریگر کو اچھی اجرت دیتے ہیں پھر وہاں چند مہینے بھی کوئی....... کاریگر کام کرلے تو اس کا نام بن جاتا ہے۔ دوسری فیکٹریوں والے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ اس فیکٹری کو کاریگر چاہیے، یہ مجھے مشتاق نے بتایا تھا اور یہ بھی کہ ایک دو دن میں وہ لوگ انٹرویو لینے والے ہیں، منظور بھی پاس بیٹھا تھا۔"

"لاؤ نذیر، میں تمہاری درخواست لکھ دیتا ہوں۔" وہ بولا۔

"اب مجھے تو کوئی خاص لکھنا پڑھنا آتا نہیں، اس کی بات مان لی۔ اس نے درخواست لکھی، میرے

شناختی کارڈ کی کاپی بھی مجھ سے لی اور پھر کہنے لگا میرا ایک دوست اس فیکٹری میں کام کرتا ہے اسے کہوں گا کہ انٹرویو کی درست تاریخ وغیرہ پتا کر کے آئے۔ مشتاق نے کہا بھی اخبار میں اشتہار آیا ہے۔ تاریخ وغیرہ لکھی ہے۔"

"یار پھر بھی وقت یا تاریخ تبدیل ہوسکتی ہے، میرا دوست صحیح اطلاع دے گا پھر اس نے مجھے آج کی تاریخ بتائی۔ آج میں فیکٹری گیا تو معلوم ہوا انٹرویو تو کل ہوگیا۔ منظور سے بات کی تو آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ مشتاق نے ہی مجھے بتایا کہ منظور نے اپنے بھائی کو انٹرویو دلا دیا۔ اسے نوکری مل گئی۔ منظور کو ڈر تھا کہ تمہارا تجربہ زیادہ ہے اگر تم آگئے تو تمہیں نوکری ملے گی اس کے بھائی کو نہیں۔ اسی لیے اس نے تمہیں غلط تاریخ بتائی۔"

جمیلہ کو بھی افسوس تو بہت ہوا مگر نذیر کو تسلی دلاسا دینے لگی۔

"تم پریشان نہ ہو، اللہ ہے نا، ہم غریبوں کا سہارا۔ وہ بہت رحم کرنے والا ہے، کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا ہی دے گا۔ مسز قریشی کے ہاں، ہر ہفتے درس ہوتا ہے۔ درس والی باجی ایسی باتیں بتاتی ہیں اور دیکھو آج عرفانہ باجی کے گھر سے اکٹھے آٹھ سوٹ ملے گئے ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے.... مشتاق...... مجھے کہہ رہا تھا جب تک مجھے نوکری نہیں ملتی ایک بنگلے میں مہینے بھر کے لیے چوکیدار کی ضرورت ہے، مشتاق کا بھائی اسی بنگلے میں ڈرائیور ہے۔ اسی کی ضمانت پر نوکری ملے گی۔"

"چلو، کچھ تو سہارا ملا۔" جمیلہ بھی مطمئن ہوگئی پھر کچھ دنوں بعد نذیر نے جمیلہ کو بتایا۔

"بہت دل والے ہیں اس بنگلے والے، دولت تو بہت لوگوں کے پاس ہوتی ہے لیکن نوکروں اور غریبوں پر خرچ کرنے کا حوصلہ کسی کسی میں ہوتا ہے۔ جتنی میری تنخواہ مقرر ہوئی ہے تقریباً اس سے آدھی تو یونہی انعام میں صاحب اور بیگم صاحبہ مجھے دے چکے ہیں اور ابھی کام کرتے صرف دس دن ہوئے ہیں۔ میں تو سوچ رہا ہوں تمہیں بھی اسی بنگلے پر کام مل جائے۔"

"ہاں...... پھر میں عقیلہ باجی کے گھر کا کام چھوڑ دوں گی۔ وہاں سے ملتا ہی کیا ہے، خالی سوکھی تنخواہ۔"

"اور میں تو دعا کر رہا ہوں ان کا چوکیدار واپس نہ آئے اس کی بیماری لمبی ہو جائے۔"

"نذیر تو خوب محنت سے کام کر، صاحب لوگوں پر اپنی دھاک بٹھا دے جب تک ادھر ہے تب تک تو انعام لیتا رہ۔ اللہ کرے تیری ہی نوکری پکی ہو جائے۔"

☆☆☆

جمیلہ مسز قریشی کے گھر آئی تو وہ پریشان سی تھیں۔ بار بار فون پر بات کر رہی تھیں۔ ان کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا ملک سے باہر تھے' جب کہ ایک سب سے بڑا بیٹا اسلام آباد میں کسی اعلیٰ سرکاری عہدے پر تھا...... شاید کسی بچے کا ہی کوئی مسئلہ تھا۔ مسز قریشی کہنے لگیں۔

"جمیلہ، ڈرائنگ روم اور لاؤنج اچھی طرح صاف کرنا اور لاؤنج میں چاندنی بچھا دو، آیتِ کریمہ کا ختم کروانا ہے۔"

"خیر تو ہے بیگم صاحبہ!"

"ہاں، خیر ہی ہے، بس یہ دنیا والے حاسد کسی کو خوش اور مطمئن اور ترقی کرتا نہیں دیکھ سکتے۔ فیضان (بڑا بیٹا) کے کسی حاسد نے اس کی شکایت کردی۔ انکوائری ہو رہی ہے۔ اللہ میرے بیٹے کی حفاظت کرے، آمین۔"

اکثر ماؤں کی طرح مسز قریشی بھی اپنے بیٹے کے کروڑوں کے فراڈ سے آنکھیں بند کیے تھیں۔ جمیلہ نے بھی زور شور سے آمین کہی۔

عصر کے بعد سے ہی عورتیں آنے لگیں۔ کسی مدرسے سے طالب علم بھی بلوائے تھے۔ سوا لاکھ مرتبہ آیتِ کریمہ پڑھنا تھا۔ کئی بار شربت اور چائے دی گئی۔ قورمہ، بریانی، روسٹ بہت اچھا بنوایا گیا تھا۔ عشا کے بعد دعا کرائی گئی اور کھانا کھلایا گیا۔ کھانے کی تعریف کرتے ہوئے سب خواتین مسز قریشی کو تسلی دے رہی تھیں

"آپ پریشان نہ ہوں، آپ کے بیٹے کی مشکل آسان ہوگی" (اگرچہ مسز قریشی نے مشکل کی تفصیل نہیں بتائی تھی مگر خواتین من پسند قیاس آرائیوں میں مصروف تھیں) لیکن مسز قریشی سے بات کرتے ہوئے ان کا لہجہ اور انداز بدل جاتا تھا۔

"ہاں بالکل، دیکھیں اتنی دیر میں آیتِ کریمہ کا ختم آسان تو نہیں، جب یہ ہوگیا تو ہر مشکل بھی آسان ہوگی، انشاء اللہ!"

"قاری صاحب بچے بھیجنے کو تیار نہیں تھے کہ ہم صرف ختم قرآن کے لیے جاتے ہیں مگر میں نے کہا آپ جتنا کہیں گے مدرسے کے لیے چندہ دوں گی۔ بس اللہ کرے میرا فیضان مشکل سے نکل آئے۔" مسز قریشی کہہ رہی تھیں اور خواتین ان کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھیں۔

"بالکل، آپ پریشان نہ ہوں، اللہ بہت مہربان ہے اسے جب بھی پکارا جائے وہ سنتا ہے۔ (بے شک) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے، ہر عیب بے ہر کمزوری سے، اسے کسی کی ضرورت نہیں اور سب کو اس کی ضرورت ہے، وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ بغیر مانگے، بغیر استحقاق کے دینے والا ہے۔"

لیکن انسان سچے دل سے یہ کلمات بھی کب کہتا ہے؟ اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ہم مسلمان اس ارحم الراحمین کی بندگی کا حق ادا کرنا تو رہا ایک طرف زبانی اقرار بھی کم ہی کرتے ہیں اور جب زبان پر اپنے گنہگار ہونے کا اعتراف ہوتا ہے تب بھی دل میں کسی اور گناہ کا منصوبہ ہوتا ہے۔ شاید ہم سب یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ رحمان اور رحیم ہونے کے ساتھ قہار بھی ہے۔

غزل

کچھ دیر مجھے بھی مہکاؤ بستی میں اُجالا بن جاؤ
ان مست پون کے جھونکوں سے پھولوں کی مالا بن جاؤ

ہے اپنے حسن پہ ناز اگر تو رُوپ نگر میں بس جاؤ
یہ چاند پرستی چھوڑ کے تم خود چاند کا ہالہ بن جاؤ

گہ سایہ بن کر چلتے ہو، گہ دھوپ کی صورت جلتے ہو
گر جیتنا چاہو دل میرا تو رُوپ نرالا بن جاؤ

کیوں قطرہ قطرہ پیتے ہو، نہ مرتے ہو نہ جیتے ہو
یا چھوڑ بھی دو یہ مے نوشی یا زہر کا پیالہ بن جاؤ

دل ہنس کر ہر دکھ سہہ لے گا، ہے شرط تمہارا ساتھ ملے
تم دشت بنو یا شہر بنو یا پاؤں کا چھالا بن جاؤ

یہ مان لیا ہے یمنیٰ نے، ہے نشہ تمہاری باتوں میں
یا بادہ بنو یا جام بنو یا کیف نرالا بن جاؤ

☆☆☆

دوہا

اپنے دیس کے لوگوں نے یوں رسوا کردی نار
کھینچ کے چادر اِک بیٹی کی ہنستے رہے سردار

کلام، یمنیٰ احمد، کراچی

مکمل ناول

دوسرا اور آخری حصہ

اے دلِ ناداں

میمونہ خورشید



افق سو رہی تھی کہ اس کا فون بجا۔ وہ نیند سے جاگی اور فون سنا۔ فون ماہ پارہ کا تھا۔

''حارث بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا گیا ہے۔'' ماہ پارہ نے حال پوچھنے کے بعد بتایا۔

''آخر اتنی بھی کیا جلدی تھی حارث کو۔ مجھے بتایا تک نہیں۔'' افق حیران ہوئی اور بے ساختہ کہہ بیٹھی۔

''بتادے گا۔ فون پر ہی تو بتانا تھا اس نے تمہیں۔ اصل میں اسے ایمرجنسی میں جانا پڑا ہے۔ قریباً ایک مہینے تک واپسی ہوگی اس کی، تم ایسا کرو اتنے دن تک اپنی ای کی طرف ہی رہ لو۔ تمہیں بھی تھوڑا چینج مل جائے گا۔'' افق کے دماغ میں آندھیاں چلنے لگیں۔

''میرے ایڈمیشن اسٹارٹ ہوگئے ہیں خالہ۔ یہ وقت نکل گیا تو پھر میرا ایڈمیشن بہت مشکل ہو جائے گا۔''

''یہ کام تو حارث نے کرنا تھا۔ میں تو ان معاملات کو نہ سمجھتی ہوں نہ ہی کچھ کر سکتی ہوں۔'' ماہ پارہ نے اس بات کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

''تو خالہ آپ کو بات تو کرنا تھی حارث سے۔''



''کیسی الٹی باتیں کر رہی ہو تم۔ اس کے بزنس ...کر بھی کچھ ہے اور میں اتنی جلدی میں اس ...بات کرتی۔ کیا اتنی ناداں ہو تم۔'' افق کو ایسا لگا اس کا بنا بنایا تاج محل سی نے مسمار کر دیا ہو۔

''اچھا سنو! اپنے کپڑے وغیرہ اور ضروری ...یں جو تم نے لینی ہوں آکر لے جانا۔ آخر تم اتنے ...رکو گی اپنی ای کی طرف، تمہیں کپڑوں وغیرہ کی تو ...ورت پڑے گی نا۔'' ماہ پارہ بولیں۔ ''اور سنو اپنی ...وغیرہ کا خیال رکھنا، حارث آئے گا تو میں تمہیں ...اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔''

''وہ کس لیے؟'' افق نے خشک سے لہجے میں ...چھا۔

''ارے بھئی اتنی کمزور ہو تم، تمہیں چیک اپ کی ضرورت ہے۔''

افق نے فون بند کر دیا۔ غم و غصے سے افق کی حالت تباہ تھی۔ اس نے فون کیا لیکن حارث فون اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ افق کا غصے سے برا حال تھا۔

اگلے روز حارث کا خود ہی فون آگیا لیکن افق نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ حارث کو یہ بات بہت چبھی۔ ...ماں سے بات کی تو انہوں نے حارث کو منع کر دیا کہ اب وہ فون نہ کرے کیونکہ افق نے اُن کے ساتھ بہت ...تمیزی کی ہے۔ خوب زبان درازی کی ہے۔ حارث کو ماں کی عزت زیادہ عزیز تھی، اسے یہ بات اور بری لگی۔

افق کی بے چینی اور پریشانی دیکھتے ہوئے عمارہ ...بیگم نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی کہ وہ کس پریشانی میں ...ہے۔ افق نے عمارہ کو سارے حالات کے بارے میں ...بتا دیا۔ عمارہ بیگم نے افق کو سمجھایا کہ وہ حارث کو فون کرے اس سے بات چیت کرے یوں سلسلہ منقطع کر کے نہ بیٹھے۔ افق کو یہ بات سمجھ آگئی کہ اگر وہ حارث سے رابطہ نہیں رکھے گی تو اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے گی۔ افق نے حارث کو فون کیا اور عمارہ بیگم کے سمجھانے پر حارث سے شکوہ کیا۔

''بغیر بتائے اور بغیر مجھ سے ملے دیارِ غیر چلے گئے۔ کیا آپ کے دل میں اپنے جیون ساتھی کی یہی قدر ہے۔'' حارث پہلے ہی بھرا بیٹھا تھا۔ افق کی دلجوئی کے بجائے اسے ہی برا بھلا کہا اور افق کو ہی الزام دینے لگا۔

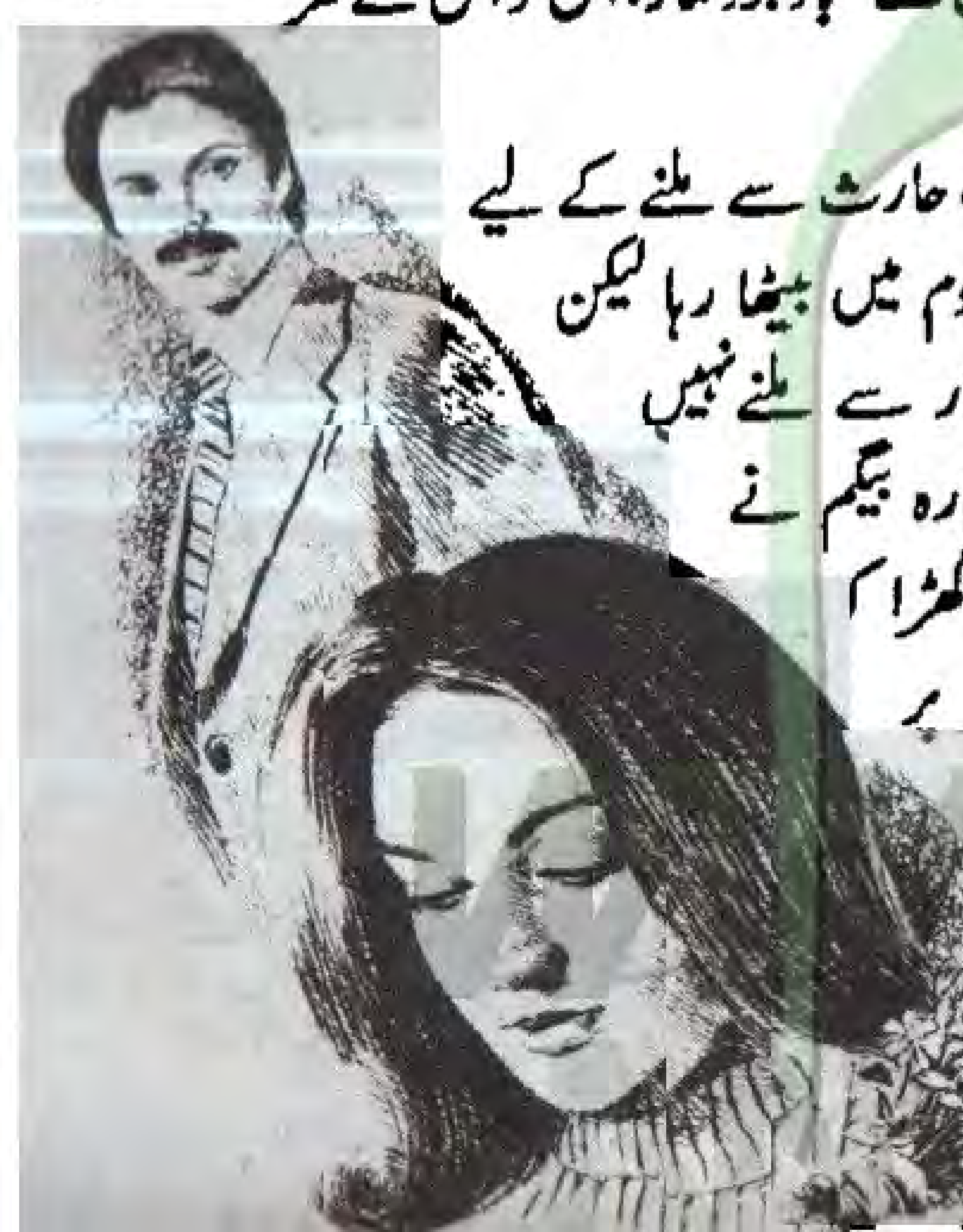
''تم نے کون سا بیویوں والا حق ادا کیا ہے کہ میں تمہیں اس قابل سمجھتا۔'' افق حارث کی باتوں سے بددل ہوگئی اس لیے اپنے مقصد کے بارے میں بات نہیں کی۔ عمارہ بیگم نے افق کو سمجھایا کہ فی الحال وہ صبر کرے اور حارث کے آنے کا انتظار کرے یوں جلد بازی سے کام نہ لے۔ ایک مہینہ افق کا جلتے کڑھتے گزر گیا۔

ایک مہینے بعد حارث آیا تو ماہ پارہ بیگم نے عمارہ کو فون کیا اور روکھے لہجے میں حارث کے آنے کی اطلاع دی۔

''میری تو طبیعت ٹھیک نہیں جو آسکوں تم افق کو عمار کے ہمراہ روانہ کر دو۔''

یہ بات افق کو ہی کیا سارے گھر والوں کو بہت بری لگی اس کے باوجود عمار، افق کو اس کے گھر چھوڑ آیا۔

عمار، حارث سے ملنے کے لیے ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا لیکن حارث، عمار سے ملنے نہیں آیا۔ ماہ پارہ بیگم نے جھوٹا جواز گھڑا کہ حارث گھر پر نہیں



ہے۔عمار واپس چلا گیا۔

افق غم و غصے سے بھری بیٹھی تھی۔اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی اور وعدہ خلافی پر بھی احتجاج کرنا چاہتی تھی لیکن یہاں تو ماجرا ہی کچھ اور تھا۔ماہ پارہ بیگم کا منہ پھولا ہوا تھا اور حارث الگ بھرا بیٹھا تھا۔

''اس سے پوچھو کہ اسے فون کر کے میں نے کہا تھا کہ نہیں اپنے کپڑے وغیرہ یہاں سے لے جائے یا منگوا لے۔اس کے باوجود یہ انہی دو چیتھڑوں میں وہاں بیٹھی رہی۔ہر آئے گئے نے آکر مجھے یہی بتایا کہ اس کا پہناوا تو وہی ہے جو شادی سے پہلے کپڑے پہنا کرتی تھی۔کیا میں نے اس کا سامان تجوری میں بند کر دیا تھا جو اس نے ہماری عزت کا یوں تماشا لگایا وہاں بیٹھ کر۔''ماہ پارہ نے حارث سے کہا۔

''کون لوگ ہیں آپ کو یہ بتانے والے؟''افق غصے سے بولی۔

''تمہارا خاندان...... ہمارا خاندان جو بھی آتا تھا یہی بتاتا تھا کہ اس نے کنوارے پن والے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ہمارے یہاں تو بچیاں رخصت ہوئیں تو ان کے کپڑے ماسیوں کو دے دیے۔تم نے یا تمہاری ماں نے وہ کپڑے کیوں رکھے ہوئے ہیں۔اسی لیے ناں کہ بعد میں ہمارا تماشا لگواؤ۔یہ کتنی بڑی بدشگونی کی بات تھی یہ بھی نہیں سوچا تم ماں بیٹی نے۔''ماہ پارہ بولیں۔

''بات سنیں خالہ! مجھے ان فضول کی باتوں میں مت الجھائیں مجھے پروا نہیں دنیا والوں کی۔میں اچھی طرح سے جانتی ہوں کون لوگ ہیں جو آپ کو بھڑکاتے..... رہتے ہیں۔مجھے ان سب چیزوں کی کوئی پروا نہیں۔آپ وعدہ کر کے لائی تھیں مجھے۔کہ میری ایجوکیشن شروع کروائیں گی۔کہاں گیا وہ وعدہ بتائیں مجھے،ایڈمیشن اوپن ہو کر بند ہو گئے اور آپ کو ذرا سی پروا نہیں ہے،احساس ہے آپ کو کتنی بڑی وعدہ خلافی کی ہے آپ نے میرے ساتھ۔''

''یہ تم کس لہجے میں امی سے بات کر رہی ہو۔کبھی میں نے اس طرح بات نہیں کی امی سے۔''حارث،افق کے لہجے کو دیکھ کر غصے سے بولا۔

''تو کس لہجے میں بات کروں میں۔وعدہ خلافی کی ہے انہوں نے میرے ساتھ،جھوٹ بول کر بیاہ کر لائی ہیں یہ مجھے۔''

''بکواس بند کرو اپنی۔''حارث نے افق کے منہ پر تھپڑ رسید کیا۔وہ چکرا کر گر گئی۔حارث کا یہ عمل افق کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔وہ گنگ رہ گئی۔وہ حیرانی سے حارث کو دیکھتی رہی پھر اپنے کمرے میں جا کر کمرا بند کر لیا۔

''سارا دن ہو گیا ہے تمہارا یہ ڈراما دیکھتے ہوئے مجھے۔یا تو تم سیدھی طرح سے اپنا گھر بساؤ یا اپنا بوریا بستر سمیٹو اور یہاں سے نکلو۔کیوں زندگی اجیرن کر دی ہے تم نے میرے بیٹے کی۔''پورا دن گزرنے کے بعد ماہ پارہ بیگم نے کمرے میں آکر کہا۔

''زندگی تو میری خراب کی ہے آپ نے۔دھوکا دیا ہے مجھے۔جھوٹے اور دغاباز لوگ ہیں آپ۔''افق نے غصے سے کہا۔

''کون سی زندگی کی بات کر رہی ہو تم۔بڑے عیش و آرام میں رہ رہی تھیں ناں۔گھر والوں نے پرانے کاٹھ کباڑ کی طرح تمہیں اسٹور میں پھینکا ہوا تھا۔میں نے تمہیں سجا سنوار کر ایک نایاب موتی تمہارے گلے میں ڈالا اور تم نے اس موتی کی بھی قدر نہیں کی۔''

''آپ کے لیے ہوگا وہ نایاب موتی میرے لیے تو ایک پتھر ہے احساس سے لاتعلق۔غرض پوری کرنے والا پتھر۔''

''لڑکی زبان بند کرو اپنی ورنہ میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔''

''ہاں،ہاں آپ بھی ماریں مجھے...... بیٹے کی مدد میں ماں اور ماں کی حمایت میں بیٹا مارے پیٹے''افق غصے سے چلائی تو حارث کمرے میں آگیا۔

''امی اس کے منہ لگنا فضول ہے۔اس کے گھر والوں کو بلائیں اور اسے چلتا کریں یہاں سے۔اس کا یہاں رہنا بالکل ٹھیک نہیں۔نفسیاتی مریضہ نہ جانے ہم کو کیا نقصان پہنچائے اور گلے میں پھندا ہمارے گلے۔''حارث نے ماں سے کہا۔

''میں نفسیاتی مریضہ ہوں تو تم کون ہو......''افق نے غصے سے حارث کو دیکھا۔دونوں کے مابین جھگڑا بڑھا تو ماہ پارہ نے عمارہ کو فون کر کے افق کے حالات کے متعلق بتایا۔عمارہ اور تنزیل اگلے ہی دن ماہ پارہ کے گھر آئے تو افق جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔

''بات تو بتاؤ کہ ہوا کیا ہے؟''عمارہ بیگم نے پوچھا تو افق خاموش رہی۔

''وہی بات ہے جو تمہارے ساتھ تھی۔جب حارث رضامند نہیں ہے،نہیں پڑھانا چاہتا اسے تو میں کیسے اور کیونکر پڑھا سکتی ہوں۔اس کی بات مانو تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی وہی منہ زوری جو کرتی چلی آرہی ہے یہ سب کے ساتھ۔''ماہ پارہ بیگم نے کہا۔

''تم یہ ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔ساری زندگی کیا یونہی خود کو تباہ کرو گی۔''عمارہ بیگم نے افق سے کہا۔افق تو پہلے ہی ماں سے بدظن تھی اور بھی ہو گئی۔

''آپ نے مجھے اپنے ساتھ لے کر چلنا ہے یا کہیں اور چلی جاؤں۔''

''کہاں جاؤ گی تم...... شریف گھروں کی بیٹیاں ماں باپ یا شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں نہیں جاتیں۔''

اتنا ھی یاد آ

اتنا ہی یاد آ مجھے
کہ زندگی جی کا آزار نہ بنے
سانس جسم کا بار نہ بنے
خوشی ملے تو خوشی میں
کوئی دکھ کی پھانس نہ ہو
آنکھ کی روشنی کے پیچھے
ہلکی سی نمی نہ ہو
اتنا ہی یاد آ
کہ زندگی کا نیا سفر
آسان ہو جائے
ہمسفر جو ملا ہے مجھے
زندگی کا
ہمدم ہو جائے
خوشی کے رنگوں میں
خوشبوؤں کے ریلے میں
میں ڈوب جاؤں
تو میرے اس
ڈوبنے میں
میرا دل تمام تر آمادگی کے ساتھ
شامل ہو
ہر موج سے آزاد ہو دل
ہر خیال سے بے نیاز ہو دل
اتنا ہی یاد آ

شاعرہ،نسیم نیازی،لاہور

"مجھے لیکچر نہیں سننا امی...... بہت سن لیں میں نے سب کی نصیحتیں...... آپ نے زندگی برباد کی ہے میری۔ شروع سے اب تک نہ تو پہلے کبھی آپ نے مجھے سپورٹ کیا تھا اور نہ ہی اب کر سکیں، میں یہاں ایک پل نہیں رکوں گی۔ آپ بتائیں مجھے لے کر چل رہی ہیں یا میں...... یہاں سے نکل جاؤں۔" تنزیل اور عمارہ بیگم اس کی ہٹ دھرمی اور ضد کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہوئے فی الحال تو اسے اپنے ساتھ لے کر گھر آگئے تاکہ گھر جا کر اسے بریف کر سکیں، اسے سمجھا سکیں لیکن عمارہ کو یہ نہیں پتا تھا کہ ان کا یوں بیٹی کو لے کر چلے آنا کتنا بھاری پڑے گا۔ ماہ پارہ ہر جگہ بیٹھ کر نہ صرف افق کو بدنام کریں گی بلکہ عمارہ کی ناقص تربیت اور تنزیل کی بے راہ روی کے ترانے بھی گاتی پھریں گی۔

ماہ پارہ نے حسنین کے گھر جا کر افق کی ہٹ دھرمی اور بدتمیزی کی داستانیں بڑھا چڑھا کر سنائیں۔ ماہ پارہ کے چلے جانے کے بعد حسنین اور خالدہ حیران اور پریشان تھے۔

"میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوں کہ بظاہر تو عمارہ بہت سوجھ بوجھ والی نظر آتی ہے۔ بیٹیوں کی تربیت کیسی کر رکھی ہے اس نے۔ میں عمارہ کی جگہ ہوتی تو دو تھپڑ مارتی اپنی بیٹی کے اور کہتی تم مرو یا جیو یہیں رہو اور عمارہ اور تنزیل اسے ساتھ لے کر چلے آئے۔" خالدہ، حسنین سے بولیں۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کوئی ایک کی دو تو بنا سکتا ہے بنا ہوئی کیسے بنائی جا سکتی ہے۔ ماہ پارہ آپا کو اگر جھٹلا دوں کہ وہ افق یا عمارہ پر تہمت گڑھ رہی ہیں تو کسی حد تک ہی جھٹلا پاؤں گا۔ سب کا سب تو جھوٹ نہیں ہو سکتا۔" حسنین پریشانی سے بولے۔

"آپ یہ دیکھیں افق کے دل میں کتنا زہر ہے ہم لوگوں کی طرف سے۔ کہتی ہے ماموں ممانی نے برے وقت میں آ کر نہیں پوچھا۔ بیٹی کے دل میں اتنا زہر ہے تو ماں باپ کے دل میں کتنا نہ ہوگا۔ سچ مانیں حسنین میں تو افق کے حالات سے ٹھٹک سی گئی ہوں۔ کیسے ہم اپنی بیٹی یا بیٹا عمارہ کے گھر بیاہیں گے...... کیسے نباہ ہوگا ہمارا اُن سے۔"

"تمہارا ہی شوق تھا...... پہلے بیٹی دینے کا پھر لینے کا بھی شوق تمہی کو چرایا۔"

"معافی مانگتی ہوں میں تو بھئی اپنی اس غلطی کی۔ میں تو ہرگز بھی ایسا کو نہیں لوں گی، دیکھیں تو سہی کیسے ماہ پارہ رو رو کر بتا رہی تھیں کہ مقابلہ کیا افق نے حارث کا۔ خود آپا سے کیسے زبان چلاتی ہے وہ۔"

"اب ماہ پارہ آپا کو اتنا بھی مظلوم نہ سمجھو تم...... کچھ نہ کچھ تو ہوگا کھوٹ اُن میں بھی۔"

"رہنے دیں آپ...... آپا نے دو بیٹیاں بیاہ رکھی ہیں، آج تک کوئی غلط بات سننے کو نہیں ملی...... کسی بھی بیٹی کی سسرال سے۔ عمارہ اور تنزیل نے پہلی ہی بیٹی بیاہی اور عزت کے جھنڈے لگ گئے۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہا عمارہ نے بیٹی کو بٹھا کیوں رکھا ہے۔ اسے گھر کیوں نہیں بھیجتیں۔ بھلا بیٹیاں بیاہ کر یوں گھروں میں بٹھائی جاتی ہیں۔"

"بات کرتا ہوں میں عمارہ سے، پوچھتا ہوں کہ کیا معاملات ہیں۔"

☆☆☆

"میں تو بھائی جان اس لیے چپ ہو کر گھر میں بیٹھی تھی کہ کیسے کسی کو بتاؤں۔"

"ہم کسی میں شامل نہیں ہیں عمارہ، بھائی ہوں میں تمہارا۔"

"مگر مجھے یہ بھی تو دیکھنا پڑتا ہے کہ آپ کے گھر میں اپنے دو بچے بیاہنے جا رہی ہوں۔ کوئی غلط بات آپ تک نہ پہنچے لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ آپا آپ کے گھر سے ہی آگ لگانا شروع کریں گی۔"

"تو تم افق کو سمجھاؤ کہ وہ اتنی نادانی کیوں کر رہی ہے" خالدہ طنزیہ انداز میں بولیں۔ "اپنا گھر بسا نہیں سکتی اور ہماری بھی برائیاں کرتی ہے خالہ سے بیٹھ کر۔"

"اور آپ...... آپ نے جو میری برائیاں کیں کہ میں بدشکل ہوں، پھوہڑ ہوں، کیسے بیاہ لیا انہوں نے اپنا بیٹا یہاں...... وہ کیا تھا؟" افق غصے سے بولی۔

"ہائے...... تم تو ہم پر تہمت لگا رہی ہو۔"

"میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ آپ میری برائیاں کر رہی تھیں ولیمے کے روز...... اور ایک مہینہ میں یہاں بیٹھی تو آپ لوگوں نے جا جا کر بتایا خالہ کو کہ میں اتنے برے حال میں، پرانے چیتھڑوں میں یہاں پڑی ہوں۔ کون سے بڑے پن کا کردار ادا کیا آپ لوگوں نے۔" عمارہ ہکا بکا افق کو بولنے سے روکتی رہیں لیکن کب تک خالدہ غصے سے لال پیلی ہو کر زور سے بولیں۔

"جتنی خاطر تواضع ہوگئی ہے نا اس کے بعد میں یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔ آپ سمجھائیں اپنی بھانجی اور بہن کو میں تو ایک پل یہاں نہیں رکوں گی جا رہی ہوں میں۔" خالدہ غصے سے کہہ کر چلی گئیں۔ حسنین بھی پیچھے چلے گئے۔

"وہ تمہارا معاملہ سلجھانے آئے تھے تاکہ تم ...... تم اپنی بات کرتیں حمایت حاصل کرتیں لیکن یہ کیا کیا تم نے انہیں ہی برا بھلا کہنا شروع کیا۔ ارے کم عقل لڑکی تمہیں احساس ہے تمہارے دو بھائی بیاہنے ہیں میں نے اس گھر میں۔" عمارہ افق پر غصے سے برس پڑیں۔

"جانتی ہوں میں بہت اچھی طرح سے، جانتی ہوں آپ کو اس وقت میرا نہیں انہی کا احساس ہو سکتا ہے میں کس دوراہے پر کھڑی ہوں۔ کن لوگوں کی



غزل

جسے دلیل کا منبر عطا کیا گیا تھا
وہ سر بلند سناں پر چڑھا دیا گیا تھا
میں اپنے نور کو تقسیم کس طرح کرتی
مجھے چراغ سے پہلے بجھا دیا گیا تھا
ہوا کے دوش پہ موقوف تھی اڑان مری
مجھے گلاب سمجھ کر سجا لیا گیا تھا
میرے خمیر سے اٹھی تھی اختیار کی ضد
مجھے فرار کا رستہ بتا دیا گیا تھا
وہ حوصلہ کسی مجذوب کی امانت تھا
جو میری ذات کی زد سے بچا لیا گیا تھا

شاعرہ: معصومہ شیرازی کراچی

وجہ سے کھڑی ہوں یہ احساس نہیں ہوگا آپ کو، آپ کو تو انہی کی فکر ہوگی۔" عمارہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

"ارے میں کیوں لینے جاؤں اسے ماں لے گئی تھی ماں ہی چھوڑ کر جائے۔ بیٹی کو بیاہنے والوں کے یہ لچھن نہیں ہوتے۔ جس دن بیٹی کو لے کر گئی ہے نا عمارہ اسی دن مجھ سے فون کر کے پوچھ رہی ہے کہ حارث نے کیوں مارا اس کی بیٹی کو۔ لو بھلا بتاؤ میں جواب دوں اس بات کا، حارث سے ہی پوچھ لیتیں وہ۔ اس قدر زبان چلاتی ہے، بتاؤ کون سا مرد برداشت کرسکتا ہے یہ سب کچھ۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا آپ...... میں تو خود اس لڑکی کے تیور دیکھ کر اپنے اوسان بھول گئی۔ صاف کہہ دیا ہے میں نے تو حسنین کو ہرگز رشتہ نہیں کروں گی میں عمارہ کے گھر میں۔" ماہ پارہ دل ہی دل میں اپنی جیت پر اپنی کامیابی پر خوش تھیں۔

☆☆☆

"عمار وقت ضائع نہ کرو فیملی کے حالات بگڑتے جا رہے ہیں۔ اس سے قبل کہ افق کے حالات ہماری زندگی پر اور زیادہ اثر انداز ہوں تمہیں شادی کے لیے گھر والوں کو رضامند کرلینا چاہیے۔"

"کیسے کروں رضامند...... ممانی جان نے ایبا کو لینے سے صاف انکار کردیا ہے۔ امی اور ابو کو یہ بات بہت بری لگ رہی ہے۔"

"تو تم اس انتظار میں ہو کہ امی، ابو مجھے بھی دینے سے انکار کردیں۔" عینا غصے سے بولی عمار بے بس تھا۔

"تم تھوڑا انتظار کرو عینا...... وقت بہتر ہو جائے گا۔"

"بالکل بھی بہتر نہیں ہوگا...... بھلا یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی عمارہ پھپھو کو کہ وہ حارث کو کہیں اور بیاہ لیں۔ افق گھر میں بیٹھی ہے، بیٹھی رہے گی۔"

"تو کیا کریں امی...... افق کو جیسے ضدی ہو ہے۔ مرجائے گی اس گھر میں دوبارہ نہیں جائے گی تمہیں پتا ہے دن رات کتنی ٹینشن چل رہی ہمارے گھر میں۔ دن رات یہی موضوع ہے۔ سب افق کو سمجھا سمجھا کر تھک چکے ہیں لیکن افق کی سمجھ میں کب کسی کی بات آتی ہے۔ سب سے عجیب بات تو ہے کہ امی افق کی ہمدرد بن رہی ہیں، حمایت کر رہی ہیں اس کی حالانکہ جانتی ہیں وہ کس سینس کی لڑ ہے۔ اس کے باوجود امی، ابو ماہ پارہ خالہ کو ہی غلط کہ رہے ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی عمار! تم جلد از جلد کر سکتے ہو تو کرو...... ورنہ......" عینا رونے لگی۔

"عینا پلیز! پلیز رو تو مت...... اچھا میں آج ابو سے بات کرتا ہوں۔ نکالتا ہوں کوئی نہ کوئی حل لیکن وعدہ کرو مجھ سے۔ تم امی، ابو کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں ہونے دو گی۔"

"مجھے بھروسا ہے خود پر۔ امی، ابو کو منا لوں گی بے فکر رہو تم۔" عینا آنسو صاف کر کے بولی۔

"چلو پھر میں تمہیں ڈراپ کردیتا ہوں۔" عمار عینا کو لے کر گاڑی کی طرف بڑھا۔

"چلو کہیں بیٹھ کر آئس کریم کھاتے ہیں۔ بہت دن ہوگئے ہم کہیں ساتھ گھومنے نہیں گئے۔" عینا نے فرمائش کی۔ عمار مسکرایا اور دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔

☆☆☆

ماہ پارہ نے عاصمہ اور ساجدہ کو بتایا کہ حسنین اور خالدہ نے افق کے لچھن دیکھتے ہوئے ایبا کو لینے سے انکار کردیا ہے۔

"افق کی وجہ سے ایبا بے چاری کی بھی زندگی خراب ہوگئی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم افق کے بجائے ایبا کو بیاہ کر لے آتے۔" عاصمہ بولی۔

"اب بھی تمہیں امی کی بھانجیوں پر ہی ترس آرہا ہے۔ سوچنے کی بات یہ نہیں ہے کہ ایبا کا کیا ہوا یا عینا کا کیا ہوگا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ حارث کے بارے میں امی نے اب کیا سوچا ہے۔"

"کتنے ارمانوں سے بیاہا تھا میں نے اپنے بیٹے کو چند دن کی خوشی بھی حاصل نہ کرسکا میرا بچہ...... بیچ راہ پر چھوڑ کر چلی گئی کمبخت......" ماہ پارہ آبدیدہ ہو گئیں۔

"امی آپ پریشان نہ ہوں۔" حارث کمرے میں آیا تو ماں کو آبدیدہ دیکھ کر اُن کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"ارے کیسے پریشان نہ ہوں...... میرے بچے کی زندگی خراب ہوگئی اور میں پریشان بھی نہ ہوں۔"

"میں تو کہتی ہوں امی آپ حارث کی دوسری شادی کردیں۔ جب خالہ نے ہی کہہ دیا کہ ہم لوگ حارث کا کہیں اور بیاہ کرلیں تو پھر کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"

"کچھ بولتے کیوں نہیں حارث......؟" ماہ پارہ نے تڑپ کر حارث کا چہرہ اپنی طرف کیا۔

"تمہارے لیے میں بار بار اس گھر میں جاؤں گی۔ افق کو لانے کی کوشش کروں گی۔ تم کچھ تو بولو چندا۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو وہاں جانے کی۔ ایک بار جا کر دیکھ لیا ہے ناں آپ نے وہاں...... افق سامنے نہیں آئی۔ انکل اور آنٹی اسے رضامند نہیں کرسکے ہمارے ساتھ آنے پر۔ کس قدر بد دماغ ہے وہ۔ بیٹھی ہے تو بیٹھا رہنے دیں شوق سے۔"

"مگر اس طرح تو نہیں چلے گا حارث...... تم اپنا گھر بساؤ...... بہت لڑکیاں ہیں تمہارے لیے۔"

"امی مجھے کوئی اعتراض نہیں...... لیکن خاندان والے باتیں بنائیں گے۔ افق بھانجی ہے آپ کی۔ اس کی حمایت میں آپ کے سگے بھی اٹھ کر آجائیں گے۔ کوئی بھی افق کے لیے سوکن برداشت نہیں کرے گا۔ مجھے ایک بار فون پر افق سے اجازت لے لینے دیں اگر وہ مجھے اجازت دے دیتی ہے تو میں دوسرے نکاح کے لیے تیار ہوں۔" حارث، ماہ پارہ کے آنسو صاف کر کے بولا۔

"اور اگر اس نے اجازت نہیں دی تو......؟" عاصمہ فوراً بولی۔

"تو اسے یہاں آکر بسنا پڑے گا۔ گھر بسائے اپنا وہ، اس طرح تو نہیں ہوتا کہ وہ میری زندگی بھی تباہ و برباد کردے۔"

"تو پھر ایسا کرو ابھی فون کرلو اسے...... جو بھی فیصلہ ہوگا آج ہی ہو جائے گا۔" حارث نے فون ملایا۔ افق نے فون پر نمبر دیکھا اور نفرت سے فون پرے کردیا۔

"افق فون اٹینڈ نہیں کررہی۔" حارث نے ماں، بہنوں کو اطلاع دی۔

"ٹھیک ہے، وہ ایسا ہی چاہتی ہے تو میں ایسا ہی کروں گی۔ میں تمہاری زندگی برباد نہیں ہونے دوں گی۔" ماہ پارہ بولیں۔ عاصمہ اور ساجدہ ماں کے فیصلے پر خوش ہوگئیں۔

"میں آپ کو ایسی جگہ لے جاؤں گی حارث کے لیے کہ آپ حیران رہ جائیں گی۔" عاصمہ جذباتی پن سے بولی۔ ماہ پارہ نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

فائز نے عینا کو عمار کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تو اسے بہت برا لگا لیکن وہ برداشت کر کے گھر آگیا۔

وجہ سے کھڑی ہوں یہ احساس نہیں ہوگا آپ کو، آپ کو تو انہی کی فکر ہوگی۔" عمارہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

"ارے میں کیوں لینے جاؤں اسے ماں لے گئی تھی ماں ہی چھوڑ کر جائے۔ بیٹی کو بیانے والوں کے یہ چھن نہیں ہوتے۔ جس دن بیٹی کو لے کر گئی ہے نا عمارہ اسی دن مجھ سے فون کر کے پوچھ رہی ہے کہ حارث نے کیوں مارا اس کی بیٹی کو۔ لو بھلا بتاؤ میں جواب دوں اس بات کا، حارث سے ہی پوچھ لیتیں وہ۔ اس قدر زبان چلاتی ہے، بتاؤ کون سا مرد برداشت کرسکتا ہے یہ سب کچھ۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا آپ...... میں تو خود اس لڑکی کے تیور دیکھ کر اپنے اوسان بھول گئی۔ صاف کہہ دیا ہے میں نے تو حسنین کو ہرگز رشتہ نہیں کروں گی میں عمارہ کے گھر میں۔" ماہ پارہ دل ہی دل میں اپنی جیت پر اپنی کامیابی پر خوش تھیں۔

☆☆☆

"عمار وقت ضائع نہ کرو فیملی کے حالات بگڑتے جارہے ہیں۔ اس سے قبل کہ افق کے حالات ہماری زندگی پر اور زیادہ اثر انداز ہوں تمہیں شادی کے لیے گھر والوں کو رضامند کرلینا چاہیے۔"

"کیسے کروں رضامند...... ممانی جان نے ایبھا کو لینے سے صاف انکار کردیا ہے۔ امی اور ابو کو یہ بات بہت بری لگ رہی ہے۔"

"تو تم اس انتظار میں ہو کہ امی، ابو مجھے بھی دینے سے انکار کردیں۔" عینا غصے سے بولی عمار بے بس تھا۔

"تم تھوڑا انتظار کرو عینا...... وقت بہتر ہوجائے گا۔"

"بالکل بھی بہتر نہیں ہوگا...... بھلا یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی عمارہ پھپھو کو کہ وہ حارث کو کہیں اور بیاہ لیں۔ افق گھر میں بیٹھی ہے، بیٹھی رہے گی۔"

"تو کیا کریں امی...... افق کو جیسے ضد سی ہوگئی ہے۔ مرجائے گی اس گھر میں دوبارہ نہیں جائے گی۔ تمہیں پتا ہے دن رات کتنی ٹینشن چل رہی ہے ہمارے گھر میں۔ دن رات یہی موضوع ہے۔ سب افق کو سمجھا سمجھا کر تھک چکے ہیں لیکن افق کی سمجھ میں کب کسی کی بات آتی ہے۔ سب سے عجیب بات تو یہ ہے کہ امی افق کی ہمدرد بن رہی ہیں، حمایت کر رہی ہیں اس کی حالانکہ جانتی ہیں وہ کس سینس کی لڑکی ہے۔ اس کے باوجود امی، ابو ماہ پارہ خالہ کو ہی غلط کہہ رہے ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی عمار! تم جلد از جلد کچھ کرسکتے ہو تو کرو...... ورنہ......" عینا رونے لگی۔

"عینا پلیز! پلیز رو تو مت...... اچھا میں آج امی ابو سے بات کرتا ہوں۔ نکالتا ہوں کوئی نہ کوئی حل لیکن وعدہ کرو مجھ سے۔ تم امی، ابو کو کسی بھی حال میں مایوس نہیں ہونے دو گی۔"

"مجھے بھروسا ہے خود پر۔ امی، ابو کو منالوں گی۔ بے فکر رہو تم۔" عینا آنسو صاف کر کے بولی۔

"چلو پھر میں تمہیں ڈراپ کردیتا ہوں۔" عمار عینا کو لے کر گاڑی کی طرف بڑھا۔

"چلو کہیں بیٹھ کر آئس کریم کھاتے ہیں۔ بہت دن ہوگئے ہم کہیں ساتھ گھومنے نہیں گئے۔" عینا نے فرمائش کی۔ عمار مسکرایا اور دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔

☆☆☆

ماہ پارہ نے عاصمہ اور ساجدہ کو بتایا کہ حسنین اور خالدہ نے افق کے لچھن دیکھتے ہوئے ایبھا کو لینے سے انکار کردیا ہے۔

"افق کی وجہ سے ایبھا بے چاری کی بھی زندگی خراب ہوگئی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم افق کے بجائے ایبھا کو بیاہ کرلے آتے۔" عاصمہ بولی۔

"اب بھی تمہیں امی کی بھانجیوں پر ہی ترس آرہا ہے۔ سوچنے کی بات یہ نہیں ہے کہ ایبھا کا کیا ہوا یا عینا کا کیا ہوگا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ حارث کے بارے میں امی نے اب کیا سوچا ہے۔"

"کتنے ارمانوں سے بیاہا تھا میں نے اپنے بیٹے کو چند دن کی خوشی بھی حاصل نہ کرسکا میرا بچہ...... بیچ دوراہے پر چھوڑ کر چلی گئی کمبخت......" ماہ پارہ آبدیدہ ہوگئیں۔

"امی آپ پریشان نہ ہوں۔" حارث کمرے میں آیا تو ماں کو آبدیدہ دیکھ کر اُن کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"ارے کیسے پریشان نہ ہوں...... میرے بچے کی زندگی خراب ہوگئی اور میں پریشان بھی نہ ہوں۔"

"میں تو کہتی ہوں امی آپ حارث کی دوسری شادی کردیں۔ جب خالہ نے ہی کہہ دیا کہ ہم لوگ حارث کا کہیں اور بیاہ کرلیں تو پھر کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"

"کچھ بولتے کیوں نہیں حارث......؟" ماہ پارہ نے تڑپ کر حارث کا چہرہ اپنی طرف کیا۔

"تمہارے لیے میں بار بار اس گھر میں جاؤں گی۔ افق کو لانے کی کوشش کروں گی۔ تم کچھ تو بولو...... چندا۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو وہاں جانے کی۔ ایک بار جا کر دیکھ لیا ہے ناں آپ نے وہاں...... افق سامنے نہیں آئی۔ انکل اور آنٹی اسے رضامند نہیں کرسکے ہمارے ساتھ آنے پر۔ کس قدر ہٹ دھرم ہے وہ۔ بیٹھی ہے تو بیٹھا رہنے دیں شوق ہے۔"

"مگر اس طرح تو نہیں چلے گا حارث...... تم اپنا گھر بسالو...... بہت لڑکیاں ہیں تمہارے لیے۔"

"امی مجھے کوئی اعتراض نہیں...... لیکن خاندان والے باتیں بنائیں گے۔ افق بھانجی ہے آپ کی۔ اس کی حمایت میں آپ کے سگے بھی اٹھ کر آجائیں گے۔ کوئی بھی افق کے لیے سوکن برداشت نہیں کرے گا۔ مجھے ایک بار فون پر افق سے اجازت لے لینے دیں اگر وہ مجھے اجازت دے دیتی ہے تو میں دوسرے نکاح کے لیے تیار ہوں۔" حارث، ماہ پارہ کے آنسو صاف کر کے بولا۔

"اور اگر اس نے اجازت نہیں دی تو......؟" عاصمہ فوراً بولی۔

"تو اسے یہاں آکر بسنا پڑے گا۔ گھر بسائے اپنا وہ، اس طرح تو نہیں ہوتا کہ وہ میری زندگی بھی تباہ و برباد کردے۔"

"تو پھر ایسا کرو ابھی فون کرلو اسے...... جو بھی فیصلہ ہوگا آج ہی ہوجائے گا۔" حارث نے فون ملایا۔ افق نے فون پر نمبر دیکھا اور نفرت سے فون پرے کردیا۔

"افق فون اٹینڈ نہیں کررہی۔" حارث نے ماں، بہنوں کو اطلاع دی۔

"ٹھیک ہے، وہ ایسا ہی چاہتی ہے تو میں ایسا ہی کروں گی۔ میں تمہاری زندگی برباد نہیں ہونے دوں گی۔" ماہ پارہ بولیں۔ عاصمہ اور ساجدہ ماں کے فیصلے پر خوش ہوگئیں۔

"میں آپ کو ایسی جگہ لے جاؤں گی حارث کے لیے کہ آپ حیران رہ جائیں گی۔" عاصمہ جذباتی پن سے بولی۔ ماہ پارہ نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

فائزہ نے عینا کو عمار کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تو اسے بہت برا لگا لیکن وہ برداشت کر کے گھر آگیا۔

ری ٹیک

برسات میں اِک پیڑ کے نیچے
اِک لڑکی خاموش کھڑی تھی
آنکھوں میں پیاس لیے
آسماں کو دیکھ رہی تھی
دیوانی ہے
میں نے سوچا
آج پھر اِک پیڑ کے
نیچے برسات میں ایک
لڑکی خاموش کھڑی ہے کون ہے یہ
مگر میرے سوا کوئی نہیں ہے

مرسلہ: سیدہ شفق عامر زیدی، کراچی

غزل

روز و شب مصروف رہنے کے سہارے تلاش کرتی ہوں
جو بچھڑ گئے مجھ سے اپنے وہ پیارے تلاش کرتی ہوں
خزاں کا پہرہ ہے میری ویران زندگانی پر
ہر لمحہ ماضی کی پُر شوق بہاریں تلاش کرتی ہوں
جو اٹھا سکے بوجھ میرے غمِ تنہائی کا تا عمر
میں ایسے مکانِ قلب کی پختہ دیواریں تلاش کرتی ہوں

جو کردے روشن میری صبح کو کسی روز
شبِ تاریک کے تنہا لمحوں میں ایسے نعرے تلاش کرتی ہوں
کھوگئی ہے مجھ سے مقفل حیات کی کنجی
جو پہنچادے مجھ کو منزل تک ایسے اشارے تلاش کرتی ہوں

سامعہ ملک پرویز، ٹیکسلا

''تم اب بھی عمار کے ساتھ گھوم پھر رہی ہو جبکہ حالات سارے ہی تمہارے سامنے ہیں۔ کہاں مرگئی تمہاری شرم ؟'' فائزہ نے پوچھا۔

''افق جو کچھ کررہی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم لوگ اس کا کفارہ ادا کریں، میں امی ابو سے کہہ چکی ہوں میں شادی کروں گی تو صرف عمار سے ورنہ کسی سے بھی نہیں اور عمار سے میں یہی پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ کیا چاہتا ہے۔''

''تم اتنی بڑی ہوگئی ہو کہ اپنے فیصلے خود کرو۔ کیا ہم مرگئے ہیں امی ابو کریں گے یہ فیصلہ۔''

''کیوں جھگڑا کررہے ہو تم لوگ ؟'' خالدہ نے فائزہ اور عینا کو آپس میں الجھتا دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔

''پوچھیں اپنی لاڈلی سے اس قدر بے عزتی کی ہے افق نے آپ لوگوں کی اس کے باوجود یہ عمار سے چھپ چھپ کر ملنے جاتی ہے۔ خود دیکھا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے ان دونوں کو ہوٹل میں ڈنر کرتے ہوئے۔''

''کیا ہوگیا ہے تمہیں عینا، تم نے دیکھا ہے کس قدر بے عزتی کی ہے افق نے ہم سب کی۔'' خالدہ نے حیرانی اور غم و غصے سے عینا کو دیکھا۔

''امی میں کہہ چکی ہوں کہ میں عمار سے ہی شادی کروں گی۔''

''تم افق کو کیسے برداشت کروگی۔ نہایت بدتمیز لڑکی ہے وہ زندگی اجیرن بنادے گی تمہاری۔''

''امی ایسا کچھ نہیں ہے۔ پتا نہیں آپ کیا سمجھ رہی ہیں افق کو۔ اور ویسے بھی عمار پھپھو کا لاڈلا چہیتا بیٹا ہے، گھر میں سب سے زیادہ اہمیت اور حیثیت عمار کی ہے۔ آپ بلاوجہ کی فکریں مت پالیں۔''

''عینا اپنے ابو کو مشکل میں مت ڈالو۔ کس منہ سے وہ اس شادی کے بارے میں بات کرسکتے ہیں۔

وجۂ خوف

[اسل]امیات کے استاد صاحب کی عادت تھی کہ جب [بھی] ان کا گزر قبرستان سے ہوتا وہ بہ آواز بلند کہتے، [السل]ام علیکم یا اہل القبور، چند منچلے شاگردوں کو شرارت [سوجھ]ی اور چھ سات لڑکے ایک روز قبرستان میں قبروں [کے] کتبوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے اور استاد صاحب [کے] آنے کا انتظار کرنے لگے کہ ان کے گھر کا راستہ ادھر [ہی] سے گزرتا تھا۔ جونہی استاد صاحب قبرستان میں [داخ]ل ہوئے انہوں نے حسبِ عادت بہ آواز بلند السلام [علی]کم یا اہل القبور کہا، تمام لڑکوں نے بہ آواز بلند یک [زب]ان ہوکر کہا۔

وعلیکم السلام یا عبدالغفور!

ان کا یہی نام تھا۔ استاد صاحب وہاں سے ایسا [بھ]اگے کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔

مسز فریدہ افتخار، راولپنڈی

ضرورت مند

ایک شوہر اپنی بیوی کا جنازہ لے کر جارہا تھا، جنازے کے آگے ایک کتا اور اس کے پیچھے بہت سارے لوگوں کی لائن تھی۔ ایک اور آدمی نے دیکھا تو اس سے پوچھا۔ ''یہ جنازے کے آگے کتا کیوں ہے؟''

شوہر بولا۔ ''اس کتے نے میری بیوی کو کاٹا ہے اور وہ مرگئی۔''

آدمی۔ ''یہ کتا مہربانی کرکے مجھے دے دو۔''

شوہر غصے سے۔ ''تم کیا سمجھتے ہو یہ سب لوگ جنازے کے لیے لائن بنا کر آرہے ہیں بلکہ یہ سب بھی کتے کے لیے آئے ہیں چلو تم بھی لائن میں لگ جاؤ۔''

مرسلہ: سیدہ رقیہ اسماعیل شاہ، یزمان

[ت]م نے ایبہا کا رشتہ ختم کردیا ہے، سامان بھجوادیا ہے [ان] لوگوں کا واپس۔''

''انہوں نے تو نہیں بھجوایا ناں میرا سامان [و]اپس......'' حسنین نے کمرے میں داخل ہوتے ہوتے [ایبہ]ا کے الفاظ سنے۔ خالدہ کی نظر حسنین پر پڑی تو [چ]پ ہوگئیں۔

☆☆☆

عمار نے ماں سے شادی کی بات کی تو وہ بتھے [س]ے اکھڑ گئیں۔

''تم کس منہ سے وہاں شادی کی بات کررہے [ہو]۔ ایبہا کا سامان واپس بھجوادیا اُن لوگوں نے، تمہیں [ذرا] شرم نہیں آئی تو اب ہی کچھ خیال کرو کہ تم کیا کہہ [رہے] ہو کیا کرنے جارہے ہو۔'' ایبہا، عمار کی محبت کے [بارے] میں اچھی طرح واقف تھی اسی لیے ماں کو قائل [ک]رنے کی کوشش کی۔

''میرا خیال ہے امی آپ عمار سے بلاوجہ کی بحث کررہی ہیں۔ یہ بات آپ بھی جانتی ہیں اور میں بھی کہ عمار عینا کو بچپن سے پسند کرتا ہے۔ دونوں میں کتنی دوستی رہی ہے اور یہی دوستی ان کی محبت بن گئی۔ اب یہ محبت کسی مقدس رشتے میں بندھنے جارہی ہے تو آپ میری وجہ سے رکاوٹ کیوں پیدا کررہی ہیں۔ چند ہی دن تو رہی ہے میری منگنی فائز کے ساتھ اور مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں۔''

''مگر مجھے تو ہے نا...... منگنی دھوم دھام سے کی گئی، سب میں مٹھائیاں تقسیم ہوئیں اور پھر ایک دم انکار، کیا یہ بے عزتی نہیں ہماری۔ کان کھول کر سن لو عمار، تمہارے ابو اس شادی کے لیے قطعاً رضامند نہیں ہوں گے۔''

☆☆☆

''دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا تم اس رشتے سے انکار کروگی۔ وہ بھی مجھ سے مشورہ کیے بغیر۔'' تنزیل کو

جب عمارہ بیگم کے خیالات کا پتا چلا تو وہ بگڑ کر بولے۔

''ہاں، میں اس رشتے سے انکار کروں گی...... حسنین بھائی نے اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں ذلیل کیا ہے ناں...... اب میں جواب دوں گی انہیں۔''

''عقل سے کام لو عمارہ بیگم...... تمہاری بھتیجی سونے کی چڑیا ہے، یہ کتنی بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ حسنین اور خالدہ یہ رشتہ لے کر خود آئے تھے ہمارے گھر۔ عمار پسند کرتا ہے عینا کو تو ظاہر ہے عینا بھی عمار کو پسند کرتی ہوگی۔ کیوں پکی پکائی ہانڈی کو بدمزہ اور کرکرا کر رہی ہو۔ عمار، حسنین کی بیٹی سے ہی بیاہا جائے گا۔ کیا ہوا ہماری ایہا وہاں نہیں جا سکی اور پھر ابھی ایہا کی عمر بھی کیا ہے۔ بہت اچھے اچھے رشتے آجائیں گے اس کے۔ تم اس رشتے کو ہاتھ سے مت نکلنے دو اور ایہا کی فکر بھی مت کرو۔ خالدہ اور حسنین سے اپنی بیٹی کا بدلہ لینا چاہتی ہو ناں تم...... بے فکر رہو، وہ شادی کے بعد بہ آسانی لے سکتی ہو۔'' عمارہ بیگم کو تنزیل کی بات سمجھ میں آگئی۔

''تنزیل کا لالچ اپنی جگہ لیکن میں یہ بات نظر انداز بھی تو نہیں کر سکتی کہ عمار میرے گھر کا واحد کفیل ہے۔ میں اس کی محبت چھیننے کی کوشش کروں گی تو وہ بددل اور بدظن ہو جائے گا مجھ سے۔ انگاروں پر چل کر ہی مجھے عینا کو بیاہ کر لانا ہوگا۔'' عمارہ بیگم نے دل میں سوچا۔

☆☆☆

''ہم لوگ تو شادی کی تاریخ لینے آئے ہیں بھائی جان......'' حسنین اور خالدہ جیسے پشیمان اور شرمندہ تھے۔

''دیکھیں حسنین بھائی جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ ہمیں کوئی دکھ نہیں اس بات کا کہ ہماری بچی اس گھر میں نہیں آرہی۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے۔ کیا معلوم یہ فیصلہ ہی ہم لوگوں کے لیے زیادہ بہتر ہو تو بجائے اس فیصلے پر پچھتانے کے اس فیصلے کو پار لگائیں۔'' تنزیل نے ان کی حالت سمجھتے ہوئے کہا۔

''بعض اوقات بہت زیادہ جلد بازی ہمیں بہت بڑی سزا دیتی ہے۔ ایہا اور فائز دونوں ہی پڑھ رہے ہیں۔ بڑا وقت ہے دونوں کی شادی میں لیکن بس خالدہ کو جلدی تھی رشتہ دینے کی...... اور پھر واپس کر دینے کی بھی اسی کو جلدی تھی۔'' حسنین نے بڑے ٹھوس انداز میں سنبھل کر کہا۔

''اب سارا معاملہ آپ مجھی پر ڈال دیں۔'' خالدہ نے برا سا منہ بنایا۔ تنزیل ہنسنے لگے جبکہ عمارہ کو ایہا کا ذکر بھی یہاں بہت برا لگ رہا تھا۔

''بجائے اس کے کہ ہم اس بات پر جھگڑا کریں کیوں نہ شادی کے بارے میں بات چیت کر لی جائے۔'' تنزیل بولے۔

''کیوں نہیں تنزیل بھائی، ہم اپنے گھر میں مشورہ کر لیں پھر آپ کو بتا دیتے ہیں۔''

''افق ابھی اِدھر ہی ہے یا کوئی لینے آیا اسے۔'' خالدہ کو یکدم افق کا خیال آیا تو پوچھا۔ عمارہ بیگم کو خالدہ کا سوال گراں گزرا اور وہ چاہ کر بھی اپنی کڑواہٹ دبا نہیں پائیں۔

''بھابی آپ افق کی فکر نہ کریں، اس کی زندگی تو اسی طرح گزری ہے اور گزر جائے گی۔''

''میرا مطلب یہ تو نہیں تھا عمارہ...... ماہ پارہ آپا کو سوچنا چاہیے گھر کی بچی ہے۔ ایسی بدسلوکی کرتی وہ اچھی نہیں لگ رہیں۔''

''بھئی میں نے تو بہت سمجھایا آپا کو لیکن وہ کہتی ہیں میں اپنے بیٹے کی زندگی برباد نہیں کر سکتی۔'' حسنین نے دونوں کے درمیان مداخلت کی۔

''سنا ہے لڑکی دیکھتی پھر رہی ہیں آپا حارث کے لیے۔'' خالدہ بولیں۔

''تنزیل ہمیں چلنا چاہیے وقت کافی ہوگیا ہے ''، ہاں بھائی جان ماہ پارہ آپا سے کہہ دیجیے گا وہ اپنے بیٹے کا بیاہ کر دیں۔ جہاں بیاہنا چاہتی ہیں۔ میں بھی تو دیکھوں کون بیٹی دے گا حارث کو۔ دنیا اندھی نہیں ہے، سگی بھانجی کو یوں گھر میں بٹھا کر وہ اپنے بیٹے کو بیاہ سکتی ہیں تو بیاہ کر دکھائیں۔'' عمارہ کو خالدہ اور حسنین کا اس طرح اس موضوع کو کریدنا سخت ناگوار لگ رہا تھا بالآخر وہ بول ہی اٹھیں۔

''مگر ماہ پارہ آپا اور حارث لینے کے لیے آئے تھے افق کو۔''

''لینے کے لیے آئے تھے وہ لوگ یا میری بیٹی کا تماشا لگانے آئے تھے۔ صرف یہی تو خواہش کی تھی ناں اس نے کہ وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے۔ اس بات کو رنگ دے دیا انہوں نے کہ افق بچے پیدا کرنا نہیں چاہتی۔ حارث سے ازدواجی تعلق بنانا نہیں چاہتی۔ حالانکہ آپا ہی یہ سنہرے سپنے دکھا کر گئی تھیں میری بیٹی کو۔ اور وہاں لے جا کر اتنا ذلیل اور رسوا کیا اسے...... اس کی خواہش پر، تماشا بنا کر رکھ دیا۔ کوئی بات نہیں...... بیٹیاں سب کی ہیں۔ آپا کی بھی دو بیٹیاں ہیں، جو کچھ آپا نے میری بیٹی کے ساتھ کیا ہے وہ کے اپنے ہی آگے آئے گا۔'' عمارہ دکھ اور افسوس سے بولیں۔

''سنبھالو خود کو عمارہ، یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔'' تنزیل نے بیوی کو سمجھایا اور وہ دونوں واپس اپنے گھر چلے گئے۔ دونوں کے جانے کے بعد بھی ماحول پر تناؤ چھایا ہوا تھا تبھی خالدہ نے حسنین سے کہا۔

''عمارہ کا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔ بیٹی کی حمایت کر رہی ہے۔ اس بیٹی کی جس نے کبھی وقت پر لا کر ماں کو چائے کا ایک کپ تک بنا کر نہیں دیا۔ آج

عمارہ اس کے لیے آنسو بہا رہی ہے۔ اونہہ...... میں تو عمار سے صاف صاف کہہ دوں گی۔ میاں اپنی رہائش ذرا اپنی ماں، بہنوں سے الگ ہی رکھنا۔ اوپر کا پورشن تمہارا فارغ ہی پڑا ہے۔ وہیں سیٹ کر لینا جہیز کا سامان وغیرہ۔ عینا ان قنوطی عورتوں کے بیچ میں نہیں رہ سکے گی۔''

عینا ماں کے خیالات جان کر پُرسکون اور مطمئن سی ہوگئی۔

☆☆☆

ماہ پارہ کو جب عینا اور عمار کی شادی کی خبر ملی تو ان کے دل پر جیسے انگارے لوٹ گئے۔ نفرت سے دل میں سوچا۔

''کتنا بے غیرت ہے حسنین اور اتنی ہی بے غیرت اور بے حس عمارہ ہے۔ ایک رشتہ توڑ کر دوسرا رشتہ نبھانا چاہ رہے ہیں دونوں۔ عمارہ کے نزدیک بیٹیوں کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ساری عمر اس افق کو سوتیلی بنا کر رکھا پھر اس کی خواہش کو میرے گلے میں لٹکا دیا اور میں بھی کتنی پاگل ہوں ابھی تک حارث کو ایسے ہی لیے بیٹھی ہوں۔ کیا مجھے عینا کا اب بھی انتظار تھا۔ کوئی بات نہیں...... حسنین کی بیٹی بیاہ کر اجڑے گی جبھی عقل آئے گی ان لوگوں کو میں آج ہی عاصمہ اور ساجدہ سے بات کرتی ہوں۔ اپنے حارث کو عینا سے پہلے بیاہ کر دکھاؤں گی۔''

☆☆☆

''کون بیٹی دے گا مجھے...... یہی کہا تھا ناں عمارہ نے، اب جا کر بتانا تم اسے کہ لاکھوں کا جہیز اور شہزادیوں جیسے دلہن لے کر آئی ہوں۔ ایسی جو ہاتھ لگانے سے بھی میلی ہو۔ بولتی ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ صحیح معنوں میں تو اب جوڑی بنی ہے میرے بیٹے کی۔'' ماہ پارہ نے فخر سے خالدہ کو بتایا تو وہ بھی حارث کی قسمت پر رشک کرنے لگیں۔

''آپا یہ تو بتائیں افق کا جہیز کہاں رکھوایا آپ نے؟''

''ارے تھا ہی کیا...... ایک بیڈ اور ایک سنگھار دان...... اور کاٹھ کباڑ سا صندوق جس میں نہ جانے کیا الا بلا تھی۔ ہم نے تو آج تک ہاتھ نہیں لگایا۔ حسنین...... سے کہہ دیا ہے میں نے کہ عمارہ اور تنزیل سے کہہ دیں اپنی بیٹی کا سامان اٹھوالیں یہاں سے ویسے بھی میرے گھر میں تو اتنا بڑا جہیز آیا ہے کہ گھر ہی چھوٹا پڑ گیا ہے میرا۔ میں اس کاٹھ کباڑ کو کہاں رکھوں گی۔'' ماہ پارہ مغرور لہجے میں بولیں پھر جیسے ماہ پارہ کو کوئی خیال آیا۔

''اور تم سناؤ عینا کیسی رہ رہی ہے اپنی سسرال میں؟''

''ٹھیک ہے آپا...... میں زیادہ دن کے لیے چھوڑتی نہیں۔ ایک دن چھوڑتی ہوں دو دن اپنے گھر میں رکھتی ہوں۔''

''ارے وہ کیوں...... کیا کھانے پینے کی کمی ہے عمارہ کے گھر میں؟''

''نہیں نہیں آپا...... اصل میں آپ کو معلوم ہی ہے پرانے زمانے میں اس طریقے سے شروعات کی جاتی تھی بیٹیوں کو سسرال میں ایڈجسٹ کرنے کے لیے تو مجھے یہی طریقہ پسند ہے۔ ایک دفعہ ہی بیٹی کو سسرال میں جا کر پھینک دو تو سسرال والوں کی نظروں میں جلد بے وقعت ہو جاتی ہے۔ دو چار دن کے بعد ہی کام پر لگا دیتے ہیں۔ بھئی میں تو اپنی بیٹی کو ایک سال تک نئی نویلی کر رکھوں گی۔''

''اعتراض نہیں ہوتا اس کی سسرال والوں کو اس کے شوہر کو اس شیڈول پر؟'' ماہ پارہ نے خالدہ کی بات پر استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

''ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں آپا...... جب اعتراض ہوگا تو دیکھ لیں گے۔''

''یہ سناؤ افق کا کیا حال ہے۔ حارث کی شادی کا دھچکا تو ضرور لگا ہوگا اسے۔''

''رہنے دیں آپا...... عجیب ہی بے حس لڑکی ہے، اسے تو جیسے احساس ہی نہیں البتہ عمارہ کھاٹ سے لگ گئی ہیں۔ عینا بتا رہی تھی سارا دن عمارہ آپ کو اور حارث کو کوستی رہتی ہیں۔ اتنی بددعائیں دیتی ہیں کہ بتا نہیں سکتی۔''

''دیکھ لو میرے گھر کو...... یہ عمارہ کی بددعاؤں کی کرامات ہیں کیسے جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔'' ماہ پارہ نے ہنس کر کہا۔

''ارے بددعا بھی مظلوم کی لگتی ہے ظالم کی نہیں۔'' خالدہ نے ماہ پارہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

☆☆☆

افق اپنے کمرے میں لیٹی جیسے سوچوں کے گرداب میں پھنسی تھی۔ عمارہ کمرے میں آئیں تو افق کو الجھا بکھرا دیکھ کر اُن کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ افق کے نزدیک آ کر بیٹھ گئیں۔

''اگر تم اپنی ضد چھوڑ دیتیں تو آج یہ نوبت نہیں آتی، بیاہ رچا لیا ہے اس نے دوسرا۔ کتنا بڑا دکھ ہے ایک عورت کے لیے یہ۔ پہلے ہی تمہاری زندگی کون سی اچھی گزر رہی تھی اوپر سے یہ عذاب بھی مسلط ہو گیا تم پر...... کیسے سنبھالو گی سب کچھ افق آج تک تم خود کو سنبھال نہیں پائیں، اب یہ حالات...... کیا اسی طرح چلے گا سب کچھ۔'' عمارہ بیگم دکھ اور افسوس سے بولیں۔

''میری قسمت میں یہی سب کچھ تھا جو ہو گیا۔ اگر حارث یا خالہ میرے لیے مخلص ہوتے مجھ سے محبت کرنے والے ہوتے تو ضرور میری خواہش کو پورا کرتے لیکن سب کی طرح انہوں نے بھی وہی کیا جو میرے مقدر میں چلتا آ رہا ہے۔ میں نے کہا تھا ناں آپ سے مت کریں آپ میری شادی۔'' افق کو خود بھی دکھ اور افسوس تھا حارث کی شادی پر لیکن اس کا اظہار کر کے نیچا نہیں ہونا چاہتی تھی لہٰذا اسی ہٹ دھرمی سے کہتی رہی۔

''مگر بعد میں تو رضامندی تمہاری ہی تھی۔''

''صرف اس لیے کہ خالہ نے مجھے امید دلائی تھی وہ میری تعلیم میں میری مدد کریں گی اور کوئی وجہ نہیں تھی، مر نہیں رہی تھی میں اس کے عشق میں۔''

''اب وہ لوگ تمہیں کبھی لینے نہیں آئیں گے افق۔''

''تو میں کون سا جانے کے لیے تڑپ رہی ہوں۔ آپ بلاوجہ کی ٹینشن کیوں لے رہی ہیں۔''

''ٹینشن نہ لوں تو کیا کروں، پورے خاندان میں جگ ہنسائی ہوگئی میری صرف تمہاری وجہ سے۔ افق تم نے یہ سوچا ہے ایبہا کی زندگی اور کتنی زیادہ متاثر ہوگی تمہارے معاملات سے... پہلے ہی تمہاری وجہ سے اس کی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔''

''دراصل آپ کے بہن، بھائی جو ہیں نا کوئی گیم کھیل رہے ہیں آپ کے ساتھ...... اور آپ سمجھ ہی نہیں پا رہیں۔'' افق ماں کی باتوں سے چڑ کر بولی۔

''آہستہ بولو، عینا گھر میں ہی ہے۔''

''جانتی ہوں میں...... ساری خبریں پہنچا رہی ہے وہ یہاں سے وہاں مگر مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، کتنا نقصان پہنچائے گی وہ مجھے۔''

''دیکھو افق، تم اپنے معاملات سے عینا کو دور ہی رکھو تو زیادہ بہتر ہے۔ ویسے بھی وہ کون سا یہاں روز رہتی ہے۔ ایک آدھ دن کے لیے یہاں آتی ہے۔ تم لوگوں کی ایسی باتیں سنے گی تو اس کے دل کو برا لگے گا۔'' عمار نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے افق کے الفاظ سنے تو اسے تنبیہ کی۔

''اس کے دل کو برا لگے گا اور میں جو سن رہی ہوں میرے دل کو برا نہیں لگے گا۔'' افق نے غصے سے

کہا۔ ”میں اپنے کمرے میں رہتی ہوں۔ کسی کے معاملات میں مداخلت کرنے نہیں جاتی تو کسی کو کیا ضرورت ہے میرے کمرے سے کان لگا کر باتیں سننے کی...... اب کیا میں بولنا بھی چھوڑ دوں۔“

”ہاں تو تمہیں روکا کس نے ہے۔ بولو...... جی بھر کے بولو لیکن عینا کا نام لینے کی کوئی ضرورت نہیں تمہیں۔ تم اپنا گھر تو بسا نہیں سکیں دوسروں کا گھر تو مت خراب کرو۔“ افق کو شدید دھچکا لگا حیرانی سے ماں کی طرف دیکھا۔ عمار کہہ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

”چند ہی دن میں بدل گیا ہے عمار...... بیوی کے سامنے اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا لیکن تم فکر مت کرو میں سب سنبھال لوں گی۔ تم خود کو سنبھالو۔“ عمارہ بیگم دکھ اور صدمے سے بولیں۔

☆☆☆

”کیا ضرورت تھی تمہیں افق کے ساتھ اس طرح بولنے کی۔ وہ کون سا تمہیں دیکھنے یا تمہارے معاملات میں بولنے آ رہی ہے۔“

”تم نہیں جانتیں ایہا، افق کی ہٹ دھرمی اور ضد ہمارے پورے گھر کے لیے کتنی نقصان دہ ثابت ہو رہی ہے۔ میں ایسا نہیں تھا واقعی میں ایسا نہیں تھا لیکن مجھ میں جو بدلاؤ آیا ہے وہ افق کے معاملات کی وجہ سے آیا ہے۔ کتنی بدنصیبی کی بات ہے یہ ہمارے لیے کہ حارث نے دوسری شادی کر لی۔ افق یہاں بیٹھی ہے اور کچھ نہیں کر سکتے ہم حارث کا، اسے شادی کرنے سے روک نہیں سکے صرف کس وجہ سے افق کی ضد کی وجہ سے۔ آج ہم نے جو بے عزتی برداشت کی ہے...... افق کی وجہ سے جانتی ہو لوگ کتنی باتیں بنا رہے ہیں۔ امی کے متعلق ابو کے متعلق...... اور افق کو جیسے احساس ہی نہیں۔ مجھے تو یہ حیرت ہو رہی ہے اب امی کو اس سے ہمدردی کیوں ہو رہی ہے۔ امی کیوں اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود۔“

”کیا کریں امی...... اور کر بھی کیا سکتی ہیں۔ زیادہ اسے کچھ کہیں گے تو کھانا پینا چھوڑ دے گی۔ کمرے سے باہر نکلنا چھوڑ دے گی۔ اس لیے بہتر ہے ہم یہی سمجھیں کہ افق کی شادی ہوئی ہی نہیں تھی۔ جیسے وہ پہلے تھی ویسے ہی وہ اب ہے۔“ ایہا بے بسی سے بولی۔

”لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ افق کی سوچ بدلے یا نہ بدلے اب گھر کے حالات اور افراد بھی بدل گئے ہیں۔ یہ بات افق کو سوچنا پڑے گی۔ اب وہ پہلے کی طرح نہیں پڑی رہ سکتی ایک کمرے میں۔“ عمار نے کہا۔

”تمہارے خیال میں وہ گھر کے کام کاج میں حصہ لے گی۔ یہ ناممکن ہے فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔“ ایہا الجھ کر بولی۔

”ہاں تو یہ بات تم امی کو سمجھاؤ جو اس کا روگ ہی لگا کر بیٹھ گئی ہیں۔ ایک کھوٹے سکے کے لیے جنگ لڑ رہی ہیں، ایسا سکہ جو ہمارے کبھی کام نہیں آیا بلکہ اس کی وجہ سے ہمیں نقصان ہی پہنچا ہے۔“

”آہستہ بولو عمار، امی سن لیں گی تو دکھ پہنچے گا انہیں۔“

”میں سن ہی نہیں رہی دیکھ بھی رہی ہوں سب کچھ۔“ یکدم عمارہ بیگم بولیں تو عمار اور ایہا دونوں پشیمان سے ہو گئے۔ عمارہ سامنے ہی دروازے میں کھڑی تھیں۔

”ایک بات کان کھول کر سن لو تم لوگ...... افق تم لوگوں پر بوجھ نہیں ہے۔ آئندہ میں تمہارے منہ سے اس کا ذکر نہ سنوں۔“ عمارہ بیگم نے کہا تو عمار نے الجھ کر ماں کو دیکھا اور کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

حارث کی شادی کو مہینہ ہونے کو آ رہا تھا لیکن عروبہ نے کسی کام کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا بلکہ عروبہ کے چھوٹے موٹے کام بھی ماہ پارہ خود ہی کر دیا کرتیں جیسے اس کا ناشتا بنانا، اس کے کپڑے وغیرہ استری کر دینا۔ ماہ پارہ خوشی خوشی یہ سب کرتی چلی آ رہی تھیں۔ گھر میں ایک ملازمہ تھی جو گھر کی صفائی کچن کی صفائی اور کپڑے دھویا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ باقی سارے کام ماہ پارہ خود کرتی تھیں لیکن عروبہ کا گزارہ نہیں ہو رہا تھا اس لیے اس نے اپنے لیے ایک نئی ملازمہ کا بندوبست کر لیا تھا۔ عروبہ کی ملازمہ کو دیکھ کر ماہ پارہ چونک گئیں۔

”کیا ضرورت تھی ایک اور ملازمہ کی چھوٹا سا تو گھر ہے ہمارا اور چھوٹی سی فیملی، تین لوگوں کے لیے دو دو ملازمائیں کچھ عجیب سا لگتا ہے۔“ ماہ پارہ بیگم بولیں۔ عروبہ چونکہ میٹھے اور دھیمے لہجے میں بولنے کی عادی تھی اور ماہ پارہ اور ان کی بیٹیاں عروبہ کے اندازِ تکلم پر ہی مر مٹی تھیں۔ بولتی تھی تو گویا پھول جھڑتے تھے۔ عروبہ اپنے اندازِ تکلم میں بولی۔

”ایکچوئیلی آنٹی آپ کو تو معلوم ہی ہے مجھے تو گھر میں اٹھ کر پانی بھی پینے کی عادت نہیں تھی اس لیے پاپا اور ماما نے فیصلہ کیا ہے کہ سلمٰی میرے ساتھ رہے گی، میری خدمت کے لیے۔“

”مگر بیٹا...... عروبہ کام تو سارے شہناز کر جاتی ہے تمہیں اور بھی کسی کام کی ضرورت ہوا کرے تو شہناز سے کہہ دیا کرو۔“

”آنٹی مجھے تو کام کہنے کی بھی کبھی عادت نہیں ہے۔ سلمٰی کو شروع سے معلوم ہے مجھے کب اور کس وقت کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ ٹینشن نہ لیں سلمٰی کو سیلری پاپا اور ماما ہی دیں گے۔ میری ملازمہ حارث کی سیلری پر بوجھ نہیں بنے گی۔“ عروبہ نے

دھیمے سے مسکرا کر محبت سے ماہ پارہ کو بازوؤں سے تھام کر کہا۔ ماہ پارہ خاموش ہو کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ عروبہ کا یہ عمل ماہ پارہ کو کھٹکا تو بہت لیکن دل ہی دل میں سوچا۔

''شام کو حارث آئے گا تو دیکھتی ہوں اس کا کیا ردِعمل ہوتا ہے۔ آخر بھی کچھ میں نے تو نہیں سوچنا حارث کی بھی تو کوئی سوچ ہو گی۔''

☆☆☆

شام کو حارث گھر آیا تو ماہ پارہ نے حارث سے عروبہ کی ملازمہ کا ذکر کیا۔

''مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگا حارث کہ گھر میں ملازمہ موجود ہے اس کے باوجود عروبہ نے فون کر کے اپنے ماں باپ سے ملازمہ منگوائی۔ مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا اس نے۔''

''مجھے بتا دیا تھا اس نے آپ ٹینشن نہ لیں۔ اس نے ملازمہ منگوائی ہے خدانخواستہ اپنے میکے سے امداد نہیں جو ہمارے لیے پشیمانی یا ندامت کا سبب ہے بلکہ آپ کو تو سہولت ہو جائے گی...... شہناز آپ کے کام کر لیا کرے گی اور عروبہ کی ملازمہ اس کے۔''

''تمہیں برا نہیں لگا حارث۔'' ماہ پارہ بیٹے کی تبدیلی پر حیران ہوئیں۔

''امی رات کافی ہو گئی ہے آپ سو جائیں، بے وجہ کی ٹینشن لینے سے آپ کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ کیوں ٹینشن لے رہی ہیں آپ۔'' حارث نے نرمی سے کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

ماہ پارہ کو برا لگا جیسے حارث انہیں یہ کہنا چاہتا تھا کہ دنیا بدل رہی ہے، امی حالات بدل رہے ہیں بہتر ہے آپ بھی تھوڑا سا خود کو بدلیں، اپنی سوچ کو بدلیں۔ ماہ پارہ کو اپنی سوچ پر جھرجھری سی آ گئی۔

''حارث کس طرح ریت کے مانند بند مٹھی سے نکلتا جا رہا ہے۔'' ماہ پارہ نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا پھر اپنی مٹھیاں بند کر لیں۔

☆☆☆

حارث کمرے میں داخل ہوا تو سلمیٰ عروبہ کے پاؤں دبا رہی تھی اور عروبہ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ حارث کو دیکھ کر عروبہ نے سلمیٰ کو اشارہ کیا سلمیٰ کمرے سے باہر چلی گئی۔

''طبیعت ٹھیک تو ہے تمہاری؟'' حارث نے فکر مندی سے عروبہ سے پوچھا۔

''آپ کو دیکھ کر طبیعت ہی نہیں موڈ بھی بہت اچھا ہو گیا ہے میرا۔'' عروبہ ہلکا سا مسکرائی اور نازو ادا سے بستر سے اٹھ کر حارث کی ٹائی کی گرہ کھولتے ہوئے بولی۔

''تمہاری یہی باتیں تو مجھے مارے ڈالتی ہیں قسم سے آفس میں بھی تمہاری یہی باتیں یہی انداز یاد آتے رہتے ہیں مجھے۔ اب تو کسی بھی کام میں جی نہیں لگتا۔ بس دل کرتا ہے تمہارے پاس بیٹھا رہوں، تم سے اپنے ناز اٹھواتا رہوں۔'' حارث، عروبہ کی ادا اور انداز پر فریفتہ ہو کر بولا۔

''بہت لکی ہیں حارث صاحب آپ...... عروبہ دلنواز کے ناز گھر والے اٹھاتے تھے اور آپ کے ناز عروبہ اٹھا رہی ہے۔''

''تھینک یو سوچ عروبہ...... تھینک یو! تمہارے روپ میں مجھے ایک آئیڈیل جیون ساتھی ملا ہے۔ ایسی بیوی ملی ہے مجھے جس کی ہر شخص کو تمنا ہوتی ہے۔'' عروبہ نے حارث کا کوٹ اتار کر ہینگر میں لٹکایا اور حارث جوتے اتار کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

''چائے منگواؤں آپ کے لیے۔'' یہ کہتے ہوئے عروبہ نے سلمیٰ کو آواز دی۔ ''سلمیٰ...... سلمیٰ کپ چائے بنا کر لے آؤ۔'' پھر عروبہ، حارث کے نزدیک بیٹھ گئی۔

''امی شہناز کو بالکل بھی میرے کمرے میں نہیں دیتی تھیں اسی لیے میں نے سلمیٰ کا انتظام کیا۔ آپ کو برا تو نہیں لگا۔''

''نہیں، بالکل نہیں۔'' حارث نے مسکرا کر آنکھوں سے یقین دہانی کرائی۔

''لیکن امی کو بہت برا لگا۔ انہوں نے کھانا تک نہیں کھایا اس صدمے میں کہ سلمیٰ صرف میری خدمت کرے گی اور دن رات اسی گھر میں رہے گی۔'' عروبہ بولی تو حارث اچھل ہی پڑا۔

''کیا سلمیٰ دن رات اسی گھر میں رہے گی...... لیکن یہ ممکن نہیں ہے عروبہ...... کہاں رہے گی وہ؟''

''آپ اتنا پریشان کیوں ہو گئے حارث...... سلمیٰ رات کو امی کے کمرے میں سو جایا کرے گی۔ آخر امی اکیلی ہی تو ہوتی ہیں۔''

''اگر امی اس بات کے لیے رضامند نہ ہوئیں تو......!'' حارث نے اندیشے سے کہا۔

''تو کوئی مسئلہ نہیں، سلمیٰ ڈرائنگ روم میں سو جائے گی۔ ویسے بھی آپ کے علاوہ تو کوئی مرد ہیں اس گھر میں جو سلمیٰ کو کوئی پریشانی ہو گی اور آپ تو میرے پاس ہوتے ہیں۔'' عروبہ مسکرا کر ادا سے بولی تو حارث مسکرا دیا۔

☆☆☆

عمار آج گھر آیا تو اس کے ہاتھ میں مختلف قسم کے شاپر تھے۔ عمار، عینا کے لیے لینن پرنٹڈ لینن ایمبرائڈری کے سوٹ لایا تھا۔ دو سوٹ اس میں ابیہا کے اور دو عمارہ کے بھی تھے۔

''افق کے لیے کچھ نہیں لائے تم؟'' عمارہ بیگم کپڑے دیکھ کر بولیں۔'' افق نزدیک ہی بیٹھی تھی ماں کی بات پر چڑ گئی۔

''کیوں، کھینچ لاتی ہیں آپ بار بار ان لوگوں کے درمیان میں مجھے۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں نہیں پسند کرتی میں ہمدردی اپنے لیے پھر کیوں آپ لوگوں کو میرے لیے ہمدردی پر اکساتی رہتی ہیں۔''

"اس میں ہمدردی کی کون سی بات ہے افق، اصول کی بات ہے۔ تم بھی گھر کی فرد ہو۔ تمہاری بھی ضرورتیں ہیں۔ اگر دو کپڑے یہ تمہارے لیے بھی لے آتا تو کون سی مصیبت آجاتی۔"

"افق اس میں سے جو لینا چاہتی ہے لے لے۔" عمار کو ماں کی بات بہت بُری لگی لیکن وہ عینا کے سامنے کوئی تماشا نہیں کرنا چاہتا اس لیے بولا۔

"مجھے کچھ نہیں لینا لے جاؤ تم یہ سب یہاں سے...... اور آئندہ پلیز کم سے کم مجھے اس وقت آفرمت کرنا جب تم اپنی بیوی کے لیے کچھ لاؤ۔ امی، ابو کے کہنے سے بھی نہیں کیونکہ نہ ہی مجھے خود پر ترس کھانا پسند ہے اور نہ میں کسی کی چیزوں پر نظر لگاتی ہوں جس کی وجہ سے تمہیں صدقے میں مجھے کچھ دینا پڑے۔" افق، عمار کی اس پیش کش پر چڑ کر بولی۔

"کتنی نیگیٹو سوچ ہے تمہاری افق، اس میں صدقے والی کون سی بات ہے۔ تم بھائی کی محبت کو اس نظر سے دیکھتی ہو۔" عینا، افق کی سوچ پر قدرے حیران ہو کر بے ساختہ بولی۔ عمارہ کو عینا کا یوں مداخلت کرنا اچھا نہیں لگا۔

"عینا تم بیچ میں نہ ہی بولو تو بہتر ہے۔ یہ ان بہن بھائیوں کا معاملہ ہے۔"

"لیکن پھوپو، آپ افق کی سوچ تو دیکھیں۔ کتنا دکھ ہوا ہوگا عمار کو افق کی اس بات سے۔"

"بڑی ہمدردی ہے تمہیں اپنے شوہر سے، ساتھ دے رہی ہو اس کا۔" افق غصے سے بولی تو عینا سے برداشت نہیں ہوا۔

"ظاہر ہے شادی ہوئی ہے ان سے میری، میں ساتھ نہیں دوں گی تو اور کون دے گا۔"

"عینا تم اندر کمرے میں جاؤ۔" عمار نے عینا کو روکا۔

"جارہی ہوں، آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور پلیز یہ چیزیں اب میرے کمرے میں مت لایئے گا۔" عینا بھڑک کر بولی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"دیکھ لیا آپ نے...... یہی سمجھا رہا تھا میں کتنے دن سے آپ کو مگر آپ کی سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا تھا۔ دنیا جہاں کی مظلوم تو افق ہے...... باقی ہم سب ظالم ہیں۔ جو کچھ بھی افق کے ساتھ ہوا ہے گویا ہماری وجہ سے ہوا ہے، ہے نا......" عمار ماں سے بولا۔

"بکواس بند کرو عمار اپنی...... کس طرح بات کررہے ہو تم ماں سے۔ چار دن میں ہی تمہارے تیور بدل گئے۔ بیوی اتنی پیاری ہوگئی تمہیں کہ تم گھر کے مسائل ہی سے دستبردار ہو بیٹھے۔" تنزیل غصے سے کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

"گھر کے نہیں افق کے مسائل سے دستبردار ہونا چاہتا ہوں میں۔ تھک گئے ہیں ہم بھی افق کے مسئلوں سے۔" عمار غصے سے کہتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عمارہ بیگم کے چہرے پر غصہ اور بے بسی تھی۔ افق کے چہرے پر حیرت اور غصہ تھا۔ افق سب کے درمیان سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔ تنزیل اور عمارہ پریشان اور بے بس ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

☆☆☆

ماہ پارہ کی بیٹیاں آئیں تو انہوں نے عروبہ کے بارے میں بیٹیوں کو بتایا اور دبے دبے انداز میں عروبہ کی برائیاں اور شکایت کی۔

"دیکھیں امی عروبہ بھابی بڑے گھر کی بیٹی ہے امیر والدین کی اکلوتی اولاد ہے نہ وہ آپ کی تنقید برداشت کرے گی اور نہ ہی طعنے...... بہتر ہے آپ روایتی ساس کا کردار ادا نہ ہی کریں۔" عاصمہ ماں سے بولی۔

"کیا بکواس کررہی ہو عاصمہ تم...... میں روایتی ساس کا کردار ادا کررہی ہوں۔ ارے صبح ناشتا بنا دیتی ہوں میں اسے...... کپڑے استری کرکے دیتی ہوں اس کے۔ جانتی ہو روایتی ساس ہوتی کیا ہے۔"

"جانتی ہوں امی اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ بس یہی کہنا چاہتے ہیں ہم لوگ آپ سے کہ افق کو تو آپ نے تھپڑ تک مار لیا تھا۔ سگی بھانجی تھی آپ کی...... مگر اس کے بارے میں ایسا مت سوچیے گا۔"

"وہ تو بدزبانی کرتی تھی اس لیے میرا اس پر ہاتھ اٹھ گیا تھا لیکن یہ تو اندر ہی اندر میرے بیٹے کو کاٹ رہی ہے مجھ سے۔ حارث اتنا بدل گیا ہے اب بیٹھتا تک نہیں میرے پاس...... آفس سے آتے ہی سیدھا کمرے میں...... اور اس محترمہ کے پاس تو وقت ہی نہیں میرے پاس بیٹھنے کا۔ افق کم سے کم بدزبان تھی لیکن صاف تھی۔ جیسی اندر سے تھی ویسی ہی باہر سے لیکن یہ تو میٹھی چھری ہے۔"

"ایسا ہی ہوتا ہے امی...... ہر گزر جانے والی چیز کی انسان کو بعد میں ہی قدر آتی ہے لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ آپ کو اس پتھر کی یاد آرہی ہے جو احساس اور محبت سے خالی تھا۔"

"پتا نہیں ان چھوٹے لوگوں کا مسئلہ کیا ہے۔ میاں بیوی کو ساتھ وقت گزارتا دیکھ ہی نہیں سکتے۔ اتنی حسد اور جلن ہوتی ہے ان لوگوں میں۔" عروبہ دروازے سے کان لگائے کھڑی...... ساری باتیں سن رہی تھی۔ دل ہی دل میں غصے اور جلن سے سوچا۔

☆☆☆

"اتنی معمولی سی بات پر عمار گھر چھوڑ کر چلا گیا...... اتنی سی بات پر......" عمارہ بے بسی سے رو رہی تھیں۔

"امی...... عمار برداشت نہیں کرے گا کچھ بھی۔ اس نے ڈوبتے ہوئے ٹائٹینک کو بچایا ہے۔ احسانات کیے ہیں ہم پر...... وہ بیٹا ہے آپ کا، یہ بات آپ اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ واقعی حالات پہلے جیسے نہیں ہیں۔ افق کو چاہیے بدلے خود کو۔ آپ افق کو اس کے حال پر چھوڑ کر ایک اور غلطی کررہی ہیں۔ عمار گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ عینا ماں باپ کے گھر جا کر بیٹھ گئی ہے۔ کتنا برا اثر پڑے گا ہمارے گھر کا ماموں ممانی پر جب آپ کا بیٹا بھی وہیں جا کر بیٹھ جائے گا۔" ایبہا ماں سے بولی۔

"آخر بات ہوئی ہی کیا تھی جو ان لوگوں نے اتنا بڑا ایشو بنالیا۔ افق اور عمار کا معاملہ تھا عینا کو درمیان میں بولنے کی کیا ضرورت تھی۔" عمارہ چڑ کر بولیں۔ "اتنی معمولی باتیں تو گھروں میں ہو ہی جاتی ہیں لیکن عینا نے جان بوجھ کر بات کو بڑھایا ہے تاکہ اسے ماں باپ کے گھر جا کر بیٹھنے کا موقع ملے اور وہ کھل کر ہماری مخالفت کرے اور عمار کو لے کر علیحدہ ہو جائے۔ یہی منصوبہ تھا اس کا اور وہ بڑی آسانی سے اپنے منصوبے میں کامیاب ہوگئی۔" عمارہ بدگمانی اور دکھ سے روتے ہوئے بولیں۔

افق اپنے کمرے میں کھڑی سب کچھ سن رہی تھی۔ اسے ان سارے حالات کا دکھ بھی تھا اور غصہ بھی آرہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ ابھی عمار سامنے آجائے اور وہ اسے کھری کھری سنائے...... "لیکن ایبہا نے کیا کہا ہے کہ سارے حالات میری وجہ سے ہی ہیں۔" اس نے غم و غصے سے سوچا۔ "چاہے میں مداخلت کروں یا نہ کروں، میں بولوں یا نہ بولوں...... تمام حالات کی میں ہی ذمے دار ہوں اس لیے کہ میں اس گھر میں پڑی ہوں۔ کون سا ٹھکانا ہے میرا جہاں میں چلی جاؤں۔" اس نے غصے اور نفرت سے سوچا اور پھر چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگی۔ شور شرابے کی آواز پر عمارہ اور ایبہا... تیزی سے.... افق کے کمرے میں آئیں تو وہ غصے سے چلانے لگی۔

"کہاں جاؤں میں...... کون سا ٹھکانا ہے میرا۔ کیوں میری زندگی اجیرن کردی ہے تم سب نے"

''زندگی ہم نے نہیں، خود تم نے اجیرن کر رکھی ہے۔ ایک ضد نے تمہاری پوری زندگی برباد کر دی مگر تم نے وہ ضد نہیں چھوڑی۔ رہو تم اپنی ضد پر قائم اور دیکھو تماشا......'' ایبہا نے غصے اور افسوس سے افق کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ پھر ایبہا، عمارہ کو افق کے کمرے سے لے کر چلی گئی۔

☆☆☆

ابھی صبح ڈھنگ سے بھی نہیں ہوئی تھی کہ افق کا جہیز ٹرک میں لوڈ ہو کر گھر آ گیا۔ عمارہ اور تنزیل ماہ پارہ کی اس پیش قدمی پر اور بھی ٹوٹ گئے۔ تنزیل نے سارا سامان ٹرک سے اتروالیا تو ڈرائیور نے کچھ چیزیں ہاتھ میں دیں، وہ افق کے زیورات تھے جو عمارہ نے چڑھائے تھے۔

''صاحب سامان چیک کر کے آپ اس پرچی پر دستخط کر دیں تاکہ ہم مالکان کو جا کر بتا دیں کہ سامان مکمل پہنچ گیا ہے۔'' ڈرائیور بولا۔ تنزیل صدمے کی حالت میں تھے۔ افق کمرے سے نکل کر آئی اور زیورات کھول کر دیکھے، چار چوڑیاں اور ایک نیکلس سیٹ، نتھ اور ٹیکا سب کچھ موجود تھا۔ افق نے ڈرائیور سے پرچی لی اور سائن کر دیے۔ عمارہ اور تنزیل نے حیرانی سے افق کو دیکھا۔ وہ بالکل بھی شاکڈ نہیں تھی جیسے وہ اس عمل کے لیے پہلے سے ہی تیار تھی۔

''یہ سامان میں نے خود فون کر کے منگوایا ہے۔'' ڈرائیور کے جانے کے بعد افق بولی۔

''اور کتنی کالک لگاؤ گی تم ہمارے منہ پر......''

عمارہ بیگم نے جذباتی پن سے افق کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔

''یہ جہیز کا سارا سامان میرا ہے، اس پر حق بھی میرا ہے۔ کسی کی ملکیت نہیں ہے یہ کہ وہاں پڑا رہتا۔ جب میں یہاں ہوں تو میرا سامان بھی یہیں ہونا چاہیے۔'' افق ہٹ دھرمی سے بولی۔

''کیا کرو گی تم اس سامان کا۔ عزت تو تمہاری گئی اس سامان کا تم کیا تاج محل بناؤ گی؟''

''مجھے معلوم ہے کتنی مشکل سے آپ نے میرے لیے جہیز بنایا تھا۔ اس سارے سامان کو سنبھال کر رکھ دیجیے ایبہا کے کام آئے گا۔ علاوہ اس زیور کے...... لیکن فکر مت کیجیے گا میں یہ زیور جلد لوٹا دوں گی آپ لوگوں کو۔'' افق یہ کہتے ہوئے زیورات اپنے کمرے میں لے گئی۔ عمارہ اور تنزیل نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆☆☆

''ماہ پارہ آپا کا فون تھا۔ بتا رہی تھیں افق نے خود فون کر کے اپنا جہیز واپس منگوایا ہے ان لوگوں سے۔ توبہ توبہ...... بھئی اتنی ہٹ دھرم اور بدتمیز لڑکی میں نے... دیکھی نہ سنی...... مجھے تو یقین نہیں آتا حسنین کہ وہ آپ کی بھانجی ہو سکتی ہے۔'' خالدہ نے حسنین اور عینا کو بتایا۔

''پورے خاندان کا نام ڈبویا ہے اس لڑکی نے۔ ٹھیک کیا عینا تم یہاں آ گئیں نہ جانے وہاں اور کیا کچھ ہونے والا ہے۔ عمار کا کچھ پتا چلا وہ گھر چلا گیا یا اپنے دوست کے ہاں ہی ٹھہرا ہوا ہے۔'' حسنین رنج اور افسوس سے بولے۔

''ابو عمار اپنے گھر چلے گئے ہیں...... پھپھو کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اس لیے آپ تو جانتے ہیں عمار اپنی امی سے کتنی محبت کرتے ہیں۔''

''تو پھر تم اب واپس اپنے سسرال جاؤ گی؟''

''پتا نہیں ابو...... عمار جیسا کہیں گے...... فی الحال تو میں یہیں ہوں۔'' خالدہ اور حسنین چپ ہو گئے۔

☆☆☆

عروبہ کے ماں بننے کی خبر جیسے ہی ماہ پارہ نے سنی تو سب کچھ بھول بھال گئیں۔ حارث بھی اس خبر پر بہت خوش تھا۔ عروبہ کو اور بھی چاہت سے نواز رہا تھا۔ حارث باپ بننے کی خوشی میں یکسر بھول گیا تھا کہ وہ بھی کسی کا بیٹا ہے۔ ہر وقت عروبہ کی ناز برداریاں اور اس کی ضرورتوں کا خیال حارث کو یکسر ماں سے دور کر رہا تھا۔ کچھ عروبہ میں بھی ایسی ہوشیاری اور چالاکی تھی کہ وہ حارث کو ماہ پارہ سے روز بروز بدظن کر رہی تھی۔ ویسے عروبہ، ماہ پارہ سے کبھی اکڑ کر نہیں بولتی تھی، کبھی بدتمیزی نہیں کرتی تھی لیکن ماہ پارہ کو عروبہ پر برتری اور حاکمیت بھی حاصل نہیں تھی بلکہ بعض اوقات تو ماہ پارہ کو عروبہ کے سامنے اپنا آپ حقیر اور کمزور سا لگتا۔ دن ایسے ہی گزر رہے تھے۔

افق نے زیورات بیچ کر یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ ادھر حارث کے بیٹا ہوا تو عروبہ نے علیحدگی کا مطالبہ کر دیا۔ عینا واپس آ تو گئی لیکن عمارہ کے دل کی خلش کو مٹا نہ سکی۔ عمارہ کے عینا کے ساتھ آئے روز کے جھگڑے بڑھتے چلے گئے۔ عینا کا رویہ گھر میں سبھی سے خراب رہنے لگا۔ یہ کھینچا تانی اتنی بڑھی کہ عمار، عینا کو لے کر علیحدہ رہنے پر مجبور ہو گیا۔ ادھر خالدہ اور حسنین نے عمارہ اور تنزیل سے محاذ آرائی شروع کر دی۔ عینا اور عمار کے علیحدہ گھر جانے تک یہ محاذ آرائی نہ رکی۔ جس کی وجہ سے عمارہ اور حسنین کے درمیان دوری بڑھتے بڑھتے نفرت کی حدوں کو پہنچ گئی۔

ماہ پارہ یہی چاہتی تھیں لیکن جب ان کی یہ چاہت پوری ہوئی تو ان کے پاس کھیلنے کے لیے کوئی بھی بازی نہیں تھی۔ خالدہ، ماہ پارہ کو عینا کے متعلق بتا رہی تھیں اور انہیں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ آج صبح ان کے گھر میں کیسا انقلاب آیا۔

''امی آپ کیوں عروبہ کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ عروبہ آپ کی اتنی عزت کرتی ہے اور آپ اس پر ہر وقت تنقید کرتی رہتی ہیں۔ عروبہ شہرام میں بڑی رہتی ہے تو کیا ہوا اگر آپ گھر کے دوسرے کام دیکھ لیں گی تو...... اور ویسے بھی گھر میں دو، دو ملازمائیں ہیں..... صرف ان پر نگرانی ہی تو کرنا ہوتی ہے۔ آپ کیوں کہتی ہیں بار بار کہ عروبہ ہر وقت اپنے کمرے میں ہی رہتی ہے۔'' حارث نے آ کر ماں سے کہا۔

''کیا ہوا ماہ پارہ آپا...... آپ کچھ بول نہیں رہیں۔'' ماہ پارہ نے چونک کر خالدہ کو دیکھا جیسے خود کو سنبھالا۔

''نہیں...... نہیں میں سن رہی ہوں یہ بتاؤ عینا کے کوئی بال بچہ ہوا یا نہیں۔''

''ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا۔ علاج کرا رہی ہوں میں اس کا۔ عمار بہت ڈسٹرب رہتا ہے۔ علیحدہ گھر میں لے تو آیا ہے وہ عینا کو...... لیکن اس کا دل اپنی ماں کے قدموں میں ہی پڑا رہتا ہے۔ میں اور حسنین تو یہ سوچ رہے ہیں عمارہ اور اس کا بیٹا قابو میں کبھی آئیں گے جب ہم ایبہا کو بیاہ کر اپنے گھر لے آئیں گے۔'' خالدہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

''میں نے تو چاہا تھا رشتے داری سے لے کر تعلق تک سب ختم ہو جائے تم لوگوں کے بیچ لیکن...... یہ کیا وقت وہیں لوٹ گیا جہاں سے میں نے اسے دھکیلا تھا۔'' ماہ پارہ نے دل ہی دل میں سوچا۔

''اور سنائیں آپا...... کیسی رہ رہی ہو آپ کی بہو...... سنا ہے دوسری بار ماں بننے جا رہی ہے عروبہ...... بھئی بہت خوش قسمت ہیں آپ پوتے پوتیاں کھلانے کا ہی شوق تھا آپ کو جبھی حارث کی شادی کی جلدی مچائی تھی آپ نے...... اور اللہ نے آپ کی سن لی۔'' ماہ پارہ جبراً مسکرائیں۔

''جلدی تو میں نے اس لیے مچائی تھی تاکہ

ساری بساط خراب کرسکوں لیکن مجھے کیا معلوم تھا مات مجھے ہی ہوگی۔'' ماہ پارہ بیگم نے سوچا۔

''عروبہ نے حارث کے دل میں میرے لیے اتنا زہر گھول دیا ہے کہ وہ مجھ سے بات تک نہیں کرتا۔'' ماہ پارہ بیگم کے چہرے پر برسوں کی تھکن تھی۔

خالدہ کو ماہ پارہ کا انداز عجیب سا لگا۔

☆☆☆

خالدہ اس بات کا اظہار حسنین سے کیے بنا نہیں رہ سکیں۔

''پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ آپ کی بہن نے اپنی بڑی بہو یعنی افق کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ کچھ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی انہوں نے۔''

''اب رہ بھی کیا گیا ہے پوچھنے کے لیے' جہیز کا سامان تک تو اٹھوا لیا افق نے...... کم سے کم سامان پڑا رہتا تو انہیں یہ تو یاد رہتا کہ افق بھی حارث کے نکاح میں ہے...... کبھی نہ کبھی بھولے بسرے یاد ہی کرلیا کرتے اسے۔ یہ سارے تعلق افق نے خود ختم کیے ہیں۔ ویسے ایک عجیب بات بتاؤں تمہیں' میں نے سنا ہے افق نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا ہے۔''

''ساری زندگی برباد کرکے اب پڑھ لکھ کر وہ کیا کرے گی۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اور لڑکیوں کے لیے تو خاص طور پر وقت بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔ تعلیم کے بعد شادی، شادی وقت پر نہ ہو تو کبھی نہیں ہو پاتی۔ اگر اسے زندگی کی طرف لوٹنا ہی تھا تو اسے چاہیے تھا اپنی زندگی برباد ہونے سے بچاتی...... چلی ہے پڑھنے، کون سا تیر مارلے گی ہم بھی دیکھ لیں گے۔'' خالدہ حیران تھیں' طنزیہ بولیں۔

☆☆☆

زبیر شاہ کی قربت نے افق میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ افق ہنسنے بولنے لگی تھی۔ اپنا خیال رکھنے لگی تھی۔ صبح سویرے زبیر شاہ اس کا حال چال پوچھتا تھا افق کو اچھا لگتا تھا۔ زبیر' افق سے چھوٹا تھا خوش مزاج اور چنچل لڑکا تھا۔ زبیر شاہ افق کا کلاس فیلو تھا۔ اکثر اسے اپنی گاڑی میں ڈراپ بھی کردیتا۔

آج گاڑی میں زبیر نے ہنسی مذاق کرتے ہوئے افق کو پروپوز کرڈالا...... وہ حیران ضرور ہوئی لیکن چونکی نہیں.... اس کے ٹھہراؤ پر زبیر پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''میں نے اتنی اہم بات کی آپ سے اور آپ نے مجھے کوئی رسپانس ہی نہیں دیا۔'' افق ہلکا سا مسکرائی اور اعتماد سے بولی۔

''میں میریڈ ہوں۔'' زبیر چونکا پھر ہنس دیا۔

''مذاق اچھا کرلیتی ہیں آپ۔''

''تم یہیں اتار دو مجھے...... مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔''

''میں واقعی سیریس ہوں افق۔''

''تم سے ایک بات پوچھوں زبیر...... کیا تم نے مجھ سے دوستی اس لیے کی تھی کہ مجھ سے شادی کروگے؟'' افق نے زبیر کی طرف دیکھا اور سنجیدگی سے بولی۔

''نہیں دوستی اس لیے تو نہیں کی تھی لیکن دوستی کرنے کے بعد مجھے لگا ہے آپ...... اور میں اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔'' زبیر تھوڑا سا کنفیوز ہوکر بولا۔

''اچھی زندگی شادی کے بغیر بھی تو گزار سکتے ہیں ہم لوگ......''

''مگر اس میں حرج بھی کیا ہے افق؟''

''حرج ہے ناں...... میں ایک اچھے دوست کو کھودوں گی۔''

''دیکھو ہم جس معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں وہاں لڑکے، لڑکی کی دوستی کیا معنی رکھتی ہے' تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔ میں اس دوستی کو کوئی معنی دینا چاہتا ہوں۔''

''میں حیران ہوئی ہوں تمہاری پیش کش پر...... یونیورسٹی میں اتنی اچھی لڑکیاں ہیں اور تم نے میرا انتخاب کیا۔''

''تم ان سب لڑکیوں سے بہت مختلف ہو افق...... پتا ہے کیا میں نے پاپا، ماما سے بھی تمہارا ذکر کیا ہے۔ ملوانا چاہتا ہوں میں ان لوگوں کو تم سے۔''

''ضرور ملوں گی میں تمہاری ماما، پاپا سے لیکن ایک شرط پر...... تم شادی کی کوئی بات نہیں کروگے۔'' افق کچھ سوچ کر بولی۔

''مگر کیوں افق؟'' زبیر زچ سا ہوا۔

''میں شادی شدہ ہوں زبیر...... اگر تمہیں یقین نہیں آرہا تو میں کچھ نہیں کرسکتی۔ ہاں البتہ تم چاہو تو میرے گھر والوں سے تصدیق کرسکتے ہو۔ نکاح نامہ بھی دکھا سکتی ہوں میں تمہیں۔'' افق کچھ اس انداز میں بولی کہ زبیر دنگ رہ گیا... پھر افق نے اپنے بارے میں سب کچھ زبیر کو بتادیا۔

☆☆☆

''حارث...... یہ کچھ ملاتی ہے کھانے میں، میں اس کے ہاتھ کا کچھ نہیں کھاؤں گی...... کہہ رہی ہوں میں تم سے...... میرا دم گھٹ رہا ہے اس گھر میں...... مجھے جانا ہے...... مجھے کہیں لے چلو یہاں سے لے چلو حارث۔''

''کیا ہوگیا ہے امی آپ کو...... عروبہ آپ کا اتنا خیال رکھتی ہے اور آپ اسی پر شک کررہی ہیں۔''

''ہاں...... تو کیوں نہ کروں شک...... یکدم بستر پر بیٹھ گئی میں پیروں سے چلا نہیں جاتا مجھ سے...... گھٹنے جڑ سے گئے ہیں میرے۔''

''امی عمر کا تقاضا ہے...... یہ کیوں نہیں سمجھتیں آپ......''

''ہاں...... یکدم سو سال کی ہوگئی ہوں میں۔''

''گھٹنوں میں تکلیف تو آپ کو سو سال پہلے سے ہی ہے۔ میرا مطلب ہے پہلے سے ہی ہے۔ اب آپ ٹھیک سے دوا نہیں لے رہیں اس لیے ہوگیا ہوگا۔ شہناز سے کہیں پیروں کی مالش کرے آپ کے۔''

''شہناز تو اب آتی ہی نہیں۔ سارے کام ہی تمہاری بیوی کی ملازمہ کرتی ہے۔ سلمٰی نے اور اس نے پورے گھر پر قبضہ کرلیا ہے۔ میں تو فریج سے پانی بھی اٹھ کر پینے کے قابل نہیں ہوں حارث۔''

''اچھا، میں کل آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر چلوں گا آپ فکر نہ کریں۔ لائٹ بجھادوں تاکہ آپ سو جائیں۔''

''نہیں...... نہیں لائٹ مت بجھانا...... دم گھٹنے لگتا ہے میرا۔ بالکل اندھیرا ہوجاتا ہے۔ سانس نہیں آتی مجھے۔ لائٹ کھلی رہنے دو...... اور یہ کھڑکی بھی تھوڑی سی کھول دو۔ اب جاؤ تم...... اور ہاں سنو حارث...... میں اگر آواز دوں تو جلد سن لینا...... کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا دم گھٹ جائے۔''

''کیا ہوگیا ہے امی آپ کو، ایسا کچھ نہیں ہوگا میں آپ کے پاس ہی ہوں آپ سو جائیں۔'' ماہ پارہ بیگم کو بستر پر لٹا کر حارث دبے قدموں کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

''مجھے لگتا ہے امی کو گیسٹرک کا مسئلہ ہے جو بہت بڑھ گیا ہے جب گیس کے بخارات دماغ پر چڑھتے ہیں تو انسان یونہی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے جیسے امی کررہی ہیں اور الٹے سیدھے خواب آتے ہیں گیس کے مریض کو بدہضمی اور جلن ہوتی ہے حبس، گھٹن محسوس ہوتی ہے'' عروبہ' حارث کو پریشان دیکھ کر ماہ پارہ کے متعلق مطمئن کرنا چاہ رہی تھی لیکن حارث مطمئن نہیں ہوا۔

''لیکن عروبہ، امی کے پاؤں کام نہیں کررہے

یہ بہت تشویش کی بات ہے میرے لیے...... کل میں امی کا مکمل چیک اپ کراتا ہوں۔ ملتا ہوں ان کے ڈاکٹر سے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ امی بالکل ہی معذور ہو کر بیٹھ جائیں، کون سنبھالے گا انہیں۔“

”یہ تو فکرمندی کی بات ہے۔ اگر حارث نے امی کی بلڈ رپورٹس کروالیں تو پول کھل جائے گا کہ انہیں خوراک میں پوائزن دیا جارہا ہے جس کی وجہ سے ان کا نروس سسٹم آہستہ آہستہ کام کرنا چھوڑ رہا ہے۔ نہیں، میں یہ ہونے نہیں دوں گی۔ کسی نہ کسی طریقے سے روکوں گی حارث کو اور اس کے لیے مجھے اپنی طبیعت خراب کرنا ہوگی۔“ عروبہ نے دل ہی دل میں سوچا۔

”تم فکر نہیں کرو حارث امی ٹھیک ہوجائیں گی۔ میں بھی کل تمہارے ساتھ چلوں گی۔ واقعی ان کا باقاعدہ چیک اپ ہونا بہت ضروری ہے۔“ عروبہ حارث کو تسلی دینے کو بولی۔

”اس حال میں بھی تم امی کی کتنی دیکھ بھال کتنی پروا کررہی ہو عروبہ، تھینک یو...... سو چ عروبہ۔“ حارث محبت سے عروبہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

”یہ تو میرا فرض ہے حارث اب تم بھی آرام کرو۔ بالکل ہی بکھر کر رہ گئے ہو تم۔ اس طرح تو تمہاری بھی صحت خراب ہوجائے گی۔“ عروبہ کی توجہ اور محبت پر حارث مطمئن ہوگیا۔

☆☆☆

”کیا ضرورت تھی عروبہ بی بی آپ کو اپنی ساس کو کھانے میں گولیاں ڈال ڈال کر دینے کی۔“

”تو کیا کرتی...... دیکھا نہیں تھا تم نے کس قدر ہر بات میں مداخلت کیا کرتی تھیں۔ حارث کو کتنا کہا کہ علیحدہ ہوجائیں لیکن مانے نہیں، اب سوائے اس کے کوئی حل ہی نہیں تھا کہ وہ گم صم ہو کر بستر پہ پڑ جائیں اور میرے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔“

”عروبہ بی بی...... میں آپ کو ایسے تعویذ لاکر دیتی کہ آپ کا کام بھی ہوجاتا اور کسی کو پتا بھی نہیں چلتا۔“

”پاگل ہوگئی ہو تم سلمیٰ، یہ سائنسی دور ہے اس دور میں تعویذ گنڈے اثر نہیں کرتے۔ میڈیسن کے ذریعے سارے مسئلے حل کیے جاسکتے ہیں۔“

”لیکن عروبہ بی بی...... حالت بہت خراب ہورہی ہے آپ کی ساس کی...... حارث میاں کو آپ پر شک ہوگیا تو جان سے ماردیں گے آپ کو۔“

”کون بتائے گا...... تم بتاؤ گی انہیں؟“

”نہیں...... نہیں تو یہ کریں عروبہ بی بی...... میں کیوں بتاؤں گی...... لیکن وہ ڈاکٹر کے پاس جائیں گی اور ان کی ٹیسٹ رپورٹس میں پتا چل گیا تو...؟“

”میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ حارث کے آنے میں ابھی آدھا گھنٹا ہے۔ تم یہ کپڑے سکھا کر نیچے آجاؤ میں بھی نیچے ہی جارہی ہوں۔ تم حارث کو فون کردینا کہ اچانک میری طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ حارث آئے گا تو سیدھا میری طرف اور میری حالت دیکھ کر مجھ میں انوالو ہوگا۔ اور مجھے امید ہے تین چار دن تک وہ مجھی میں انوالو رہے گا اور اس کے بعد وہ امی کا چیک اپ کروانا بھول جائے گا تم فکر نہیں کرو۔“ آہٹ پر عروبہ نے پلٹ کر دیکھا حارث پیچھے ہی کھڑا تھا۔ سلمیٰ بھی چونک گئی۔ حارث کے چہرے پر غصہ اور شدید نفرت تھی جیسے وہ ساری باتیں سن چکا ہو۔ عروبہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس نے حارث کی آنکھوں میں کبھی اتنی وحشت اتنا غصہ اور جنون نہیں دیکھا تھا۔ وہ خوف کی وجہ سے پیچھے ہٹنے لگی۔ جیسے اس منظر سے غائب ہونا چاہتی ہو یکدم عروبہ کا پاؤں ڈگمگایا اور وہ سیڑھیوں سے گرتی چلی گئی اور بے ہوش ہوگئی۔ عروبہ کا ساتواں مہینہ بھی تھا۔

حارث کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ جیسے تیسے عروبہ کو اسپتال لے کر گیا۔ بچے کی حالت بہت نازک ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر نے فوراً آپریشن کا فیصلہ کیا اور بدقسمتی سے ڈاکٹر بچے کو تو بچانے میں کامیاب ہوگئے لیکن عروبہ کو بچا نہیں پائے۔ حارث کے لیے یہ حادثہ بہت اندوہ ناک تھا۔ سات ماہ کا بچہ تین ماہ تک مشینوں میں ہی پروان چڑھتا رہا۔ حارث عروبہ کی موت کے صدمے اور غم سے نڈھال تھا۔ حارث کا بڑا بیٹا جو صرف ڈیڑھ برس کا تھا سلمیٰ اسے سنبھالتی۔ ماہ پارہ صدمے اور بیماری سے مستقل بستر پر پڑ گئیں۔

عاصمہ اور ساجدہ چھ ماہ تک کسی نہ کسی طرح روزانہ آتی رہیں اور ماں کی گھر کی دیکھ بھال کرتی رہیں لیکن آخر وہ بھی کب تک اپنے گھر اور بچے چھوڑ کر آتیں بالآخر انہوں نے بھی اپنا آنا جانا کم کردیا۔ جیسے تیسے حارث نے خود کو سنبھالا۔ چھوٹا بچہ بھی اب گھر میں ہی آگیا تھا۔ سلمیٰ کے لیے دو بچوں کو سنبھالنا خاصا مشکل تھا۔

حارث کو جب بھی خیال آتا کہ عروبہ نے اس کی ماں کو زہر دے کر اس حال پر پہنچایا ہے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے وہ بے کل اور بے چین ہوجاتا پھر حارث نے سلمیٰ کو بھی کام سے نکال دیا اور ایک نئی ملازمہ رکھ لی۔ ایک ملازمہ ماں کے لیے اور ایک بچوں کے لیے، پھر بھی نہ تو بچے صحیح پرورش پارہے تھے اور نہ ہی ماہ پارہ کی دیکھ بھال صحیح ہورہی تھی۔

حارث جب بھی گھر میں آتا ملازمائیں یا تو کچن میں گھس کر کچھ کھارہی ہوتیں یا ٹی وی دیکھنے میں مشغول ہوتیں۔ حارث بری طرح سے ذہنی طور پر اپ سیٹ ہوگیا...... وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زندگی اسے اس دوراہے پر لا کھڑا کرے گی۔

☆☆☆

افق کا ابھی رزلٹ بھی نہیں آیا تھا کہ زبیر شاہ نے اسے اپنے پاپا کی کمپنی میں جاب دلوادی۔ زبیر شاہ، افق کے لیے شارٹ کٹ ہی نہیں بہت لکی بھی ثابت ہوا...... یا شاید اس کی زندگی سے اب برے دن نکل گئے تھے۔ ایبہا کا رشتہ حسنین اور خالدہ نے دوبارہ مانگا لیکن افق نے انکار کردیا کہ ایبہا اب اس گھر میں نہیں جائے گی۔

افق کے خیالات اور رائے سے سبھی نے اتفاق کیا۔ اس نے خود کو کیا سنبھالا تھا ہر چیز ہی بدلتی چلی گئی۔ کہتے ہیں انسان اپنی تربیت خود کرتا ہے۔ خود کو بنا بھی سکتا ہے اور بگاڑ بھی سکتا ہے۔ اس وقت افق ملٹی نیشنل کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھی۔ وہی افق جس نے اپنی زندگی کے بہترین سال بے وجہ جھگڑ کر ضد کی

نذر کیے تھے۔ جب تک انسان اپنا بوجھ خود نہ اٹھائے کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ افق کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تھی۔

عمار کے چلے جانے کے بعد گھر کی وہی صورت حال ہو جاتی جب تنزیل کا کاروبار ڈوبا تھا لیکن افق نے ماں باپ کو سہارا دیا۔ افق نے پہلی سیلری ماں کے ہاتھ میں لا کر دی تو عمارہ کی دکھ اور شرمندگی سے آنکھیں بھر آئیں۔ انہیں احساس ہو گیا کہ بیٹے ہی نہیں بیٹیاں بھی بوجھ اٹھا سکتی ہیں‘ سہارا بن سکتی ہیں۔ آج سے آٹھ سال پہلے اگر عمارہ بیٹی کا سہارا بنتیں تو افق کے آٹھ سال برباد نہ ہوتے، وہ بدنام نہ ہوتی لیکن اسے اب ان باتوں کی کوئی پروا نہیں تھی، وہ بڑے اعتماد سے سر اٹھا کر جی سکتی تھی۔ کہہ سکتی تھی دنیا والوں کو کہ جیت جذبے کی ہوتی ہے۔ افق میں passion تھا اس نے اپنی منزل کو پا لیا لیکن کسی بھی منزل تک جانے کے لیے صحیح راستے کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور کوئی بھی راہ بنا رکاوٹ کے نہیں ہوتی۔

ہر روز صبح آفس جاتے ہوئے عمارہ، افق کو ناشتا بنا کر دیتیں۔ اس کا لنچ پیک کر کے دیتیں۔ ایسا اس کے کپڑے پریس کر کے رکھتی تا کہ صبح اسے جانے میں کوئی تنگی نہیں ہو۔ لوگ باتیں بھی بناتے تھے کہ عمارہ اور تنزیل بیٹی کی کمائی کھا رہے ہیں لیکن اب افق کو ان باتوں پر غصہ نہیں آتا تھا بلکہ عمارہ کو حیرت ہوا کرتی جب وہ انہیں سمجھاتی کہ لوگوں کی پروا کرنا چھوڑ دیں۔

زبیر شاہ اب بھی افق کے پیچھے تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح سے وہ اپنے شوہر سے طلاق لے لے جبکہ افق نے اس بارے میں اب بھی سنجیدگی سے سوچا بھی نہیں تھا کہ حارث سے اس کا ایک بزنس کانفرنس میں آمنا سامنا ہوا۔

حارث‘ افق کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ جس کو اس نے یہ کہہ کر ریجیکٹ کیا تھا کہ وہ ایک نفسیاتی مریضہ ہے آج وہ بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے باس کے ساتھ کھڑی تھی۔ افق نے بھی حارث کو دیکھا۔ حارث پہلے کی نسبت کمزور ہو گیا تھا۔ رنگ بھی اب ویسا کھلا ہو نہیں رہا تھا اس کا۔ شیو بھی بڑھی ہوئی تھی‘ آنکھوں پر چشمہ لگا تھا، اس کی نسبت افق روشن روشن لگ رہی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ حارث، افق کی طرف بڑھا تو وہ انجان بن کر آگے بڑھ گئی۔ زبیر شاہ اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ وہ گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ حارث کے لیے افق کا یہ قدم نہایت ہی شاکڈ تھا۔

☆☆☆

اس رات حارث کو نیند نہیں آئی۔ وہ ساری رات کروٹیں بدلتا رہا اور افق کے بارے میں سوچتا رہا۔ ساری رات حارث، افق اور عروبہ کو کمپیئر کرتا رہا۔

”افق بظاہر تند مزاج تھی ہر بات منہ پر کہہ دیتی تھی۔ ہر بات کا جواب دیتی تھی۔ اس نے کبھی اپنی امی کی دلجوئی نہیں کی۔ میرے لیے نہیں جھکی اپنی ضد پر قائم رہی اپنی بات منوانا چاہتی تھی۔ بات منوانے کے لیے اس نے اپنے اصول توڑے۔ وہ امی کے لیے بھی جھکی اور میرے لیے بھی اور جب اسے لگا اسے اپنا حصول یہاں نہیں ملے گا تو وہ بکھر گئی ڈٹ گئی...... اور پھر اس نے کسی کو بھی کچھ نہیں سمجھا، نہ کسی رشتے کو اور نہ ہی زندگی کی تبدیلی کو۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان خود اسے ہی پہنچا۔ ہر جگہ ذلیل و خوار ہوئی بدنام ہوئی۔ عروبہ شیریں تکلم تھی، مہمان نواز تھی لیکن کتنی خطرناک ثابت ہوئی وہ۔ امی کو قطرہ قطرہ زہر دے کر مارنا چاہتی تھی۔ اتنی خطرناک عورت۔ دوغلی عورت، جھوٹی اور چالباز عورت جس کے جال میں

میں ایسا گرفتار ہوا کہ مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔

امی کو پوتے پوتیاں کھلانے کا شوق تھا اب وہ دو دو پوتے ہیں امی کے...... اور امی اس قابل بھی نہیں ہیں کہ خود کو سنبھال سکیں بچوں کو تو کیا سنبھالیں گی۔ افق ...... میری بیوی ہے، وہ مجھے اس طرح نظرانداز کر کے کسی اور کے ساتھ کیسے پھر رہی ہے وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ میرے گھر آئے یا نہ آئے۔ میرا گھر بسائے یا نہ بسائے لیکن وہ کسی اور کے ساتھ کیسے...... یہ میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔“ حارث غصے اور نفرت سے بے چین ہو گیا۔

☆☆☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب ماہ پارہ کے چیخنے کی آوازیں آئیں۔ حارث دوڑ کر ماں کے پاس گیا۔ ماہ پارہ رو رہی تھیں۔ حارث سے التجا کی کہ وہ عمارہ سے ملنا چاہتی ہیں۔ عمارہ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔ دل کا حال کہنا چاہتی ہیں ان سے۔

حارث نے بہ مشکل ماں کو سنبھالا اور سمجھایا۔

”میں عمارہ آنٹی کے پاس جاؤں گا۔ انہیں بتاؤں گا آپ کے متعلق۔“ ماہ پارہ مطمئن ہو گئیں لیکن حارث دل ہی دل میں پریشان تھا کہ وہ کس طرح عمارہ آنٹی کے گھر جائے گا۔

☆☆☆

آج پھر حارث نے زبیر شاہ کے ہمراہ افق کو دیکھا۔ حارث سے برداشت نہیں ہوا تو وہ افق کے پاس آیا اور پوچھا۔

”یہ کون ہے؟“ حارث شاید اپنے غصے پر قابو نہیں پا سکا تھا اس لیے اپنا ٹیمپر لوز کر بیٹھا۔ ”کون ہے یہ شخص اور کیوں تم ہر وقت اس کے ساتھ نظر آ رہی ہو مجھے۔“ زبیر شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

”مجھے یہ سمجھ نہیں آیا کہ آپ کون ہیں اور کس رشتے اور تعلق سے مجھ پر یہ حق جتلا رہے ہیں۔“ افق اعتماد سے بولی۔

”جیسے تم جانتی ہی نہیں۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔“ حارث غصے سے بولا۔

”کیسے کیسے لوگ آ جاتے ہیں آپ کے ہوٹل میں...... اس شخص کی بیوی مر گئی ہے اور یہ دوسری عورتوں کو اپنی بیوی کہتا پھر رہا ہے۔“ افق نے ویٹر کو بلا کر کہا۔

”ایکسکیوزمی سر...... پلیز آپ یہاں سے جائیں۔“ ویٹر نے حارث سے کہا۔

”تم کیا کہہ رہی ہو‘ اندازہ ہے تمہیں‘؟“ حارث چلا کر بولا۔

”ذہنی مریض کہہ رہی ہوں آپ کو...... یہی سننا چاہتے تھے ناں آپ۔“ افق نے نرمی سے جواب دیا۔

”پلیز سر چلے جائیں یہاں سے ورنہ ہمیں پولیس کو انفارم کرنا پڑے گا۔“ ویٹر نے کہا تو حارث غم و غصے سے ہوٹل سے نکل آیا۔ زبیر شاہ نے حیرانی سے افق کو دیکھا۔

”پاگل تھا بے چارہ...... تعلق ہے اس کا میری فیملی سے...... لیکن اتنا بھی نہیں کہ مجھ سے سوال جواب کرے آ کر...... بہرحال تم اپنا پروگرام ڈسکس کر رہے تھے مجھ سے تو میرا ارادہ یہی ہے کہ منگنی اسی ہفتے رکھ لیتے ہیں۔“ افق، زبیر شاہ سے بولی۔

”یہ دیکھو انگوٹھی...... پسند ہے تمہیں......؟“ زبیر شاہ مسکرا کر بولا۔ افق نے مسکراتے ہوئے انگوٹھی پہن لی اور کہا۔

”بہت پیاری ہے، تمہاری محبت نظر آ رہی ہے اس میں۔“ زبیر شاہ نے محبت سے افق کو دیکھا۔

”تم میرا بہت بڑا سہارا بنے ہو زبیر شاہ۔ اچھے دوستوں کا ساتھ ہو تو انسان مشکل وقت اور حالات دونوں کا بہ آسانی مقابلہ کر لیتا ہے۔ نہ جانے تم میری

زندگی میں کیسے آ گئے اور پھر یک دم اتنے اہم ہو گئے۔ میں تمہاری آمد کا خیر مقدم کرتی ہوں۔ بے فکر رہو میں تمہیں کبھی مایوس نہیں کروں گی۔ جب تک ہماری دوستی کسی رشتے سے منسلک نہیں ہوگی' میں تمہارا شکریہ ادا کر ہی نہیں سکتی۔'' افق نرمی اور محبت سے بولی۔ زبیر شاہ کے چہرے پر مسکراہٹ اور محبت تھی۔

☆☆☆

عاصمہ اور ساجدہ ماہ پارہ کے پاس تھیں۔ ماہ پارہ گم صم سی بستر پر لیٹی ہوئی تھیں۔ حارث فکر مندی سے ایک طرف بیٹھا تھا۔

''ایسا کب تک چلے گا حارث...... تم شادی کا فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے...... تمہارے گھر اور بچوں کو عورت کی ضرورت ہے حارث...... خاص طور پر تمہارے بچوں کو ماں کی ضرورت ہے۔ ابھی بچے چھوٹے ہیں کسی کے ساتھ بھی ایڈجسٹ کر لیں گے۔ زیادہ وقت نکالو گے تو بہت مشکل ہو جائے گی۔'' عاصمہ نے حارث کے چھوٹے بیٹے کو دوا پلائی پھر اسے بستر پہ لٹاتے ہوئے بولی۔ ساجدہ نے حارث کو سمجھانے کی کوشش کی۔ حارث نے غصے سے ساجدہ اور عاصمہ کو دیکھا۔

''ہم جانتے ہیں حارث کہ عروبہ کا غم تمہارے لیے جان لیوا ہے۔ اس اچانک حادثے نے تمہیں توڑ ڈالا ہے لیکن یہ بھی مت بھولو کہ تمہیں اور تمہارے گھر کو سمیٹنے کے لیے ایک عورت کی ہی ضرورت ہے۔'' عاصمہ نے حارث کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

''مجھے نہیں کرنی شادی...... اور پلیز آپ لوگ بار بار مجھے شادی کے لیے نہ کہیں' نہیں کرنی مجھے شادی......'' عاصمہ اور ساجدہ چپ سی ہو گئیں۔

''وقت کے ساتھ ساتھ تم عروبہ کی محبت کو بھول جاؤ گے اس کی جدائی کو برداشت کرنا سیکھ لو گے لیکن تب تک بچے اتنے بڑے ہو جائیں گے کہ تمہارے ساتھ کسی کو برداشت نہیں کریں گے۔ کم سے کم امی کی ہی فکر کر لو...... امی کا حال دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ بالکل ہی گم صم سی ہو گئی ہیں۔ اس صدمے نے تو امی کو بھی توڑ کر رکھ دیا ہے۔'' عاصمہ تھوڑا ٹھہر کر بولی۔

''صدمے نے نہیں عروبہ کی سازشوں، جالسازیوں نے امی کو اس حال تک پہنچایا ہے۔ بہت ہی اچھی، بہت پیاری بیاہ کر لائی تھیں ناں آپ لوگ۔ قطرہ قطرہ زہر دے رہی تھی وہ امی کو...... تاکہ امی مر جائیں اور وہ میرے ساتھ من مانی کی زندگی گزار سکے۔'' حارث جیسے پھٹ پڑا۔ عاصمہ اور ساجدہ کا منہ کھلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''کیا...... کیا کہہ رہے ہو حارث تم؟'' عاصمہ بہ مشکل تمام بول پائی۔ ''عروبہ بہت محبت کرتی تھی تم سے، امی سے۔''

''میری بات کا یقین نہیں آئے گا آپ لوگوں کو...... یہ بلڈ رپورٹس ہیں یہ دیکھیں۔'' حارث نے فائل اٹھا کر عاصمہ اور ساجدہ کو دکھا...... عاصمہ اور ساجدہ گم صم گنگ رہ گئیں۔

''امی کو اس حال میں پہنچانے والا کوئی اور نہیں، میں ہوں میں۔'' حارث دکھ اور صدمے سے ماں کی طرف دیکھ کر بولا۔ حارث رونے لگا۔ ''نہیں دیکھی جاتی مجھ سے امی کی یہ حالت۔ میں اتنا غرق ہو گیا تھا عروبہ کی محبت میں کہ عروبہ کو سمجھا ہی نہیں میں نے۔ سمجھتا بھی کیسے...... عروبہ ہر وقت جان نثار رہتی تھی مجھ پر اور مجھے لگتا تھا ایک بیوی کا اس سا اچھا روپ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اتنا مگن ہو گیا تھا کہ میں اس میں...... لیکن مجھے کیا معلوم تھا اندر سے اتنی گھناؤنی اور زہریلی ہوگی وہ کہ میری ماں کو ہی مارنے کی کوشش کرے گی۔ شاید اس کی موت اسی طرح لکھی تھی اگر وہ ایسے نہ مرتی تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے مار دیتا۔'' حارث کے چہرے پر اتنا غصہ اور نفرت تھی

کہ عاصمہ اور ساجدہ دہل گئیں۔ ماہ پارہ آہستہ آہستہ بڑبڑا رہی تھیں۔

''حسنین اور عمارہ سے کہو...... ملنے آئیں مجھ سے۔ میں بہن ہوں ان کی...... سوتیلی ہوں تو کیا ہوا...... مجھے عمارہ سے معافی مانگنی ہے...... مجھے افق کے پاس لے چلو۔'' ماہ پارہ رونے لگیں تو عاصمہ نے ماں کے آنسو پونچھے اور حارث سے بولی۔

''کیا ایسا ممکن ہے حارث کہ افق واپس اس گھر میں آ جائے۔'' حارث نے بے بسی سے عاصمہ کی طرف دیکھا۔

''کوشش کرنے میں حرج نہیں افق تمہاری بیوی ہے حارث...... تم اسے کسی نہ کسی طرح رضامند کر کے واپس گھر لا سکتے ہو، یہ تمہارا حق ہے۔'' ساجدہ نے حارث کو حوصلہ دیا۔

☆☆☆

عمارہ اپنے گھر میں عاصمہ، ساجدہ اور حارث کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔

''آج اتنے عرصے کے بعد کیسے یاد آ گئی تمہیں ہماری۔'' عاصمہ اور ساجدہ جیسے شرمندہ سی تھیں۔ حارث بھی چپ چپ سا تھا۔ عاصمہ اور ساجدہ نے عمارہ بیگم کو ماہ پارہ کی بیماری کے بارے میں بتایا۔

عمارہ بیگم نے عروبہ کی موت کا افسوس کیا۔ حارث نے عمارہ بیگم سے معافی مانگی۔ حارث اپنی ماں کی بیماری کی وجہ سے خاصا کمزور ہو گیا تھا۔ وہ رو دیا۔ عمارہ بیگم کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے حارث کو گلے سے لگا لیا۔ عاصمہ اور ساجدہ نے افق کو لے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ عمارہ بیگم کے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔

''افق تو حارث کی ہی امانت ہے۔ وہ جب چاہے لے جائے۔ ویسے بھی بیٹیاں تو کسی بھی حال میں گھر میں نہیں رکھی جاتیں لیکن اگر وقت انہیں گلے میں لٹکا دے تو وہ گلے سے نوچ کر پھینکی نہیں جاتیں۔'' عمارہ بیگم نے کہا تو...... حارث نے ایک بار پھر اپنے کیے کی معافی مانگی۔

''افق جاب کر رہی ہے۔'' عمارہ نے افق کے بارے میں بتایا۔ حارث یہ بات جانتا تھا جبکہ عاصمہ اور ساجدہ کے لیے افق کا یہ روپ نیا تھا۔ عمارہ نے افق کو فون کر کے گھر بلایا۔ افق کے لیے حارث، عاصمہ اور ساجدہ کی آمد حیران کن تھی۔

''حارث تمہیں لینے آیا ہے۔'' عمارہ نے افق کو بتایا۔

''کیوں لینے آیا ہے وہ؟'' افق نے پوچھا۔

''مجھے معاف کر دو افق...... میں تمہیں سمجھ نہیں پایا تھا۔'' حارث کمزور سے لہجے میں بولا۔

''معافی تو شاید مجھے مانگنی چاہیے کہ میں تم لوگوں کے معیار پر پوری نہیں اتری...... نہ شکل سے نہ عقل سے اور دان جہیز کے معاملے میں۔ تم کیوں معافی مانگ رہے ہو مجھ سے۔'' افق طنزیہ انداز میں بولی۔

''دیکھو افق تم آگے پڑھنا چاہتی تھیں اور میں نے تمہاری اس خواہش کو رد کیا۔ اگر میں تمہاری اس معمولی سی خواہش کو پورا کر دیتا تو آج میرا اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا ہو گیا۔''

''معمولی سی خواہش...... تمہارے لیے تھی میری وہ خواہش معمولی لیکن میرے لیے میری پوری زندگی کا خواب تھی۔ میرے جینے کا مقصد تھی اور وہ آج میں نے بنا تمہارے سہارے کے پایا ہے۔ لیکن آج تمہیں میرے سہارے کی ضرورت ہے...... تو تم جھک کر چلے آئے...... تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ تم آؤ گے اور میں تمہارے ساتھ چل پڑوں گی۔ بھول ہے تمہاری...... اب میں یہاں بھی کسی پر بوجھ نہیں ہوں حارث...... جو تمہارے انتظار میں اور بھی جوگ لے

لیتی۔ سنبھال لیا ہے میں نے خود کو...... وقت کے تھپڑ کھا کر ہی سہی...... بہت دیر سے ہی سہی...... سمجھ لی میں نے زندگی کی لاجک...... عورت کی ہر خواہش بے نام اور بیکار ہوتی ہے کیونکہ زمانے کی نظروں میں اسے صرف گھر تک رہنا چاہیے لیکن آج یہ وقت نے ثابت کر دیا تم پر کہ عورت کے بغیر مرد ادھورا اور نامکمل ہوتا ہے۔ اس کا سب کچھ نامکمل ہوتا ہے۔ تم جس آس میں میرے پاس آئے ہو نا...... خالی ہاتھ لوٹ جاؤ واپس......'' افق بے رحمانہ انداز میں بولی۔

''افق تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ تم مجھے نہیں تو امی کو معاف کر دو۔'' حارث نے تڑپ کر کہا۔

''تم جانتے ہو حارث کہ خالہ نے ہماری شادی کیوں کی تھی۔ تاکہ مجھ ناکارہ کے ذریعے رشتوں کی زنجیر میں دڑاریں ڈال سکیں۔ میں جذباتی پن میں سب کچھ کہہ جاتی تھی اور خالہ وہی باتیں ماموں کو جا کر بتاتی تھیں۔ میری بے وقوفیوں سے بہت فائدہ اٹھایا ہے خالہ نے، اب کس بات کا ملال ہے انہیں۔ ہو گیا وہ جو وہ چاہتی تھیں۔ عمار، عینا کے ساتھ الگ تھلگ پڑا ہے، ہم سے ملنے تک نہیں آتا۔''

''تو ماموں کون سا امی سے ملنے آتے ہیں۔'' حارث بے بسی سے بولا۔

''ماموں، ممانی بھی امی سے حد درجہ بدگمان ہو چکے ہیں۔ دن رات یاد کرتی ہیں امی...... ماموں کو خالہ کو...... دراصل انہیں لگتا تھا کہ وہ سوتیلی ہیں۔ بہن، بھائیوں نے کاٹ کر پھینک دیا انہیں۔ اسی چکر میں انہوں نے ایک دوسرے سے سب کو کاٹ دیا لیکن الگ تھلگ اب بھی وہی ہوئی ہیں۔ ہمارا برا بھلا تعلق تو ہے ماموں سے۔'' افق نے جتلایا تو حارث کو دل ہی دل میں افق کی دلیل کو ماننا پڑا۔

''دیکھو افق جو ہوا ہم اس پر پشیمان ہیں شرمندہ ہیں، غلطیاں تم نے کی ہیں تو ظلم ہم سے بھی ہوئے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اور حارث اب ایک راستے پر نہیں چل سکتے۔'' عاصمہ، افق کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

''اس کا مطلب یہی ہے۔ حارث اور میں ایک راستے پر نہیں چل سکتے۔ حارث بہت خوب صورت، ویل ایجوکیٹڈ، اپنی ماں کا لاڈلا اور قیمتی بیٹا ہے۔ میں اینٹ، پتھر...... بھلا کیسے ہمارا ایک راستہ ہو سکتا ہے۔'' حارث، عاصمہ اور ساجدہ مایوس ہو گئے ہیں۔

''ٹھیک ہے اب تمہیں موقع ملا ہے تو تم اپنی من مانی کی زندگی گزارو لیکن یہ مت بھولو تم اب بھی میرے نکاح میں ہو۔ تم کسی اور شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتیں۔'' حارث جاتے جاتے بولا۔

افق نے حارث کی اس بات پر... دکھ اور افسوس سے سوچا۔

''یہی سطحی سوچ تمہیں اس مقام پر لے کر آئی ہے حارث۔ تم جانتے ہی کیا ہو عورت کے بارے میں۔ بہتر ہے تم کچھ دن اور وقت کے دھکے کھا کر اس فرق کو جان لو۔''

☆☆☆

عمارہ...... نے جب سے ماہ پارہ کے متعلق سنا تھا بے چین ہو گئی تھیں۔ ماہ پارہ سے ملنے کو بے قرار ہو گئی تھیں لیکن افق کی دل آزاری کی وجہ سے ماہ پارہ سے مل نہیں سکتی تھیں۔ عمارہ نے بہت چاہا کہ افق کو حارث کے لیے رضامند کر سکیں لیکن نہیں کر پائیں۔

☆☆☆

حارث نے آج پھر افق کو زبیر شاہ کے ساتھ شاپنگ کرتے دیکھا۔ دونوں آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ حارث سے برداشت نہیں ہوا۔ حارث یہی سمجھا کہ دونوں کا آپس میں کوئی ریلیشن بن رہا ہے۔ حارث اسی سلسلے میں عمارہ سے ملنے گیا کہ انہیں افق کے متعلق بتا سکے۔ پوچھ سکے کہ آخر افق چاہتی کیا ہے۔

''میں افق کو رضامند کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ حارث وقت لگے گا اسے۔'' عمارہ بیگم نے کہا۔

''آپ کچھ نہیں کر سکتیں آنٹی...... ہمیشہ افق نے جو چاہا وہی کیا ہے۔ کب آپ کی مرضی مانی ہے اس نے۔''

''اس کی ایک ہی ضد تھی حارث جو پوری ہو گئی اب اس کی کوئی ضد نہیں۔ آہستہ آہستہ وہ رضامند ہو جائے گی۔'' حارث اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پایا تو بولا۔

''یہ تو آپ کہہ رہی ہیں نا...... کہ اس کی کوئی ضد نہیں کوئی وجہ نہیں، وہ مان جائے گی...... کیسے مانے گی وہ...... وہ تو کسی اور کو پسند کرتی ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو تم حارث؟'' عمارہ بیگم کو جھٹکا لگا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہوں آنٹی میں...... آپ تو گھر میں رہتی ہیں آپ کو کیا معلوم کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔'' افق آفس سے آئی تو حارث اور امی کو باتیں کرتا دیکھ کر باہر ہی رک گئی۔ حارث کے الفاظ افق کے کانوں میں پڑے۔

''میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے آنٹی...... اسے زبیر شاہ کے ساتھ۔'' حارث جذباتی پن سے کہتا چلا گیا۔ ''ہر وقت وہ اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ کبھی ہوٹلنگ کرتے ہوئے، کبھی شاپنگ کرتے ہوئے۔ کیا یہ سب اسے زیب دیتا ہے۔ اسے نہیں معلوم وہ میرے نکاح میں ہے۔''

''میری بیٹی پر الزام لگانے سے پہلے حارث کم سے کم تم تصدیق تو کر لیتے۔ آنکھیں جو دیکھتی ہیں وہ وہی کچھ نہیں ہوتا جو ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں۔'' عمارہ بیگم غصے اور افسوس سے بولیں۔ ''زبیر شاہ سے ابھی

کچھ دن قبل ایہا کی منگنی ہوئی ہے۔'' حارث شاکڈ رہ گیا۔ ''اور جلد ہی میں شادی کر رہی ہوں ایہا کی۔ بہت افسوس ہوا مجھے یہ جان کر کہ تم ابھی بھی افق کے متعلق ایسی سوچ رکھتے ہو۔ اس نے اپنی زندگی برباد ضرور کی تھی لیکن کسی شخص کے پیچھے نہیں' اپنی خواہش کے حصول کی خاطر۔'' حارث شرم سار سا ہو گیا۔

''ٹھیک ہے تم اس پر حق رکھتے ہو لیکن الزام نہیں لگا سکتے اس پر...... اب میں افق پر ذرا بھی دباؤ نہیں ڈالوں گی۔ افق اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرے گی۔'' حارث کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے کہ اپنی بات واضح کر سکے۔ افق نے کمرے میں داخل ہو کر حارث کو جن نظروں سے دیکھا حارث سمجھ گیا کہ وہ سب کچھ سن چکی ہے۔ حارث تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

زندگی کا پہیہ یونہی چل رہا تھا کہ ایک روز خبر آ گئی کہ ماہ پارہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہ کر ہمیشہ کے لیے ابدی نیند جا سوئیں۔ عمارہ، حسنین، خالدہ اور تنزیل سبھی ماہ پارہ کے گھر پہنچے جہاں صف ماتم بچھی تھی۔ حارث پاگلوں کی طرح رو رہا تھا۔ اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے لوگوں کے ہجوم میں رل رہے تھے۔ نہ عاصمہ کو ہوش تھا نہ ساجدہ کو۔ حارث کی حالت تو دیوانوں جیسی ہو رہی تھی۔

افق کو آفس میں ایہا نے فون کر کے ماہ پارہ کی موت کی اطلاع دی۔ افق اس خبر پر شاکڈ رہ گئی۔ حالات کیسے بھی سہی وہ خود کو روک نہیں پائی اور حارث کے گھر پہنچ گئی۔ جہاں جنازہ اٹھنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ ماہ پارہ کو دیکھ کر افق کا ضبط ٹوٹ گیا۔ وہ رونے لگی۔ حارث کو نہ اپنا ہوش تھا نہ بچوں کا۔

افق کتنے عرصے کے بعد اس گھر میں آئی تھی۔ اسے سارے منظر یاد آنے لگے۔ گزشتہ ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ حارث کے دونوں بچوں کو دیکھ کر افق کا دل پگھل گیا۔ اس نے دونوں بچوں کو سینے سے لگا لیا اور بے اختیار رونے لگی۔

کب چاہا تھا اس نے کہ وقت اس صورتِ حال پر لے آئے گا اسے۔ خالہ کیسے اچانک بستر پر پڑیں اور زندگی سے ناتا ہی توڑ لیا۔ وہ سب کے لیے ملال چھوڑ گئی تھیں۔ تین دن سب کے ماہ پارہ کے گھر میں ہی گزرے۔ سوم کے بعد سب نے جانا شروع کر دیا۔ افق بھی جانا چاہتی تھی لیکن حارث نے افق کو روک لیا۔

''ایک بات کا جواب دیتی جاؤ افق...... پھر چاہے چلی جانا۔ زندگی میں بہت سے لوگوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی، بہت سے لوگوں نے تمہاری حق تلفی کی۔ جب تم ان لوگوں کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہو، انہیں معاف کر سکتی ہو تو مجھے کیوں نہیں۔'' افق نے چونک کر حارث کو دیکھا۔ وہ بوجھل اور بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔

''میں تمہارا سہارا نہیں بنا افق۔ تم تو سہارا بن سکتی ہو میرا، ساتھ دے سکتی ہو میرا۔'' حارث شکستہ لہجے میں بولا۔

''میں نے اپنی منزل بھی پا لی اور جینے کا مقصد بھی ڈھونڈ لیا لیکن عورت کی اصل منزل اس کا گھر اور جینے کا مقصد اس کی گرہستی اور بچے ہی ہیں۔ کامیاب اور عظیم عورت وہی ہے جو اپنی گرہستی کے ساتھ اپنے شوق کی تکمیل کرے۔ اپنے گھر کو چھوڑ کر کوئی عورت مکمل نہیں ہوتی۔ میں حارث کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی تو پھر سے ادھوری ہو جاؤں گی۔'' افق نے دل ہی دل میں سوچا اور حارث کو معاف کر دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کا گھر پر انتظار کروں گی۔'' اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

ختم شد

ناولٹ

تیرا پیماں جاناں

اقبال بانو



یہ زندگی کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ جس سے ہم محبت کرتے ہیں اس سے بچھڑ کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ حالانکہ جب محبت کے ہنڈولے میں جھولتے ہیں تو ایک ہی بات کرتے ہیں، ایک ہی سوچ ہوتی ہے کہ ایک دوجے کے بغیر زندہ نہیں رہیں گے۔ پھر جب بچھڑ جاتے ہیں تو زندہ بھی رہ لیتے ہیں اور زندگی کا سفر جاری وساری رہتا ہے۔ مگر شاید اندر کہیں بہت اندر ماتم ہوتا ہے۔ شاید روح مر جاتی ہے' بدن اور

سانس کا رشتہ تو رہتا ہے مگر روح کے پھول کملا جاتے ہیں۔

تیمور حسن تم سے بچھڑ کر زندہ رہنا تو میں نے بھی سیکھ لیا ہے۔ حالانکہ جب میں تمہاری قربت کے حسین لمحوں میں سانس لے رہی تھی تو ان ساعتوں میں بھی کبھی تم سے بچھڑ جانے کا سوچ کر بھی میری دھڑکنیں رکنے لگتی تھیں۔ میری سوچ میرے چہرے پر زردیاں بکھیر دیتی اور آپ ہی آپ آنکھوں کے فرش گیلے ہو جاتے۔ تب تم کتنی حیرت سے مجھے دیکھتے اور پوچھتے تھے۔

”کیا ہوا رانو......؟“ تمہاری گھبرائی ہوئی آواز میری سماعتوں میں امرت بن کر اترتی اور میں چپکے سے مسکرا دیتی۔

”کچھ نہیں ہوا۔“

”پھر تمہاری آنکھوں میں آنسو......؟“

”یہ آنسو نہیں تمہاری محبت کی چمک ہے۔“ میں ہنس کر آنکھیں مسلتی۔

”سچ کہہ رہی ہو۔“ تم نے مجھے بے یقینی سے دیکھا پھر دوسرا سوال نہیں کیا شاید تمہیں احساس تھا کہ میں اپنی بات پر ڈٹی رہوں گی۔

ایک بار ہم چمپا کے درخت تلے بیٹھے جب چائے پی رہے تھے تو اسی ناگ جیسے وسوسے نے میرے دل کو ڈسنا شروع کر دیا تو میرے لب کپکپائے۔

”تیمور اگر ہم بچھڑ گئے تو......؟“ میں نے حسبِ عادت خدشہ ظاہر کیا۔ میرے اندر کا کرب میرے چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ تیمور حسبِ معمول ہنس دیا اور اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

”رانیہ! ہم بچھڑنے کے لیے تو نہیں ملے۔ ہمارا سنگم تو آسمانوں پر ہو چکا ہے۔“

”اچھا......“ میں مسکرائی۔ ”تم نے لوحِ محفوظ پر لکھا تقدیر کا فیصلہ دیکھ لیا ہے؟“

”نہ صرف دیکھا ہے بلکہ پڑھ بھی لیا ہے۔“

تیمور نے نہایت اعتماد سے کہا تو میں زور سے ہنس دی۔ تم پاس ہوتے تو لگتا ہنسی، آنسو میرے ساتھ ساتھ ہوتے۔ تمہاری محبت بھری بات مجھے ہنسا دیتی اور میرے اندر کے دھڑکے میری آنکھوں میں پانی بھر لاتے۔

اور ایک روز...... تم نے میرے گال پر اٹکا آنسو اپنی پور سے صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

میڈی روح وچ میڈا یار وسدا
میڈی اکھ وچ اس دا دیدار وسدا
سانوں اپنے درد دی پروا نئیں پر
رب کرے ہر ویلے راہوے میڈا یار ہنس دا

نہایت گمبھیر لہجے میں سرائیکی دوہڑا سنا کر تم...... نے میری سماعتوں میں ایسا رس گھولا کہ میں دنوں سرشار رہی۔

”ہم ملنے کے لیے بنے ہیں۔ تم ہمیشہ ہنستی رہا کرو، غلط باتیں مت سوچا کرو۔“ تم کہتے تھے۔ تب تقدیر کس قدر ہنستی ہو گی۔

میں جو سمجھتی تھی تیمور سے بچھڑ کر میں زندہ نہیں رہوں گی مگر ایسا تو نہ ہوا...... میں زندہ ہوں اپنی تمام تر سچائیوں اور زندگی کی پوری علامتوں کے ساتھ...... لیکن لگتا ہے دل مر گیا ہو، جذبے ختم ہو گئے ہوں اور میں سمجھتی تھی کہ تمہیں بھول گئی ہوں مگر ایسا کب ہے......؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ ٹھنڈی ہوائیں، برستا موسم، رنگ برنگی اڑتی تتلیاں، آسمان پر پھیلے نارنجی رنگ، گلابی شامیں اور چاندنی راتیں میرے اندر آگ کیوں سلگاتیں...... جیسے آج ہوا ہے۔

موسم سرما کی آج پہلی بارش ہوئی ہے۔ گیلی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو کے علاوہ تمہاری خوشبو بھی میرے چاروں طرف بکھری ہوئی ہے اور میں کتنی دیر

اپنے کمرے میں کھڑکی کے پٹ سے سر ٹکائے ان سے پھسلتی بوندوں کو دیکھ رہی ہوں جو ایک اثر سے بہہ رہی ہیں جیسے آنسو آنکھوں سے لڑھکتے ہوئے گالوں پر آ جائیں۔ میرا دل چاہ رہا ہے کھڑکی کھول دوں اور اپنی تپتی ہتھیلیاں باہر نکالوں اور بارش کے قطروں کو اوک میں بھر لوں لیکن شدید خواہش کے باوجود بھی میں نے اپنی مٹھیاں بھینچی ہوئی ہیں۔ میں اپنے ضبط کا امتحان اسی طرح تو لیتی ہوں‘ خود پر جبر کر کے، اپنی مرضی کے خلاف فیصلے کر کے، دل کو جھڑک کے، رُلا کے، ترسا کے، زندہ رہنے کا میرا اپنا الگ چلن ہے بالکل انوکھا انداز ہے۔

مگر پتا نہیں کیوں آج عرصے بعد تم مجھے بے تحاشا یاد آ رہے ہو۔ اتنی شدت سے تو میں نے تمہیں کبھی یاد نہیں کیا۔ جی چاہتا ہے کہ تم ایک بار آ جاؤ تو میں تمہیں کچھ کہے بنا معاف کر دوں گی۔ تمہارے زخم قلم پاؤں سے تھکن کے سارے کانٹے چن لوں گی۔

مگر تم کیسے آؤ......؟ تمہیں کیا خبر کہ اس برستے موسم میں ایک دیوانی لڑکی تمہیں کس شدت سے یاد کر رہی ہے۔ جس نے بچھڑتے سمے دعویٰ کیا تھا۔ میں تمہیں اپنے دل سے یادوں سے کھرچ پھینکوں گی مگر آج میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا جھوٹ بولا تھا۔

تمہیں کیا پتا تیمور حسن تم تو میری یادوں میں، میرے دل میں زندہ ہو...... گزرے چار برس میں، میں نے بارہا اس سچویشن کے بارے میں سوچا جو ہماری جدائی کا باعث بنی۔ سارے قصور میرے ہی تھے...... اپنے دل کی عدالت میں، میں ہی مجرم قرار پائی۔ تمہیں تو میرے دل نے باعزت طور پر بری کر دیا۔ میرا دل بھی تو میرا نہ رہا...... بے ایمان نے ہمیشہ تمہارا ساتھ دیا ہے مگر تم نے ایسا کیوں کیا تھا؟ ہاں تم نے میری بات نہ مانی...... تمہیں تو مجھ سے محبت کا دعویٰ تھا میری بات مان لیتے مجھے مان بخشتے۔ میں کتنی خوش ہوتی مگر...... آہ...... سسکی میرے لبوں سے نکلی...... میں نے اپنی سلگتی ہتھیلیاں کھڑکی کی ٹھنڈی چوکھٹ پر ٹکا دیں۔ تیمور حسن میں کیسے بھنور میں پھنسی ہوں...... یوں بھی ہوتا ہے؟ حیرت ہے...... میں نے سر جھکا اور آنکھیں موند لیں، ڈھیر سارے لمحے پیچھے سرکنے لگے۔

☆☆☆

”بھئی مانی تم زور سے ہٹ نہ لگایا کرو بال باہر چلی جاتی ہے۔“ میں اپنے چھوٹے بھائی نعمان کو بولنگ کروا رہی تھی اور وہ اتنی زور سے ہٹ لگاتا کہ بال کبھی ساتھ والی کوٹھی میں چلی جاتی اور کبھی باہر سڑک پر اور مجھے ہی لانی پڑتی کہ وہ تو کریز نہیں چھوڑتا تھا۔

”پھر چوکے چھکے کیسے لگیں گے؟“ نعمان بولا۔

”تم ایک دو رن بنا لو۔“ میں نے کہا۔

”تاکہ جلدی آؤٹ ہو جاؤں۔ نہ بابا نہ......“ اس نے بلا لہرایا۔

”لعنت ہو تم پر۔“ میں تنتناتے ہوئے کوئی گیارھویں بار بال اٹھانے گیٹ سے باہر نکلی تھی کہ ایک دم ہی گاڑی کے پہیے چرچرائے تھے۔ میں کار کے بونٹ کے اوپر تھی۔ گاڑی رک چکی تھی اور... ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص اترا تھا۔

”نظر نہیں آتا۔“ میں نے غصے سے کہا۔

”نظر آتا ہے تبھی تو آپ بچ گئی ہیں ورنہ......“

”ورنہ کیا ہوتا؟“

”اوپر پہنچ چکی ہوتیں۔“

”آپ نے کوئی کسر تو نہیں چھوڑی۔ وہ تو میں اچک کر بونٹ پر بیٹھ گئی۔“ میں نے اپنی بہادری جتائی۔

”اور ہنوز بیٹھی ہیں۔“

''لیں اب تو خوش ہیں۔'' میں جلدی سے بونٹ سے اتر آئی۔ تبھی میری نظر سامنے سڑک پر پڑی بال پر پڑی۔ میں نے بھاگ کر گیند اٹھائی اور پھر اپنے گھر کے کھلے گیٹ میں گھس گئی۔ ڈرائیو وے سے گیند میں نے لان میں مالی کی طرف اچھالی...... اور اندر کی طرف بڑھی۔

''کدھر بھئی......'' نعمان پوچھ رہا تھا۔

''اب موڈ نہیں ہے میرا۔''

''ہار گئی ہوتا......''

''ایسا بھی نہیں ہے۔'' میں نے نعمان کو زبان چڑائی اور اندر آ گئی۔ امی لاؤنج میں بیٹھی تھیں اور مٹر چھیل رہی تھیں۔ میں ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''پتا نہیں تجھے کب عقل آئے گی؟''

''کیا ہو گیا ہے......؟'' میں نے مٹر کا دانہ اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

''کون کہے گا تم کالج میں پڑھتی ہو...... کبھی آمنہ کو دیکھا اس طرح کدکڑے لگاتے ہوئے۔''

''وہ تو ہمیشہ سے اچھی بچی ہے امی۔'' میں نے لاڈ سے کہا۔

''تم اچھی بچی نہیں بن سکتیں۔'' امی نے مسکرا کر پوچھا۔

''بن جاؤں تو مانے گا کون، میں اسی طرح ٹھیک ہوں۔''

''دوپٹا کہاں ہے تمہارا؟'' تب میں نے اپنے گلے کو ٹٹولا سر پر ہاتھ مارا مگر دوپٹا ہوتا تو ملتا۔

''شاید باہر رکھا ہو کھیلتے ہوئے۔'' میں اٹھ کر تیزی سے باہر گئی، لان میں نعمان خود ہی گیند کو ہٹ لگا رہا تھا۔ پھر میں نے ہر طرف دوپٹا ڈھونڈا۔ گلاب کی کیاریوں میں، انگور کی بیل پر شاید اڑ آیا ہو۔ بوتل برش کے درخت کے منڈھ میں مگر دوپٹا ہوتا تو ملتا۔

''یقیناً باہر سڑک پر ہو گا۔'' میں بھاگ کر باہر آئی، گیٹ کھول کر دیکھا تو سڑک خالی تھی اور دوپٹا دور تک نہیں تھا۔ پھر میں کندھے اچکا کر اندر آ گئی۔ کمرے میں آ کر میں نے دوسرا دوپٹا اوڑھا تبھی آمنہ آپا آ گئیں۔

''رانیہ! چائے پیو گی؟''

''بالکل پیوں گی۔''

''پھر لاؤنج میں آ جاؤ......'' آمنہ آپا کہہ کر پلٹ گئیں۔

☆☆☆

''آج تمہاری دادی آ رہی ہیں۔'' امی نے بتایا۔

''ارے واقعی!'' میں خوش ہو کر بولی۔

''خوش تو ایسے ہو رہی ہو جیسے برسوں بعد دادی کو دیکھو گی۔'' امی نے گھورا۔

''امی برسوں بعد نہیں تو پورے دو ماہ بعد تو دادو کو دیکھوں گی۔''

''اونہہ دادی کی چہیتی......'' وہ سر جھٹک کر بولیں۔

''امی ایک بات تو بتائیں۔''

''کیا ہے......؟'' ابھی بھی وہ غصے میں تھیں۔

''کیا ہر عورت کو ساس بری لگتی ہے۔''

''کیا مطلب ہے......؟''

''دادو کی آمد کی خبر آپ کے لیے پریشانی کا باعث کیوں ہے؟''

''تم کچھ زیادہ بکواس نہیں کرنے لگیں۔''

''میں تو پوچھ رہی ہوں۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''جب تمہاری ساس ہو گی تو پوچھوں گی کہ تمہیں کتنی اچھی لگتی ہیں۔''

''میری ساس تو بہت اچھی ہوں گی۔'' میں لہک کر بولی۔

''رانیہ کتنی بری بات ہے۔'' آمنہ آپا نے ٹوکا۔

''بھئی مستقبل میں ایک عدد ساس نے تو ہونا ہے بری بات کیا ہوئی بھلا......''

''اس کے منہ مت لگا کرو۔ اس نے تو شرم کو دوپٹے کی طرح اتار پھینکا ہے۔'' امی نے غصے سے کہا۔

''کہاں امی، دیکھیں دوپٹا تو میرے گلے میں ہے اور سر پر بھی۔'' میں نے ایک پلو سر پر ڈالا۔ امی اس دیں کہ اس کے علاوہ کیا کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

وہ بہار کی بہت خوب صورت شام تھی جب ہواؤں کے سنگ پودے جھوم رہے تھے اور اس وقت عشرت جہاں اپنے چھوٹے بیٹے آذر ابراہیم کے ساتھ آئیں۔ گاڑی کی آواز سنتے ہی رانیہ باہر پورچ میں آئی اور عشرت جہاں سے لپٹ گئی۔

''کتنے دنوں بعد آئی ہیں دادو قسم سے مجھے بہت یاد آتی تھیں۔''

''مجھے پتا ہے تو بھی مجھے بہت یاد آتی تھی۔'' دادی نے گلے سے لگایا منہ چوما اور ہاتھ تھامے اندر آ گئیں۔ لاؤنج میں صوفے پر بٹھا کر۔ خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''السلام علیکم اماں جی......'' امی لاؤنج میں آئیں۔

''جیتی رہو بہو کیسی ہو......'' دادی نے امی کو گلے لگا کر محبت سے ان کا کندھا تھپکا پھر نعمان بھی آ کر ملا۔

''آمنہ کدھر ہے؟'' دادو نے پوچھا۔

''سو رہی ہے۔''

''اے لو یہ وقت ہے سونے کا، شام ہو رہی ہے عصر کے بعد تو یوں بھی نہیں سونا چاہیے حافظہ کمزور ہوتا ہے۔'' میں دادو کی بات سن کر چپکے سے مسکرا دی جبکہ امی چلبلا کر بولیں۔

''اماں جی آمنہ یونیورسٹی سے دیر سے آئی تھی۔ تھکی ہوئی تھی تو لیٹ گئی یوں بھی بخار تھا۔''

''بخار تھا تو نہ جاتی۔''

''میں آپ کے لیے گرم گرم دودھ لاتی ہوں۔'' امی وہاں سے ٹلنے لگیں تبھی آذر چاچو دوائیں تھیلے ہوئے اندر آئے۔

''السلام علیکم بھابی!''

''وعلیکم السلام جیتے رہو۔'' امی نے محبت سے کہا۔ ''عالیہ کیسی ہے؟''

''اے ون اور آپ کا کیا حال ہے؟'' چاچو پوچھ رہے تھے۔

''بس اللہ کا شکر ہے، بیٹھو میں چائے لاتی ہوں۔'' امی کچن کی طرف بڑھ گئیں جبکہ چاچو دہیں لاؤنج میں دادو کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

''چاچو آپ زینی کو بھی لے آتے......'' میں نے کہا۔

''بس اماں جی کا اچانک پروگرام بن گیا ورنہ زینی کو لے آتا۔''

''دادو کو تو ہم کب سے بلا رہے ہیں پھر کیسے اچانک پروگرام بنا۔''

''اماں جی کو گئے دو روز ہوتے ہیں اور تم فون کھڑکانا شروع کر دیتی ہو کہ آ جائیں۔'' آذر چاچو محبت سے بولے۔

''میں اداس جو ہو جاتی ہوں۔'' میں نے دادی کے کندھے سے گال رگڑتے ہوئے کہا۔

''دادو کی جان، میں بھی بہت اداس ہو جاتی ہوں۔''

''پھر آپ نہ جایا کریں۔''

''کیوں، اماں جی پر صرف تمہارا حق ہے۔'' چاچو ہنس کر بولے۔

"جی، میں زیادہ لاڈلی پوتی ہوئی کیوں دادو؟"
"بالکل صحیح کہہ رہی ہے۔"
"زینی کو بھی آپ یہی کہتی ہیں۔" میں نے کہا۔
"میرے لیے تم سب میری آنکھیں ہو اور سب ہی برابر ہو۔"
"یہ بات نہیں ہونی چاہیے دادو، آپ فیصلہ کریں کہ میں زیادہ پیاری ہوں یا زینی......" میں نے نروٹھے انداز میں کہا۔
"مجھے آزمائش میں مت ڈالو بیٹا......تمہارا بھی پلڑا بھاری ہے اور زینی کی محبت کا پلڑا بھی، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"
"چائے کچن میں رکھ آئی ہوں اٹھا لاؤ۔" تبھی امی آگئیں اور انہوں نے مجھے کہا۔ امی نے رولز، کیک اور شامی کباب میز پر رکھے۔ پلیٹیں دادو اور چاچو کو پکڑائیں، میں منہ بنائی ہوئی کچن میں آئی...... چائے دھیمی آنچ پر چولھے پر دھری تھی۔ فلاسک میں چائے انڈیلی، ٹرے میں کپ رکھے تھے وہ اٹھائے اور فلاسک اٹھا کر باہر آگئی۔ دادو اور چاچو رولز کھانے میں مصروف تھے، امی بھی پاس بیٹھی تھیں۔ میں بھی ایک پلیٹ اٹھا کر شامی کباب کھانے لگی۔
"چائے تو کپوں میں ڈال دو۔"
"آپ اسے کھانے دیں، میں چائے ڈال دیتا ہوں۔" آذر چاچو صوفے سے ذرا آگے کھسکے۔
"ارے رہنے دو میں ڈال دوں گی۔" امی نے خشمگیں نظروں سے مجھے گھورا اور فلاسک اٹھا کر چائے کپوں میں انڈیلنے لگیں۔ چائے کے بعد آذر چاچو اٹھ کھڑے ہوئے۔
"اب اجازت......"
"اتنی جلدی؟ انوار تو آجائیں۔" امی نے کہا۔
"بھابی...... مجھے ساہیوال جانا ہے، میرے دوست کی برات وہاں پہنچنے والی ہوگی۔"
"آپ کا دوست...... اتنی عمر میں شادی کر رہا ہے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"یار کولیگ ہے میرا۔" چاچو نے جھینپ کر کہا۔
"اوہ......" میں مسکرا دی۔
"اچھا اماں جی اجازت دیں......" چاچو دادی کے سامنے جھکے تو انہوں نے سر پر ہاتھ پھیرا۔
"گاڑی آہستہ اور دھیان سے چلانا، گھر پہنچتے ہی مجھے فون کرنا۔"
"اب تو صبح ہی کر پاؤں گا فون۔"
"جس طرح بھی ہو...... کرنا ضرور......" دادو نے تاکید کی۔
"آپ مطمئن رہیں۔" چاچو نے کہا اور پھر لاؤنج سے باہر نکل گئے۔
"بہو، ملائکہ نظر نہیں آرہی۔"
"میکے گئی ہے۔" مختصراً کہا۔
"اچھا......اچھا۔"
میں چاچو کو باہر تک چھوڑنے آئی تھی...... بے شک چاچو کی میری امی سے نہیں بنتی تھی مگر مجھے اپنے چاچو اور دونوں پھوپیاں بہت پسند تھے۔ امی کو تو خدا واسطے کا بیر تھا...... اب بھلا آذر چاچو نے امی کی بہن عابدہ سے شادی نہیں کی تھی تو پھر عالیہ چچی کا کیا قصور تھا۔ مگر امی کو تو وہی مجرم لگتی تھیں۔ اس لیے کبھی چاچو کے گھر نہ خود جاتیں نہ ہمیں جانے دیتیں البتہ دادو کی وجہ سے دونوں گھروں کے مکینوں میں رابطہ رہتا...... کیونکہ دادو ہر دو ماہ بعد آذر چاچو کے ہاں رہنے چلی جاتیں جو پنکھوں کی فیکٹری میں ڈائریکٹر تھے۔ زنیرہ اور جنید ان کے دو ہی بچے تھے، عالیہ چچی بھی بہت محبت کرنے والی خاتون تھیں، وہ ہمارے ہاں آ بھی جاتی تھیں مگر امی تھیں کہ ماش کے آٹے کی طرح اکڑی ہی رہتیں...... دادی نے کئی مرتبہ سمجھایا تھا۔
"میرے دو ہی بیٹے ہیں اور میں چاہتی ہوں مل

مل کر رہیں۔"
"تو میں کب علیحدہ کر رہی ہوں انہیں۔" امی بھڑک کر کہتیں۔
"دیکھو خالدہ تمہارے بس میں ہو تو یہ بھی کر لو وہ تو انوار اس معاملے میں تمہاری نہیں سنتا۔"
"ہمیشہ میرے بارے میں غلط ہی سوچنا...... آپ؟"
"میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے......" دادی بھی تابڑ توڑ حملہ جاری رکھتیں اور نتیجہ کوئی بھی نہیں نکلتا...... کہ ایسے عورتوں کے جھگڑوں کا بھلا کب نتیجہ نکلتا ہے، یہ روز نئے ہوتے ہیں اور شام تک پرانے ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

رات کو کھانے کی میز پر سب ہی موجود تھے۔ سلمان بھائی کچھ خاموش تھے کہ دادو بول پڑیں۔
"تم کچھ لے نہیں رہے سلمان۔"
"لیا تو ہے دادو، چاول میں کھا رہا ہوں۔" سلمان آہستگی سے بولا۔
"میں دیکھ رہی ہوں کب سے تم چمچ یونہی چاولوں میں چلا رہے ہو۔" دادو نے کہا۔
"دادو آپ کھائیں، نوالے نہ گنیں سلمان بھائی کے......" میں نے ہنس کر کہا۔
"چل شریر...... کوئی پریشانی ہے؟" دادو پوچھ رہی تھیں۔
"نہیں تو دادو......" وہ آہستہ سے بولے۔
"بیوی کو لے آؤ تاکہ رکھے تمہارا خیال......" امی نے یک دم کہا۔
"امی ملائکہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"
"ہائے...... ہائے کیا ہوا؟" دادو تڑپ گئیں۔
"بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے خود کو بے چارہ ظاہر کرنے کی، ہم نے بھی بچے پیدا کیے مگر پہلا مہینہ چڑھنے پر اس طرح چارپائی نہیں پکڑ لی تھی۔" امی نے غصے سے کہا۔
"امی اسے ڈاکٹر نے کہا ہے۔" سلمان بھائی منمنائے۔
"اے لو، ڈاکٹر تو یونہی کہتی ہیں پورے نو ماہ بستر پر پڑے رہو، کمر ہی اینٹھ جائے گی بلکہ پریگنینٹ عورت کو تو چلنا پھرنا اور ہلکا پھلکا کام ضرور کرتے رہنا چاہیے۔ ایکسر سائز بھی ہوتی ہے اور عورت ہلکی پھلکی بھی رہتی ہے۔ تمہاری بیوی انوکھا بچہ پیدا کر رہی ہے۔"
"بہو کیوں بحث کر رہی ہو، ڈاکٹر نے کہا ہوگا تو سلمان کہہ رہا ہے نا......" دادو نے کہا۔
"اونہہ!" امی نے سر جھٹکا۔
"جب بیٹے بیاہ دیے جائیں تو دل بڑا کر لینا چاہیے۔" دادو مسکرائیں۔
"اور کتنا دل بڑا کروں اماں جی، ہر ہفتے تو بہو بیگم میکے چلی جاتی ہیں۔ میں نے کبھی کچھ کہا۔ روز فون پر گھنٹا گھنٹا ماں بیٹی بات کرتی ہیں پھر کاہے کی اداسی۔"
"وہ والدین کی اکلوتی اولاد ہے، ظاہر ہے اس کے ماں باپ اسے مس کرتے ہوں گے۔" سلمان بھائی نے کہا۔
"ہر ایک کے والدین مس کرتے ہیں۔ بس آج کل کی لڑکیوں کو چونچلے کرنے کی عادت ہے اور مردوں کو ناز اٹھانے کی۔" امی نے سلمان بھائی کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بیٹھے تھے، یہ ان کی شروع کی عادت تھی ہر بات سر نہوڑے سنتے منہ سے ایک لفظ نہ نکالتے اور امی دل بھر کر بھڑاس نکالتیں۔ آخر وہی ہوا انہوں نے پلیٹ پرے کھسکائی اور اٹھ کر ڈائننگ روم سے نکل گئے۔
"کھانا تو کھا لو بیٹا۔" دادی کا دل دہلا۔

''میں کھانا کھا چکا دادو۔'' سلمان بھائی یہ کہتے ہوئے ڈائننگ روم سے باہر چلے گئے۔ مجھے بہت دکھ تھا کہ بھائی نے واقعی کچھ نہیں کھایا تھا مگر امی کی تو یہ عادت ہی تھی پھر پریشان ہونے کیا بات تھی؟ مجھے تو کبھی ڈانٹ پڑتی تو بھی ڈٹ کر کھاتی بھلا کھانے سے کیا ناراضی...... اور یہی بات اب دادو کہہ رہی تھیں۔

''کھانے سے کیا ناراضی اور ریوں بھی بہو کھاتے وقت بچوں کو نہ ٹوکا کرو۔''

''اماں جی آپ بھی نا..... اب وہ بچہ نہیں ہے بلکہ بچے کا باپ ہونے والا ہے ایسے نخرے تو میں نہیں اٹھا سکتی۔''

''اچھا بھئی چھوڑیں فضول بحث کو دادو یہ کوفتوں کا ڈونگا تو میری طرف بڑھائیں، سلمان بھائی کے حصے کا بھی کھالوں۔'' میں نے کہا۔

''ندیدی ہی رہنا ہمیشہ......'' امی نے گھور کا مگر مجھے کب پروا تھی۔

''موٹی ہوگئیں تو کوئی پھٹکے گا بھی نہیں، بیٹھی رہنا میرے سینے پر مونگ دلنے کے لیے سدا۔'' امی نے غصے سے کہا۔

''کھانے پینے پر مت ٹوکا کرو خالدہ، ابھی بچی ہی تو ہے۔ کھاؤ میرا بچہ......'' دادی نے ڈونگا میرے سامنے کردیا اور میں نے اطمینان سے سالن پلیٹ میں ڈالا۔ امی کی طرف دیکھا بھی نہیں کہ لازماً وہ دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

میں اور نعمان ڈرائیووے پر کرکٹ کھیل رہے تھے۔ لان میں دادو، ماسی سے سر میں تیل لگوا رہی تھیں۔ میں کریز پہ تھی جبکہ نعمان باؤلنگ کرا رہا تھا۔ جاتی سردیوں کی دھوپ میں تپش نہ ہونے کے برابر تھی اور بہت مزہ آرہا تھا۔ نعمان نے بال پھینکی کہ بیل بجی۔

''کون منحوس آگیا......'' میں نے زور دار ہٹ لگائی تھی۔ نعمان گیٹ پر چلا گیا، میں بھی بیٹ اٹھائے اس کے پیچھے لپکی...... بغیر اس احساس کے کہ دوپٹا میری کمر سے بندھا ہے بغیر سر ڈھانپے تھی میں۔ مانی .... دروازہ کھول چکا تھا سامنے وہ گاڑی والا موجود تھا ہاتھ میں پیکٹ لیے اور مانی اس سے پوچھ رہا تھا۔

''کس سے ملنا ہے؟''

''ان سے......'' اس نے میری طرف اشارہ کیا مانی نے گھوم کر اپنے پیچھے دیکھا۔

''رانیہ سے ملنا ہے؟''

''جی...... جی ہاں'' وہ گڑبڑا کر بولا۔

''رانیہ تم سے ملنے آئے ہیں۔'' مانی نے کہا۔

''مگر آپ کون ہیں؟'' میں آگے بڑھی۔

''میں لائبہ کا بھائی ہوں۔'' اس نے خود کو کمپوز کیا

''لائبہ .....!'' میں نے دہرایا۔

''وہ...... وہ آپ کی کلاس میں پڑھتی ہے۔''

''ہاں...... لائبہ میری کلاس فیلو تو ہے مگر اس سے میری ایسی دوستی تو نہیں کہ وہ آپ کو میرے گھر بھیج دے۔'' میں حیران پریشان سی گیٹ پر کھڑی تھی۔

''یہ پیکٹ اس نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔''

''میرے لیے مگر...... کیوں؟''

''مجھے کیا پتا......؟ مجھے تو اس نے کہا میں لے آیا۔''

''لائیں......'' میں نے ہاتھ بڑھایا اور وہ پیکٹ لے لیا۔

''اکیلے میں کھولیے گا۔'' اس نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی پھر تیزی سے مڑا اور پلٹ کر سڑک کنارے کھڑی کار میں جا بیٹھا۔ میں نے گیٹ بند کیا۔

''کیا ہے رانیہ......؟'' نعمان پوچھ رہا تھا۔

''پتا نہیں کوئی بک ہے شاید۔''

''کھولو تو سہی اتنی خوب صورت پیکنگ ہے۔'' مانی نے کہا۔

''پھر کھول لوں گی تم باؤلنگ کراؤ۔''

''میں نے اکیڈمی جانا ہے دیر ہو جائے گی۔'' مانی نے گیند میرے ہاتھ میں پکڑائی اور اندر چلا گیا۔ میں نے بھی وہ پیکٹ اٹھایا اور اندر آگئی۔ اپنے کمرے میں آکر بیڈ پر پیکٹ پھینک دیا۔ میں عجیب سی کشمکش میں تھی۔

لائبہ میری کلاس فیلو ضرور تھی مگر اتنی بھی دعا سلام نہیں تھی کہ مجھے گفٹ بھیجے۔ میں انتہائی پریشان تھی۔ میں کل کالج جاؤں گی اور لائبہ سے پوچھوں گی۔ میں یہ سوچ کر مطمئن ہوگئی اور پھر بیڈ پر بیٹھ کر گود میں پیکٹ رکھ کر کھولنے لگی۔ ریپر کھولنے پر اس میں سے ایک ڈبا نکلا ــ ڈبے میں اوپر ہی ایک کارڈ تھا اور نیچے...... میری حیرت سے آنکھیں ایک بار کھلیں اور میں ہنس دی .... ڈبا کھولا تو اس میں موبائل، میرا دوپٹا اور انتہائی خوب صورت کارڈ تھا۔ جس پر گلابوں کے درمیان لکھا تھا ''آئی مس یو'' اور اندر لکھا تھا۔

''اے شہد رنگ آنکھوں والی لڑکی پھر کب میری گاڑی کے بونٹ پر اچک کر بیٹھو گی اور اپنا دوپٹا چھوڑ جاؤ گی۔ تیمور حسن۔''

''مائی گاڈ...... یہ اس دن کی بے وقوفی ہے جو اتنے خوب صورت انداز میں واپس کی گئی ہے۔'' ساتھ ہی وزیٹنگ کارڈ بھی تھا جس کے پیچھے لکھا تھا۔

''خوب صورت آنکھوں والی لڑکی اگر مجھے فون کرو تو زندگی حسین ہو جائے۔''

''فون کروں؟'' میں نے سوچا مگر وہ کیا سوچے گا میں کیسی لڑکی ہوں۔ سوچنے دو ہماری کون سی رشتے داری ہونے والی ہے۔ ایڈونچر ہی سہی۔ مجھے عجیب سی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

''شہد رنگ آنکھوں والی لڑکی۔'' میں نے جلدی سے ڈریسنگ کے بڑے سے شیشے کے قریب جا کر اپنی آنکھوں کو دیکھا۔ مجھے تو ان میں کوئی خوب صورتی نظر نہیں آرہی تھی مگر تیمور حسن نے چند لمحوں میں میری آنکھیں بھی دیکھ لی تھیں۔ اسے یہ آنکھیں خوب صورت لگی تھیں، واہ۔

''چلو بے وقوف بناتے ہیں۔'' میں نے سوچا۔

''اگر خود بے وقوف بن گئی تو۔'' دل نے کہا۔

''ناممکن...... ایسا بھلا ہو سکتا ہے، تم اتنے نادان تو نہیں......'' میں نے دل کو جھڑکا...... میں نے دیکھا موبائل میں صرف ایک نمبر ہی save تھا اور یقیناً وہ تیمور حسن کا نمبر تھا۔ میں نے فون کردیا۔ دوسری بیل پر کال اٹینڈ کرلی گئی۔

''اس گفٹ کا شکریہ...... کیا واقعی آپ لائبہ کو جانتے ہیں؟''

''میں نے صرف تکا مارا ہے میں اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا........'' تیمور ہنسا۔

''آپ بے حد بے ایمان ہیں۔'' میں نے کہا اور فون بند کردیا۔

لاؤنج میں دادو بیٹھی آذر چاچو سے فون پر بات کررہی تھیں۔ میں بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی تبھی آمنہ آپا چائے بنا کر لے آئیں۔

''جیو یار بڑا موڈ ہو رہا تھا چائے پینے کا۔'' میں صوفے سے آگے کی جانب کھسکی۔

''کبھی خود بھی ہاتھ پیر چلا لیا کرو......'' امی کو تو مجھ سے خدا واسطے کا بیر تھا۔

''آپا ہیں نا...... کیوں۔'' میں نے شرارت سے کہا۔

''اور کیا...... امی ابھی اپنی رانیہ چھوٹی بھی تو ہے۔''

''کوئی چھوٹی نہیں ہے، اپنے ساتھ کام میں لگاؤ' اگلے گھر جائے گی تو مجھ پر سو سو باتیں ہوں گی۔''

''اگلے گھر کی دھمکی ضرور دیا کریں امی وہاں کیا سب بھیڑیے ہوں گے...... جو مجھے چیر پھاڑ ڈالیں گے۔'' میں نے کہا۔

''بکواس کیے جانا، چلو اٹھو آمنہ کے ساتھ کام کرو، طلحہ رات کا کھانا یہیں کھائے گا۔'' امی نے مجھے گھُرکتے ہوئے کہا۔

''چائے تو پینے دیں اور ہاں امی طلحہ بھائی کیوں آرہے ہیں؟''

''اے لو کتنے دنوں کے بعد تو وہ آرہا ہے۔'' امی نے چمک کر کہا۔

''میں نے تو یونہی پوچھا ہے، آپ تو خفا ہونے لگیں۔'' نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ میں اٹھ کر باہر جانے لگی تو امی نے بلایا۔

''آمنہ کے ساتھ کام ہی کروالو ہر وقت شتر بے مہار بنی پھرتی ہو۔'' میں نے پلٹ کر دیکھا۔

''آمنہ آپا کا منگیتر آرہا ہے نہ کہ میرا وہ خود ہی اہتمام دل سے کریں گی اور اچھا کریں گی آپ فکر مند نہ ہوں۔'' میری بات پر دادو ہنس دیں جبکہ امی کی پیشانی کے بل کچھ اور بڑھ گئے۔

''بڑی زبان چلتی ہے رانیہ تمہاری' کسی دن کاٹ کے رکھ دوں گی۔'' میں نے امی کے جملے کی پروا نہیں کی' ایسی دھمکیاں میں بچپن سے سنتی آئی تھی اس لیے ایسی دھمکیوں پر کڑھنے کا کوئی بھی فائدہ نہیں تھا' میں باہر لان میں چلی آئی۔

☆☆☆

میں اپنے لیے اسکواش بنا رہی تھی۔ ملائکہ بھابی کچن میں ہانڈی بھون رہی تھیں کہ یک دم ہی وہ کچن سے باہر نکل آئیں' انہیں ابکائیاں آنے لگی تھیں۔ میں نے جلدی سے چولہا بند کیا اور ان کے پیچھے لپکی۔ وہ کیاری میں بیٹھی ابکائیاں لے رہی تھیں۔

''بھابی طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور اشارے سے کہا۔ میں ہانڈی دیکھ لوں۔

''میں نے چولہا بند کردیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''گڈ۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

''زیادہ طبیعت خراب ہے تو ڈاکٹر کے پاس چلیں۔''

''نہیں میری جان...... آئی ایم آل رائٹ تم پریشان نہ ہو۔'' بھابی نے میرا گال تھپتھپایا اور کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

''آپ اپنے کمرے میں جائیں، میں سالن پکا لیتی ہوں۔'' میں نے کہا۔

''آنٹی ناراض ہوں گی۔''

''انہیں کون بتائے گا کہ سالن کس نے بنایا ہے۔ آپ بے فکر ہوجائیں۔''

''سلمان کے لیے پڈنگ بھی بنانی ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''حاضر سائیں......'' میں نے سر جھکا کر کہا تو وہ ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئیں' میں کچن میں آگئی۔ چولہا جلایا۔ گوشت تقریباً بھن چکا تھا میں نے ہلکا سا پانی ڈال کر شوربہ تیار کرلیا۔ میں انڈے پھینٹ رہی تھی کہ امی آگئیں۔

''ملائکہ کہاں ہے؟'' امی نے پوچھا۔

''اپنے کمرے میں' طبیعت خراب تھی تو......'' میں نے بتایا۔

''اور تم کھانا پکا رہی ہو۔''

''تو کیا حرج ہے' میں اتنی پھوہڑ بھی نہیں ہوں۔'' امی نے گھور کر مجھے دیکھا اور پتیلے کا ڈھکن ہٹا کر دیکھتے ہوئے بولیں۔

''یہ کیا پکایا ہے؟''

''سالن ہے چکھ کر دیکھ لیں مٹن ہے۔''

''وہ تو دیکھ رہی ہوں اس میں پالک ڈالنی تھی۔ تمہارے ابا نے پالک گوشت پکانے کا کہا تھا۔''

''چلیں اب ڈال دیتی ہوں پالک کا کیا ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''گوشت کا قیمہ بن جائے گا۔''

''پالک ابال کر ڈال دیتی ہوں۔'' میں نے حل پیش کیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے......'' امی نے ڈھکن زور سے پتیلے پر مارا اور بولیں۔

''دادی کے لیے چائے بنا لاؤ، وقت بے وقت انہیں چائے کی ہڑک اٹھتی ہے۔'' منہ بناتی امی پر مجھے ہنسی آرہی تھی مگر میں نے بہت مشکل سے ہنسی ضبط کی۔

چائے بنا کر دو مگوں میں انڈیلی کہ میرا ارادہ بھی تھا دادی کے ساتھ چائے پینے کا۔ باہر آئی لان میں تو اسی وقت سلمان بھائی بھی آگئے انہوں نے کار پورچ میں روکی اور اپنے کمرے میں جانے کے بجائے لان میں آگئے جہاں دادی اور امی بیٹھی تھیں۔

''السلام علیکم دادو۔'' سلمان بھائی بولے۔

''وعلیکم السلام جیتے رہو......'' دادی نہال ہوگئی تھیں۔

''چائے پئیں گے بھائی......؟'' میں نے پوچھا۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ......'' وہ لان چیئر پر بیٹھ گئے۔ میں نے میز پر ٹرے رکھی۔

''ارے تم اپنے لیے چائے لائی ہو۔''

''نہیں بھائی، دو کپ بن گئے تھے آپ کا اصیب۔''

''دانے دانے پر مہر ہوتی ہے۔'' دادو نے محبت سے کہا۔

''بیگم کی بھی خبر لو۔'' امی نے کہا۔

''کیا ہوا ملائکہ کو۔'' سلمان بھائی پریشان ہوگئے۔

''بس بھئی سب کام نہ کرنے کے بہانے ہیں۔ سن لو سلمان بس ایک بچے کے بعد اور کی گنجائش نہیں ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو بہو۔''

''میں ایسے ناز نخرے نہیں اٹھا سکتی۔'' امی نے ہاتھ اٹھا کر صاف جواب دیا۔ سلمان پریشان نظروں سے ماں کو اور کبھی دادی کو دیکھنے لگے پھر جلدی سے چائے کا مگ ادھورا چھوڑ کر اٹھ گئے۔

''دیکھ لو کلیجا منہ کو آگیا......'' امی! سلمان بھائی کو تیزی سے جاتے دیکھ کر بولیں۔

''بیوی ہے اس کی آخر، وہ خیال نہیں کرے تو اور کون کرے گا۔'' دادو نے بھی سلمان کی طرف داری کی۔

''میں تو کہتی ہوں جب تک بچہ نہیں ہوتا ملائکہ اپنے میکے ہی رہے۔ مجھے فضول ہی ٹینشن ہوتی ہے اس کی ادائیں دیکھ کر۔''

''امی اب ایسی بات بھی نہیں وہ ...'' میں نے کہنا چاہا۔

''بکواس کرتی ہو، میری اماں نہ بنو اور دفع ہوجاؤ۔'' امی نے مجھے گھورا تو میں نے ٹرے اٹھائی۔

''خود پکا لیں جو پکانا ہے، میں چلی' پڑھنا ہے میں نے......'' میں نے غصے سے کہا اور پاؤں پٹختے ہوئے اندر آگئی۔

کچن میں مجھ سے پہلے آمنہ آپا موجود تھیں۔ شیلف پر میں نے ٹرے پٹخی۔

''ارے، غصہ مگر کیوں؟''

''یہ تو بتائیں امی میری سگی ماں ہیں یا......؟'' آمنہ آپا ہنسنے لگیں اور میں تیزی سے کچن سے نکل آئی۔

☆☆☆

اپنے کمرے میں آکر میں نے دروازہ بند کیا اور پھر تیمور حسن کو فون کر دیا۔ وہ جیسے منتظر ہی تھا۔

''رانیہ میں تین دن سے تمہارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔''

''کیوں، آپ کو کوئی اور کام نہیں ہے۔''

''بہت کام ہیں مگر آنکھوں کے سامنے سے وہ چہرہ ہٹتا ہی نہیں کہ کوئی اور کام کروں۔''

''کون سا چہرہ......؟'' میں نے شوخی سے پوچھا۔

''تمہارا چہرہ......''

''اچھا......'' میں ہنس دی۔

''کیا کر رہی تھیں......؟''

''ابھی تو میں بہت غصے میں تھی۔''

''میں سمجھا نہیں......'' وہ حیران تھا۔

''بس امی کی ڈانٹ پڑ جائے تو پھر غصہ......'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''آسمان کو چھونے لگتا ہے۔'' تیمور ہنسا۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔''

''اچھا چھوڑو کب مل رہی ہو؟''

''اب تم ہاتھ پیر پھیلانے لگے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''ملنا ضروری ہے کیا؟''

''تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو اب بُھٹے بھون رہے ہیں، باتیں ہی تو کر رہے ہیں ہم۔''

''میں تمہیں سامنے بٹھا کر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''تینوں سامنے بٹھا کے شرماں
ایہو میرا جی کردا''

تیمور زور سے ہنس دیا۔

''یہ شعر تو مجھے کہنا چاہیے تھا۔''

''مجھے کوئی شرم ورم نہیں آتی۔'' میں نے بتایا۔

''ایک بار سامنے تو آؤ۔'' وہ شوخ ہوا۔ ''خود بخود شرمانے لگوگی۔''

''اتنی خوش فہمی میں بھی نہ رہیں۔''

''پھر مل رہی ہو؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''بھئی یہ کیسے ممکن ہے؟''

''کیوں نہیں ممکن، بندہ فیصلہ تو کرے۔''

''دیکھیں میں کبھی اکیلی کہیں نہیں گئی۔'' میں نے بتایا۔

''اب ہمت کر لو۔'' تیمور نے کہا۔

''ہمت تو مجھ میں بہت ہے۔''

''پھر کیا مسئلہ ہے؟''

''بس میں ملنا نہیں چاہتی۔''

''وجہ......؟''

''بس میرا موڈ نہیں ہے۔''

''یار موڈ بناؤ رانی......ہم دوست ہیں نا؟''

''پتا نہیں۔''

''آخر ہم اتنی دیر باتیں کرتے ہیں تو......''

''یعنی جس سے بات کر لی جائے وہ دوست ہوا۔''

''پھر کیا ہوتا ہے؟''

''دوست ہوتا نہیں ہر بات کرنے والا۔''

''بیڑا غرق کر دیا فراز کے شعر کا۔'' تیمور نے کہا۔

''میں نے اپنے مطابق تبدیلی کی ہے......'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اچھا تم سوچو۔'' تیمور بولا۔

''اوکے۔''

''پہلے وعدہ کرو ملو گی۔'' وہ بے چینی سے بولا۔

''وعدہ نہیں دیکھوں گی۔'' میں نے جلدی سے فون بند کر دیا کہ مجھے بوریت ہونے لگی تھی۔ فون تکیے

ے نیچے رکھ کر میں باہر آئی تو آمنہ آپا کھانا میز پر لگا رہی تھیں۔ سب ہی میز پر موجود تھے سلمان بھائی اور بھابی نہیں تھے۔

''رانیہ جاؤ سلمان کو بلا لاؤ اور ملائکہ کا کھانا اوپر ہی دے آؤ۔'' دادو نے کہا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے، کچن میں جا کر ملائکہ خود ہی کھا لے گی۔'' امی چمک کر بولیں۔

''بہو وہ بیمار ہے۔'' دادو نے کہا۔

''آپ اس گھر میں میرے طور طریقے چلنے دیں ماں جی۔ آنے والے کل کو میں ناز نہیں اٹھا سکتی۔''

''انوار تم ہی کچھ کہو۔'' دادو نے دہائی دی۔

''ماں جی آپ کھانا کھائیں یہ خالدہ کا ہیڈک ہے۔'' بابا نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا تو دادو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

میں کچن میں آئی، ملائکہ بھابی اور سلمان بھائی کے لیے سالن ڈونگے میں نکالا...... پڈنگ کباب اور چاول بھی ٹرے میں رکھے...... چپاتیاں ہاٹ پاٹ سے نکال کر رومال میں لپیٹیں اور جلدی سے کچن سے نکل آئی مبادا امی نہ آ جائیں۔

دروازے پر دستک دے کر میں اندر گئی تو ملائکہ بھابی بستر پر نڈھال پڑی تھیں جبکہ سلمان بھائی پریشان سے راکنگ چیئر پر بیٹھے تھے۔

''بھائی کھانا کھا لیں اور بھابی آپ...'' میں نے ٹرے میز پر رکھی۔

''سلمان کھا لیں، مجھے بالکل خواہش نہیں ہے۔'' بھابی نے کہا۔

''آپ جو کہیں میں پکا دیتی ہوں۔'' میں نے کہا

''بس گڑیا بہت مہربانی......'' بھابی مسکرائیں۔

''پھر بھی کچھ تو لیں نا......؟''

''اچھا لے لوں گی۔''

''بھائی آپ بھابی کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔''

''ہاں یہی سوچ رہا ہوں۔''

''پہلے کھانا کھا لیں پھر چلے جایئے گا۔'' میں نے روم فریج سے پانی کی بوتل نکال کر میز پر رکھی اور باہر نکل آئی۔

☆☆☆

موسم بہت خوشگوار تھا۔ میں ٹیرس پر کھڑی باہر سڑک پر گزرتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی اور کبھی آسمان کی طرف دیکھنے لگتی، جی چاہ رہا تھا کہ ایک دم بارش ہو مگر دل کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ تبھی آمنہ آپا آ گئیں

''کیا کر رہی ہو رانیہ؟''

''موسم انجوائے کر رہی ہوں۔''

''اچھا......'' وہ چیئر پر بیٹھ گئیں۔

''آپا ایک تو طلحہ بھائی بھی عجیب ہیں۔'' میں نے کہا۔

''کیوں بھلا......؟'' آمنہ آپا حیرت سے بولیں۔

''بھئی آیا کریں بہانے بہانے سے......آپ کو گھمانے لے جائیں۔''

''پھر کیا ہو گا؟'' وہ مسکرائیں۔

''میں بھی ساتھ لٹک جاؤں گی اور کیا ہو گا۔''

''طلحہ بہت شریف انسان ہیں۔''

''جی ہاں، باقی کے تو منگیتروں کی تھانوں میں تصویریں لگی ہیں۔''

''تم منگنی کروا لو تو...''

''رہنے دیں اگر میرا منگیتر بھی طلحہ بھائی جیسا سڑیل ہوا تو۔''

''طلحہ سڑیل تو نہیں۔''

"مجھے تو لگتا ہے۔"

"اب تم سے کون بحث کرے۔" اسی وقت میرے فون کی بیپ ہوئی۔

"یہ...... یہ سیل فون کہاں سے آیا......؟" حیرت سے آمنہ آپا نے پوچھا۔

"وہ...... وہ ملائکہ بھابی نے دیا ہے۔" میں نے فون آف کرتے ہوئے اعتماد سے کہا۔

"کیوں......؟" آمنہ آپا نے پوچھا۔

"انہوں نے دو سم والا فون لیا ہے نا تو یہ مجھے دے دیا۔" میں نے بتایا۔

"کب لیا انہوں نے؟" آمنہ آپا نے شکی انداز میں پوچھا۔

"یار ان کے بھائی نے دیا ہے شاید تو آج مجھے کہنے لگیں فالتو پڑا ہے تم لے لو تو میں نے لے لیا۔"

"اور سم کہاں سے لی؟"

"وہ بھی انہوں نے لا کر دی تھی...... اب آپ امی کو نہ بتا دیجیے گا۔"

"یہ غلط حرکت ہے رانیہ......" آمنہ آپا نے کہا۔

"کیا غلط ہے سارے جہاں کی لڑکیاں سیل فون لیے پھر رہی ہیں۔" میں نے کہا۔

"ان کے والدین کی پرمیشن ہوتی ہے۔"

"مجھے میری بڑی بھابی نے دیا ہے۔"

"مگر غلط ہے یہ۔" انہوں نے کہنا چاہا تو میں نے بات کاٹ کر کہا۔

"اب آپ مجھے غلط صحیح کا درس مت دیں۔" میں نے منہ بنا کر کہا اور آمنہ آپا کو وہیں چھوڑ کر نیچے آ گئی۔ تیمور کو بھی اسی وقت فون کرنا تھا۔ میرے فون پر سوائے اس کے اور کوئی فون آتا ہی نہیں تھا۔ میں ملائکہ بھابی کے پاس آ گئی کہ مجھے پتا تھا آمنہ آپا نے امی کو یہ بات ضرور بتانی ہے۔

☆☆☆

"پلیز بھابی آپ میری عزت رکھ لیں۔" میں نے ملائکہ بھابی سے ملتجی انداز میں کہا۔

"چلو جس طرح تم کہہ رہی ہو وہی کہہ دوں گی...... مگر مجھے تو بتاؤ یہ فون آیا کہاں سے؟" شریر سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیلی ہوئی تھی۔

"وہ...... وہ تیمور حسن نے دیا ہے۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔

"کون ہیں یہ حضرت......؟"

"آرمی میں میجر ہے۔"

"تمہاری ملاقات کہاں ہوئی......؟" ملائکہ بھابی نے پوچھا۔

"سڑک پر......"

"ظاہر ہے سڑک پر ہی ہوئی ہوگی۔" ملائکہ بھابی نے ہنس کر کہا۔

"پلیز بھابی یہ بات اپنے تک ہی رکھیے گا۔"

"دیکھو رانیہ تم مجھے مخلص پاؤ گی، میں سلمان کو بھی نہیں بتاؤں گی بس...... مگر تم میری چھوٹی بہن کی طرح ہو، یہ باتیں اچھی نہیں ہوتیں۔"

"بھابی میری تو صرف فون تک ہی دوستی ہے میں کبھی اس سے نہیں ملی۔"

"اسے کہو شرافت سے رشتہ بھیجے۔"

"میں ایویں کہہ دوں، ابھی تو میں نے ماسٹر کرنا ہے۔"

"پھر یہ سلسلہ ختم کرو۔" وہ بولیں۔

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا تو مجھے لگا جیسے میرے اندر کٹ سے کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو...... جیسے چوڑی ٹوٹتی ہے۔

"کہیں تم تیمور سے محبت تو نہیں کرنے لگیں۔" بھابی نے میرے چہرے کی طرف دیکھا۔

"نہیں...... نہیں تو بھابی......" میں گڑبڑا گئی۔

"پھر تمہارے چہرے کا رنگ کیوں پھیکا پڑ گیا ہے؟"

"آپ کا وہم ہے۔"

"ویسے کچھ جذبے ایسے بھی ہوتے ہیں رانیہ جو چپکے سے اندر اتر جاتے ہیں اور بندے کو خبر ہی نہیں ہوتی اور ایسا جذبہ محبت کا بھی ہوتا ہے۔" ملائکہ نہایت شوق سے کہہ رہی تھیں اور میں بس حیران تھی۔

☆☆☆

ملائکہ بھابی اور سلمان بھائی ڈاکٹر کی طرف جا رہے تھے تو میں بھی چل دی کہ دو روز سے میری داڑھ میں ہلکا ہلکا درد تھا۔ امی سے اجازت لے لی تھی۔ کلینک پہنچے تو ڈاکٹر کے پاس رش تھا...... ملائکہ اپنی گائنی کی ڈاکٹر کے پاس چلی گئیں اور میں کوریڈور میں کرسی پر بیٹھی تھی، سلمان بھائی نہ جانے کہاں چلے گئے تھے۔ تبھی میں نے دیکھا تیمور تیزی سے آ رہا تھا، میں حیران ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی مگر وہ ناک کی سیدھ میں چل رہا تھا۔

"تیمور......!" بے ساختہ میں نے پکارا تو وہ ایک دم پلٹا...... اور مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ میرے قریب آیا۔

"تم...... تم رانیہ......" مارے حیرت کے اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی جبکہ اس کی آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔

"یہاں کیسے......؟"

"وہ بھابی کے ساتھ آئی ہوں اور تم......"

"میرا ایک دوست ایڈمٹ ہے، اسے دیکھنے آیا ہوں۔"

"پھر دیکھو اسے۔"

"تم سے زیادہ اہم نہیں ہے۔" وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اب تم جاؤ سلمان بھائی آتے ہوں گے۔" میں نے گھبرا کر کہا۔

"آنے دو، بلایا کیوں تھا۔" وہ شوخی سے بولا

"یہ جرم ہو گیا۔" میں نے کہا۔

"یہ تو بہت بڑا جرم ہے۔" اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"اچھا تو پھر میں جا رہی ہوں۔" میں نے آگے قدم بڑھایا تو تیمور نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ مجھے لگا جیسے میرا پورا وجود جھٹکوں کی زد میں ہو۔

"اس طرح تو نہ کرو رانو...... مجھے اپنی آنکھوں کی پیاس تو بجھانے دو۔" اس کا لہجہ یاسیت بھرا تھا۔

"پلیز تیمور۔" میں منمنائی...... تو اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور میں بھاگ کر ڈاکٹر عفت کے کمرے میں گھس گئی جہاں ملائکہ بھابی گئی تھیں۔ تیمور نے میرا ہاتھ کیا تھاما تھا...... مجھے اس کا لمس بار بار جگا رہا تھا۔ ...... میرے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی، پھر تیمور میری رگ رگ میں سماتا چلا گیا۔ اسے سوچنا مجھے اچھا لگنے لگا اور پھر قدرت کو بھی شاید مجھ پر ترس آ گیا۔ ایک روز وہ طلحہ کے ساتھ ہمارے گھر آ گیا...... میں اسے اچانک دیکھ کر حیران تو ہوئی۔ بعد میں پتا چلا کہ طلحہ اور وہ پرانے دوست ہیں۔ ایف ایس سی تک ایک ساتھ پڑھتے رہے پھر تیمور آرمی میں چلا گیا جبکہ طلحہ نے ایم بی اے کر لیا۔ بابا جان سے تیمور کی اچھی کمپنی ہو گئی کہ بابا جان ریٹائرڈ کرنل تھے اور ان دنوں اپنا بزنس کر رہے تھے۔

اب اکثر شام کو تیمور ہمارے گھر آ جاتا، بابا جان کے ساتھ اس کی خوب نبھتی، ان کے ساتھ تیمور شطرنج کھیلتا اور ڈرائنگ روم سے آتے اونچے اونچے قہقہے مجھے اونچے اونچے خواب دیکھنے پر مجبور کر دیتے۔

زندگی نہایت سبک رفتاری سے گزر رہی تھی کہ ایک دم ہی طلحہ اور آمنہ آپا کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ انہی دنوں ملائکہ بھابی کے ہاں عباد نے جنم

لیا۔ وہ مجھے اتنا اچھا لگتا کہ میں ذرا وقت ملتا اور بھابی کے کمرے میں پائی جاتی۔ امی کو بھی عباد بہت پیارا لگتا وہ بھی صبح صبح نماز کے بعد عباد پر نہ جانے کیا کیا پڑھ کر پھونکا کرتیں۔ سلمان بھائی اور ملائکہ بھابی مسکراتے رہتے۔ آمنہ آپا کی شادی کی شاپنگ ہمیں تیمور ہی نے ساتھ جا کر کروائی۔ وہ روز شام کو آجاتا اور میں اور امی چلے جاتے...... امی تو شاپنگ میں لگ جاتیں اور ہم دونوں چپکے چپکے باتیں کرتے، اس طرح کہ امی کو بھی پتا نہیں چلتا۔

☆☆☆

آمنہ آپا کی شادی کے بعد لگتا تھا گھر، یک دم خالی ہوگیا ہے۔ اب نعمان اور میں کرکٹ بھی نہیں کھیلتے تھے۔ نعمان بھی مصروف تھا اور میں بھی پڑھائی میں مصروف ہوگئی۔ جب ایک دن تیمور نے مجھے کہا۔

''تم فائنل ایگزام دے لو تو میں اماں کو لے آؤں۔''

''کیوں......؟'' میں جان کر انجان بن گئی۔

''اب تم بن رہا نہیں جاتا۔''

''تمہاری اماں مان جائیں گی۔''

''ارے ان کو پتا ہے کہ گلبرک کی سڑک پر ان کا بیٹا لٹ چکا ہے۔'' تیمور نے شرارت سے کہا تو میں جھینپ گئی۔

''اتنی جلدی، ابھی تو میں نے ایم اے کرنا ہے۔''

''کوئی ضرورت نہیں بس بی اے کافی ہے۔'' تیمور نے رعب سے کہا اور میں ہنس دی۔ ان دنوں تو ہنسی میرے پور پور سے پھوٹتی تھی۔

''رانو کس قدر خوب صورت ہوگئی ہو تم۔'' تیمور نے کہا۔

''میں تو شروع سے ہی خوب صورت ہوں۔'' میں اترائی۔

''اب تم زیادہ ہوگئی ہو۔''

''فیئر اینڈ لولی نہیں لگاتی۔''

''میری محبت کسی لوشن سے کم ہے۔''

''منہ دھو رکھو۔'' میں بلش ہوگئی۔

''اب دیکھو آئینہ......'' وہ ہنسا۔

''مت تنگ کرو تیمور......'' میں اس کی نظروں سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی اور وہ زور سے ہنس دیا۔

☆☆☆

کبھی کبھی میں سوچتی تیمور سے بچھڑ کر تو میں زندہ ہی نہیں رہوں گی۔ یہ سوچ مجھے سوچوں کی اندھی قبر میں اتار دیتی۔ تیمور کو چاہ کر تو میرے اندر رنگ ہی رنگ بھر گئے تھے۔

پھر ایگزام ختم ہوگئے اور تیمور ایک روز اپنی اماں کو لے کر بالکل اچانک ہی آگیا...... تیمور کی دیہاتی سی اماں میری دادو کو تو بہت پسند آئیں ...... ساتھ میں تیمور کی شرمیلی سی بہن بھی تھی جو ابھی میٹرک میں پڑھتی تھی۔ امی اور بابا نے سوچنے کا وقت مانگا جبکہ میرا دل تھا کہ فٹافٹ ہاں کردی جائے۔

''ہمیں مایوس نہ کرنا......'' جاتے جاتے امی کے گلے لگتے ہوئے تیمور کی والدہ نے کہا۔

''آپ پریشان نہ ہوں۔'' امی ہنس کر بولیں۔

''میرے بیٹے کو بہت چاہ ہے یہیں شادی ہو۔'' انہوں نے نہایت معصومیت سے کہا اور میں مسکرا دی۔

اسی روز شام کو امی نے مجھے لائن حاضر کردیا۔

''تیمور یہاں اس لیے آتا تھا۔ بتاؤ تم نے اسے اتنی ڈھیل کیوں دی......''

''میں سمجھی نہیں۔'' میں حیرت سے بولی۔

''تمہارے کہنے پر وہ ماں کو لایا ہے نا......؟''

''مجھ سے تو اس نے پوچھا بھی نہیں۔''

''پھر وہ کیسے لایا تم نے ہی کوئی شہ دی ہوگی۔'' امی الہامات پر ڈٹی ہوئی تھیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں امی۔''

''پھر وہ رشتہ کیوں لایا؟''

''مجھے کیا پتا......'' میں صاف مکر گئی۔

''تم یہ جان لو کہ میں ایسے پینڈوؤں میں تمہاری شادی نہیں کرسکتی۔''

''جی......'' مارے حیرت کے میری آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

''شفقت بھائی کے ہارون سے تمہاری بات طے ہے۔'' امی نے انکشاف کیا۔

''لیکن...... کب مجھے تو پتا نہیں۔'' میں ہکلائی۔

''ضروری تھا تمہیں بتانا......'' امی نے ٹٹولتی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''امی مجھے پتا ہونا چاہیے تھا......'' میں نے زور دے کر کہا۔

''اب تو پتا ہوگیا ہے نا؟''

''پلیز امی آپ......''

''ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ تیمور نے تمہاری مرضی سے رشتہ نہیں بھیجا؟''

''وہ بھی سچ ہے مگر امی میں تیمور کے بغیر، پلیز امی......''

''اپنے کمرے میں جاؤ......'' امی نے کچھ اتنی سختی سے کہا کہ میں کچھ کہے بنا اپنے کمرے میں آگئی۔

اسی رات تیمور سے حسب معمول موبائل پر بات کرتے ہوئے میں حسب معمول چہک رہی تھی۔ میں نے اسے نہیں بتایا کہ امی نہیں مان رہیں۔ میرا خیال تھا دادو سے بات کروں گی وہ اور بابا، امی کو منالیں گے۔

''بھئی رانو ایک بات تو بتاؤ؟'' یک دم ہی تیمور نے پوچھا۔

''ہاں پوچھو۔''

''لڑکیوں پر سولھواں سال آتا ہے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔''

''کسی لڑکے کے منہ سے السلام علیکم بھی سن کر سرپٹ دوڑ پڑتی ہیں۔'' میں نے جھٹ جواب دیا۔

''کیا مطلب؟'' تیمور کی حیرت بھری آواز میری سماعتوں میں اتری۔

''بھئی جن دنوں میں سولھویں سال میں تھی تو میرے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔'' میں نے تکیے پر سر رکھا۔

''میں واقعی نہیں سمجھا......'' تیمور الجھن کا شکار تھا۔

''مجھے یاد ہے اپنا سولھواں سال......'' میں ہنستے ہوئے اسے بتانے لگی۔ ''ان دنوں ہم کراچی.... ملیر کینٹ میں رہتے تھے۔ ہمارے بنگلے کے بالکل سامنے ایک کیمپ لگا ہوا تھا۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ وہاں سے کوئی مجھے دیکھتا ہے، میں ہر روز شام کو بال کھول کر ہلکا ہلکا میک اپ کر کے لان میں ٹہلا کرتی تھی۔ ہاں ان دنوں میرے بازو میں فریکچر ہوا تھا۔ گلے میں ڈالی پٹی میں بازو لٹکائے میں ہیروئن بنی رہتی۔'' ان دنوں کا تصور کر کے مجھے ہنسی آرہی تھی اور میں نہایت جوش میں بتا رہی تھی۔

''پتا ہے تیمور! ایک کیپٹن تھا جو مجھے روز دیکھا کرتا تھا۔ اس نے سلمان بھائی سے دوستی کرلی تھی جس طرح تم نے بابا سے دوستی کرلی ہے۔''

''ہوں۔'' تیمور نے ہنکارا بھرا۔

''کیا نام تھا اس کا؟'' تیمور نے پوچھا اور میں جھوک میں کہتی گئی۔

''اکمل شاہ...... سلمان بھائی سے ملنے گھر بھی آجاتا...... مگر میں نے کبھی اس سے بات نہیں کی، ایک روز حسب معمول میں لان میں ٹہل رہی تھی کہ وہ

آگیا۔ جب اس نے مجھے سلام کیا تو میں کوئی جواب دیے بغیر سرپٹ بھاگی اور اندر اپنے کمرے میں جا کر دم لیا، میں ان دنوں میٹرک میں تھی، تو یہ تھا میرا سولھواں سال۔"

"تم نے اکمل شاہ سے کبھی کوئی بات نہیں کی؟" تیمور پوچھ رہا تھا۔

"واقعی نہیں کی اگر کرتی تو تمہیں بتاتی۔ اس نے تو پروپوزل بھی بھیجا تھا۔"

"پھر......؟"

"پھر یہ کہ بابا نے کہہ دیا رانیہ ابھی چھوٹی ہے وہ تو کہتے تھے منگنی کر دیں چار پانچ سال بعد شادی کریں گے مگر بابا نہ مانے۔"

"اور تم...... کچھ نہ بولیں۔"

"مجھے کیا ضرورت تھی کچھ کہنے کی۔"

"کیا نام تھا اس کا؟" آہستہ سے پوچھا گیا۔

"اکمل شاہ......" میں نے کہا۔ "تم جانتے ہو؟"

"نہیں تو ویسے ہی پوچھا تھا۔" تیمور کا لہجہ سرد تھا۔ میں نے توجہ نہ دی۔

"اچھا رانیہ اب سوئیں نیند آرہی ہے۔" تیمور نے کہا۔

"مجھے تو نہیں آرہی۔" میں نے بتایا۔

"تم جاگو، مجھے سونے دو۔" تیمور نے کچھ کہے بنا فون بند کر دیا اور میں حیران تھی کہ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ ہمیشہ فون میں ہی بند کرتی تھی کبھی اس نے فون بند نہیں کیا تھا۔ میں حیرت زدہ تھی۔

☆☆☆

عجیب سی بے چینی نے مجھے اپنے حصار میں لیا ہوا تھا اب تو میرا دل عباد کے ساتھ کھیلنے میں بھی نہیں لگ رہا تھا۔ سارا دن میں پاؤں جلی بلی کی طرح چکراتی رہی...... تیمور کے رات کے رویے نے مجھے اپ سیٹ کر رکھا تھا۔ رات کو میں کھانا کھائے بغیر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ رات کو گیارہ بجے تیمور فون کرتا تھا اور میرا دل گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ وقت گزرتا جارہا تھا...... بارہ بج گئے تھے مگر تیمور کا فون نہیں آیا۔ آخر میں نے خود ہی فون کیا مگر فون پاورڈ آف تھا اور پھر ساری رات یہی پیغام ملتا رہا۔

پتا نہیں میری آنکھوں سے کیوں آنسو بہنے لگے تھے۔ ایسی کیا بات ہوگئی تھی جو وہ خفا ہوگیا تھا۔ میری سوچوں میں تو ایسا کوئی وقت یا بات نہیں تھی جو اس کی خفگی کا موجب ہوتی۔ اس طرح تین دن گزر گئے۔ امی سمجھ رہی تھیں کہ میں تیمور کا پروپوزل ریجیکٹ ہونے پر پریشان ہوں مگر ایسا کب تھا ابھی انکار ہوا کب تھا؟ کیا خبر امی نے تیمور سے کچھ کہہ دیا ہو اور وہ اسی لیے فون نہ کر رہا ہو۔ یہ خیال میرے دماغ میں رینگ گیا۔

"نہیں...... ایسا ہوتا تو وہ مجھ سے بات کرتا...... شاید کچھ اور بات ہو؟" شام کے سائے پھیل چکے تھے باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، میں لان میں نکل آئی اور ٹہلتے ہوئے میں تیمور کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی کہ گیٹ پر جیپ آکر رکی، میں ٹھٹک گئی۔ تیمور اندر داخل ہوا تھا۔ مجھے لان میں دیکھ کر وہیں چلا آیا...... مسکراتا ہوا۔

"ہیلو...... رانو......"

"کہاں تھے تم؟" بے قراری میرے لفظوں سے عیاں تھی۔ میرا لہجہ اسے بتا گیا کہ میں کس قدر پریشان تھی۔

"پھانس نکالنے گیا تھا۔" تیمور لان چیئر پر بیٹھ گیا، میں بھی جلدی سے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں، کرنل صاحب کہاں ہیں؟" وہ بولا۔

"میری بات کا جواب دو۔"

"یار چائے تو پلاؤ......" تیمور کا موڈ نہایت خوشگوار تھا۔

"مجھے بتاؤ اچانک کہاں غائب تھے، تمہیں پتا ہے میں کس قدر پریشان تھی۔"

"مجھے پتا ہے۔" تیمور بھرپور طریقے سے مسکرایا۔

"پھر بھی تم نے یہ حرکت کی اور مجھے بتائے بغیر......" میری آواز بھرا گئی۔

"اب تو آگیا ہوں۔" تیمور نے میری بھیگی آنکھوں میں جھانکا۔

"مگر ایسی کیا ایمرجنسی ہوگئی تھی کہ مجھے انفارم نہ کیا پھر تمہارا فون بھی پاورڈ آف رہا۔"

"میں اکمل شاہ سے ملنے گیا تھا۔" تیمور نے بتایا۔

"کیا...... کیوں......؟" میرا حیرت سے برا حال تھا۔

"رانو...... تم نے پوچھا تھا نا کہ میں اکمل شاہ کو جانتا ہوں تو ہاں میں اسے جانتا ہوں، وہ میرے گاؤں کا ہے اور ہم نے ایک ساتھ کمیشن لیا تھا، آج کل وہ کوئٹہ میں پوسٹڈ ہے۔"

"مگر اس کے پاس تم کیوں گئے؟"

"تمہاری باتوں کی تصدیق کے لیے۔" تیمور نے بتایا۔

"واٹ......" میں ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی، مجھے لگا جیسے ہر شے چکرا رہی ہو۔

"سچ بتاؤں رانو...... جب تم نے مجھے اکمل شاہ کے بارے میں بتایا تو میرے دل میں بہت اندر ایک پھانس چبھ گئی۔"

"تم یہ سمجھے کہ میں نے جھوٹ بولا تھا" میری آواز بھی مجھے میری نہیں لگ رہی تھی۔

تیمور نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر اکمل شاہ نے کیا بتایا......؟" میں نے پوچھا۔

"وہی جو تم نے بتایا اور یہ بھی کہ کرنل صاحب نے اس کا پروپوزل ریجیکٹ کر دیا تھا کہ تم چھوٹی ہو۔" تیمور کہہ رہا تھا اور میرے خواب اس حقیقت کی چٹان سے ٹکرا ٹکرا کر زخمی ہونے لگے۔

"تم نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا اور میرے کردار کی گواہی لینے اکمل شاہ تک پہنچ گئے۔ یعنی تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں تھا۔" میرا لہجہ میرا انداز یک دم ہی بدل گیا۔

"یہ بات نہیں ہے رانو۔" تیمور نے کہنا چاہا۔

"یہی بات ہے تیمور حسن، اگر...... اگر اکمل شاہ جھوٹ کہہ دیتا کہ اس کے علاوہ میں نے بھی اسے چاہا تو تم اعتبار کر لیتے۔"

"ہاں......" گہری سانس لیتے ہوئے تیمور نے کہا۔

"اور پھر لوٹ کر نہ آتے۔"

"یہ میں نہیں کر سکتا تھا۔" تیمور نے سچائی سے کہا۔ "کہ مجھے تم سے محبت ہے رانو۔"

"یہ...... یہ محبت ہے جس کے کردار کی گواہی تم دوسروں سے لینے کے لیے اتنا سفر کر کے گئے۔ اس کا مطلب ہے تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں تھا اور نہ ہی اپنے جذبوں پر...... پھر یہ کیسی محبت تھی۔"

"محبت تھی نہیں، مجھے اب بھی تم سے محبت ہے رانو۔" تیمور کہہ رہا تھا۔

"اگر میں کہوں کہ اکمل شاہ نے تم سے جھوٹ بولا ہے تو پھر؟"

"مجھے پتا ہے کہ اس نے جھوٹ نہیں کہا۔" وہ

مسکرایا۔

''یعنی تم میری بات کا اعتبار نہیں کرو گے۔''

''یہ بات نہیں۔''

''نہیں تیمور حسن ...... تم چلے جاؤ...... اب کچھ نہیں رہا میں ایسے شخص کے ساتھ تمام عمر نہیں چل سکتی جسے مجھ پر اعتبار نہیں ہو۔''

''رانو...... کیا کہہ رہی ہو تم؟'' وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''جو آپ نے سنا۔ آئی ہیٹ یو' اتنی گری ہوئی ذہنیت ہوگی آپ کی میں' سوچ بھی نہیں سکتی۔ آئندہ یہاں مت آنا اور نہ ہی مجھ سے ملنے کی کوشش کرنا۔'' میں نے لفظ چبا چبا کر ادا کیے۔

''رانو تمہارا دماغ تو صحیح ہے؟'' تیمور حیران تھا۔

''آج ہی تو دماغ صحیح فیصلہ کر رہا ہے۔''

''تم مجھے بھول پاؤ گی؟'' تیمور نے پوچھا۔

''بھلانا مشکل تو نہیں تیمور حسن ...... میں تمہیں اپنے دل اور یادوں سے نوچ پھینکوں گی۔'' میرا وجود مارے غصے کے لرز رہا تھا پھر میں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اندر آ گئی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے چاروں طرف ریت کے بگولے اڑ رہے ہوں اور گرم ریت میری آنکھوں میں گھسی جا رہی ہو۔ دور دور تک ریت کے ٹیلے ہوں اور سائے کا نشان تک نہ ہو۔

وہ ساری رات میں تڑپتی رہی، سلگتی رہی مگر میری آنکھوں سے ایک آنسو نہ ٹپکا کہ اس شخص کے لیے میں کیوں آنسو بہاتی جس نے میری قدر نہ کی۔ میری محبت کا اعتبار نہ کیا اور اکمل شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کیا سوچتا ہوگا۔ کتنا ہلکا کر دیا تھا تیمور نے مجھے...... میری محبت کو کھ سے بھی ہولا کر دیا تھا۔

میرے خواب کچھ اس طرح بکھرے تھے کہ میں خود بھی ٹوٹ گئی تھی پھر تیمور حسن نے بہت بار مجھے منانے کی کوشش کی۔ فون کرتا تو میں اٹینڈ نہیں کرتی۔ طلحہ بھائی کو اس نے مجھے منانے کے لیے بھیجا۔ ملائکہ بھابی سے ضد کی...... مگر میں نے کسی کی نہ مانی...... وہ بابا سے ملنے آتا اور میں اپنے کمرے میں گھس جاتی۔ امی پریشان تھیں، وہ یہی سمجھ رہی تھیں کہ میں ان کی وجہ سے تیمور سے نہیں ملتی...... تب ایک روز امی نے مجھے کہا تھا۔

''رانیہ خود پر جبر مت کرو۔ میں نے شفقت بھائی کو انکار کر دیا ہے' تم جو چاہتی ہو وہی ہوگا...... تم......''

''میں چاہتی ہوں میرے سامنے تیمور کا نام نہ لیا جائے۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔

کیوں آخر......؟'' امی حیران تھیں۔

''مجھے اس سے نفرت ہے۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''بس نہ سمجھیں تو بہتر ہے، امی میں بے اعتبار شخص کی زندگی میں شامل نہیں ہو سکتی۔'' پھر امی کی گود میں سر رکھ کر میں نے سب کچھ بتا دیا۔

''یہ تو کوئی ایسی بات نہیں کہ تم اپنے دل کے ٹکڑے کر لو۔'' امی نے مجھے سمجھانا چاہا۔

''بس امی میں کسی ایسے شخص کے ساتھ نہیں رہ سکتی جسے مجھ پر اعتبار ہی نہیں ہو اور محبت میں اعتبار پہلی شرط ہوتی ہے، اس رشتے میں اعتبار کو ہم پس پشت نہیں ڈال سکتے۔ پلیز آپ تیمور کو منع کر دیں وہ یہاں نہ آیا کرے' مجھے نفرت ہے اس سے۔''

''سوچ لو بیٹا جنہیں چاہا جائے اُن سے نفرت......'' امی نے کہنا چاہا۔

''مگر مجھے اس سے نفرت ہے، امی میں نے اسے اتنی شدت سے نہیں چاہا' جتنی شدت سے مجھے اس سے نفرت ہوئی ہے۔'' امی نے میرا چہرہ تھام کر میری پیشانی چوم لی اور بولیں۔



پاکیزہ کی قاری عارفہ وقار کی شادی جناب و بیگم مظہر دانش مندی کے بیٹے شاہ زیب کے ساتھ ہوئی

''سوچ لو ایسے فیصلے یک دم نہیں کیے جاتے۔''

''فیصلہ یک دم ہی ہوتا ہے امی...... آر یا پار...... اب میرے سامنے تیمور کا نام نہ لیا جائے ورنہ میں خود کو ختم کر لوں گی۔'' امی ہکا بکا مجھے دیکھنے لگیں۔

پھر میں آذر چاچو کے ہاں گوجرانوالہ چلی آئی۔ زینی کے ساتھ میں بھی میرے دل کی اداسی نہ گئی۔ آخر سب کی کوششیں رائگاں گئیں اور میں ریزہ ریزہ وجود کے ساتھ جیت گئی۔ پھر میں نے سنا تیمور حسن کا ٹرانسفر ہو گیا ہے تو ایک آسودہ سی مسکراہٹ میرے لبوں پر پھیل گئی۔

☆☆☆

میں یک دم ہی بجھ گئی تھی۔ یہ خیال کسی پل بھی میرا پیچھا نہ چھوڑتا کہ تیمور نے میرے کردار کی گواہی اکمل شاہ سے چاہی تھی۔ کیا میں اتنی بے اعتبار تھی۔ کیا میرے جذبے اتنے بے وقعت تھے کہ تمہیں کسی اور کی گواہی کی ضرورت پڑ گئی۔ میں سب کچھ بھولنا چاہتی تھی مگر اپنی بے وقعتی بھلائی نہیں جا رہی تھی۔ رزلٹ کے بعد میں نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ حالانکہ تیمور حسن سے محبت کرتے ہوئے میں سوچتی تھی بس بی' اے سے آگے نہیں پڑھوں گی مگر ہم جو سوچتے ہیں وہ ہوتا کب ہے۔

تیمور حسن کا ساتھ چھوٹا تو میں نے پھر کبھی کسی پر اعتبار نہیں کیا۔ وقت گزرتا گیا اور ایم اے کرتے ہی میں نے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر لی۔

زندگی نہایت سکون سے گزر رہی تھی کہ آمنہ آپا نے ان پُرسکون لمحوں میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ ان کا دیور تبریز حمید جو انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پچھلے ماہ ہی وطن لوٹا تھا۔ میری بھانجی فرح کی برتھ ڈے پر مجھے دیکھا تو اس نے آمنہ آپا سے میرا ذکر کر دیا اور آمنہ آپا اس کی ضد پر میرے پاس چلی آئیں۔

''فیصلے کا اختیار رانیہ کو ہے۔'' بابا اور امی نے کہا تھا اور میں نے آمنہ آپا سے سوچنے کا وقت مانگا...... مگر یہ کیا... میں تبریز حمید کے بجائے تمہارے بارے میں سوچ رہی ہوں ہمیشہ کی طرح...... تیمور حسن بارہا سوچا تو دل نے تمہیں باعزت بری کردیا مگر...... مگر میرا دماغ تمہیں معاف نہیں کرسکا۔ جبکہ دل آج بھی تمہارا طرفدار ہے۔ میری انا کو زبردست چوٹ دی تھی تم نے...... مگر چار سال گزرنے کے باوجود آج بھی تم میرے دل کے سنگھاسن پر موجود ہو...... ہے نا حیرت انگیز بات اور...... اور میں آج اعتراف کرتی ہوں، تمہیں تو پتا ہی نہیں ہوگا کہ وہ پاگل مگر... جذباتی لڑکی جسے زعم تھا کہ وہ تمہیں بھلا دے گی تو وہ جھوٹی نکلی مگر...... مگر میں تمہیں کیوں یاد کررہی ہوں۔

''تم نے مجھے بھلایا ہی کب ہے رانو۔'' میرے قریب ہی سرگوشی ابھری۔ میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ ارے یہ آواز تو میرے دل سے آرہی ہے۔ میں مسکرادی مگر میری جلتی آنکھوں سے آنسو ساون کی طرح ٹوٹ کر بہنے لگے اور تب میں نے لمحے کے ہزارویں حصے میں فیصلہ کرلیا آمنہ آپا کی بات مان لوں بقول ان کے میں تبریز حمید کے دل کی خواہش ہوں۔

میں تو اکمل شاہ کے دل کی تمنا بھی تھی اور تیمور حسن کی چاہت بھی...... تیمور حسن میرے دل کی خواہش تھا جو میری آنکھوں کا خواب تھا وہ بے اعتباری کی آگ میں جھلس گیا۔ میں نے تبریز حمید کی ہونے کا فیصلہ کرلیا کہ جو ہم چاہتے ہیں وہ ہمیں نہیں ملتا پھر اُسی کے کیوں نہ ہوجائیں جسے ہم پیارے لگتے ہیں۔ مجھے یقین ہے تیمور حسن میں تمہیں شاید کبھی نہ بھلا پاؤں...... البتہ تمہاری یادوں کو دل کی تہوں میں دفن کرکے اس شخص کے سنگ زندگی گزارنے کے عمل سے گزروں گی جو میرے کردار کی گواہی کے لیے کبھی تمہارے پاس نہیں آئے گا کہ میں اسے کبھی بتاؤں گی ہی نہیں کہ میری زندگی میں کبھی کوئی تیمور حسن بھی آیا تھا جس کی چاہت کے مینہ میں، میں بھیگی تھی۔ میں نے اپنا سیل فون بیڈ سائڈ ٹیبل سے اٹھایا اور آمنہ آپا کا نمبر پش کیا۔ دوسری ہی بیل پر فون اٹینڈ کرلیا گیا۔

''ہیلو......'' دوسری جانب تبریز تھا۔

''آمنہ آپا سے بات کرنی ہے۔''

''وہ فرح کو کھانا کھلارہی ہیں...... میں انہیں فون دیتا ہوں۔''

''رہنے دیں...... بس انہیں میسج دے دیں کہ مجھے ان کی بات منظور ہے۔''

''کون سی بات؟'' تبریز پوچھ رہا تھا۔

''آپ کو پتا نہیں۔''

''پتا تو ہے مگر آپ کے لبوں سے سننا چاہتا ہوں۔'' وہ دھیرے سے بولا۔

''تو سن لیجیے، مجھے آمنہ آپا کے دیور کا ساتھ منظور ہے۔'' میں نے کہا اور تبریز کا جواب سنے بغیر سلسلہ منقطع کردیا۔

میری آنکھیں جل رہی ہیں دل رو رہا ہے۔ دل کے خلاف کوئی فیصلہ کرلیا جائے تو ایسا ہی کرب ہوتا ہے اور میں آج چار سال بعد پھر اسی کرب سے گزر رہی ہوں جب تیمور حسن کو چھوڑا تھا۔

''سنو تیمور حسن! میں نے تمہیں اپنے دل کا خون معاف کیا۔ ہاں میں نے تمہیں معاف کیا۔'' میرا رُواں رُواں انہی جملوں کی گردان کررہا ہے اور آنسوؤں سے میرا چہرہ تر ہورہا ہے کہ بعض محبتیں بہت رُلاتی ہیں...... اور تیمور حسن کی محبت ایسی ہی تھی...... باہر مینہ بھی ٹوٹ کر برس رہا ہے۔

خربوزے

فرحانہ ناز ملک



''شاقا پاکستان پہنچ گیا۔'' خبر اتنی غیر متوقع تھی کہ زیبی کا ساٹھ کی دہائی کی فلمی ہیروئن جیسا ردِعمل مین صورتِ حال کے مطابق لگا اس لیے برداشت ہوگیا۔ ورنہ تو کئی جوتے ہمراہ کو سنے خاطر تواضع کے لیے ملتے۔ رات کے کھانے کے لیے روٹی پکانے کا وقت تھا۔ اس خبر کے بعد کہاں کی بھوک...... اور کیسی ڈیوٹی (روٹی پکانے کی) دل کی دھڑکن قابو سے باہر کیا ہوئی سب سے پہلا اثر ہاتھ میں پکڑی توے کو

چومنے کی منتظر روٹی پر پڑا جو پھسل کر نیچے جا گری۔ یہاں جوتا کھلانا بنتا تھا مگر نوبت اور مہلت نہیں مل سکی۔ زیبی نے دروازے پہ لٹکا دوپٹا جھپٹا بلکہ کھینچ کر اتارا...... چرر...... چرر کی آواز کے ساتھ بطور اظہارِ ناراضی آکاس بیل بنا آدھا دروازے سے ہی لپٹا رہا۔ نئے دوپٹے کا یہ حشر دیکھ کر اماں کی آنکھیں ابل آئیں۔ یہاں بھی جوتے سے کمر سینکی جا سکتی تھی مگر وہی مہلت کی کمی!

زیبی ''زیبا بیگم'' بنی آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ لیر و لیر دوپٹے کو انگلی پر لپیٹا۔ پھر دانتوں میں دبایا...... دوپٹے کی شامت تمام ہوئی تو انگلی کی آئی۔ ناخن دانتوں میں دبا کر لہرا کر بل کھانا ہی چاہتی تھی کہ چوک ہو گئی اور ناخن کی جگہ انگلی چبا ڈالی مگر ایسا سحر طاری تھا کہ تکلیف پر پھر کسی وقت رونے کا سوچ کر ابھی لمبی لمبی سانسیں لیں کہ ڈرٹی پکچر کی ودیا بالن کو بھی مات دے ڈالی۔

''تو وہ آ گیا......'' لال انار بنی بہ دقت تمام اپنے عکس سے مخاطب ہوئی اور خود ہی شرما کر ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔ پورے پانچ سال کے جاں گسل انتظار کے بعد اس کا ہیرو، محبوب، منگیتر، اشفاق لوٹ آیا تھا۔ سو ہیروئن جیسے یہ شرمیلے عملی مظاہرے اس پر سج بھی رہے تھے۔

☆☆☆

اِدھر شہزاد کی جان 'وخت' میں آئی تھی۔ ابا نے صحیح معنوں میں ایک ٹانگ پر نچوانے کا باعث بنے ہوئے تھے۔ اشفاق المعروف شاقا کی آمدِ خیر اُدھر ہوئی تھی۔ زلزلہ یہاں آ گیا تھا۔

''اوئے شہزادے!'' عام دنوں میں بھی جب پکارتے لگتا بادشاہ اکبر کی روح سما گئی ہے مگر آج تو جدِ اکبر تک جا پہنچے۔ شہزاد کو تلملانے کے علاوہ کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔ 'شہزاد' کو 'شہزادہ سلیم' بنا کر ابا بھلے ہی شہزادہ سلیم کے 'ابا حضور' کے عہدے تک جا پہنچتے ہوں مگر مقامِ اذیت تھا۔ وہ بے چارہ صرف نام کا شہزادہ رہتا۔ بلکہ نام کا کیا بے نام اور ساتھ میں بے وقعت بھی۔

''یہ لے۔'' ابا نے پیسے تھمائے۔'' مٹھائی کے ٹوکرے بھی ہوں اور مکس مٹھائی کے ڈبے الگ سے بنوانا۔ بانٹنے کے لیے جلیبیاں، نمک پارے اور......'' شہزادے کی تلملاہٹ پر اکتاہٹ اور آخر میں جھنجلاہٹ غالب آ گئی۔ کہاں تو جیب کا منہ سیے رہتے تھے اور آج ہزاروں کے ہزار دیتے ہوئے نہ ہاتھ کانپ رہے تھے نہ دل۔ اسے چند سو تھمانے پر منہ سے کف اڑانے والے ابا اس وقت حاتم طائی سے تھپکیاں وصول کر رہے تھے (غائبانہ)

''شہزادے، دس پندرہ ہار ضرور لانا۔'' ابا کے برابر میں بیٹھی اماں کی فرمائش پر وہ مزید جلا۔

''پھولوں والے کہ پیسوں والے؟'' یہ طنز تھا۔

''میں اور تمہارے ابا پیسوں والے ڈالیں گے۔ باقی پھولوں والے ہوں۔'' شہزادے کا جی چاہا کہ سر پیٹ لے۔

''اماں آپ لوگ شاقے کا استقبال کرنے جا رہے ہیں یا اس کا ولیمہ کھانے۔'' کب تک برداشت کرتا زبان پھسل ہی گئی۔

''تیرے منہ میں خاک...... نیستا مارا......'' ابا نے بھی چپل کھینچ ماری۔ 'شہزادے سلیم' کی شہزادگی منہ چڑانے لگی۔

''تو اتنا کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ لوگ کیا سمجھیں گے؟''

''لوگوں کی ایسی کی تیسی۔'' ابا دھاڑے۔ ''میرا ہونے والا داماد ہے، میں اس کے لیے جو کروں جو چاہوں لوں کوئی ہوتا کون ہے کچھ کہنے والا۔''

''اچھا!'' شہزادے نے ہار مان لی۔ ابا کے آگے جب وہ کچھ نہیں تھا بھلا چنگا کہنے والا، پھر باقیوں کا شمار کس گنتی میں...... پر وہ دل کا کیا کرتا جو ابا' اماں کے اس درجہ خوش ہو کر پیسے لٹانے پر باقاعدہ کراہ ہی نہیں مذاق بھی اڑا رہا تھا۔

''آج پھولوں والے ہار لیتا آؤں...... پیسوں والی مالا اسے شادی پر ڈال لیں گے۔'' ایک آخری کوشش کرنی چاہی تھوڑا کم پاگل بنوانے کی پر بے سود گئی۔

''نہ مجھے بتا تجھے کیوں مروڑ اٹھ رہے ہیں، پیسے تیرے پلے سے جا رہے ہیں تو مت لے۔ ورنہ ڈگریاں نہ دے۔ ایک اکلوتا بہنوئی پانچ سالوں بعد آیا ہے اس کے لیے دو مالیں لیتے تجھے ہول آ رہے ہیں۔'' ہول مالیں لیتے یا مٹھائی کے ٹوکرے لیتے کیا آنے تھے۔ وہ تو اماں کی اس درد بھری تقریر سے ضرور آنے لگے۔ خالی ہول ہی نہیں چکر بھی۔

''یہ تو اشفاق صاحب بنا بتائے سرپرائز کے چکر میں آن ٹپکے۔ جو بتا کر آتے پھر پتا نہیں کیا شاہانہ استقبال کرتے ابا، اماں...... کیا پتا ائرپورٹ تک بگھی لے جاتے...... اور دو رویہ صف میں پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتے۔ کرایے کے خدام الگ کھڑے کرتے۔ تماشا لگ جاتا شہر بھر میں۔''

''اوئے دماغ کدھر ہے تیرا...... ہوش کیوں بھٹک رہے ہیں رات کو پھر جشن تو نہیں منا آیا؟'' ابا سے یہی امید تھی، بات کون سی ہو رہی ہوتی ابا اس کے سرے کہاں جا ملاتے۔ شہزادے نے عافیت کھسکنے میں جانی۔ پیچھے ابا جان اپنا موبائل تو اماں نے پی ٹی سی ایل سنبھال لیا۔ مشرق، مغرب، شمال، جنوب جو جو جہاں جہاں رہتا تھا ہر رشتے دار کو شریکِ خوشی کیا گیا کہ شاقا آ گیا۔

☆☆☆

آئینے کے سامنے لجاتی شرماتی زیبی کی ادائیں تھیں کہ بے اختیار ہوئی جا رہی تھیں۔ اس نے ٹاپ کا پیار اور ساڑھے پانچ سالہ دورانیے کا منگیتر جس کے آسٹریلیا جانے کے بعد اس نے آہیں کم بھری تھیں، ڈینگیں زیادہ ماری تھیں۔ اپنے تو اپنے قرب و جوار کے محلے کی لڑکیاں بھی ان ڈینگوں سے نہیں بچ پائی تھیں کہ زیب النسا کا منگیتر آسٹریلیا میں ہے۔ اور وہ وہاں سے چھوٹا موٹا سامان جس میں سے چھوٹا چھوٹا مال اپنی ماں بہنوں کے لیے اور موٹا موٹا صرف زیبی کے لیے بھیجتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس موٹے موٹے مال کی جھلک آس پاس اور پاس پاس والیوں کو آسٹریلیا یاترا کے ابتدائی پونے دو سالوں تک نظر آئی بعد کے سوا تین سال ویڈیو ختم...... صرف آڈیو پہ گزارہ کرایا زیبی نے۔ یعنی مال کا چہرہ نہیں کرایا صرف خواص بتائے۔

''اور اب میرا اشفاق پورا آسٹریلیا اٹھا لایا ہوگا میرے لیے۔ دیکھ کر جل مریں گی ساری۔'' جلنے مرنے والیوں کا ابھی سے ردِ عمل سوچ سوچ کر چٹخارے لے ڈالے۔

''اور اشفاق خود...... وہ خود کیسا ہو گیا ہوگا۔'' بات تھی تو رسوائی کی مگر تھی سچی کہ سوا تین سالوں میں اشفاق نے مال بھیجنا ہی بند نہیں کیا تھا۔ رابطے کے ذریعے بھی محدود اور مختصر کر دیے تھے اور ان رابطوں میں فوٹو...... شوٹو کی گنجائش شاید نہیں نکلتی تھی۔ ورنہ ضرور بھیجتا...... حالانکہ زیبی کے ہر خط میں پیہم اصرار ہوتا...... اور چونکہ خط بعد کے آخر سالوں میں یک طرفہ ہو گئے تھے۔ سو زیبی اندازہ نہیں کر سکی کہ آیا اس کا اصرار اثر پذیر ہوا یا نہیں۔ چونکہ جواب نہیں موصول ہوتے تھے۔ زیبی نے بے قرار دل کو اس تسلی سے پرسکون کر دیا تھا کہ کیا پتا خط راستے میں ہی کوچ کر جاتے ہوں منزل تک پہنچ پاتے تو کیسے نہ اثر کرتے۔

آئینے میں نظر آتے اس کے عکس پر کچھ یادگار مناظر غالب آگئے تھے۔ زیبی گم صم ان میں کھوگئی۔ وہ بچپن کے پیارے دن (تب بالکل بھی پیارے نہیں لگتے تھے) تب اشفاق بھی پیارا نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ وہ پیارا ہوتا ہی نہیں تھا۔ یہ موٹے موٹے ہونٹ...... باہر کو ابلی بھینسے کے ڈیلوں کا مقابلہ کرتی آنکھیں، ناک کی ہیبت ایسی تھی کہ بہت دماغ لڑانے پر بھی سمجھ نہ آتی کہ کس چیز سے مشابہہ کریں، رنگ کوے سے تھوڑا کم سانولا......مگر بہر حال کالا......اور جسم کے کیا کہنے...... بچپن سے ہی وزن میں خود کفیل تھا۔ سب موٹا، ڈرم، ڈھول جیسے القاب سے نوازتے ......مگر چونکہ محبت اندھی ہوتی ہے اور شکل بنانے والا اللہ......سو اشفاق کی اسی شکل میں بنا کیڑے نکالے زیب النسا کا دل اس پر آگیا۔

وہ دن آئینے میں چھب دکھا رہا تھا جب اشفاق نے ابتدائے محبت کرتے ہوئے ایک طویل و عریض رقعہ بڑی دقتوں کے ساتھ زیبی کو پہنچایا تھا۔ جسے پڑھنے کے بعد زیبی کی سماعتوں میں نہ تو ڈھول بجا اور نہ نظروں کے سامنے کالا کوا پھڑ پھڑایا...بس دل شادمان ہوگیا کہ اشفاق ہی سہی وہ کسی کی نگاہِ التفات کا مرکز تھی۔ خط کو کئی بار پڑھا، چھپنے کی جگہیں بدل بدل کر پڑھا...... اور سنبھال کر رکھنے میں کیسی ہلکان ہوئی یاد کر کے میٹھی سی مسکان ابھی بھی زیبی کے لبوں پر آٹھہری۔

قریبی رشتے داری ہونے کے باوجود بھی محبت کرنے کے لیے چور دروازے اس لیے استعمال کرنے پڑے کہ بہر حال ابا کی دہشت بہت تھی۔ دوسرے عزت و غیرت کا بھی مسئلہ تھا۔ اشفاق کی طرف سے ملنے والے وہ خوشبودار، خوش رنگ پھول، جیولری، چوڑیوں کے تحائف بہانے بہانے سے دینے کے خاص پل ایک دوسرے کے گھر جانا ہوتا تو بڑوں کی نظر بچا کر خاص زیبی کے لیے شاقا کی وہ یادگار خدمتیں...... آدھی کوکا کولا خود پی کر آدھی اس کے حوالے کرنا...... آدھا لڈو پیٹ میں اینٹھن کا بہانہ کر بنا کر چھوڑ دینا...... جس پر زیبی کا 'رزق ضائع نہ جائے' کے عنوان سے درس دیتے ہوئے جھپٹ کر سالم نگل جانا...... اور تو اور وہ یادگار دن جو بھلائے نہیں بھولتا اور جسے بھولنے کو دل نہیں مانتا...... جب زیبی کو اچھا خاصا بخار تھا۔ سب بڑے کمرے میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ اشفاق بھی کسی بہانے موجود تھا۔ زیبی ستے ہوئے منہ کے ساتھ اماں کی ڈانٹ کی پروا کیے بغیر محض اشفاق کی وجہ سے وہاں آبیٹھی تھیں مگر حالت خاصی خراب تھی۔ گھومتا سر اور دھندلائی آنکھیں ٹی وی تو کیا بندوں پر بھی ٹک نہیں پا رہی تھیں۔ سب کا پسندیدہ پروگرام آرہا تھا۔ سب کی توجہ ٹی وی پر تھی۔ کسی کو کیا پتا چلنا تھا۔ خود زیبی بھی لاعلم رہی جب تک کہ پانی کا گلاس اور جسم درد کی مشہور زمانہ گولی چہرے کے سامنے نہیں آگئی۔ زیبی بھونچکا سی رہ گئی۔ اشفاق منتظر کھڑا تھا۔ زیبی نے اردگرد معائنہ کرنے کے بعد فوراً گلاس اور گولی پکڑی اور اچھے بچوں کی طرح نگل لی۔ اب پتا نہیں گولی کوئی خاص کراماتی تھی یا پانی پر دم کیا ہوا تھا...... یا جذبہ بہت کرشماتی تھا، زیبی اگلی صبح بھلی چنگی تھی۔ اشفاق کا یہ فدویانہ بلکہ خدماتانہ نہیں تیماردارانہ طریقہ اس نے اپنی جاننے نہ جاننے والیوں میں سے کس کس کو نہیں سنایا۔

کسی رومانوی داستان کی طرح "قصہ زیبی، اشفاق" بھی مشہور ہوتا گیا۔ اب آئینے میں وہ دن جھلک مار رہا تھا جب غیر متوقع طور پر کہیں سے اس کا رشتہ آگیا اور ابا، اماں نے گویا ہتھیلی پر سرسوں جمائی۔

"نہیں......" اسے خبر ہوئی تو پنجابی فلم کی ہیروئن والی للکار مارتی خود میدانِ عمل میں کود پڑی۔

"میں شادی کروں گی تو صرف اشفاق سے ورنہ کسی سے نہیں۔" ابا، اماں دونوں نیم مردہ ہوگئے۔ اکلوتی بیٹی جس پر لاڈ و شفقت کے خزانے نچھاور کیے تھے اس نے صلہ یہ چاند چڑھا کر دیا۔ ابا اور اماں کو دم بخود کردیا۔ ابا غصے سے چنگھاڑتے رہے۔ اشفاق انہیں بحیثیت داماد کے کہیں سے بھی قبول نہیں تھا۔

"ارے ایک ہی بیٹی میری اس کے لیے چن چن کر بر ڈھونڈوں نہ کہ اس جمعدار پر راضی ہوجاؤں۔ دنیا والے کیا کہیں گے۔ داماد سے شان ہوتی ہے سسر کی، میں اس کو اپنے ساتھ کھڑا کر کے اچھا لگوں گا کیا؟"

"اشفاق سے شادی نہ دنیا نے کرنی ہے نہ آپ نے......" زیبی کی زبان درازی بلکہ بے شرمی نے ابا، اماں دونوں کو سانپ سنگھا دیا۔ گھر میں بہت عرصے تک رہی جنگ کے بعد بالآخر ابا کو ہتھیار پھینک کر اشفاق کو شرفِ داماد بخشنا پڑا۔ ان ہونی یوں ہوئی منگنی کے فوراً بعد شاقے کا رینک بڑھ گیا، وہ آرمی میں کیپٹن کے عہدے تک جا پہنچا۔ ابا کا سینہ پھول گیا۔ جس داماد کے لیے ابا، جمعدار، میراثی جیسے القاب استعمال کرتے تھے آج اس کے لیے رطب اللسان تھے۔ پھر یوں ہوا اشفاق اچانک ہی آسٹریلیا جانے کے لیے پر تولنے لگا۔ اپنی اچھی بھلی جمی جمائی نوکری کو لات مار کے۔ ابا، اماں اس فیصلے پر خوب معترض ہوئے مگر اشفاق کے سر پر جو دھن سوار ہوئی تو اتر کر نہ دی۔ نہ جانے کیسی عجلت سوار تھی کہ شادی کرنے کا بھی ٹائم نہ ملا اور اشفاق صاحب یہ جا وہ جا...... پیچھے زیبی آسٹریلیا اپنی رخصتی کے خیالوں میں اتنی مگن ہوئی کہ پانچ سالہ انتظار کوفت زدہ کم اور خوشگوار زیادہ لگا۔

"زیبن...... اری او زیبن......" نا معلوم آئینے میں ابھی اور کون سی فلم چلنی تھی کہ اماں کی اس کراری سی پکار نے سارے مناظر گڈمڈ کردیے۔

"کتنی بار کہا ہے کہ زیبی کہا کریں۔ زیبن سے لگتا ہے جیسے بیٹی کو نہیں کام والی ماسی کو پکار رہی ہیں، کون ہے جو مانے۔" خاصی بدمزہ ہوتی، پھٹے دوپٹے کو جھٹکتی زیبی ناچار کمرے سے باہر جانے لگی۔ حالانکہ ابھی دل کہاں بھرا تھا خود سے باتیں کرنے سے۔

☆☆☆

باہر نکلی تو نئے مناظر تھے۔ اماں کی سہیلیاں، اس کی سہیلیاں اور وہ رشتے دار سنگی بیلی جنہیں شاقے کے گھر ہار پھول سمیت ہونا چاہیے تھا۔ یہاں آرہے تھے۔ شور، ہنگامہ، قہقہے، مبارک بادیں...... کسی میلے کا گمان ہو رہا تھا۔ اماں، ابا کے بس میں نہیں تھا سب کی مبارک بادوں کے جواب میں دھمال ڈالنا شروع کردیں۔ زیبی کا تھوڑا تھوڑا منہ بن گیا۔ خاندان والے منہ اٹھائے یہاں کیوں آگئے تھے۔ اُدھر شاقے کے گھر جاتے۔ ایسا بلکہ اس بھی برا منہ شہزادے کا بنا ہوا تھا۔ اسے شاقے نے جاتے وقت اتنا نہیں رُلایا تھا جتنا اس کی آمد پر آنسو نکل رہے تھے۔ وہ بھی صرف اس کے کیونکہ "وخت" مصیبت میں تو وہی آیا ہوا تھا۔ جو دوڑیں وہ لگا چکا تھا شاقے کی قدم بوسی کی تیاری میں وہ ایک طرف...... جوان مفت خورے رشتے داروں کی مہمان نوازی کی وجہ سے اب لگنے والی تھیں وہ سوچ کر دھاڑیں مارنے کو دل کر رہا تھا۔

"کرامت بھائی...... شاقے کی آمد پہ پہلی مبارک باد کا حق آپ کا ہے۔" یہ ابا کی پھوپھو زاد بہن تھی۔

"معلوم ہے جمیلہ بہن...... مبارکیں قبول......"

"آخر تم نے پانچ سال جی داروں کی طرح انتظار کیا...... بیٹی جیسا پہاڑ صبر سے بٹھائے رکھا، بیٹی کے سر میں چاندی آگئی پر رشتے کے لیے یہاں وہاں تاک جھانک نہیں کی۔" زیبی کا ہاتھ بے اختیار اپنے سر پر گیا۔

''بوتل کے منہ والی..... کالی زبان، پھوڑے نکلیں تیرے حلق میں، سر سفید ہو تیری کلموہیوں کا۔ خوشی کے موقع پر بھی وار خالی نہ جانے دینا...... میری جدی پشتی دشمن......'' ابا کی چچیری بہن پر صرف زیبی نے ہی نہیں اماں نے بھی دل کھول کر جوابی گولے پھینکے۔ مگر صرف نظروں سے کہ یہ بےموقع گولہ باری لفظوں کی شکل میں ہوتی تو رنگ میں بھنگ پڑ جاتا۔ جس کا نقصان انہیں ہی ہوتا۔

''ہم نے سوچا شاتے کے گھر تو جانا ہی جانا ہے۔ پہلے اس گھر کی مٹھائی کھاتے جائیں۔''

''کیوں نہیں، کیوں نہیں، بڑیاں مٹھائیاں۔'' ابا کچھ زیادہ ہی خوش تھے۔

''اوئے شہزادے......'' اور شہزادہ پھڑک گیا۔ اتنی بڑی خاندانی پلٹن کی سیوا کا سوچ کر ہی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے۔

''شہزادے پتر کی طبیعت ماڑی (خراب) لگ رہی ہے۔'' یہ اماں کے خاندان کا تھا کوئی۔

''کیوں شہزادے...... کوئی گیس شیس تو نہیں ہو رہی پیٹ میں۔ تو بچپن سے ہی معدے کا مریض ہے۔'' رشتے کی چاچی زرینہ نے کیا حکیمانہ تجزیہ کیا تھا۔ اُن کا یہ نظری ایکسرے شہزادے کا دل جلا گیا۔

''ایویں ای...... پیدائش رونی شکل ہے، محتاجوں والی۔'' بڑا ظالمانہ بیان آیا تھا۔ اماں اور شہزادے نے بلبلا کے کہنے والی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ مگر محض خون کے گھونٹ پی لینے پر اکتفا کیا۔ اسی رنگ میں بھنگ پڑنے کے ڈر سے۔

''جا میرا شیر...... رس گلوں کے چار پانچ ڈبے بھاگ کر لے آ......''

''میرے لیے برفی کا......''

''گلاب جامن بھی ہوں۔'' شہزادے نے ...قاتلانہ تیوروں سے فرمائشی پروگرام نشر کرنے والوں کو دیکھا اور ہنوز جم کے کھڑا رہا کہ جیب خالی تھی۔ پیسے ملتے تو جاتا۔

''بھئی ہم نے سوچا...... یہاں سے کھانا شانا کھا کر شاتے کے گھر ایک ساتھ چلیں گے۔ مل جل کر جائیں تھوڑا رونق پڑے گی۔''

''کھانا!'' زیبی کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے۔

''اور نہیں تو کیا..... شاتے کے گھر کھا کے جان کا دشمن نہیں بننا۔ یاد ہے پانچ سال پہلے والی دعوت جب شاقا جا رہا تھا۔ اس کی اماں نے پچے شوربے پر ٹرخایا تھا۔ جس میں گنتی کی چار بوٹیاں تھیں وہ بھی بساند ماری۔ کھا کر ہفتہ پورا الٹیاں کرتی رہی تھی میں۔''

''تو خالہ تمہارے سر پر کیا ملک الموت کھڑا تھا جو اس کچے پکے سالن کو بھی نہیں چھوڑا۔'' زیبی کا جی برا ہونے لگا۔ ایک خالصتاً ذاتی خوشی جسے وہ جی بھر کر انجوائے بھی نہ کر سکی تھی۔ دوسروں کی نظر ہو گئی۔

''زیبی......'' اماں نے پچکارا تھا اور ایسا وہ تب کرتیں جب کام نکلوانا ہوتا۔

''اٹھ جا میری شہزادی......'' یہ مٹھاس خالصتاً سیاسی تھی وہ سمجھ گئی تھی۔ اسے کچن میں جا کر اس برات کا بھوجن تیار کرنا ہے۔

''اماں...... میں ایک کلو، دو کلو جتنی مرغی، سالن پلاؤ پکا سکتی ہوں، دیگ نہیں، آپ کسی دیگی کا انتظام کر دیں اپنے زبردستی کے مہمانوں کے لیے۔'' اس نے بلا تردد سرخ جھنڈی دکھا دی۔ اچھی مصیبت تھی، شاقا وہاں...... برات یہاں۔

''یار شہزادے...... تو ابھی تک نہیں گیا؟'' اونگھتا ہوا شہزادہ ابا کی چنگھاڑ پر ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

''مان لے کرامت بھائی...... مجھے بچے کی طبیعت اچھی نہیں لگ رہی۔'' قبل اس کے کہ زرینہ چاچی کا ڈاکٹری مشاہدہ طول پکڑتا شہزادے نے لمبے لمبے ڈگ بھر کر کمرے سے نکل جانا چاہا کہ ابا کی گرج پھر قدموں کی زنجیر بن گئی۔

''شہزادے......'' پھر رخِ روشن قریب بیٹھے اعجاز چاچے کی طرف کر کے بولے۔ ''کیا خیال ہے کوسٹر ٹھیک رہے گی یا ہائی ایس؟''

''کیوں ابا؟'' شہزادے کو الجھن ہوئی۔

''اوئے ناسمجھ...... شاتے کے گھر نہیں جانا کیا؟''

''ویگن یا کوسٹر پر؟'' شہزادے کو غش آنے لگے۔

''ناں تو ہوائی جہاز پر۔'' ابا نے تمسخر اڑایا۔

''کوچ نہ لیتا آؤں؟'' اس نے تمسخرانہ پن سے طنز کی گولی چلائی۔

''نہیں، ہائی ایس ٹھیک رہے گی۔'' طنز نہ سمجھتے ہوئے ابا نے نسبتاً چھوٹی سواری پر قناعت کی۔

شہزادہ گہری سانس لے کر دروازے کی جانب مڑا۔ آج پکا یقین تھا کہ سارے شہر میں اشتہار لگ کر رہنا ہے۔ گھر والے فیملی فرنٹ کا کردار ہو گئے تھے۔ قریب ہی شاتے کی کالونی تھی اور.... یہاں ویگن منگوائی جا رہی تھی۔

''لوگوں نے پاگل ای اوئے کہہ کہہ کر پتھر نہ مارے تو میرا نام بدل لینا...... بلکہ رکھ لینا شہزادہ سلیم۔'' منہ ہی منہ میں بدبداتے ہوئے شہزادہ کمرے سے جانے ہی لگا تھا کہ ہال میں رکھا ٹیلی فون بج اٹھا۔

''فون ہے شہزادے۔''

''یہ بھی میں اٹھاؤں؟'' وہ پلٹ کر رونکھا ہوا۔

''اٹھا ہی لو......'' ابا کا حکم تھا، ماننے ہی بنی۔ مرے مرے قدموں کے ساتھ فون کی طرف بڑھا۔ اماں کی سہیلیاں، زیبی کی سہیلیوں اور رشتے داروں کی بھانت بھانت کی بولیاں فون بجنے میں لامحالہ وقت......

''وے چپ......'' شہزادے نے جوں ہی ریسیور اٹھایا۔ اماں کی کراری آواز نے ایک پل میں سب کو چپ کرا دیا۔ اِدھر شہزادہ بھی ہیلو کے بعد دوبارہ نہ بول سکا۔ تادیر ریسیور کان سے لگائے بس کھڑا کا کھڑا رہا۔ اردگرد سے بیگانہ، خود سے بیگانہ۔

''بات سن حسینہ......'' زرینہ چاچی، شہزاد کو نظر میں رکھے اماں کے قریب کھسکیں۔ ''سویرے شہزادے کو ڈاکٹر کے پاس ضرور لے جانا۔ مجھے لگتا ہے وٹ پڑ رہے ہیں لڑکے کے پیٹ میں۔ پہلے پیلا ہو رہا تھا۔ اب دیکھ سفید پڑ گیا۔''

''تیری تو میں اگلی پچھلی نسل کو سفید پڑتا دیکھوں، اللہ کی بلا بن کر پیچھے ہی پڑ گئی میرے معصوم کے۔'' اماں نے ایک بار پھر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھائے اور کراری آواز میں گرجیں۔

''کیا ہوا شہزادے...... مورت کیوں بن گیا؟ کسی نے فون میں سے ہی پھوکا مار دیا کیا؟ نام بتا کون ہے میں بھی اس کو فون پر سیدھا کروں۔'' شہزادے نے خالی خالی نظروں سے اماں کو دیکھنے کے بعد آہستگی سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

''پرویز چاچا کا۔'' شہزاد نے اشفاق المعروف شاتے کے باپ کا نام لیا۔

''ہائیں......!'' اماں حیران ہوئیں۔ ''اس نے منتر پھونکا۔''

''ہاں۔'' شہزاد کی پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی۔ اماں اور زیبی دونوں کا ماتھا ٹھنکا۔

☆☆☆

جتنی کوئیک سروس بیش بہا خوشی کے اظہار دکھانے میں کی گئی تھی۔ اس سے الٹ منتر کے مندرجات سن کر ردعمل دکھایا گیا۔ بےیقین اور نافہم مگر بہر حال یقین تو آنا ہی تھا۔ ایک شاتے کے ابا کی ہی

کیا...... ایک کے بعد ایک آگے پیچھے کئی کالیں وصول ہوگئی تھیں۔ شاقے کے گھر کے بغل میں بیٹھے بیگ صاحب کی جو ابا کے بھی اچھے رفیقوں میں سے تھے۔ اماں کی گاڑھی، بہن جیسی سہیلی خالہ شبنم...... جن کا آنا جانا اشفاق کے گھر بھی تھا۔ یہی نہیں شہزاد سے چھوٹے جواد کا دوست عظیم...... جس کا بڑا بھائی اشفاق کا دوست تھا اور خود زیبی کی ایک جلی ککڑی سی نام نہاد سہیلی سفینہ جس کی بھابی کا میکا اشفاق کے محلے میں تھا۔ سب نے ایک ہی منتر پھونکا۔

''اشفاق آگیا...... ایک نہیں چار بن کر...... گوری میم کے ساتھ گورے ساس سسر بھی ساتھ لایا ہے۔'' اور اب جیسے سب نیم مردہ سے ہوئے بیٹھے تھے۔

جو رشتے دار مبارک بادیں دینے آئے تھے۔ وہ صبر کی گٹھریاں تھما کر ہیڈ لائن کی تفصیل سننے یقیناً اشفاق کے گھر گئے تھے۔ یہی زمانے کا چلن ہے منہ پر کس کا پیٹھ پیچھے کھسکا۔ یہ انتہائی غیر متوقع خبر سن کر اماں فوراً دھاڑیں مار مار کر رونا شروع ہوئی تھیں۔ زیبی سے دھاڑیں تو کیا ایک آنسو بھی نہیں ٹپکایا گیا۔ وہ بس اسی یقین میں کہ سننے میں سماعتیں دھوکا کر گئیں ہیں ورنہ اشفاق یہ ظلم کیسے کرسکتا ہے۔ چپ اور گم صم ایک ایک کا منہ تکتی رہی۔ کچھ دیر قبل خوشی کے مارے گھر بھر میں بھونچال لانے والے ابا اب بالکل خاموش ہوچکے تھے۔ ایک دم سے ماحول بدلا تھا مگر کیفیت اتنی جلدی تھوڑی بدلنی تھی۔ ابھی چند ثانیے قبل اتنے سرشار، ایسے خوش کہ شہر کا شہر فتح کرلینے پر آگئے تھے۔ اب ایک دم سے کیسے یقین کرلیتے کہ وہ خوشی محض لمحے بھر کی تھی...... ریت کی طرح ہاتھوں میں آتے ہی پھسل گئی۔ تبھی تو بنا کوئی ردِعمل ظاہر کیے...... فی الحال تو چپ کے چپ رہ گئے۔

''یہ کیا کیا شاقے نے...... ہائے پانچ سال کے انتظار کا درد کیوں دیا...... نہیں کرنی تھی پہلے انکار کردیتا...... زیبی کے آئے رشتے تو نہ ٹلتے۔''

''شاقے نے تمہاری نہیں، ہماری بیٹی کو دکھ دیا ہے۔ ہم اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ غضب خدا کا رشتے داری تک کو نہ دیکھا۔''

''میں تمہارے ساتھ ہوں کرامت...... میرے لیے پرویز کے گھر کا دانا پانی حرام...... میرا اس سے جو تعلق تھا آج سے ختم......''

''ہائے ہائے زیبی...... میری بچی زیبی رخصت ہونے سے پہلے اجڑ گئی۔ ہائے اجڑیں تجھے اجاڑنے والے۔''

''اب کون آئے گا معصوم کا ہاتھ مانگنے...... کون آئے گا درد بانٹنے۔''

رشتے داروں نے سینہ کوبی کرکے دھاڑیں مار کے۔ میچ میچ کر آنسوؤں کے نام پر دو قطرے نکال کے بہتیری کوشش کی، اماں نہ سہی ابا...... چلو ابا نہیں تو شہزادہ ہی غیرت پکڑ کر اندر کی کھولن زبان سے نکالے تاکہ شاقے کے گھر نشر کرنے کے لیے رپورٹ مل جائے۔ مگر یہاں سوائے اماں کی دھاڑوں اور ہچکیوں کے کچھ نہ ملا۔ رشتے داروں کو مایوس ہوکر جاتے ہی بنی۔

☆☆☆

''اوئے شاقا جانتا نہیں ہے۔ اس نے کس کی پیٹھ پر چھرا گھونپا ہے۔ کرامت شیر کی بیٹی ردکی ہے اس نے کوئی معمولی گناہ نہیں کیا...... میں اس کی......''

''ابا...... ابا...... حوصلہ کریں، برداشت سے کام لیں۔'' ابا کو سنبھالنے میں شہزاد کی سانس چڑھ گئی۔ وہ جو ناقابلِ یقین اور نافہم سی کیفیت حملہ آور ہوئی تھی۔ وہ بس تب تک حاوی رہی جب تک تماش بین رشتے دار احباب یہاں موجود رہے۔ اِدھر انہوں نے گیٹ پھلانگا اُدھر ابا کا حوصلہ، برداشت، صبر تمام ہوا اور یہ تو طے تھا۔ انہوں نے شاقے کو کم سے کم کالے پانی کی سزا دے کر رہنی ہے۔

''اوئے دفع کر برداشت کو...... اس نے میری مرغی چوری کرکے ذبح...... نہیں کی جو میں برداشت کروں۔ اس نے میری بیٹی دھتکاری ہے۔ میری عزت کو للکارا ہے۔''

''عزت نہیں غیرت کو۔'' اماں ابھی بھی سسک رہی تھیں مگر لقمہ دینا نہ بھولیں۔

''میں نے اس کی اگلی سات پشتیں ہلا دینی ہیں۔ تو دیکھ تو سہی میں کرتا کیا ہوں۔'' عزائم ایسے تھے جیسے ابھی بندوق سمیت شاقے کے گھر چڑھ دوڑیں گے۔ شہزاد حقیقتاً دہل گیا۔

''ابا بس کریں۔ چپ بہتر ہے۔ لوگوں کو ہنسنے کا موقع ملے گا۔''

''ایک تو میں تیری اس دنیا خونی سے بڑا عاجز ہوں۔ اوئے بے غیرتا، اوئے بزدلا...... کیسا بھائی ہے تو۔ بہن کے ارمانوں کا خون ہوگیا ہے۔ تجھے لوگوں کی پڑی ہے۔ جا جا کر برقع پہن کر بیٹھ جا۔ تیرا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اوئے جو کام تجھے کرنا چاہیے تھا وہ میں کررہا ہوں، ڈوب مر۔'' بنا قصور کے شہزادہ رگیدا گیا۔ اس لیے برا بھی بے حساب لگا۔ بہن کے ارمان مٹی میں مل گئے۔ اب ضروری تھا وہ بھی ابا کی طرح سلطان راہی بن جاتا...... لال لال ڈیلوں میں قہر بھرے چھاتی ٹھونکتا شاقے کو للکارتا۔

''یہ تو ہے ہی کمزور دل...... شودا...... میرا جواد ہوتا تو...... تو لوگ دیکھتے کیسے باپ کا سایہ بنتا۔'' اماں ایک اور ڈرامائی ہچکی کے بیچ بولی تھیں۔ جواد سب سے چھوٹا بیٹا اسلام آباد میں پڑھنے کی غرض سے تھا۔

''میں ایک ہی کافی ہوں۔ جواد نہ شہزاد...... میں ایک سب پہ بھاری ہوں۔'' شہزاد نے دزدیدہ تو اماں نے فخریہ ابا کو دیکھا تھا۔ شہزاد کو یقین سا ہوچلا اشفاق کے گھر کسی ایک نے ابا کے ہاتھوں لڑھک جانا ہے۔ اس کی گوری میم نہ سہی ساس سسر میں سے ہی کوئی ایک۔

''میں دیکھتی ہوں، میری بیٹی کے مقابلے میں وہ کس ہیر کو بیاہ کر لایا ہے۔ میں نے بھی اپنی بیٹی پندرہ دن میں نہ بیاہی تو حسینہ نام نہیں میرا۔'' اس وقت منہ پر ہاتھ پھیرتی اماں پوری کی پوری دیو داس فلم کا حصہ لگیں۔ پارو کو چند دنوں میں رخصت کرنے کا عظم دُہراتی...... شاہ رخ کی بے وفائی سے بدحال ایشوریا کی ماں۔

☆☆☆

''کمی...... کہاں رہ گئی......؟'' وہ گم صم ناقابلِ یقین کیفیت یہاں بھی چھٹ گئی تھی۔ زیبی اس وقت پھر سے ''زیبا بیگم'' بنی وحید مراد کے فراق میں آنسو بہا رہی تھی۔

''کیا میں کم صورت تھی؟'' وہ سوچ رہی تھی۔ ایک ایسی بات جس پر سوچنا اس کا دردِ سر کبھی رہا ہی نہیں تھا۔ کیونکہ صورت کے ساتھ وہ لفظ کم کبھی لگاتی ہی نہیں تھی۔ وہ اپنے آپ کو خوب صورت ہی گردانتی تھی۔ اب بھلے اس کی اس سوچ پر لوگوں کو تحفظات ہوں۔ بہرحال وہ ایک پُرکشش لڑکی تھی۔ جس کی دلکشی بہت سوں کو چونکا سکتی تھی۔

''شاید نصیب میں کمی رہ گئی۔'' تھک ہار کر ایک لمبا سا ہوکا (آہ) بھرا۔ اور بیڈ پر گر کر جی جان سے ماتم کرنے لگی۔ آج کی رات شبِ فراق لازمی منانی تھی کہ دل بے اختیار ہوا جارہا تھا۔ پانچ سال سے زیادہ عرصہ ایک بندے کو دل اور دماغ پر سوار رکھا تھا اب ایک دم سے جدا ہوتا...... اذیت ہی اذیت تھی۔

☆☆☆

''بس کیا بتاؤں کرامت یار......'' کچن میں کام کرتی اماں کے کان بیگ صاحب کی آواز پر لگے

تھے۔ جو ڈرائنگ روم میں ابا سے ہمکلام تھے چونکہ بیگ صاحب، اشفاق کے ہمسائے تھے اور قصہ بھی اُدھر کا چھیڑے ہوئے تھے۔ سو اماں کو دماغ روٹی کی طرف کم اور بیگ صاحب کی طرف زیادہ لگانا پڑ رہا تھا۔

''شاقے کا سسر کل منہ اندھیرے چڈی بنیان پہن کے گلی میں بیٹھکیں لگا رہا تھا۔''

''ہی......'' اماں کا ہاتھ روٹی کے بجائے توے پر جا پڑا۔ ایسی شرم آئی روٹی بھول کر منہ پر دوپٹا رکھ لیا۔ گویا شاقے کا سسر اسی حلیے میں سامنے آ کھڑا ہوا ہو۔

''اب تم جانتے ہو اپنی کالونی کے کتوں کو۔ اچھے بھلے بندوں کو دیکھ کر بھونکتے ہیں۔ کچھے والے کو کیسے چھوڑ دیتے۔'' اماں کی روٹی جل گئی۔ زیبی کے سوگ کا آج تیسرا دن تھا۔ اماں کو صحیح معنوں میں اس کا سوگ کھلا۔

''خدا جھوٹ نہ بلوائے...... جس نے نہیں دیکھا اس نے کچھ نہیں دیکھا۔''

''کیا...... کچھے والا؟'' ابا کے استفسار پر اماں نے ''اوئی'' کہتے ہوئے پھر سے منہ ڈھانپا۔

''اوہو...... وہ سین، وہ منظر بلکہ تماشا...... ہماری گلی سے شیخ انور کی گلی...... وہاں سے جامع مسجد ...... جامع مسجد سے سیدھا پتھر بازار...... آخر میں کبوتر منڈی...... سسر جب گھر پہنچا سچ کہہ رہا ہوں سورج نکل چکا تھا۔ دھوپ سر پر تھی اور تمہاری بھابی دوپہر کا کھانا تیار کرنے میں لگی تھیں۔''

''توبہ توبہ...... کتوں نے ناس مار دیا بے چارے کا۔'' اماں کو قدرے افسوس ہوا۔

''خالی دوڑیں لگوائیں یا کتوں نے کچھ نوچا بھی۔'' ابا البتہ مزہ لے کر بولے تھے۔

''ہاں نوچا...... جو پہنا ہوا تھا۔''

''کیا بنیان؟''

''نہیں چڈی......'' کھانے کی ٹرے لے کر اماں نے بھی عین اسی لمحے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تھا مگر بیگ صاحب کے اس جملے نے انہیں الٹے پیر پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

''تم دیکھو تو سہی بابے کو۔ چھ بندوں جتنا ایک بندہ ابوالہول لگتا ہے پورا...... یہ تاڑ جتنا قد...... اور کئی من گوشت...... کمزور دل والے نہ دیکھیں اسے۔'' ابا نے خشمگیں نظروں سے بیگ صاحب کو دیکھا۔

''پہلی بات تو مجھے اس کے جثے کا کیوں بتا رہا ہے دوسری بات کمزور دل والے کسے کہا؟''

''تجھے تو نہیں کہا۔'' بیگ صاحب گڑبڑا گئے۔

''میں تو یہ کہہ رہا تھا تیرے میرے جیسوں کے سامنے گینڈا لگتا ہے۔ ایک ہاتھ مارے ہم سیدھے بستر پر۔'' ابا نے ایک بار پھر قہر آلود گھوریاں واریں۔

''تجھ سے کس نے کہا میں اس سے دنگل لڑنے جا رہا ہوں؟'' اب کے قہر لہجے میں سمٹ آیا۔ بیگ صاحب سر کھجانے لگے۔

''بات کرتے کرتے پٹڑی بدل لیتا ہے۔ ایسے خوامخواہ بھابی تجھے اپنے جلال کا نشانہ نہیں بنائیں۔''

''ارے یار......'' بیگ صاحب نے کھسیا کر کچھ کہنا چاہا مگر اب ابا کا انجن چالو ہو چکا تھا۔ رکنا ناممکن تھا۔

''ابے مجھے بتا...... اس کو چودہ ٹیکے لگے ہیں کہ نہیں۔ یا کتوں نے خالی شہر ہی گھمایا؟''

''یار نیک بندہ ہے بچ گیا...... بلکہ مفت میں آدھا شہر بھی دیکھ آیا ہے۔''

''نیک بندہ......'' ابا کے گلے میں دونوں لفظ پھنس گئے۔

''تو کھڑا ہو جا......'' پھر ایک دم سے اجنبی بنے بیگ صاحب کو باہر کا راستہ دکھانے پر آ گئے۔

''پر کیوں......؟ بیٹھا نہیں اچھا لگ رہا......'' بیگ صاحب اپنی نشست سے ذرا جو ہلے ہوں۔

''بیٹھا کیا تو کہ ابھی اچھا نہیں لگے گا، تو بس دفع ہو جا...... نیک بندہ...... ارے تجھے اس انگریز ہاتھی میں نیکی کہاں سے نظر آ گئی...... اس نے جو ایک گناہ میری بیٹی کی جگہ اپنی بیٹی دے کر کیا...... وہی اس کی آخرت پلید کر چکا، تجھے کہاں سے وہ نیک نظر آ گیا؟''

''یار میرے۔'' بیگ صاحب نے دونوں ہاتھ جوڑ کر باقاعدہ ماتھے سے ملا کر زچ ہوتے ہوئے کہا۔ ''منہ سے نکل گیا۔ واپس منہ میں ڈالتا ہوں...... تو جنون میں نہ آ اور پوری بات سن......'' ابا جو وفورِ جوش میں کھڑے ہو گئے تھے منہ پھلائے ناچار بیٹھے...... ورنہ بیگ کی جگہ کوئی اور ہوتا گریبان پکڑ چکے ہوتے۔

''بھلے کتوں نے چیرا پھاڑا نہیں پر آدھا شہر ایتھلیٹ بن کر گھومنے کے بعد پٹھے اکڑ گئے...... پیٹ میں گول سا چکرانے لگا۔ پنڈلیوں کی رگیں تن گئیں...... اسپتال دیکھنا باقی تھا۔ سو اب وہی دیکھ رہا ہے۔''

''مطلب؟''

''مطلب بے ہوش ہو گیا تھا جب گھر واپس پہنچا...... اس دن سے اسپتال میں ہے۔ جاگتے سوتے کتے نظر آ رہے ہیں بے چارے کو۔''

''ہاہاہاہا......'' یہاں ابا نے بڑا جیتا نہ سا قہقہہ لگایا۔ بالآخر کلیجے میں ٹھنڈ پڑی تھی۔ ان کے انتقامی ارادوں کی زد میں آنے والے کرداروں میں سے ایک کردار کو سبق...... مل چکا تھا۔

''مجھ سے اچھے تو کتے ہیں۔'' مارے خوشی کے دماغ ایسا کھسکا کے جو بولے...... اسے بول کر بھی نہ سمجھے کہ کیا بولے۔

غزل

امروز لحۂ فرصت میں ملنا ہم سے
کر گیا وہ اِک بہانہ ہم سے
کیا اس بات سے ڈرتے ہو تم
کہے گا کیا، یہ زمانہ ہم سے
چل گیا یہ سحر تمہارا
آنکھوں ہی آنکھوں میں کھیلنا ہم سے
دعا ہے یہ میری رب سے
کہ نہ تم بچھڑنا ہم سے
یوں نہیں تو سپنوں میں ہی
کبھی تو مل جانا ہم سے
کچھ معلوم ہے تم کو بھی امینؔ
کہ چاہتے ہیں وہ پیچھا چھڑانا ہم سے

شاعر: محمد امینؔ

مرسلہ: میمونہ عزیز، کراچی

''یہ تمہیں بہت دیر سے پتا چلا۔'' بیگ صاحب نے اطمینان سے ان کے کہے پر مہر لگائی، وہ پھر بھی نہ سمجھے۔

''چل فیر اس خوشی میں تجھے ٹاٹ کھانا کھلاؤں...... شہزادے کی ماں...... کدھر گم ہو...... کھانا لگاؤ۔'' ابا کی آواز کھنک رہی تھی۔ اماں فرمانبردار بیویوں کی طرح جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگیں۔

☆☆☆

زیبی بظاہر سنجیدہ و رنجیدہ بنی سب کے بیچ بیٹھی تھی۔ سہیلیاں دل جوئی کم کر رہی تھیں، نمک زیادہ چھڑک رہی تھیں۔ اماں کے ہاتھ کے بنے لذیذ آلو والے پراٹھے ندیدے پن سے کھائے جا رہے تھے۔

اس معاملے میں زیبی کسی سے پیچھے نہیں تھی۔

''اچھا تو میں کیا بتا رہی تھی؟'' مردانہ وار ڈکار مارنے کے بعد سندس کو یاد آیا کہ وہ کوئی ضروری بات بھی کر رہی تھی۔ زیبی نے جان بوجھ کر بے پروائی ظاہر کی حالانکہ دل میں پیچ و تاب کھانے میں لگی تھی سندس کے جہازی سائز نوالوں پر جو اس کے بولنے میں آڑے آ رہے تھے۔ جبھی تو وہ ''شاقا اور آسٹریلین ووہٹی'' فی الحال موقوف کر کے پیٹ کا ایندھن بھرنے میں لگی تھی۔

''وہی داستانِ زلیخا۔'' شینا بھی پراٹھوں سے فارغ ہو چکی تھی زور آور جوش دکھانے میں پوری جان لگائی۔

''ہاں اس کی بیوی...... روزا...... ہماری زیبی کے مقابلے میں ''یہ'' ہے۔'' سندس.... نے ''یہ'' کی شکل انگوٹھا دکھا کر ظاہر کی۔ زیبی کو بے پروائی ترک کرنی پڑی۔ تھوڑی ٹھنڈی پھوار برسی تھی اندر کہیں۔

''میں نے جب پہلے پہلے اس کو دیکھا...... مطلب فرسٹ ٹائم...... یقین کرو...... میں سمجھی شاقے کی ساس ہے۔'' زیبی کا منہ اور آنکھیں دونوں کھل گئیں۔

''شکر ہے میں نے اس کو نانی، آنٹی کچھ پکارا نہیں۔''

''شکل کی کیسی ہے؟'' زیبی نے اب کی بار پورے تجسس سے پوچھا۔

''شکل میں کیا رکھا ہے، جب تمہیں بتا رہی ہوں شاقے کی اماں جتنی ہے..... اور گوری چمڑی کے علاوہ کچھ نہیں اس کے پاس..... ہماری کام والی کی شکل اس کے مقابلے ایشوریا ہے، لکھ کر دے دوں.....'' لڑکیاں شاقے کی عقل پر ماتم کرنے لگیں۔ جس نے دلکشی کا پیکر زیب النسا کو چھوڑ کر پیروں پر کلہاڑی ماری تھی پر زیبی کو نہ اس کی عقل پر ماتم کرنے کا خیال آ رہا تھا نہ اپنی کم مائیگی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے اندر تو کوئی زندگی سے بھرپور قہقہے لگانے میں مگن تھا۔ گویا دل پر چھائی کثافت اتر گئی تھی۔

☆☆☆

اماں ان کا نکتہ بنی ہوئی تھیں۔ اور ارد گرد ان کی ہجولیاں صفورا، شبنم، زرینہ، صابرہ، فہمیدہ اور عزیزہ کسی سبق کی طرح ''شاقا نامہ'' سنا رہی تھیں۔

''بھلے شاقا غلط ہو، پر ایک بات ماننے کی ہے، اس کی سسرال ہے بڑی ظرف والی۔ سیما کے لیے سارا جہیز شاقے کی بیوی کے پیسوں سے بنا ہے۔'' صفورا کی اس اطلاع کو اماں ہضم نہیں کر پائیں۔ کر بھی کیسے سکتی تھیں کہ اس میں ''روزا'' کی تعریف آ رہی تھی۔

''ہاں...... ہاں بھئی شاقے کی شادی نے تو گھر کا گھر بدل دیا۔ ہم سمجھ رہے تھے یہ ہن شاقے کی وجہ سے برس رہا ہے۔ یہ حقیقت تو اب جا کے کھلی۔ شاقے کی تنخواہ اتنی نہیں جتنی دولت اس کی بیوی کے پاس ہے۔ اس کی بیوی کے دم سے اُن کے گھر لکشمی اتری ہے۔ سیما کا جہیز اتنا ہے کہ تین ٹرک کم پڑ جائیں۔ یہ تو روزا کی دین ہے۔ اور سنو شاقے کی ساس نے الگ، سسر نے الگ اٹیچی بھر بھر نقد دیا ہے۔ باقی گھر والوں کے تحفے بھی بے حساب۔ شاقے سے چھوٹے عرفان کا بھی ویزا لگوا رہے ہیں شاقے کے سسرالی، اس کو بھی وہیں بلوا لیں گے کہہ رہے تھے سیما اور اس کے شوہر کو بھی شادی کے بعد وہ کیا ہوتا ہے...... ہنی مون...... اس کے لیے وہیں لے جائیں گے۔'' اماں کی ناگواری بتدریج حیرت کے سمندر میں بڑھتی گئی۔ اب یہ حالت تھی کہ کوئی چٹکی بھی کاٹ لیتا اماں کو اثر نہیں ہونا تھا۔ وہ منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے آسٹریلیا کی سیر کو جا چکی تھیں۔

''ہم نے تو انگریز بیویوں کے الٹے چلتر دیکھے تھے۔'' زرینہ چاچی نے منہ بنایا۔ ''وہ حفیظ بھائی کا، موگرا ضیا لندن والی جو لایا تھا ایک سال بھی نہیں ٹکی تھی۔''

''وہ لندن والی تھی، یہ آسٹریلیا والی ہے۔ اس پہ تو دیکھو تین سال سے شاقے کے ساتھ ہے۔''

''تین سال......'' اماں کے انہماک میں کچھ خلل ہوا۔

''ہاں تین سال...... ایک بیٹا بھی ہے۔'' یہ نئی اور اذیت بھری اطلاع تھی۔ اماں کا چہرہ دھواں دھواں ہونے لگا۔

''یہ پرویز بھائی اور ناصرہ جب پچھلے سال گئے تھے آسٹریلیا شاقے کے بلاوے پر تب سے ان کو پتا لگ گیا تھا۔ شاقے کی شادی اور بچے کا۔ اب جا کر باتیں کھول رہے ہیں کہ واپس آ کر چپ سادھ لی کہ اشفاق خود آ کر سب بتائے گا ہم کیسے بتاتے......'' اماں کے اندر آندھیاں چلنے لگیں۔ شاقے کے اماں ابا کا پچھلے سال آسٹریلیا سیر کو جانا ان کے علم میں تھا۔

''اچھا بس...... حسینہ! اب تو دل پر مت لے۔ شاباش بہادر بن......'' عزیزہ کو ترس آ گیا تھا اماں کی حالت دیکھ کر۔

''ظلم کیا انہوں نے۔'' اماں کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔ ''تب بتا دیتے بیٹے کے کرتوت تو آج حالات ایسے نہ ہوتے۔ کیا پتا میری زیبی کی اس سے بھی اچھی جگہ شادی ہو جاتی۔''

''اوہو...... وہ تو اب بھی ہو جائے گی اللہ کرے گا، تو دیکھنا تو سہی۔ پتا بھی نہیں چلے گا۔''

''سیما کو شاقے کی دلہن نے ہیرے کی انگوٹھی بھی دی ہے۔'' صفورا نے قدرے تیز آواز میں موضوعِ کلام ٹوٹی ہوئی جگہ سے جوڑ کر سب کو پھر دم سادھنے پر مجبور کر دیا۔

''ہیرے کی انگوٹھی!'' اماں دوسری سانس لینا بھول گئیں۔

''ہاں، ہاں اور سنو...... کچھ ابھی باقی ہے۔''

''شاقے کی ووہٹی فر فر پنجابی بولتی ہے۔ اس کے ماں باپ کو بھی آدھی ادھوری آتی ہے۔ شاقے کے ماں باپ بہو پر واری صدقے جا رہے ہیں۔ کہتے ہیں آسٹریلیا میں بھی اس نے ان کو بہت سکھ دیا تھا۔ پرویز اور روزا جب کام کے لیے نکلنے لگتے تو روزا گھر میں فلمیں، شلمیں منگوا کر انہیں دے جاتی کہ وہ بور نہ ہوں۔ سیر کے لیے بھی خود لے جاتی۔''

''اب سیما کی شادی کے لیے آئے ہیں؟'' کسی نے پوچھا۔

''ہاں...... اکلوتی بہن جو تھی۔ شاقے نے تو آنا ہی تھا۔ ساتھ بیوی...... اور ساس، سسر کی بھی رونمائی کر دی۔'' باتیں نہ جانے اور کتنی دیر تک رہی تھیں۔ حیرت انگیز حد تک اماں کے اندر کی کلفت، نامعلوم کیفیت میں بدلنے لگی تھی۔ وہ پوری طرح گم صم تھیں۔

☆☆☆

کم و بیش اسی قسم کے قصیدے ابا تک بھی ضروری مدعے کی صورت پہنچنے لگے۔

''شاقے کی ووہٹی نے گھر کا آوا بدل کر رکھ دیا ہے۔ بڑی ملنسار اور فیاض ہے۔ شاقے کا سوہرا تو اپنا یار ہو گیا سمجھ۔ روز رات گئے تک صوبیدار کی بیٹھک میں ہمارے ساتھ بیٹھا رہتا ہے۔ اس کی رنگ برنگی پنجابی خوش کر دیتی ہے۔ پورا زور لگا رہا ہے آسٹریلیا واپس جانے تک سیکھ جائے اور تو اور وہ جو سرائیکی جکھڑ ہے اپنا یار...... اس نے تو آسٹریلوی سوہرے کو دو کا پہاڑہ یاد کروانے میں دن رات ایک کر دیے ہیں۔ یار تم سنو نا اس سے سرائیکی زبان میں دو کا

پہاڑہ...... ہنس ہنس کے پیٹ میں درد کروالو...... بڑا بیبا بندہ ہے۔ سیدھا سادہ...... جتنی بار لڈو کی بازی ہارا ہے، اتنی بار کڑھائی، چرغے اور پیس کھلائے ہیں اور سن...... صدر الدین کا بیٹا سیڑھیوں سے گر گیا تین دن ہوئے...... علاج کا خرچہ سوہرے نے دیا۔"

"کیوں...... اس کا مفت کا مال ہے؟" ابا نے انگارے چلائے تھے۔

"مفت کا ہو یا محنت کا...... اس نے تو صدر الدین کی مدد کی۔"

"جسے اللہ توفیق دے......"

"سوہرا کہہ رہا تھا میرے تیمور کو آسٹریلیا بلوائے گا۔"

"میرے اشعر کو بھی کہا وہاں لے جانے کا۔" ابا یہاں ہونق بنے ایک ایک کا منہ دیکھنے لگے تھے۔

☆☆☆

بالآخر وہ چیز آگئی جس کا انتظار سب کو تھا مگر صرف اندر خانے یعنی دل میں ایک دوسرے کے سامنے بے پروائی ظاہر کی جاتی یعنی سیما کی شادی کا کارڈ...... جو جب ملا سب سے پہلے ابا فارم میں آئے۔ خوب گرجے دھاڑے...... گھر کی چھتیں تک ہل گئیں۔

"کوئی نہیں جائے گا۔ کوئی جائے گا بھی کیسے...... ارے ان بے شرموں کو ہمیں کارڈ بھیجتے شرم بھی نہیں آئی۔ سوچا بھی کیسے ہمیں بھیجنے کا اور سوچ کیسے سکتے ہیں ہم جائیں گے ان کی بیٹی کی شادی میں ارے پیٹھ پیچھے وار کیا ہے انہوں نے میں چھوڑوں گا کب...... قیامت تک بدلہ لوں گا۔ سات پشتیں کانپیں گی میرے نام سے۔" پھر کارڈ گیا اماں کے ہاتھ میں وہ گرجیں بھی اور برسیں بھی۔

"ارے ظالموں نے کس منہ سے یہ کاغذ کا ٹکڑا بھیجا۔ خود چل کر آتے ہوئے تلوے دکھتے تھے؟ میری بچی کے قیمتی سال برباد کردیے۔ میں اپنی زیبی کے ہاتھ پیلے کرچکی ہوتی۔ ان ظالموں کے آسرے اتنے سال بٹھائے رکھا۔ ہائے میری کم نصیب بچی...... ہائے میں بد بخت......" زیبی اور شہزاد نے محض گرم گرم تاثرات دکھانے پر اکتفا کیا تھا۔

"کوئی نہیں جائے گا۔" دونوں کے منہ پر لکھا تھا۔

☆☆☆

رات بہت ہوگئی تھی۔ کم از کم ان کے سونے کے وقت سے بہت زیادہ...... اماں اور ابا کی رات ساڑھے نو بجے ہوجاتی تھی مگر اس وقت بارہ بج چکے تھے اور نیند تھی کہ کوسوں دور...... روٹھی محبوبہ بنی کھڑی تھی۔

سیما کی شادی ہونی تھی سو اُن کے بغیر بھی ہوگئی۔ اب ٹھیک تیسرے دن شاتے، اس کی بیوی اور ساس سسر کی رخصتی تھی آسٹریلیا...... حیرت انگیز طور آسٹریلوی سوہرے نے اپنے وعدے پورے کر دکھائے تھے۔ جن جن کے کاغذات یا پاسپورٹ اور ویزے کے مسئلے نہیں تھے۔ وہ سوہرے کی مدد سے آسٹریلیا روانگی کے لیے بس تیار تھے۔ ان سب کے گھر والوں کے قدم زمین پر ٹک ہی نہیں رہے تھے۔ گویا شاتے کی شادی سے کوئی خسارے میں نہیں رہا تھا۔

"کیا واقعی......؟" کرسی پر جھولتے تھکے ماندے ابا نے بجھی بجھی آنکھوں سے بیوی کو دیکھا۔ پوری آنکھیں کھولے دور کہیں خلاؤں میں گم تھیں نصیب کے چکر تھے۔ شاتے کی یہی شادی ان کے لیے خسارہ ہی خسارہ لائی تھی۔

☆☆☆

ڈرائنگ روم میں اتنے نفوس جمع تھے کہ اچھا بھلا ڈرائنگ روم تنگ پڑ رہا تھا۔ مہمان تو مہمان گھر کے بھی سبھی افراد ڈرائنگ روم میں جمع تھے...

معیت، جس کی نظریں بار بار بھٹک کر روزا پر پڑ رہی تھیں۔ سب نے جھوٹ بولا تھا روزا تو واقعی "روز" تھی بہت کامنی اور معصوم سی۔ زیبی تو اس کے مقابلے خانہ بدوشوں کی لڑکی نظر آرہی تھی اور وہ کالا موٹا شاتا...... وہ تو نیا نکور ہوکر آیا تھا۔ اتنا اسمارٹ اور ٹھیک ٹھاک گورا...... شاتے کے ساس، سسر البتہ خوب موٹے تازے تھے۔ شاتے کے اماں، ابا...... اور جن کی دعوت کے بہانے ان سب کو خاص الخاص بلایا گیا۔ یعنی سیما اور اس کا دولہا۔

"چاچا آپ نہیں آئے میرا دل ذرا بھی نہیں لگا شادی میں۔" یہ سیما تھی۔ منہ بسور کر بلکہ منہ پھاڑ کر بھتیجی والی محبت کیا جتلائی ابا قربان ہوگئے۔

"بس دھیے ہوگیا ناں...... دیکھ اب تیرے چاچے نے کیسی خوشبوؤں والی دعوت کی ہے تیرا گلہ دور کرنے کے لیے۔" اب یہ اللہ جانتا تھا یا ابا اور گھر والے کہ گلہ کیا دور کرنا...... انہوں نے خسارہ دور کرنا تھا۔

"لے بھئی اب دوستیاں کوئی ایسے بھی چھوڑی جاتی ہیں۔ معمولی باتوں پر۔" شاتے کے ابا نے گلے لگا کر کہا۔

"اور نہیں تو کیا...... قسم لے لو حسینہ تمہارے بغیر میں نے سیما کے ولیمے کا زردہ بھی نہیں چکھا۔ سب کہہ رہے تھے آفت زردہ تھا کسی کے ولیمے کا ایسا نہیں پکا۔"

"تو میں کون سا خوش بیٹھی تھی۔" دونوں امائیں گلے مل کر نہ تھکیں۔ ابا بھی شاتے کے ابا سے بھینچ بھینچ کر ملے۔ شہزاد نے بھی شاتے سے ملتے وقت خوب گرمجوشی دکھائی تھی۔ یہی نہیں ابا نے شاتے کے بیٹے کو ہزار کا نوٹ تو اماں نے سیما اور روزا کو ہزار، ہزار تھمائے...... ابا نے بطورِ خاص سوہرے سے جن کا نام "عباس" تھا مگر آسٹریلوی سوہرا پیار میں مشہور ہوگئے تھے۔ سرائیکی میں دو کا پہاڑہ سنا۔ سوہرا صاحب سرائیکی میں دو کہنے پر جو ہلکان ہوئے...... جملہ حاضرین کے سن کر پیٹ میں گرہیں پڑ گئیں۔ وہ قہقہے کہ چھت لرز اٹھی۔

دمکتے رنگوں والے چہرے کل تک کیا تھے آج کیا ہوئے بیٹھے تھے۔ "خسارہ" جب کسی کو نہیں ہوا تھا شاتے کی شادی کا تو ابا جیسے بندے کو کیوں قبول ہوتا جو دو اور دو کو بائیس کردینے میں مشہور تھے۔ اُن کے کاروباری ذہن نے اسی رات پینترا بدلا تھا۔ جب محلے والے شاتے کے توسط سے آسٹریلیا جاسکتے تھے تو ان کا شہزاد کیوں نہیں...... ان کا حق محلے والوں سے زیادہ بنتا تھا۔ شہزاد آسٹریلیا چلا جاتا...... گھر کے سب مسئلے زیبی کی شادی سمیت حل ہوجانے تھے۔

"پتر...... اس گدھے کے لیے تم خود "روزا دھی" جیسی وہٹی ڈھونڈ کے بیاہ دینا۔ یہ تو اپنی ماں جیسی ہی لاسکتا ہے بس۔" دعوت آخری مراحل میں تھی جب ابا نے یہ کہہ کر گویا سب سے بڑی خواہش کو زبان دی۔ یعنی بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔

"چاچا فکر نہ کریں، روزا جیسی ہی ڈھونڈوں گا۔" ابا اور اماں ہی نہیں زیبی بھی ہلکی پھلکی ہوگئی۔ شہزاد کو فی الحال شرمانے سے فرصت نہیں تھی۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ آسٹریلیا پھر آسٹریلین بیوی، آسٹریلوی ساس، سسر...... بہن کا...... آنکھوں کو چندھیاتا جہیز...... اور چھوٹے بھائیوں کا بھی غیر ملک محفوظ مستقبل یہ خوبیاں بلکہ فائدے ابا اماں کے گھر بھی دھرنا مار سکتے تھے اگر وہ زیبی والا خسارہ پرے پھینک کر حقیقت شناس بنتے۔ شہزاد جب آسٹریلیا میں کمانے لگتا زیبی کا رشتہ زیادہ بہتر جگہ ہوجانا تھا۔ یعنی سودا نفع مند رہا۔ شاتے اور اس کے سسر نے شہزاد کا... ویزا...... ٹکٹ سارا خرچہ خود برداشت کرنا تھا۔ یہاں سب خربوزے ہیں مان لیں۔

&



زندگی میں جہاں رشتے ناتے اور روابط بہت اہم ہوا کرتے ہیں ...وہیں ایک دوسرے کے مثبت رویے بھی کسی خاندان کے لیے مضبوط ستون کا درجہ رکھتے ہیں... مگر ہمیں بہت سے لوگ، بہت سے مواقع ایسے ضرور ملتے ہیں ... جب محبت دستک دیتی ہے ...اور اس کی خوشبو میں روشنی کی تابناکی بھی ہوا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ... مکر وفریب ... سفاکی اور تنگ نظری کے سائے ...ازل سے محبت کرنے والوں کے دشمن رہے ہیں اور زندگی بھی یہی ہے کہ کبھی کبھی تڑپ کی دگی بھی حکم کے آگے کو کاٹ دیا کرتی ہے ...

زندگی

ناہید سلطانہ اختر

نوک شمشیر پہ یوں ہم نے گزارے لمحے
کانچ کی آنکھوں سے خوابوں کا گزر ہو جیسے

ہماری مایہ ناز مصنفہ ناہید سلطانہ اختر کے قلم سے ایک شاہکار ناول

جس کی سطر سطر میں زندگی سفر کرتی نظر آئے گی



گزشتہ اقساط کا خلاصہ

دولت خان آفریدی تھے اور ماہتاب شنواری...... دولت خان کی پہلی منکوحہ بی بی جان تھیں۔ بی بی جان کی پہلی شادی دولت خان کے بڑے بھائی رحمت خان آفریدی سے ہوئی۔ رحمت خان اپنے ساتھ بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے ان کے بعد پانچ بہنیں اور پھر دولت خان تھے۔ رحمت خان سے بی بی جان کے دو بیٹے ایاز خان اور ارباز خان تھے۔ دولت خان اپنے بڑے بھتیجے ایاز خان کے ہم عمر تھے۔ رحمت خان کو دل کا دورہ پڑا تو بی بی جان کی عدت کے بعد روایت کے مطابق ان کا عقد ثانی دولت خان سے کر دیا گیا۔ دولت خان کو اس نئے رشتے سے ایسی شرم آئی کہ وہ بغیر بتائے کراچی آ گئے اور آٹھ نو سال ایک پلمبرنگ کے استاد کے پاس رہے۔ پھر ایک ریکروٹنگ ایجنسی کے توسط سے کویت جانے کا موقع مل گیا۔ استاد کے کہنے پر ان کی بیٹی ماہتاب سے شادی کر لی۔ ماہتاب نے پرائمری اسکول میں نوکری کی اور بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر دولت خان کا ہاتھ بٹایا۔ دولت خان پردیس میں راہی ملک عدم ہو گئے مگر ماہتاب نے انتہائی حوصلے سے حالات کا مقابلہ کیا۔ بڑی بیٹی نایاب کو ڈاکٹر بنایا اور اچھا رشتہ آنے پر اس کی شادی کر دی۔ بہجت خان الیکٹریکل انجینئر تھا اور ایک پرائیوٹ ادارے سے وابستہ تھا۔ بہجت کی بیوی ارم، ماہتاب کی ایک کولیگ کی بھتیجی تھی۔ حجاب نے ایم اے بی ایڈ کیا اور وہ ایک محکمہ تعلیم میں سولہ گریڈ کی آفیسر تھی پھر پبلک سروس کمیشن کے توسط سے خود کو ہیڈ مسٹریس کی اسامی کا اہل ثابت کیا۔ ایک ثانوی تعلیمی ادارے میں حجاب کا تقرر کیا گیا۔ رباب انجینئر بننے جا رہی تھی۔ نایاب کے دو بیٹے تھے اور بہجت کی ایک بیٹی تھی انعم۔ ماہتاب اب چاہتی تھیں کہ حجاب کی شادی ہو جائے۔ تقدیم کی اماں سولہ سال سے معذور تھیں اور ابا کینٹ بورڈ میں ملازم تھے۔ تقدیم، تمہید، تسنیم، تعظیم اور تقدیس پانچ بہنیں اور ایک بھائی مونس تھا۔ اماں کی معذوری کی وجہ سے تمہید نے پڑھائی چھوڑ دی اور ان کے ساتھ گھر میں رہتی۔ تقدیم ابلاغ عامہ میں ماسٹر کرنے کے بعد ایک این جی او سے وابستہ تھی۔ تسنیم یونیورسٹی میں شعبہ نفسیات کی طالبہ تھی مونس فوج میں تھا۔ اپنی نند حمیرا کی بیٹی خوش بخت سے مونس کی شادی کرنے کا ارادہ تھا اماں کا...... بیٹیوں کے جوڑ کے رشتے نہ آنے کی وجہ سے کسی کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ تسنیم یونیورسٹی میں ایک سال جونیئر مدثر میں انوالو تھی۔ عبادالرحمٰن پانچ سال کا تھا جب ابو کا ایک ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا۔ تایا جی نے چالاکی سے آبائی گھر سے بے دخل کر کے انہیں گھر بھیج دیا۔ حجاب امی کے لیے جوتے لینے جاتی ہے تو وہاں الطاف کو وہ پسند آ جاتی ہے اور وہ اپنی بہنوں کو حجاب کے گھر رشتے کے لیے بھیجتا ہے۔ مونس کے بیچ میٹ عقیل ہمدانی کے ماموں صبور احمد اسلام آباد میں مقیم تھے۔ عقیل کے ساتھ مونس کا ان کے گھر جانا ہوتا ہے۔ صبور احمد اور طاہرہ کے دو بیٹے منصور اور طہور اور بیٹی عائزہ تھی۔ مدثر اور تسنیم کا عشق شدت اختیار کر رہا ہے۔ عبادالرحمٰن کے سیٹل ہونے کے بعد ننھیال ددھیال والے اپنی بیٹیوں کے لیے عباد کی آس لگا رہے تھے لیکن وہ خاندان میں کسی سے شادی کرنے کے لیے تیار نہیں۔ حجاب اپنے لیے آنے رشتے کے لیے استخارہ کرتی لیکن اس کے خواب سے امی مطمئن نہیں ہوتیں اور رشتہ طے کر دیتی ہیں۔ مدثر، تسنیم کو کورٹ میرج کے لیے زور دیتا ہے، عقیل چھوٹی پر جاتا ہے تو صبور احمد مونس کو عائزہ کی برتھ ڈے کے لیے بلاتے ہیں، تقدیم، تسنیم کے موبائل پر مدثر کے میسج پڑھ لیتی ہے اور سب کچھ ابا کو بتا دیتی ہے، تسنیم یونیورسٹی کے بہانے مدثر کے ساتھ جا کر کورٹ میرج کر لیتی ہے، مدثر اسے اپنے دوست نادر کے گھر لے جاتا ہے نادر کی بیوی ثریا بڑے عجیب انداز میں ان کا استقبال کرتی ہے۔ تسنیم، تقدیم کو میسج کر دیتی ہے کہ اس نے کورٹ میرج کر لی ہے۔ حجاب، تقدیم کے آفس آ کر اسے اپنے نکاح میں انوائٹ کرتی ہے۔ تقدیم ابا کو بتاتی ہے کہ تسنیم نے کورٹ میرج کر لی ہے۔ مدثر یونیورسٹی جانے سے پہلے تسنیم سے مل کر جاتا ہے تو یونیورسٹی میں تقدیم کو اپنا منتظر پاتا ہے۔ تقدیم، مدثر سے کہتی ہے کہ اگر وہ تسنیم کو بھیج دے تو وہ لوگ اپنی عزت بچانے کی خاطر کچھ لوگوں کو بلا کر اس کی رخصتی کر دیں گے۔ حجاب کے نکاح کی تقریب گھر کے بجائے الطاف کے کہنے پر فائیو اسٹار ہوٹل میں ہوتی ہے۔ تقدیم آنے سے معذرت کر لیتی ہے۔ مدثر، تسنیم سے گھر جانے کی کہتا ہے تو وہ انکار کر دیتی ہے۔ الطاف نکاح کی تصویریں لے کر آتا ہے تو حجاب یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ کچھ تصویروں میں الطاف کا سر غائب تھا جیسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ نکاح کے بعد الطاف دبئی جانے سے پہلے حجاب سے کہتا ہے کہ اس کے جانے کے بعد اگر لوگ کچھ الٹی سیدھی اڑانے کی کوشش کریں تو اس پر یقین نہ کرنا حجاب اس بات پر پریشان ہو جاتی ہے۔ تقدیم کے گھر میں مدثر کی کال کا انتظار ہوتا ہے مدثر، تسنیم کو بھیجنے کی حامی بھر لیتا ہے اور پھر اپنی والدہ کو اپنی کورٹ میرج کے بارے میں بتاتا ہے۔ زیتون نے تقدیم کے لیے عباد کا رشتہ بتایا تو اماں رضامند ہو گئیں کہ وہ لوگ لڑکی کو دیکھنے آ جائیں۔ حجاب اسکول سے واپس آتی ہے تو بیل بجتی ہے اور دو عورتیں ایک بچے کے ساتھ آتی ہیں جن میں سے ایک خود کو الطاف کی بیوی بتاتی ہے۔

اب آگے پڑھے۔

نوجوان عورت نے بچے کو جس بھی مقصد یا حکمت کے تحت دہلیز پر ڈالا تھا امی کو اچھا نہ لگا۔ جی میں آیا اس سے کہیں ”بی بی! شوہر کے خلاف تمہیں کیسی ہی شکایت کیوں نہ ہو بھی اپنی اولاد کو یوں دوسرے گھر کی دہلیز پر ڈالا جاتا ہے بھلا۔“ لیکن اپنے دل کی بات زبان پر لانے کے بجائے انہوں نے جھک کر دہلیز پر پڑے بچے کو گود میں اٹھایا اور اسے اس کی ماں کی گود میں دیتے ہوئے بولیں۔

”آئیں آپ لوگ اندر آ جائیں۔“ امی کو خدشہ تھا کہ آس پڑوس سے کوئی کن سوئیاں لینے کو نہ نکل آئے۔

دونوں عورتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں طے پایا کہ اندر جانے میں کوئی حرج نہیں۔

”غلام صدیق گاڑی ایک طرف کر لو۔“ معمر عورت نے ڈرائیور سے کہا۔ دونوں اندر آ گئیں۔

امی نے دروازہ بند کیا اور حجاب کا ہاتھ تھامے دونوں خواتین کو گھر کی بیٹھک میں لے آئیں۔

”پانی لاؤں؟“ امی نے اُن کے بیٹھ جانے کے بعد پوچھا۔

”پلا دیں۔“ معمر عورت نے کہا۔

”امی نے دروازے کا رخ کیا۔ حجاب بھی ان کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکل آئی اور کچن میں آ کر نڈھال سی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ریفریجریٹر سے ٹھنڈی بوتل نکالتے ہوئے امی نے حجاب کو دیکھا۔ ذرا سی دیر میں اس کا چہرہ کچھ سے کچھ ہو گیا تھا۔

”ہمت سے میرا بچہ۔“ امی نے اس کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

”آپ کی بیٹی ہوں امی۔“ اس نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

”ہو سکتا ہے یہ جھوٹ ہی بول رہی ہوں۔“ امی نے اسے دلاسا دینے کو کہا۔

”نہیں امی...... یہ جو کہہ رہی ہیں سچ ہے۔ جھوٹ بولنے والوں کے چہرے اور ہوتے ہیں۔“

امی نے دو گلاسوں میں مشروب انڈیلا۔

”لائیں مجھے دیں۔“ حجاب نے ٹرے خود اٹھائی۔

”تم چلتی ہو؟“

”جی امی...... میرا موجود ہونا ضروری ہے۔“ اس نے ایک پل کو توقف کیا پھر گھائل لہجے میں بولی۔ ”کیونکہ یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔“

”تم ٹھیک تو ہو نا؟“ امی نے اسے ہمدردانہ نظروں سے دیکھا۔

”جی۔“ اس نے مسکرانے اور خود کو بہادر ثابت کرنے کی کوشش کی مگر اس کے دل میں کیسا جوار بھاٹا تھا یہ وہی جانتی تھی۔

بیٹھک میں دونوں عورتیں خاموش بیٹھی تھیں۔ امی نے ٹرے سے اٹھا کر مشروب کے گلاس دونوں کو تھمائے۔ بچہ رویا تو نوجوان عورت نے اسے فیڈ کرنے کی اجازت چاہی۔

”ہاں، ہاں اطمینان سے۔“ امی نے کہا۔

حجاب خالی ٹرے میز پر رکھ کر بیٹھ گئی امی بھی اس کے نزدیک دوسرے صوفے پر آ کر بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر نوجوان عورت نے اس سکوت کو توڑا۔

"میرا نام بسمہ ہے، یہ میری والدہ ہیں۔" اپنے دوسرے جملے پر اس نے دوسری عورت کی جانب دیکھا۔

"مسز رحیم شاہ......" معمر عورت نے اپنا تعارف مکمل کرایا۔

"آپ لوگ آئے کہاں سے ہیں؟"

"ڈیفنس سے۔" مسز رحیم شاہ نے بتایا۔ "الطاف میرا داماد ہے۔"

"اور میرے ہسبینڈ۔" نوجوان عورت نے جتایا۔

امی نے کن انکھیوں سے حجاب کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ اس کے چہرے پر انہیں کوئی غیر معمولی تاثر دکھائی نہیں دیا۔

"مجھے پتا چل جاتا تو میں اسی دن آتی۔" بسمہ نے کہا۔

"تو کیسے آسکتی تھی بیٹا تو تو اس روز لیبر روم میں تھی۔" ماں نے بسمہ کی بات پر اسے ٹوکا۔

"ممی! مجھے پتا چل جاتا تو چاہے لیبر روم سے اٹھ کر آنا پڑتا مجھے، میں آتی اور الطاف کا حشر نشر کر دیتی۔" بسمہ کا لہجہ جارحانہ تھا۔

"آپ کو پتا کیوں نہیں چلا؟" بسمہ، اس کی والدہ اور خود امی نے بھی چونک کر حجاب کی جانب دیکھا۔ اس نے بولنے کی ہمت کیسے کر لی تھی۔ اسے تو صدمے سے سکتہ ہونا چاہیے تھا۔

"الطاف سے ہم لوگوں کی کچھ ان بن چل رہی ہے اس لیے یہ اپنے گھر میں نہیں ہوتی ہمارے پاس آئی ہوئی ہے۔" مسز رحیم شاہ نے بتایا۔

"آپ کو پتا کیسے چلا؟" اب کی بار بھی سوال حجاب ہی کی طرف سے آیا اور اس کے اس سوال نے بسمہ کو دوبارہ یہ پوچھنے پر مجبور کر دیا۔

"تم حجاب ہی ہو نا؟"

"آپ کو کچھ شبہ ہے؟"

"نہیں، نہیں۔" بسمہ خفیف ہوگئی۔ "وہ تو میں تمہارے ہاتھوں پر مہندی دیکھ کر سمجھ گئی تھی۔"

"آپ غالباً حیران ہیں کہ میں کیوں بات کر رہی ہوں۔"

"میں غصے میں آئی تھی لیکن آپ لوگوں کا رونیہ دیکھ کر مجھے اب شرم بھی آرہی ہے۔"

"آپ بے تکلف ہو کر بات کریں۔ یہ جتنا آپ کی زندگی کا معاملہ ہے اتنا ہی میرا بھی ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقت کیا ہے۔ دھوکا دیا گیا ہے تو کس کو کتنا۔" حجاب نے کہا۔

"ہمیں تو کچھ پتا ہی نہیں تھا۔ جب یہ بچہ پیدا ہوا تو ہم نے الطاف کو فون پر اطلاع دی۔ امید تھی کہ اتنی بڑی خبر سن کر وہ دوڑا آئے گا مگر اس نے پلٹ کر نہیں پوچھا۔ دو دن پہلے کسی جاننے والے نے بتایا کہ الطاف تو کسی لڑکی سے نکاح کر کے گیا ہے۔ بڑی مشکل سے آپ لوگوں کے گھر کا پتا چلایا۔"

"کس سے... کس نے بتایا؟" امی نے پوچھا۔

"آنٹی ڈھونڈنے پر آؤ تو خدا بھی مل جاتا ہے۔" بسمہ نے امی کو لاجواب کر دیا۔

"نکاح تو ہوا ہے نا؟" بسمہ کی والدہ نے توثیق چاہی۔

امی نے اثبات میں سر ہلایا۔ بسمہ کی والدہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"ماشاء اللہ آپ کی بیٹی بھی خوش شکل ہے، میں پوچھ سکتی ہوں الطاف کو آپ لوگوں کو اندھیرے میں رکھ کر دوسری شادی کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ میاں بیوی میں ان بن تو ہو ہی جاتی ہے۔" امی نے متحمل لہجے میں کہا۔

"دیکھیں۔" بسمہ نے مداخلت کی۔ "ہم اس وقت ایک اہم معاملے پر بات کر رہے ہیں اس لیے بہتر ہوگا کہ کھل کر بات کریں۔"

"بالکل۔" امی نے تائید کی۔

بسمہ نے بچے کو اپنی والدہ کے حوالے کیا اور سمٹ کر بیٹھتے ہوئے اپنا روئے سخن بیک وقت امی اور حجاب کی جانب کرتے ہوئے بولی۔ "ہر شخص کا ایک ماضی ہوتا ہے لیکن کسی کے حال یا مستقبل کو آپ اس کے ماضی کی وجہ سے برباد کریں تو یہ زیادتی ہے یا تو آپ اس سے تعلق ہی نہیں جوڑیں اور اگر جوڑ لیتے ہیں تو پھر اس تعلق کو انسانوں کی طرح نبھائیں۔ اسے جانوروں کی طرح بھنبھوڑ کر سکنے کے لیے نہ چھوڑیں، یہ بے رحمی ہے...... کیا خیال ہے آپ کا؟" اس نے اپنے آخری فقرے پر امی اور حجاب سے اُن کی رائے چاہی۔

"بالکل ٹھیک۔" حجاب نے برملا تائید کی۔

بسمہ نے سر جھکا لیا اور آہستگی سے بولی۔ "مجھ میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ اپنے گناہ کا اعتراف کر سکوں......" اس نے توقف کیا پھر کہا۔ "الطاف سے میری شادی ہونے سے پہلے میری کسی اور سے انڈر اسٹینڈنگ تھی مگر نہ اس کے گھر والے راضی تھے نہ میرے گھر والے۔ الطاف سے ہماری دور کی رشتے داری ہے۔ اس نے مجھے پسند کر لیا۔ رشتے داروں میں کسی نے اسے بتا دیا کہ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اس کے باوجود الطاف نے مجھ سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد میں پچھلا سب کچھ بھول گئی۔ میں نے الطاف کو عزت دی، تکریم کی، دل میں اس کی محبت کو جگہ دی۔ اس کے ساتھ مخلص رہی۔ اس کے گھر کو اپنا گھر، اس کی ہر چیز کو اپنے پاس اس کی امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کی کوشش کی لیکن الطاف نے مجھے ہمیشہ میرے ماضی کے آئینے میں دیکھا۔ مجھے کبھی وہ اعتبار نہیں دیا جو ایک عورت کا بیوی ہونے کے ناتے ہوتا ہے۔ پریگننسی کے بعد وہ مجھے دبئی سے پاکستان لائے اور یہ کہہ کر مجھے میرے والدین کے گھر چھوڑ گئے کہ یہ میرے لائق نہیں۔" دھیمے لہجے میں بات کرتے کرتے وہ یک لخت بھڑک اٹھی۔

"یہ کہاں کی انسانیت ہے بھئی کہ تم نے ایک لڑکی سے شادی کی۔ اس سے جب تک تمہارا دل چاہا اپنا مطلب نکالا پھر چھوڑ گئے۔ صرف اس لیے کہ تمہیں اس کے ماضی کی ایک کمزوری کا علم تھا۔ کسی کو کیا پتا کہ تمہارا اپنا ماضی کیا رہا؟ کتنی لڑکیوں سے چکر چلایا......! کس کس کو برباد کیا، کوئی سرٹیفکیٹ پیش کر سکتے ہو اپنی پارسائی کا...... زیادتی ہے...... استحصال ہے، میں اسے کنڈم کرتی ہوں اور اپنے حق کے لیے لڑنے نکلی ہوں۔ انجام کی مجھے قطعاً پروا نہیں۔ میرا موقف یہ ہے کہ الطاف کو شادی سے پہلے ہی میرے ماضی کا علم ہوگیا تھا۔ اسے یا تو مجھ سے شادی کرنی نہیں چاہیے تھی اور اگر کی تو نبھانا تھی۔ یہ کیا کہ جب تک آپ کا جی چاہا رکھا اور جب جی بھر گیا تو نکال پھینکا۔ میں اسے چین سے تو نہیں رہنے دوں گی۔"

"میں نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ مرد ہے، چار شادیوں کا حق ہے اسے مگر یہ سنتی ہی نہیں۔" بسمہ کی ممی نے کہا۔

''اتنی آسانی سے نہیں ممی۔'' بسمہ نے ماں کو دیکھا اور جارحانہ انداز میں بولی۔ ''میں ابھی اس کے نکا میں ہوں اور قانون کے تحت وہ مجھ سے اجازت لیے بغیر دوسری شادی نہیں کرسکتا ورنہ سزا اور جرمانہ دینا پڑے اسے...... اس نے جو کرنا تھا کرلیا۔ میں بھی جو کرسکتی ہوں وہ کروں گی۔'' اچانک اس نے حجاب کو براہِ راست مخاطب کیا۔ ''حجاب! ایمانداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ الطاف تم سے نکاح کرنے سے پہلے خود تم لوگوں کو یہ بتاتا کہ اس کی پہلی نہیں دوسری شادی ہے لیکن جس رشتے دار نے ہمیں اس کی دوسری شادی کے بارے میں بتایا اسی سے پتا چلا کہ وہ اور اس کی بہنیں باقی رشتے داروں سے چپ چپاتے لڑکی والوں پر یہ ظاہر کررہے ہیں کہ یہ الطاف کی پہلی شادی ہے۔''

''جس رشتے دار کو یہ پتا ہے وہ دوسروں کو بھی تو بتا سکتا ہے۔'' امی بولیں۔

''اب پتا چل چکا ہے سب کو...... اور میں بھی یہ تہیہ کرچکی ہوں کہ الطاف کو بنا اجازت دوسری شادی کرنے پر سزا ضرور دلوا کر رہوں گی۔ اس کے بعد خود مجھے اس کی طرف سے جو بھی سزا ملے منظور......'' بسمہ کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ حجاب اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے پاس جا بیٹھی۔ امی حیرانی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''ایک بات پوچھوں؟'' حجاب نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

''پوچھو۔'' بسمہ اسے الجھی الجھی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''اس سے کتنا پیار ہے آپ کو؟'' حجاب نے بسمہ کی والدہ کی گود میں اس کے نوزائیدہ بیٹے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

''مت پوچھو......'' بسمہ نے جھک کر بچے کا سر چوما۔

''اس اتنی پیاری اور قیمتی چیز کو آپ نے میرے قدموں میں ڈالنے کی غلطی کیوں کی؟''

''جب کچھ سمجھ میں نہ آئے تو پھر ایسی ہی حرکتیں کیا کرتا ہے انسان۔'' بسمہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''مانا کہ آپ کو الطاف سے تکلیف پہنچی ہے مگر الطاف کا بیٹا ہونے کی اتنی بڑی سزا اس ننھی سی جان کے لیے کسی طور پر مناسب نہیں۔''

بسمہ مزید شرمندہ دکھائی دینے لگی۔

''اچھا ایک بات بتائیں...... اگر میں اس کے باپ سے اپنے نکاح کے جرم میں اسے سنبھالنے پر آمادہ ہوجاؤں تو چھوڑ دیں گی آپ اسے میرے پاس؟'' حجاب نے کہا۔

''اوور مائی ڈیڈ باڈی! وہ شیرنی کی طرح بپھر کر بولی۔ ''اس کا باپ بھی نہیں لے سکتا اسے مجھ سے۔'' اس نے بچے کو نانی کے ہاتھوں سے لے کر اپنے سینے سے لگالیا اور اپنے ہونٹ اس کے سر سے مس کرتے ہوئے حجاب کو کچھ اس طرح دیکھنے لگی جیسے وہ واقعتاً اس کا بچہ اپنی تحویل ہی میں تو لینے جارہی تھی۔ حجاب دھیرے سے مسکرائی۔

''ایسی مشکوک نظروں سے مت دیکھیں مجھے......'' اس نے توقف کیا پھر بولی۔ ''میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میری طرف سے آپ کے حق پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

''حق!'' بسمہ نے کرب سے کہا۔ ''پہلے کون سا کوئی حق تھا میرا...... یہ جاننے کے بعد کہ میں آپ لوگوں سے

ل ہوں الطاف تو مجھے ایک سانس میں تین طلاقیں دے دے گا۔''

''وہ آپ کو طلاق دے یا نہ دے مجھ سے اپنا رشتہ بہرحال توڑنا ہوگا اسے۔''

امی ہڑبڑا کر حجاب کو دیکھنے لگیں۔

''نہیں، نہیں ہمارا یہ مقصد نہیں... اگر الطاف ہماری بیٹی کو اپنے گھر میں نہیں بسانا چاہتا تو ہم تمہارا بستا گھر اجاڑیں۔ اس نے تو کہیں نہ کہیں کرنی ہی تھی شادی۔ بسمہ کا بھی یہ مقصد نہیں، کیوں بسمہ؟'' بسمہ کی ماں نے بسمہ کی طرف دیکھا۔

''ہاں وہ تم سے نہ کرتا کسی اور سے کرتا، دوسری شادی تو اس نے کرنی تھی۔ میں یہاں نہ آتی اگر مجھے یہ پتا نہ چلتا کہ وہ خود کو غیر شادی شدہ ظاہر کرکے دوسرا نکاح کرکے گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں جس طرح اس نے ماضی میں کسی اور کے لیے میری پسندیدگی کے جذبات کو میرے لیے ایک طعنہ بنا کر رکھا اور مجھے ہمیشہ اپنی نظروں سے گرا کر رکھا اسی طرح وہ خود بھی اپنے جھوٹ کی سزا میں ہمیشہ تمہاری نظروں سے گرا رہے۔'' بسمہ کے لہجے میں تلخی تھی، کرب تھا۔

''مجھ سے تو اس کا رشتہ ختم ہوکر رہے گا۔'' حجاب نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''حجاب!'' امی کے لہجے میں محتاط سی تنبیہ تھی۔

''یہ فیصلہ ہے امی۔'' اس نے انتہائی قطعیت سے کہا۔ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب امی کے بجائے وہ خود اپنی زندگی کے لیے کوئی فیصلہ کرنے کا اعلان کررہی تھی۔

☆☆☆

''ایسا نہیں ہوتا...... مفاہمت کے راستے نکالے جاتے ہیں...... سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر زندگی گزرتی ہے۔'' امی نے دونوں خواتین کے جانے کے بعد اسے سمجھایا۔

''میں کوئی مفاہمت نہیں کروں گی امی۔'' اس نے دوٹوک کہا۔

''کیوں، کیوں نہیں کروگی؟'' امی نے تیوری چڑھا کر دیکھا۔

''جھوٹے اور دھوکے باز آدمی کی میری زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔''

''ہوسکتا ہے جھوٹی یہ عورتیں ہی ہوں۔''

''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا...... آپ براہِ راست اس شخص سے یا اس کی بہنوں سے پوچھ لیں۔''

''یہ کہوں کہ تمہاری بیوی اور ساس آئی تھیں۔''

''ان کا حوالہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ یہ بھی کہہ سکتی ہیں کہ کسی ذریعے سے پتا چلا ہے۔''

''پہلے نایاب اور بہجت کو تو بتا دوں۔''

''فون پر مت بتائیے گا۔ گھر بلا کر پوری بات بتائیں۔''

''قائم خان اور ارم کو بھنک نہیں ملنی چاہیے۔''

''کیوں؟''

''ہنسیں گے۔''

''آج نہیں تو کل پتا تو سبھی کو چلے گا۔''

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں اس بات کو زیادہ اچھالنے کے بجائے مفاہمت کرنی چاہیے۔ پہلی بیوی کو تو انہوں نے رکھنا نہیں، رکھنا ہوتا تو ماں باپ کے ہاں کیوں چھوڑ جاتا۔ مرد کے دل میں عورت کی طرف سے ایک مرتبہ بال آجائے تو پھر رشتے میں دراڑ رہتی ہی ہے۔''

''اور اگر عورت کے دل میں بال آجائے؟''

''اسے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔''

''اچھا انصاف ہے بھئی۔''

''عورت کمزور ہے۔''

''یہ آپ کہہ رہی ہیں...... ساری زندگی انتہائی پامردی سے گزارنے والی خاتون......''

''میں اکیلی نہیں تھی۔ تمہارے بابا اور تم سب میری قوت بنے رہے، اکیلی عورت کمزور ہوتی ہے۔''

''آپ اور میرے بھائی بہن ہیں نا، مجھے قوت دینے کے لیے۔''

''عورت کو بھائی، بہنوں سے نہیں شوہر اور اپنی اولاد سے قوت ملتی ہے۔''

دوسرے کمرے میں اس کا موبائل فون بجنے کی آواز سنائی دینے پر امی چونکی سی نظر آنے لگیں۔ ''لگتا ہے تمہارا فون بج رہا ہے۔''

وہ اٹھی اور ذرا سی دیر میں دوبارہ پلٹ آئی۔

''کس کا فون تھا؟'' امی نے پوچھا۔

''اسی کا۔''

''الطاف کا۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا کہہ رہا تھا؟''

''میں نے موبائل آف کر دیا ہے۔''

''کیوں!'' امی چونکیں۔

وہ چپ رہی۔

''کیوں آف کر دیا؟ بات تو کی ہوتی۔''

''کیا بات کرتی امی! اگر بسمہ اس کی بیوی ہے...... جو کہ وہ ہے...... تو میرے پاس کیا جواز رہ جاتا ہے اس سے بات کرنے کا۔''

''تم بھی اس کی بیوی ہو۔ آخر میں بھی تو تمہارے باپ کی پہلی بیوی کی موجودگی میں اُن کی دوسری بیوی بن کر ساری زندگی اُن کے ساتھ رہی۔''

''میرا باپ دھوکے باز نہیں تھا امی...... آپ سے شادی کرنے سے پہلے انہوں نے آپ کے گھر والوں کو سب کچھ بتا رکھا تھا کہ نہیں۔''

''بعض اوقات مجبوریاں ہوتی ہیں جو بتانے نہیں دیتیں۔''

''مجبوری وجبوری کچھ نہیں...... وہ فراڈی ہے...... آج اس نے پہلی بیوی کی موجودگی چھپائی ہے کل نہ

جانے اور کیا کیا چھپائے گا...... اور ہمیں کیا پتا اب بھی اس نے کچھ اور بھی چھپایا ہو ہم سے۔ جھوٹا آدمی بار بار جھوٹ بولتا ہے...... استخارہ کرنے پر مجھے جو خواب نظر آیا تھا وہ بے معنی نہیں تھا امی۔''

''زیادہ باتیں مت کرو۔ پہلے مجھے الطاف اور اس کی بہنوں سے بات کرنے دو۔'' امی نے قدرے ناگواری سے اسے دیکھا۔

وہ خاموش ہو رہی۔ جی چاہ رہا تھا قسمت کی ستم ظریفی پر چیخیں مار مار کر روئے مگر اس نے اپنے دل اور آنکھوں پر ضبط کے پہرے بٹھا رکھے تھے۔ ذہن گنجلک ہو رہا تھا۔ کیا یہ تھے وہ دشمن اور حاسد جن کے بارے میں طال نے اسے دبئی جانے سے قبل ہوشیار کیا تھا۔ یا اسے اپنی سابقہ ساتھی زوباریہ کے بارے میں یہ کہنے کی سزا ملی تھی کہ وہ تو کسی قیمت پر کسی شادی شدہ مرد سے خواہ اس کی بیوی زندہ ہو یا مردہ شادی کرنے کی غلطی نہیں کرے۔ اوہ خدایا...... جو بھی سبب تھا حیات کا یہ رخ انتہائی دل آزار اور دل شکن تھا۔

☆☆☆

سر نہوڑائے وہ کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ مدثر اسے رات کی تاریکی میں یہاں چھوڑ گیا تھا۔ گھر میں کسی نے اسے خوش آمدید نہیں کہا تھا۔ وہ خود ہی اس کمرے میں چلی گئی تھی جو اس گھر کو چھوڑ کر جانے سے پہلے اس کا کمرا کہلایا کرتا تھا مگر آج...... کمرا اس سے بیگانگی کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے چہار اطراف نظر دوڑائی سب کچھ اسی طرح تھا بس وہ اپنی جگہ چھوڑ گئی تھی۔ اپنی جگہ چھوڑ جانے والوں کو واپسی پر جگہ کب ملتی ہے۔

گھر میں ہو کا عالم تھا۔ مدثر اسے دروازے پر ہی ابا کے حوالے کر کے چلا گیا تھا۔ اس نے ابا کو آہستہ سے سلام کیا تھا اور ابا نے بہت سرد لہجے میں اسے سلام کا جواب دیا تھا۔ بس اس کے سوا کوئی بات نہیں ہوئی تھی ابا اور اماں ہی ..... دروازے میں۔ تسنیم تو سلام کرنے کی ہمت بھی نہیں کر سکی۔ گھر کے اندر آئی تو لگا کسی انجان جگہ آگئی ہے۔ ابا اسے صحن میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ وہ خود ہی اس کمرے کی طرف چلی گئی جو اُس کا ہوا کرتا تھا۔

کچھ دیر بعد اسے کھڑکی کی جانب سے کھسر پھسر کی آواز سنائی دی۔ اس نے نظر اٹھا کر کھڑکی کی طرف دیکھا تو تمہید اور تقدیس کے چہرے دکھائی دیے۔ وہ کھڑکی سے کمرے میں جھانک رہی تھیں لیکن اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ کھڑکی کے پاس سے یک لخت یوں غائب ہو گئیں جیسے تسنیم کی نظر دوبارہ اُن پر پڑ گئی تو وہ پتھر کی ہو جائیں گی۔ اس کا جی چاہا اٹھے کھڑکی تک جائے۔ باہر جھانک کر بہنوں کو پکارے اور کہے۔ ''آؤ...... مجھ سے ملو...... مجھے بتاؤ میرے پیچھے گھر میں کیا ہوتا رہا؟'' مگر وہ ایسا کب کر سکتی تھی۔ وقت نے اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں۔

پھر گہرے سناٹے میں صرف دیوار گیر گھڑیال کی ٹک ٹک زندگی سے تعلق قائم رہنے کا احساس دلانے کو باقی رہ گئی۔ خدایا...... کتنا مہیب اور جان لیوا تھا یہ سناٹا...... اسے واش روم جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی مگر اس کے پاؤں جیسے پتھر کے ہو چکے تھے۔ یہ وہی گھر تھا جہاں وہ رہا کرتی تھی یا کوئی قبرستان! نہ کوئی آہٹ، نہ صدا، نہ زندگی کے آثار، نہ کوئی پکار...... اسے وحشت سی ہو رہی تھی۔ اٹھ کر بھاگ جانے کو جی چاہ رہا تھا مگر کہاں جاتی...... اسے تو نادر کے گھر کا راستہ بھی ٹھیک طرح سے یاد نہیں تھا۔ علاقہ تو گلستانِ جوہر تھا مگر اس کے گھر پہنچنے سے پہلے کتنے بہت سے پیچ وخم آتے تھے۔

کمرے کا دروازہ آہستگی سے کھلا۔ اس نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ اپنے ہی گھر میں خوف

محسوس ہورہا تھا اسے۔ اس کمرے کی تو وہ بلاشرکتِ غیرے تاجدار ہوا کرتی تھی۔ یہ کیا وقت آپڑا تھا کہ اسے کمرے کے بام ودر ڈرا رہے تھے۔ تقدیم کو دیکھتے ہی اس نے نگاہیں چرالیں۔ تقدیم ہی تو تھی جس نے موبائل سے اس کی چوری پکڑی تھی مگر وہ کتنی دیدہ دلیری سے اس کی آنکھوں میں گھس گئی تھی خود شرمندہ ہونے کے بجائے اس نے تقدیم ہی کو شرمسار کرڈالا تھا نہ اس کے میسج اور اپنے جھوٹ کی شرم کی نہ اس کے بڑے پن کا پاس رکھا۔ چیخی چلائی تھی اس دن وہ! تقدیم کو جھوٹی ٹھہرا دیا تھا اس نے، کیا جانتی تھی کہ ایک دن وقت اسے اسی کمرے میں مجرم کی صورت لا بٹھائے گا۔ جلد یا بدیر جھوٹ کی قلعی کھل کر رہتی ہے۔ انسان کو اپنا کیا بھگتنا تو پڑتا ہے۔ سو وقت کی الٹی چال اسی پر آپڑی تھی۔

''کھانا لاؤں؟'' تقدیم نے محتاط روی سے اس کے نزدیک آکر پوچھا۔

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ کہتی۔ ''پوچھ کیا رہی ہو، جلدی لاؤ، بھوک سے مری جارہی ہوں میں۔'' بھوک سے تو نہیں البتہ گھر کا کھانا کھانے کو ضرور مری جارہی تھی وہ۔ تمہید کے ہاتھ کے خوش ذائقہ کھانوں کی قدر اسے ثریا کے ہاتھ کا کھانا کھانے کے بعد آئی تھی۔ توبہ! کیا بدمزہ کھانا پکاتی تھی وہ یا شاید جان بوجھ کر اسی کو بدمزہ کر دیتی تھی اور وہ بھی کس قدر حقارت سے جیسے کسی انسان کو نہیں جانور کے آگے کھانا ڈال رہی ہو۔ اسے نعمت کی قدر کفرانِ نعمت کے بعد آئی تھی۔

''تو پھر سوجاؤ۔'' تقدیم نے حزم سے کہا۔

''کیوں سوجاؤں؟'' اس نے جی ہی جی میں کہا۔ ڈکٹیشن لینے سے اسے ہمیشہ نفرت رہی تھی۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا تھا کہ اسے کچھ کرنے اور کچھ نہ کرنے کی ہدایت کرے۔

اس کا خیال تھا شاید تقدیم اس کے پاس بیٹھ کر اس سے کچھ پوچھ گچھ کرے گی۔ اسے برا بھلا کہے گی۔ اس کی غلطی کا احساس دلانے کی کوشش کرے گی لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ تقدیم نے اس سے سوجانے کو کہا اور مزید کچھ کہے سنے بنا کمرے سے چلی گئی۔ ایسی لاتعلقی! تسنیم کا دل کڑھنے لگا۔ تقدیم آپی کچھ تو کہتیں، اسے قصوروار ٹھہراتیں۔ انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ سوائے اس کے کہ سوجاؤ۔ وہ کوئی سونے کے لیے آئی تھی یہاں..... بہرحال سونا تو تھا۔ بستر ایسا صاف ستھرا اور بے شکن تھا جیسے کسی مہمان کے لیے بچھایا گیا ہو۔ وہ بھی تو اب اس گھر میں مہمان ہی تھی۔ ایک دن، دو دن، چند دن۔ ویسے اگر مہمان نہ بھی ہوتی تو تمہید کو تو گھر کی ہر چیز کو صاف ستھرا رکھنے کا جنون تھا۔ واشنگ مشین لگاتی تو اہلِ خانہ کے میلے کپڑے ہی نہیں اُن کے بستروں کی چادریں اور تکیوں کے غلاف بھی تبدیل کر کے ذرا سی میلی چادریں اور غلاف بھی واشنگ مشین میں ڈال دیتی، اسی کے طفیل اہلِ خانہ کا بستر اجلا رہتا۔ نادر کے ہاں کتنے میلے اور بدبو کے بھبکے اڑاتے بستر پر سونا پڑا تھا۔ بستر پر لیٹنے سے پہلے اس نے مدثر کو فون کرلینا ضروری سمجھا۔

''کیا ہورہا ہے؟'' مدثر نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔''

''شکر ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''کچھ ہورہا ہوتا تو فکر والی بات تھی۔'' اس نے توقف کیا پھر پوچھا۔ ''ڈانٹ پڑی؟''

''نہیں..... کسی نے بات ہی نہیں کی۔'' وہ دل گرفتگی سے بولی۔ ''بس تقدیم آپی آئی تھیں کھانے کا پوچھنے۔''

''کیا کھایا؟''

''کچھ نہیں۔''

''کیوں؟''

''یہاں کسی نے بات تک نہیں کی تو میں کھانا کھانے کیسے بیٹھ جاتی۔''

''یار بات نہ کرنے سے کھانے کا کیا تعلق۔''

''کیسے نہیں تعلق۔'' اس کے لہجے سے جھلکتا ملال گہرا ہوگیا۔ ''جس گھر میں کوئی آپ سے بات نہ کرے اور آپ وہاں نوالے ٹھونسنے بیٹھ جائیں تو یہ بے شرمی ہوگی۔''

''اچھا یار ٹھیک ہے..... فکر مت کرو سب ٹھیک ہوجائے گا..... بات بھی کرنے لگیں گے سب لوگ۔''

''تم اپنی ممی کو جلدی بھیجو مدثر ورنہ میں اس گھٹن میں مرجاؤں گی۔'' وہ روہانسی ہوکر بولی۔

''اوکے..... اوکے..... فی الحال تم سوجاؤ..... سونے کے لیے تو جگہ مل گئی ہے نا..... یا.....؟''

''نہیں، نہیں جگہ کی تو کوئی پرابلم نہیں اپنے کمرے میں ہوں۔''

''اس سے اچھی بات کیا ہوسکتی ہے کہ تمہیں اپنے کمرے میں ہی جگہ مل گئی۔ اب اچھے بچوں کی طرح سوجاؤ، کل بات کریں گے۔''

''ممی کو کب بھیجو گے؟''

''بھیج دوں گا یار۔''

''کب؟'' اس کے لہجے میں گونہ بیتابی تھی۔

''اب اس وقت تو نہیں بھیج سکتا۔'' وہ جھنجلایا۔

''مدثر.....''

''نہ خود زیادہ پریشان ہو نہ مجھے کرو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' وہ اب قدرے نرمی سے بولا۔

وہ چپ رہی۔

''ناراض ہوگئیں۔''

''نہیں..... نہیں تو.....'' اس نے ماندے جی سے کہا۔

''اوکے اب سوجاؤ اور مجھے بھی سونے دو..... صبح یونیورسٹی بھی جانا ہے۔''

تسنیم کے دل پر دھموکا سا پڑا۔ وہ یونیورسٹی جارہا تھا جبکہ وہ یونیورسٹی جانے سے قاصر تھی۔ کیوں آخر..... ان دونوں کا اپنے بڑوں سے چھپ کر کورٹ میرج کرلینا اگر جرم تھا تو اس جرم میں تو وہ بھی برابر کا شریک تھا بلکہ اصل بات تو یہی تھی کہ اسی نے مجبور کیا تھا اسے کورٹ میرج پر ورنہ شاید وہ اس کے ساتھ محبت کی پینگیں بھرتے ہوئے یونیورسٹی بھی جاتی ہی رہتی۔ یونیورسٹی میں اس کی دوستیں بھی مس کررہی ہوں گی اسے۔ شاید فون بھی کررہی ہوں۔ اس نے تو اپنا موبائل بھی آف کررکھا تھا۔ مدثر سے بات کرنا ہوتی... تو آن کرلیتی۔ یونیورسٹی نہ جانے کا قلق درد کا گولا بن کر اس کے حلق کو دکھن سے دوچار کرنے لگا۔

نیند سولی پر بھی آجاتی ہے وہ تو اپنے کمرے میں اپنے بستر پر تھی۔ دیر سے سہی مگر نیند آگئی۔ رات کے پچھلے

پھر آنکھ کھلی تو سخت پیاس کا احساس ہوا۔اس نے موبائل آن کر کے وقت دیکھا دو بج کر بیالیس منٹ ہو رہے تھے۔سب سو رہے ہوں گے کچن میں جا کر کولر سے پانی پیا جا سکتا تھا۔اس خیال کے تحت وہ بستر سے اٹھی اور دبے پاؤں دروازے تک پہنچی۔مگر دروازہ کھولنا چاہا تو پتا چلا دروازہ باہر سے بند تھا۔وہ سن رہ گئی۔کیا اس حد تک ناقابلِ اعتبار ہو گئی تھی وہ گھر والوں کے لیے۔اٹیچڈ باتھ روم میں جا کر اس نے واش بیسن کے نلکے سے اپنے ہاتھ میں پانی بھر کر دو گھونٹ پانی پیا۔توہینِ ذات کا احساس پیاس بھر پانی کی طلب پر غالب آ چکا تھا۔

☆☆☆

حجاب کا فون مسلسل بند ملنے پر الطاف نے امی کو فون کیا تھا۔رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے کہا۔''آنٹی حجاب سے بات کرنی تھی لیکن اس کا فون بند مل رہا ہے۔''

''اچھا......'' امی نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا۔''میں بتاتی ہوں اسے۔''

''تھینک یو......اسے بتا دیں، میں پانچ منٹ بعد پھر کرتا ہوں اس کے نمبر پر فون۔''

''آپ نے بتا کیوں نہیں دیا اسے۔'' امی نے حجاب کو بتایا تو وہ بولی۔

''کیا......کیا بتاتی؟''

''یہی کہ میں اس کا فون اٹینڈ نہیں کرنا چاہتی۔''

''وہ پوچھتا کہ کیوں؟''

''آپ اسے وجہ بتا دیتیں۔''

''بتا دیں گے سہولت سے بتا دیں گے مگر تم اس کا فون تو سن لو۔''

''کیوں سن لوں امی، جب میں اس سے رشتہ ہی نہیں رکھنا چاہتی۔''

''نہیں بیٹا، یہ رشتہ کوئی تمہارے کہہ دینے سے تو ختم نہیں ہو سکتا۔''

''کیوں نہیں ہو سکتا۔مجھے حق ہے اس کا۔''

''دیکھو شام کو تمہیں نایاب نے بھی کتنا سمجھایا۔''

''میں بچی نہیں ہوں اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہوں۔''

''تمہارا بھائی بھی اسی حق میں ہے کہ اس معاملے کو ایشو بنا کر اچھالنے کے بجائے خاموشی سے سمجھوتا کر لینا چاہیے۔اچھالنے سے لوگوں کو ہنسنے کا موقع ملے گا۔جتنے منہ ہوں گے اتنی باتیں، حاسدوں کو بغلیں بجانے کا موقع ملے گا۔جلنے والے مذاق اڑائیں گے اور وہ جنہیں ٹوہ تھی کہ ایسا اچھا اور کھاتا پیتا رشتہ انہیں کہاں سے مل گیا وہ پھبتیاں اڑائیں گے۔''

''لوگوں کی خاطر میں خود کو داؤ پر لگا دوں۔''

''لوگوں کی خاطر کیوں تمہارے بھائی کی یہی صلاح ہے۔''

''سوری امی...... بھائی کی خاطر بھی میں خود کو داؤ پر نہیں لگا سکتی۔''

''داؤ پر لگانے کی کیا بات ہے بیٹا، اس نے تم سے نکاح کیا ہے۔''

''اپنی ازدواجی حیثیت کے بارے میں غلط بیانی کر کے۔''

''اوہو! تم ایک ہی بات کو کیوں پکڑ کر بیٹھ گئیں۔'' امی زچ ہو گئیں۔

''کیونکہ یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔''

''اس نے پانچ منٹ بعد تمہارے نمبر پر فون کرنے کو کہا تھا۔وہ فون کر رہا ہوگا۔اپنا فون آن کر دو۔''

''سوری۔''

''تمہارا نمبر بند ملا تو وہ پھر مجھی کو کرے گا۔''

''آپ کہہ دیں اس سے کہ وہ تمہارا فون نہیں سننا چاہتی۔صاف صاف بات کیوں نہیں کر لیتیں آپ اس سے۔''

''کیا صاف صاف......؟''

''یہی کہ ہمیں تمہاری پہلی شادی اور بچے کا پتا چل گیا ہے۔''

''ارے تو کون سا کوئی غضب ہو گیا۔دینِ اسلام میں تو مرد کو چار شادیوں کی اجازت ہے۔''

''مگر دھوکا دے کر نہیں۔''

''کوئی مجبوری ہو گی بے چارے کی۔''

''بے چارہ!'' وہ تلخی سے ہنسی۔

''اور کیا، مرد بے چاروں کی سو مجبوریاں ہوتی ہیں۔''

''میری بھی مجبوری ہے۔''

''تمہاری کیا مجبوری ہے؟'' امی چونکیں۔

''مجھے باہر نکلنا ہوتا ہے۔لوگوں کو فیس کرنا ہوتا ہے، میرے ساتھ کام کرنے والے لوگ، اسٹوڈنٹس، ان کے والدین سب یہ سمجھیں گے کہ میں نے ایک دولت مند آدمی سے اس کی پہلی بیوی اور بچے کے ہوتے ہوئے بھی محض اس کی دولت کے لالچ میں شادی کر لی۔''

''تمہیں لوگوں کی فکر کرنے کی ضرورت کیا ہے۔رخصتی کے بعد تو وہ تمہیں اپنے ساتھ دبئی لے جائے گا۔نئی دنیا ہو گی، نئے لوگ۔''

''مجبوری یہ بھی ہے کہ میں اس کی پہلی بیوی کو زبان دے چکی ہوں کہ میرا اس سے رشتہ ختم سمجھے۔''

''یوں کہہ دینے سے رشتہ ختم نہیں ہو جاتا۔''

''جانتی ہوں۔''

''تو پھر ایسی بات زبان سے نکالنے سے فائدہ۔''

''امی، کسی بھی رشتے کی اہمیت دل میں اس رشتے کے احساس سے ہوتی ہے۔جس رشتے کو دل ہی قبول نہ کرے تو پھر اس کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔بابا سے بی بی جان کا نکاح تو کر دیا گیا تھا لیکن کیا وہ ساری زندگی اس رشتے کو کوئی اہمیت دے سکے۔''

''اُن کے ساتھ تو زیادتی ہوئی تھی۔ناسمجھی کی عمر میں انہیں ایک ایسی عورت کے ساتھ رشتے میں باندھ دیا گیا جسے وہ ماں کی طرح سمجھتے تھے۔''

''میرا خیال ہے کسی شخص پر آپ کا اعتبار جاتے رہنا عمر کے تفاوت سے بھی بڑا سانحہ ہے۔'' حجاب کی آواز یک لخت رندھ گئی۔

"تم آخر چاہتی کیا ہو؟"

"چھٹکارا۔"

"کیا مطلب؟" امی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مجھے خلع چاہیے۔"

"کیا!" امی نے ہڑبڑا کر اسے یوں دیکھا جیسے انہیں اس کی بات سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہو۔

حجاب نے اپنی بات کو دُہرانا ضروری نہ سمجھا۔ وہ جانتی تھی امی تک اس کا پیغام بخوبی پہنچ چکا تھا۔

"بہجت کا غصہ تو دیکھ رکھا ہے نا تم نے؟"

"انہوں نے میرا استقلال نہیں دیکھا اب تک۔ یہ میرا فیصلہ ہے امی کہ میں اس شخص سے اپنا رشتہ ہر قیمت پر توڑ کے رہوں گی۔" حجاب نے اٹل لہجے میں کہا۔ امی ہکا بکا اس کا منہ دیکھنے لگیں۔ اُن کا فون مسلسل سے بج رہا تھا۔

امی کی توقع کے مطابق الطاف ہی کا فون تھا۔ اس کی کال ریسیو کرنے کی ہمت نہ ہوئی انہیں، کیا کہتیں اس سے کہ حجاب بات نہیں کرنا چاہتی۔ فون بجتا رہا۔ بار بار بجے گیا انہوں نے کال ریسیو نہیں کی۔ بہجت بھائی اور نایاب باجی سے صلاح لینا ضروری ٹھہرا۔

☆☆☆

"حجاب کو اب اسی کے ساتھ گزارہ کرنا ہے۔" بہجت بھائی نے دوٹوک اپنا فیصلہ سنایا۔ اس معاملے میں امی کے ساتھ یہ اُن کی دوسری نشست تھی۔

"میں نے بہت سمجھایا اسے مگر......"

"مگر وگر کچھ نہیں، اسے وہیں جانا ہوگا۔"

"ویسے الطاف یا اس کی بہنوں سے بات تو ضرور کرنی چاہیے۔" نایاب باجی نے صلاح دی۔

"کیا بات؟" بہجت بھائی نے نایاب باجی کو دیکھا۔

"یہی کہ ہمیں باوثوق ذریعے سے معلوم ہوا کہ الطاف کی پہلے بھی ایک بیوی موجود ہے جس سے ایک بچہ بھی ہے۔"

"وہ کہہ دیتے ہیں ٹھیک ہے......... تو پھر؟"

"اس صورت میں حجاب کے مستقبل کے تحفظ کی کیا ضمانت ہے؟"

"وہ کہیں گے بھاری مہر، پچاس تولہ زیورات نکاح کے وقت، پچاس تولہ رخصتی کے موقع پر اور ایک مربع اراضی یہ ضمانت نہیں تو اور کیا ہے۔"

بہجت بھائی کی بات پر نایاب باجی لاجواب ہو کر اُن کا منہ دیکھنے لگیں۔

"ان باتوں کا موقع نہیں ہے اب۔" بہجت بھائی بولے۔

"پھر بھی انہیں جتا تو دینا چاہیے کہ ہمیں یہ بات پتا چلی ہے۔ اور کچھ نہیں تو کچھ اخلاقی دباؤ میں تو آئیں گے وہ لوگ۔ حجاب کو بھی اطمینان ہو جائے گا کہ گھر والوں نے کچھ پوچھ گچھ تو کی۔"

"اس نقطۂ نظر سے بات کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

"امی میرا خیال ہے کہ آپ الطاف کے بجائے پہلے اس کی بہنوں سے بات کر لیں ایسا نہ ہو کہ آپ الطاف سے بات کریں تو وہ بدک جائے۔" نایاب باجی نے صلاح دی۔

"ٹھیک ہے، میں کر لوں گی۔"

☆☆☆

وہی گھر تھا جہاں وہ شیرنی بنی پھرتی تھی اور گھر کے باقی لوگ اس کی بدمزاجی اور بدزبانی سے خائف رہا کرتے تھے۔ ذرا سی بات خلافِ مزاج ہو جانے پر وہ بری طرح اشتعال میں آجاتی تھی۔ دروازے اس بری طرح دے دے کر مارتی کہ سوئے مردوں کے جاگ پڑنے کا احتمال ہوتا۔ سب اپنی اپنی عزت کو کان دبائے بیٹھے رہتے۔ اس کے کمرے میں تو ایسے وقت کسی کے جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا کمرے کے آس پاس سے بھی گزرنے کی ضرورت پیش آتی تو دبے پاؤں گزر جاتا۔

اور ایک یہ وقت تھا کہ پچھلے تین دن سے وہ چور بنی اسی کمرے میں دبکی بیٹھی تھی جو کبھی اس کی رجدھانی ہوا کرتا تھا۔ حوالات میں بند کسی زیرِ حراست مجرم کی طرح اسے کھانا پینا اسی کمرے میں پہنچایا جا رہا تھا۔ کبھی تمہید خاموشی سے ناشتے کی ٹرے کمرے میں رکھ جاتی، کبھی تقدیم کھانے کی ٹرے پہنچا جاتی۔ کمرے کا دروازہ بند رہتا۔ کھڑکیوں پر پردے تنے رہتے۔ اسے باہر دیکھنا ہوتا تو پردے کی اوٹ سے باہر جھانکنے کی کوشش کرتی۔ تین دنوں میں اسے چاروں بہنوں کی صورتیں تو دیکھنے کو ملی تھیں۔ ایک دو بار ابا کی جھلک بھی دکھائی دی مگر اماں کی صورت تو کجا اُن کا سایہ بھی نہ دیکھنے کو ملا تھا اسے۔

ان تین دنوں میں مدثر سے اس کی بارہا بات ہوئی تھی۔ اس کا ایک ہی سوال ہوتا۔ "می کو کب بھیج رہے ہو؟"

"آجائیں گی یار......" وہ بھی بڑے استقلال سے ایک ہی جواب دیتا۔

"کب؟" وہ بیتابی کا اظہار کرتی۔

"جلد۔" وہ کہتا۔

"جلد کب؟" وہ اضطراب سے پوچھتی۔

"آجائیں گی یار، جلدی کیا ہے۔" اس نے تیسرے دن قدرے بیزاری سے کہا۔

"جلدی کیا ہے۔" اس نے مدثر کے الفاظ حیرانی سے دُہرائے پھر کہا۔ "مجھے ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہو رہا ہے اور تم کہہ رہے ہو جلدی کیا ہے۔"

"سمجھا کرو، می اکیلی تو آئیں گی نہیں۔ انہیں ڈیڈی کو بھی منانا پڑے گا۔"

"تو کہو نا اُن سے منائیں۔"

"یار ایسے کاموں میں ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمائی جاتی، کچھ وقت لگتا ہے۔"

"یہاں کوئی بھی مجھ سے بات نہیں کرتا۔ بس کتے کی طرح کھانا ڈال جاتے ہیں میرے سامنے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"ٹھیک ہو جائے گا یار، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم نے اپنی می کو جلدی نہ بھیجا تو میں خود آجاؤں گی۔"

"نہ... نہ ایسی غلطی مت کرنا۔"
"تو پھر انہیں جلدی بھیجو۔"
"اچھا یار۔"

تسنیم کو یونیورسٹی چھوٹ جانے کا بھی بہت دکھ تھا۔ وہ سوچتی کاش کوئی صورت ایسی ہوتی کہ وہ دوبارہ یونیورسٹی جاسکتی۔ تاہم اس کے واپس گھر آنے کے بعد تقدیم نے ابا کی خوشامد کرکے تعظیم اور تقدیس کو دوبارہ کالج جانے کی اجازت دلوادی تھی۔ تعظیم کا کالج میں تیسرا سال تھا تقدیس کا سال اول میں داخلہ ہوئے چند ہفتے ہی گزرے تھے۔

"مگر دونوں میں سے کسی کے ہاتھ میں موبائل نہیں دیکھنا چاہتا میں۔" ابا نے تعظیم اور تقدیس کو دوبارہ کالج جانے کی اجازت دیتے ہوئے شرط عائد کی۔

"ٹھیک ہے ابا۔" تقدیم نے چھوٹی بہنوں کی جانب سے ابا کو یقین دہانی کرائی۔ تسنیم کے آنے کے بعد اماں گھر میں کسی سے بات کرتیں تو اتنی آواز میں کہ بس مخاطب ہی سن پائے۔ شاید انہیں تسنیم کو اپنی آواز سنانا تک گوارا نہیں رہا تھا۔ تسنیم اُن کی آواز سننا اور اُن کی صورت دیکھنا چاہتی تھی مگر اماں نے تو جیسے اس سے پردہ ہی کرلیا تھا۔ انہیں بس ایک بات کی فکر لگی ہوئی تھی کہ مدثر کے گھر والے جلد آئیں اور دنیا دکھاوے کو تسنیم کو اس گھر سے رخصت کردیا جائے۔

اتوار کو زیتون ان ماں بیٹا کو لے کر آرہی تھی جو تقدیم کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اماں دعا گو تھیں کہ لوگ اچھے ہوں اور بات بھی بن جائے۔ تمہید جو چھوٹی بہن کے لیے پیام آنے پر رونے دھونے بیٹھ جاتی تھی چپ تھی۔ یوں جیسے اس نے تسنیم والے واقعے کے بعد سمجھ لیا ہو کہ بہنوں میں سے جس کے لیے پہلے معقول رشتہ مل جائے اسی کی ہوجانے میں عافیت تھی۔ جن دنوں تسنیم کالج میں تھی ایک محلے دار خاتون نے اس کے لیے اپنے دیور کا پیغام دیا تھا جو ڈگری ہولڈر انجینئر تھا اور ابوظہبی میں بہت اچھی ملازمت کررہا تھا مگر اماں نے یہ کہہ کر انکار کردیا تھا کہ پہلے دو بڑی بہنوں کی ہوجائے پھر اس کی کریں گے۔ تسنیم کی شادی وہاں ہوگئی ہوتی تو یہ نہ ہوتا جو ہوا تھا۔ بہرحال اب مغاہمت کا باب واہو چکا تھا۔ اماں اور ابا بھی سمجھ چکے تھے کہ پہلے بڑی کا راگ الاپنا دانشمندی نہ تھی۔

☆☆☆

امی نے تو بہت حزم واحتیاط سے الطاف کی ایک بہن سے بات کی تھی۔ کراچی سے دبئی تک کھلبلی مچ گئی۔ الطاف کی دونوں بہنیں اور بہنوئی باجماعت وکالت کو پہنچے۔ الطاف کے شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ ہونے سے انہیں انکار نہ ہوا تاہم انہوں نے الطاف کے دفاع میں کہا کہ جس لڑکی سے اس کی پہلی شادی ہوئی اس کا کسی اور کے ساتھ چکر تھا۔ شادی کے بعد بھی وہ دبئی سے اس لڑکے کو فون کرتی تھی۔ الطاف نے خود اس کی فون کالز پکڑیں۔ ایک مرتبہ وہ محض اسے آزمانے کی خاطر دبئی سے پاکستان لے کر آیا اور یہ کہہ کر اسے اس کے والدین کے ہاں چھوڑ گیا کہ چار ہفتے بعد لینے آئے گا لیکن وہ ہفتے بھر بعد ہی واپس آگیا اور اس نے چپ چپاتے اپنی بیوی کی نقل وحرکت پر نظر رکھنا شروع کردی۔ پتا چلا کہ اس شخص کا نہ صرف اس کے میکے میں آنا جانا تھا بلکہ دونوں اکٹھے گھومنے پھرنے بھی جاتے تھے۔ الطاف کی بہنوں اور بہنوئیوں کی مشترکہ رائے یہ تھی کہ الطاف کی پہلی بیوی بدکردار تھی۔

خاصی دیر گفتگو چلی۔ بہجت بھائی مصلحتاً اس نشست میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ امی کا خیال تھا کہ بہجت بھائی کی عدم موجودگی الطاف کے گھر والوں کو اخلاقی دباؤ میں رکھے گی ورنہ تو وہ یہ سوچ کر مطمئن ہوجائیں گے کہ اب بھی کو پتا چل گیا تو اب کس بات کا ڈر۔

"ابھی تو میرے بیٹے کو یہ بات پتا نہیں ہے۔ میں نے سوچا آپ لوگوں سے کنفرم کرلوں پھر بتاؤں گی اسے۔" امی نے کہا۔

"ضرور بتائیں۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ الطاف کی پہلی بیوی بھی ہے اور اس عورت سے ایک بیٹا بھی ہے۔" الطاف کی بہن نے کہا

"آپ لوگ یہ بات پہلے بتادیتے تو اچھا تھا۔" نایاب باجی جنہیں امی نے اپنی دوسراہٹ کے لیے بلالیا تھا بولیں۔

"دیکھیں ڈاکٹر صاحبہ ہماری نیت میں کوئی فتور نہیں۔ برائی پر پردہ پڑا رہنے دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ہم کیا بتاتے آپ کو کہ الطاف کی پہلی شادی ایک بدکردار لڑکی سے ہوئی تھی۔" الطاف کے بڑے بہنوئی نے کہا۔

"دوسری لڑکی کی زندگی اور اس کے مستقبل کا معاملہ تھا جو بھی تھا بتادینا بہتر تھا۔ اس طرح اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچتی۔" نایاب باجی نے کہا۔

"فکر نہ کریں جی! اعتماد کو اب بھی ٹھیس نہیں پہنچے گی۔" جواب ملا۔

"انشاء اللہ حجاب بھابی ہمارے بھائی کے ساتھ بہت خوش رہیں گی۔" الطاف کی بہن نے کہا۔

امی اور نایاب باجی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ حجاب نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر الطاف سے اپنا رشتہ قائم نہیں رکھے گی۔

"آپ لوگ تو جی ہمیں یہ بتائیں کہ رخصتی کی تاریخ لینے کے لیے ہم کب آئیں؟" الطاف کے بہنوئی نے کہا۔

"بہجت بھائی ہوتے تو ہم کہتے آج ہی تاریخ طے کرلیں تاکہ آپ لوگوں کو دوبارہ تکلیف نہیں دینی پڑے۔" الطاف کی بہن بولی۔

امی اور نایاب باجی نے پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"ہم لوگ ذرا گھر میں ڈسکس کرلیں پھر بتادیں گے آپ کو۔" نایاب باجی نے کہا۔

الطاف کا بڑا بہنوئی گرگ باراں دیدہ تھا۔ امی اور نایاب باجی کے بار بار ایک دوسرے کو دیکھنے اور سرد محتاط لہجے سے وہ تاڑ گیا تھا کہ اب معاملات پہلے جیسے نہیں رہے تھے۔ دراڑ پڑ چکی تھی۔ الطاف کو فوری طور پر مطلع کرنا لازم تھا۔

☆☆☆

اکیڈمی میں پاسنگ آؤٹ کی تیاریاں شروع ہوچکی تھیں۔ ویک اینڈ پر مونس کو بھی آؤٹ پاس ملنے کی امید نہ رہی۔

"پارٹنر! عائزہ باجی نے بلا رکھا ہے کیسے جاؤ گے۔" عقیل نے اسے چھیڑا۔

"نہیں جاؤں گا۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"ناراض تو نہیں ہوجائیں گی وہ۔"

''شرم کرو، کزن سسٹر ہے تمہاری...... بہنوں کے لیے کوئی یوں بات کرتا ہے۔''

''او یارا! وقت بدل گیا ہے۔ اب تو بھائیوں کو بہنوں کے لیے خود راستے بنانے پڑتے ہیں۔''

مونس نے اسے گھورا۔

''سچ کہہ رہا ہوں...... ویسے مجھے بہت خوشی ہوگی اگر عائزہ باجی سے تیرا کچھ سلسلہ بن جائے۔'' وہ ہنس کر بولا۔

مونس نے اسے آنکھیں دکھانے کی کوشش کی۔

''اونسٹلی......'' وہ پہلے سے زیادہ کھل کر ہنسا۔

''بائی دی وے تجھے کیوں خوشی ہوگی؟''

''اس لیے میری جان۔'' عقیل نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔ ''فیملی میں کوئی اچھا بندہ شامل ہو تو کسے خوشی نہیں ہوتی۔''

''زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔''

''تیری مرضی...... نہیں کرنا چاہتا یقین تو نہ کر۔ صبور ماموں نے اگر کبھی پوچھا مجھ سے تو کہہ دوں گا وہ انٹرسٹڈ نہیں۔''

''بکواس نہ کر۔''

''عائزہ جی نہیں آسکوں گا۔'' مونس کو عائزہ سے معذرت کرنا پڑی۔

''کیوں؟''

''ویک اینڈ بند۔''

''پنشمنٹ؟''

''نہیں نہیں...... پاسنگ آؤٹ کی تیاریاں۔''

''آئی سی۔''

''تم لوگ آجاؤ۔''

''پاپا وڈ لوٹو...... لانگ ڈرائیو کو بہت انجوائے کرتے ہیں وہ لیکن تم تو مصروف ہوگے ہمارے آنے کا فائدہ۔''

''کچھ کرلیں گے یار۔''

''بائی دی وے کیا؟''

''یہ تو وقت بتائے گا، تم نے سنا نہیں محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔''

''پوچھ سکتی ہوں یہ محبت ہے یا جنگ؟''

''محبت جنگ ہی تو ہوتی ہے۔ کسی کو اپنی جان سے بڑھ کر چاہنا۔''

''اوہو ہو لفٹین صاحب آپ تو شاعرانہ باتیں کرنے لگے۔''

''محبت بندے کو شاعر ہی بنا دیتی ہے۔''

''محبت! کس سے آفیسر؟''

''تم سے اور کس سے۔''

''کبھی کبھی مجھے اس بات سے ڈر لگنے لگتا ہے مونس کہ اگر تمہارے گھر والوں نے ہماری محبت کو ایکسپیٹ نہ کیا تو؟''

''پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔ گھر میں کبھی میری کوئی بات، کوئی خواہش رد نہیں کی گئی۔''

''میں نے سنا ہے پاس آؤٹ ہونے والا ہر افسر پاسنگ آؤٹ میں لمیٹڈ مہمان ہی بلاسکتا ہے۔'' عائزہ نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔

''ہاں......''

''پھر تو تم صرف اپنے گھر والوں کو ہی بلاؤ گے۔''

''وہ بھی آئیں گے اور تم سب لوگ بھی۔''

''اتنے لوگوں کی اجازت ہوگی؟''

''فکر نہ کرو۔''

''اچھا سنو...... میں تمہاری پاسنگ آؤٹ میں کیا پہنوں؟''

''یہ تمہاری اپنی چوائس پر ہے، ویسے جو بھی پہنو گی اچھا لگے گا۔''

''وہ تو مجھے معلوم ہے۔'' انتہائی معمولی نک سک کی اس لڑکی کو یہ اعتماد اس کے ماں باپ اور اس کی تعلیم نے دیا تھا۔

''انکل کو فون کر کے کہوں کل لے آئیں تم سب لوگوں کو یہاں۔''

''تمہاری مرضی...... انہیں تو اشارہ کرنے کی دیر ہوگی بس...... عقیل کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے...... مزے میں ہے۔''

''وہ ہمیشہ مزے میں ہی ہوتا ہے۔ ایزی گوئنگ۔''

اتوار کی دوپہر صبور احمد اپنی بیگم اور تینوں بچوں کے ہمراہ کاکول آئے تو عقیل اور مونس نے دو ڈھائی گھنٹے اُن کے ساتھ گزارے۔ ان دونوں کے لیے وہ گھر کا لذیذ کھانا ہاٹ پاٹس میں رکھ کر لائے تھے۔ چکن بریانی، تلی مچھلی، کچے قیمے کے کباب اور ٹرائفل دونوں کے لیے دو علیحدہ علیحدہ شاپنگ بیگز میں چلتے پھرتے ٹونگے جانے والی بہت سی چیزیں بھی تھیں۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت تھی انکل۔'' مونس نے کہا۔

''تھی نا یار......'' عقیل نے اسے ٹہوکا دیتے ہوئے کہا۔

''بہت ندیدے ہو۔'' عائزہ نے اپنی آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے عقیل کو دیکھا۔

''اچھا میں تو ٹھہرا ندیدہ...... اس کے بارے میں کیا فتویٰ صادر فرماتی ہیں آپ۔'' عقیل نے شرارت سے مونس کو دیکھا۔

''شریف آدمی۔'' عائزہ نے کہا۔

''ارے واہ!'' عقیل اچھلا۔ ''تو کیا ہمیں شرافت کا سرٹیفکیٹ لینا پڑے گا کہیں سے۔''

''ہوسکے تو کہیں سے تھوڑی سی عقل ادھار لینے کی کوشش کرو۔''

"عائزہ! میری جان بس کرو۔" مسز صبور احمد بولیں۔ "اتنی خوب صورت جگہ اور ایسا دلفریب موسم چونچیں لڑانے کے لیے نہیں ہوتے۔ ذرا دیکھو تو کیسی خوب صورت ڈھلان ہے۔ سرتا سر سبزے سے ڈھکی۔ ایسی جگہوں کو دیکھ کر تو جی چاہتا ہے بیٹھے رہیں......"

"ہاں، ہاں پورا مصرعہ سنائیے رک کیوں گئیں۔" صبور احمد مسکرا کر بولے۔

"بیٹھے رہیں مامی تصور ماموں کیے ہوئے۔" عقیل نے شوخی دکھائی۔

"واہ واہ، واہ واہ۔" منصور ـــــ نے پھڑک کر داد دی۔

"عائزہ!" مسز صبور احمد نے عائزہ کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم گراؤنڈ کا چکر لگا آؤ بیٹا تمہیں تو ایسی جگہیں بہت پسند ہیں نا۔"

"میرے ساتھ کون چلتا ہے؟" عائزہ نے کہا۔

"کم از کم ہم تینوں کا تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔" عقیل نے منصور اور طہور کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا۔ منصور اور طہور نے تائید میں گردنیں ہلائیں۔

"میرے گھٹنے میں بھی صبح سے ہلکا ہلکا درد ہے، سوری بیٹا۔" صبور احمد نے عائزہ کی جانب دیکھتے ہوئے معذرت کی پھر اچانک بولے۔ "مونس بیٹے آپ نہیں چلے جاتے عائزہ کے ساتھ؟"

"شیور......" مونس بولا۔

زندہ باد! کیا سمجھدار اور بچوں کے لیے راستے ہموار کرنے والے والدین تھے۔ مونس کو دیکھتے ہوئے عقیل آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرایا۔ مونس جھینپ گیا۔

وسیع و عریض گراؤنڈ پر کچھ دیر وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے پھر عائزہ نے کہا۔ "سنا ہے آرمی آفیسرز شادی کے بعد ملنے والی سہولتوں کے چکر میں عموماً چوبیس پچیس سال کی عمر میں شادی کر لیتے ہیں۔"

"اس سے پہلے بھی کر لینے پر کوئی پابندی تو نہیں۔" مونس بولا۔

وہ ٹھٹک گئی اور اسے دیکھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ مسکرایا۔

"اگر تمہارے گھر والے نہ مانے تو؟"

"وہ میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں۔"

"آئی لو یو مونس۔" عائزہ نے کہا۔

"آئی لو یو ٹو۔"

دونوں پھر ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ مونس کی نگاہیں آسمان پر دھیرے دھیرے تیرتے بادلوں پر تھیں اور عائزہ کا دل زندگی بھر اس کے ساتھ یونہی چلتے رہنے کی خواہش میں اٹکا ہوا تھا۔ صبور احمد اور اُن کی بیگم دور لان چیئرز پر بیٹھے انہی کو دیکھ رہے تھے۔ عقیل، منصور اور طہور کو اپنے ساتھیوں سے ملوانے لے گیا تھا۔

☆☆☆

امی بہت خوش تھیں، زیتون نے انہیں عباد کے لیے ایسی لڑکی دکھائی تھی جو قد و قامت، صورت شکل، تعلیم ہر لحاظ سے عباد کا بہترین جوڑ لگتی تھی۔ عباد کے ساتھ اس کی موٹر سائیکل پر بیٹھی ہونے کے باعث وہ اس سے راستے

میں تو بات نہ کر سکیں لیکن گھر پہنچنے کے بعد جب عباد اپنی موٹر سائیکل پارکنگ لاٹ میں کھڑی کر کے اوپر فلیٹ میں پہنچا تو امی نے جو انتہائی مسرور تھیں، کہا۔

"مجھے تو لڑکی بہت پسند آئی۔ بالکل تمہارے جوڑ کی ہے۔"

عباد خاموش رہا۔

"بولتی ہے تو لگتا ہے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں، تمہیں کیسی لگی؟"

"میں نے......تو بس یونہی......سرسری نظر دیکھا تھا۔" عباد نے کہا۔ امی مسکرا دیں۔

"پہلی بار سرسری نظر ہی دیکھا جاتا ہے۔" انہوں نے توقف کیا پھر بولیں۔ "لوگ...... بھی ہماری ہی طرح کے ہیں۔ سیدھے اور سفید پوش...... اپنے ہی جیسے گھر میں بیاہ کر آئے تو اسے دوسرے گھر کے مسائل کا بھی احساس ہوتا ہے، عزت سے گزارہ کر جاتی ہے...... بھرے گھر سے آئے گی تو مجھ بڑھیا کے ساتھ بھی مل کر بیٹھے گی، ماں سمجھے گی مجھے، ارے میرے کون سے دو چار ہیں کانی کی ایک ہی آنکھ۔ بہو آئے گی تو اس کانی کو دوسری آنکھ بھی مل جائے گی۔ سر آنکھوں پر بٹھاؤں گی اسے۔ سال بھر پاؤں بستر سے نہیں اتارنے دوں گی۔ بٹھا کر کھلاؤں گی اسے۔ ارے اب بھی تو میں اکیلی گھر کے سارے دھندے نمٹاتی ہی ہوں۔ اس کے آنے پر بھی کرتی رہوں گی تو کیا ہاتھ پاؤں گھس جائیں گے...... اللہ جانے وہ کیسی سائیں ہوتی ہوں گی جو بہوؤں سے خدمت لینے کی چاہ رکھتی ہیں۔ میں تو اپنی بہو کی خود خدمت کروں گی۔" امی جوشِ جذبات میں بولتی چلی گئیں۔ انہوں نے عباد کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

"بس اب جس دن تم کہو اُن لوگوں کو بلا لیتے ہیں تا کہ وہ بھی آ کر ہمارا گھر بار دیکھ لیں۔ چلتے وقت زیتون نے آہستہ سے مجھے بتا دیا کہ لڑکا پسند آیا ہے اُن لوگوں کو۔ زیتون تو چاہ رہی تھی ایک دو روز میں ہی ان لوگوں کو بلا لیا جائے مگر میں نے آہستہ سے اس سے کہا عباد سے مشورہ کر کے بلاؤں گی۔"

"اچھا کیا۔" عباد بولا۔

"ہاں نا بیٹا، جب کسی کو بلاؤ تو گھر کا تھوڑا بہت تو ہاتھ منہ پونچھنا ہی پڑتا ہے۔ بھئی میں تو کہہ دوں گی میرے گھر میں ایک میں اور ایک میرا بیٹا ہے، آپ کے گھر کی طرح سلیقہ مند بیٹیاں تو ہیں نہیں جو ادھر پھول اُدھر تصویریں سجا کر رکھیں۔ آنے والی اپنی مرضی سے آ کر سجائے گی۔"

"ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں بستر سے سال بھر پاؤں نہیں اتارنے دیں گی اسے۔" عباد نے گویا امی کی غلطی پکڑی۔ امی خفت سے مسکرا دیں۔

"ارے بیٹا بالآخر تو گھر اسی کو سجانا سنوارنا ہوگا، اپنی مرضی سے سجائے...... کیوں؟" امی نے عباد سے اپنی بات کی تائید حاصل کرنی چاہی۔

وہ چپ رہا۔

"بتاؤ کب بلالیں اُن لوگوں کو؟"

"کبھی بھی نہیں۔"

"کیا مطلب!" امی کی ساری خوشی جیسے کافور ہو گئی اور جوش کو جھٹکا سا لگا۔

"گھر دیکھا آپ نے اُن کا؟"

"ہاں، ہاں...... ذاتی ہے اُن کا۔"
"چھوٹا سا...... پرانا۔" عباد کے لہجے میں تحقیر تھی۔
"ہاں، برسوں سے اسی گھر میں رہ رہے ہیں۔"
"صوفے اور سینٹر ٹیبل جیسے کسی کباڑے سے لیے ہوں۔"
"ارے بیٹا کیا برائی تھی صوفے اور ٹیبل میں۔ صوفہ سیٹ پر صاف ستھرے کور چڑھے ہوئے تھے، ماں بے چاری تو برسوں سے معذور ہے۔ گھر میں لڑکیوں کا سلیقہ ہی بول رہا تھا۔ سینٹر ٹیبل پر گلدان میں جو مخمل کے پھول سجے تھے تم نے سنا نہیں تھا زیتون بتا رہی تھی لڑکی کے ہاتھ ہی کے تو بنے ہوئے تھے۔ جگر جگر کر رہا تھا سارا گھر۔ میں تو ہاتھ دھونے کے بہانے باتھ روم بھی دیکھ آئی۔ بھئی جس گھر کا باتھ روم صاف ہو سمجھ لو اس گھر کے رہنے والوں کو سلیقہ ہے۔"
"امی...... امی...... امی۔" عباد نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "بس کریں اب اس قصیدے کو۔ مجھے نہ لوگ پسند آئے ہیں نہ ہی ان کا گھر۔"
"کیوں، کیا ہوا؟" الفاظ سوالیہ تھے مگر لہجہ تحیر زدہ۔
"بچپن تو میں نے محرومیوں میں گزار ہی دیا، کیا اب شادی بھی ایسے گھر میں کر کے بیٹھ جاؤں جہاں بس گزارے والے حالات نظر آتے ہیں۔" عباد نے کہا۔
"ہاں تو بیٹا ہم جیسے لوگوں کو گزارہ ہی تو کرنا ہوتا ہے۔" امی نے بڑے اطمینان سے کہا۔
"نہیں امی۔" عباد نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "میں کسی ایسے گھر میں شادی کروں گا جسے دیکھ کر آپ کے اور ابو کے رشتے دار یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ عباد اتنا کم وقعت ہرگز نہیں تھا جتنا کہ ابو کی موت کے بعد اُن سب نے ہمیں گردانتے کی کوشش کی تھی۔ مجھے جو کچھ نہیں ملا وہ میں لے کر رہوں گا۔"
امی جنہوں نے بیوگی کے بعد عباد کو انتہائی مشکل حالات میں پڑھا لکھا کر انجینئر بنایا تھا اسے بڑی حسرت سے دیکھنے لگیں۔
"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟" عباد مسکرایا۔
"سوچ رہی ہوں کہاں غلطی ہوئی مجھ سے۔"
"کیا مطلب......؟" عباد چونک کر بولا۔
"بیٹے! میں نے تو تمہیں اللہ کی رحمت سے اپنے زورِ بازو پر پالا پوسا، پڑھایا لکھایا۔ کبھی کسی اور کی طرف دیکھنے کی ترغیب نہیں دی، تمہارے دل میں یہ لالچ کا سودا کہاں سے سما گیا۔" امی نے پل بھر کو توقف کیا پھر بولیں۔ "ماشاء اللہ انجینئر ہو۔ جو تمہیں اب تک نہیں ملا اور جس کی تمہیں طلب ہے اپنے زورِ بازو سے حاصل کرنے کی کوشش کرو نہ کہ تم آنے والی لڑکی سے یہ توقع لگاؤ کہ اس کے طفیل تمہیں سب کچھ ملے گا۔"
عباد ایک لمحے کو شرمندہ ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے بڑی بے حجابی سے بولا۔ "ارے امی یہاں بازار لگا ہے۔ لڑکے بھی بکتے ہیں۔ جو جتنا پڑھا لکھا اور جتنی اچھی ملازمت پر ہے اس کی اتنی ہی قیمت لگتی ہے۔ آخر آپ نے بھی تو اتنی محنت کی میرے لیے۔ میری تعلیم پر پیسہ خرچ کیا۔ وہ دیکھیے نیچے سڑک پر...... کیسی چمکتی دمکتی گاڑیاں گزر رہی ہیں۔ آخر ان کارنشینوں میں بیٹیوں والے بھی ہوں گے اور انہیں اپنی بیٹیوں کی شادیاں بھی کرنی ہوں

گی اگر کسی ایک سے میری ہو جائے جو اپنے ساتھ گاڑی بھی لے کر آئے تو کیا حرج ہے۔"
"بہت افسوس کی بات ہے۔" امی کو عباد کی بات سے واقعتاً رنج ہوا تھا۔
وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر امی کے نزدیک جا بیٹھا اور اُن کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کو افسوس ہوا مگر میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔"
"اس سے تو اچھا تھا کہ تم جھوٹ ہی بول دیتے۔" امی دل گرفتگی سے بولیں۔
"کیوں اتنی خفا ہو رہی ہیں آپ؟"
"دکھ ہوا ہے مجھے، پہلے اپنوں کو دھتکارا اب اپنے جیسوں کو خاطر میں نہیں لا رہے۔"
"جب ہمیں ضرورت تھی تو انہوں نے بھی تو ہم سے نظریں بدل لی تھیں۔"
"یہ ان کا اور میرا معاملہ ہے تمہارا نہیں۔"
"میرا بھی ہے، میں نے بھی تو تکلیف کا وہ وقت آپ کے ساتھ ہی گزارہ۔"
"لیکن تمہیں میں نے کبھی کوئی تکلیف ہونے دی۔"
"آپ کو کیا پتا!"
امی نے چونک کر اسے دیکھا۔
"رہنے دیں امی۔" اس نے تلخی سے کہا۔ "باری سب کو ملتی ہے۔ پہلے دوسروں کی باری تھی اب میری باری ہے۔ میں مفت میں باری کیوں ہاروں۔"
امی ٹکٹکی باندھے اسے شاکی نظروں سے دیکھے گئیں۔
"ساری دنیا مجھے اس سے بھی زیادہ بری طرح گھورے پروا نہیں پر آپ ایسی نظروں سے نہ دیکھا کریں۔ جب آپ مجھے غصے یا ملامت سے دیکھتی ہیں تو میرا دل کانپنے لگتا ہے۔" وہ مسکرایا اور امی کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا۔
اکلوتی اولاد ہونے کا یہی فائدہ ہے۔ ماں، باپ کو برمانے میں دیر نہیں لگتی۔ امی بھی ہمیشہ کی طرح پسیج گئیں۔ "لڑکی اچھی ہے۔" انہوں نے پیار سے کہا۔
"میں نے کب کہا بری ہے۔"
"بس تو اپنے دماغ سے یہ سارا فتور نکالو اور بتاؤ کب بلالوں انہیں۔" امی نے اس کے سر پر پیار سے چپت لگائی۔
"میرا منع کرنا آپ کو پھر مجھ پر غصہ کرنے پر مجبور کرے گا۔"
"ایک بار آنے دو۔ ہم نے ان کے گھر کا نمک چکھا ہے تو کیا حرج ہے ایک روز وہ بھی آ جائیں۔ ہو سکتا ہے ہمیں انکار کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے۔ وہ آئیں تو خود ہی منع کر دیں۔"
"کوئی جواز ہے اُن کے پاس انکار کرنے کا۔ مجھ جیسا ہینڈسم، اکلوتا، پڑھا لکھا اور برسرِ روزگار نوجوان انہیں کہاں ملے گا داماد بنانے کو...... وہ انکار نہیں کریں گے۔ انکار ہمی کو کرنا ہوگا۔"
"میری تو ہمت نہیں ہوگی، ایک مرتبہ وہ آ جاتے تو زیتون کو بھی یہ کہنے کا موقع نہیں رہتا کہ یہ خود تو وہاں جا کر ہپ ہپ کھا آئے انہیں ایک پیالی چائے پر بھی نہ بلایا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ زیتون کو میں سنبھال لوں گا۔ اس سے کہہ دیں ہمیں لوگ پسند نہیں۔"
امی چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ وہ مسکرادیا۔
"اس سے آگے میں خود بات کروں گا زیتون سے۔" اس نے کہا۔
"کیا بات کرو گے؟"
"وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔"
"کچھ پتا تو چلے۔"
"آپ پریشان نہ ہوں آپ کے سامنے ہی ہوگا سب کچھ۔"
امی پھر اس کا منہ دیکھنے لگیں۔ یہ کل کا بچہ کتنا طرار ہو گیا تھا۔ جو معاملات بڑے طے کرتے ہیں، وہ خود کرنے کی بات کر رہا تھا۔ اللہ اماں!

☆☆☆

اماں کے دل میں ان دنوں دھوپ چھاؤں کی آنکھ مچولی چل رہی تھی۔ اکلوتا بیٹا افسر بننے جا رہا تھا۔ ابا، بیٹے کے حوالے سے یوں تو برسوں سے خوش خیالیاں کرتے رہتے تھے لیکن اس کے کاکول جانے کے بعد تو وہ انہیں کھلی آنکھوں نہ جانے کیسے کیسے خوش رنگ خواب دکھایا کرتے تھے۔ اماں سے اُن کا وعدہ تھا کہ مونس کی پاسنگ آؤٹ میں انہیں اگر کندھوں پر سوار کر کے بھی کاکول لے جانا پڑا تو لے جائیں گے لیکن جب وقت آیا تو تسنیم ایک گل کھلا کر گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور جس بدبخت کی خاطر اس نے گل کھلایا تھا وہ رات کی تاریکی میں اسے گھر کے دروازے پر چھوڑ کر جانے کے بعد دوبارہ پلٹ کر نہ آیا تھا۔ اماں جس بے تابی سے اس کی منتظر تھیں وہی جانتی تھیں۔ اس انتظار نے مونس کے افسر بننے کی خوشی کو بھی گہنا رکھا تھا۔ تسنیم والے واقعے نے تو تقدیم کے لیے اتنا اچھا رشتہ آنے کی خوشی کو بھی ماند کر دیا تھا۔ کاش! تسنیم نے غلط قدم اٹھانے کے نتائج پر بھی نظر رکھی ہوتی۔

اس روز لڑکے اور اس کی والدہ کے جانے کے بعد زیتون کافی دیر اماں کے پاس بیٹھی رہی تھی۔ بہت خوش تھی وہ۔
"ایمان سے تقدیم کی ماں ایسا رشتہ لائی ہوں میں کہ ساری عمر تم دعائیں دو گی مجھے۔"
"خدا تمہیں خوش رکھے زیتون۔ ہم بیٹیوں والوں کی فکر بٹا کر تم ڈھیروں دعائیں لیتی ہو۔ دیکھو اب اُدھر سے کیا جواب آتا ہے۔"
"فکر نہ کرو اچھا ہی آئے گا۔" زیتون نے اماں کا زانو دھیرے سے دباتے ہوئے کہا۔ "لڑکے کی ماں چلتے وقت چپکے سے میرے کان میں کہہ گئی ہیں لڑکی بہت پسند آئی ہے انہیں۔"
"خدا میری تقدیم کا نصیبہ اچھا کرے۔" اماں انتہائی عاجزی سے بولیں۔ "یوں تو تمہید بھی کچھ کم نہیں۔ بڑی خدمت کی ہے اس نے میری، اپنے باپ اور بھائی بہنوں کی مگر تقدیم تو جیسے بیٹوں کی طرح اپنے ابا کا بازو بن گئی ہے۔ جہاں کوئی ضرورت، کوئی آڑا ٹیڑھا وقت آپڑے میری بچی ہم سب کی ڈھارس بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔" اماں کا جی اس دن کے خیال سے بھر آیا جب تسنیم کے جانے کے بعد اگلے روز تقدیم اس کی تلاش میں گھر سے نکلی تھی اور اسے اپنے ساتھ لے جانے والے بدبخت کو ڈھونڈ کر گھر واپس لوٹی تھی۔ وہ پہلا موقع نہیں تھا اس سے پہلے بھی وہ نہ جانے کب کب اور کہاں کہاں گھر والوں کے کام آئی تھی۔ ان کی ڈھارس بنی تھی مگر اس سے

پہلے اس گھر کی تاریخ میں ایسی جان لیوا آزمائش پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔
"بس جیسے ہی مجھے اُدھر سے اشارہ ملے گا میں لپک کر تمہارے پاس پہنچوں گی۔" زیتون نے اماں کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔
"یہ تمہارا رکشے کا کرایہ، باقی اپنے حق کی فکر نہ کرنا تم۔" اماں نے سو سو کے دو نوٹ اس کی مٹھی میں دباتے ہوئے کہا۔
"ہاں، ہاں اس کی مجھے کوئی گھبراہٹ تھوڑی ہے۔ مجھے تو اس بات کی تسلی ہے کہ تم بھی اچھے وہ بھی بھلے، لڑکے کی ماں تو فرشتہ ہے..... اچھا اب چلوں ایک دو گھروں میں اور جھانکی مارنی ہے مجھے۔"
زیتون کے جاتے ہی اماں نے تقدیم کو پکارا۔ وہ آئی تو اماں فکرمندی سے بولیں۔ "اے بیٹا! اس منحوس مارے کو فون کر کے پوچھو تو..... کب لے جائے گا وہ اسے۔ آخر کب تک بیٹھی رہے گی یہ ہمارے سینوں کا بوجھ بنی یہاں۔"
تقدیم کو تسنیم کی بدقسمتی اور اماں کی مجبوری پر ملال ہوا۔ کون ماں اپنی اولاد کو سینے کا بوجھ سمجھتی ہے۔ اولاد تو جگر کا ٹکڑا ہوتی ہے۔ تسنیم کیسی بدنصیب تھی کہ اپنی غلطی کی وجہ سے ماں کے سینے کا بوجھ بن گئی تھی۔
اماں کی ایما پر تقدیم نے مدثر کو فون کیا تو خلافِ توقع اس نے بلاتاخیر کال ریسیو کر لی۔ تقدیم نے مدعا بیان کیا۔
"تھوڑا سا ٹائم دیں پلیز۔" وہ بولا۔
"اندازاً کتنا؟"
"یہ بہت ٹیڑھا سوال ہے۔"
"اصل میں..... گھر میں بھی کچھ پرابلمز ہیں۔ تسنیم گھر والوں سے بالکل کٹ گئی ہے۔ گو غلطی اسی کی ہے مگر اس کی غلطی کی پاداش میں ٹینشن میں ہم بھی ہیں۔ یہ مسئلہ جتنی جلدی حل ہو جائے ہم سب کے حق میں بہتر ہے۔"
"میں سمجھتا ہوں..... میں سمجھتا ہوں۔" اس نے کہا۔

☆☆☆

الطاف کو اس کی بہنوں نے جونہی خبر دی وہ بلاتاخیر پاکستان پہنچا اور آتے ہی امی کے پاس حاضری دی۔ بیوی اور بچے کی موجودگی سے منکر نہ ہوا۔ تاہم بیوی کی کردار کشی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس نے تو یہاں تک کہا کہ عین شادی والے دن اس نے اپنے محبوب کے ساتھ فرار کا پروگرام بنا رکھا تھا مگر وقت پر پکڑی گئی تھی۔ الطاف کے بقول اس بات کی خبر اسے اور اس کے گھر والوں کو بھی ہو گئی تھی مگر چونکہ لڑکی والوں سے رشتے داری تھی لہٰذا اُن کی عزت رکھنے کو شادی تو کر لی مگر دل نہ مل سکا۔ دوسری شادی اس نے گھریلو سکون کی خاطر کی تھی اور اپنی پہلی شادی کا قصہ اس لیے چھپا لیا تھا کہ کہیں وہ اسے رشتہ دینے سے انکار نہ کریں۔ وہ حجاب سے مل کر اس پر اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہتا تھا مگر حجاب نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا۔
"وہ اتنی دور سے آیا ہے۔ اپنی غلطی پر شرمندہ ہے۔ معافی مانگ رہا ہے اور کیا چاہتی ہے وہ۔" بہجت بھائی کو پتا چلا تو وہ سخت خفا ہوئے۔
"بتا تو چکی ہوں تمہیں۔" امی نے کہا۔
"جو وہ چاہتی ہے قیامت تک نہیں ہوگا۔ یہاں سے پشاور تک ہنسی اڑوانی ہے کیا؟"
امی نے سمجھایا۔ نایاب باجی نے خوشامد کی کہ وہ ایک بار تو الطاف سے مل لے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

امی جن کی زبان سے نکلے الفاظ اس گھر میں فرمانِ شاہی کی طرح تعظیم پاتے تھے گھر کی تاریخ میں پہلی بار اُن کے حکم سے روگردانی ہورہی تھی۔ گھر کے تین بڑے امی، بہجت بھائی اور نایاب باجی متفقہ طور پر اپنی حمایت اور ہمدردیاں الطاف کے حق میں کر چکے تھے۔

''جو حالات اس نے بتائے ہیں اُن میں کوئی بھی مرد دوسری شادی کرے تو لوگ اسی کو حق بجانب سمجھیں گے۔'' نایاب باجی نے کہا۔

''کوئی اس عورت کی بھی تو سنے۔''

''ارے رہنے دو۔ لوگ خوامخواہ کہانیاں گھڑ لیتے ہیں دوسروں کی ہمدردیاں بٹورنے کو۔''

''کیا یہ نہیں گھڑ سکتا۔''

''شوہر ہے تمہارا۔ اس کے لیے تمیز سے بات کرو۔'' نایاب باجی نے اسے غلطی کا احساس دلایا۔

''بدقسمتی ہے میری کہ ایک دھوکے باز آدمی سے میرا مقدر لڑ گیا۔''

''خوامخواہ ایک چھوٹی سی بات کو ایشو بنالیا ہے تم نے۔ اس بے چارے نے تو مصلحتاً پہلی بیوی کا ذکر نہیں کیا' لوگ تو نہ جانے کیسے کیسے جھوٹ بول جاتے ہیں۔''

''میرے لیے یہ چھوٹی نہیں بہت بڑی بات ہے۔'' حجاب تلملا کر بولی۔

''تم آخر چاہتی کیا ہو؟'' امی نے غصے سے کہا۔

''میں آپ کے اس سوال کا جواب کئی مرتبہ دے چکی ہوں۔''

''بہجت شوٹ کردے گا تمہیں مگر ایسا نہیں ہونے دے گا۔'' امی بولیں۔

''بے شک کردیں۔ مجھے پروا نہیں۔''

''حجاب! میری جان ہوش کرو، کیوں ضد باندھ رہی ہو ایک بیکار سی بات کی خاطر۔'' نایاب باجی بولیں۔

'' بیکار سی بات......'' اس نے گھائل نظروں سے نایاب باجی کو دیکھا۔ ''آپ یہ تصور کرسکتی ہیں کہ اپنے چند دن کے بچے کو کسی کی دہلیز پر پیروں میں لے جاڈالیں۔ کوئی عورت انتہائی حالات میں ہی ایسا کرے گی۔''

''اس نے ڈراما کیا اور تم پسیج گئیں...... کیا حماقت ہے بھئی!''

''گھنٹوں آکر موالیوں کی طرح بیٹھا رہتا ہے وہ اس گھر میں اور یہ بیگم صاحبہ اس سے ملتی ہی نہیں۔'' امی نے نایاب باجی سے اس کی شکایت کی۔

''کس نے دعوت دی ہے اسے کہ آکر بیٹھے۔'' وہ بولی۔

''تو پھر کس طرح حل ہوگا یہ مسئلہ؟'' نایاب باجی نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

''وہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے آکر بیٹھا رہنے سے مسئلہ حل ہوسکتا ہے تو شوق سے بیٹھا رہے۔ میں ہاسٹل میں اپنا بندوبست کیے لیتی ہوں۔''

''اچھا!'' امی..... بے ساختہ چونک کر اسے گھورنے لگیں۔ ''تو یہ ارادے ہیں بیگم صاحبہ کے۔''

''امی پلیز! ایسے الفاظ استعمال نہ کریں میرے لیے جن سے مجھے اجنبیت کا احساس ہو۔''

''تم نے تو جیسے بہت دم بھرا ہے میری محبت کا۔ کچھ اندازہ ہے تمہیں کہ کیسی کیسی مشکلیں اٹھائی ہیں میں نے تمہاری خاطر۔''

''بالکل ہے امی اور اس کی قدر بھی ہے دل میں۔ جان بھی دے سکتی ہوں آپ کی خاطر تو۔''

''مجھے جان نہیں چاہیے۔ اپنے گھر کو تتر بتر ہونے سے بچانا چاہتی ہوں۔ داماد ہنسے گا، بہو ہنسے گی، خاندان والے جو اتنا اچھا رشتہ مل جانے پر رشک سے مرے جارہے تھے تالیاں بجائیں گے۔ بہجت کہتا ہے وہ اس گھر سے تعلق ختم کرلے گا۔''

''آپ کو سب کی پروا ہے سوائے میرے...... کیسی عجیب بات ہے کہ ایک شخص نے خود کو غیر شادی شدہ ظاہر کرکے آپ کی بیٹی سے شادی کی اور آپ اپنی اس بیٹی کو احتجاج کرنے کا حق دینے کے بجائے توقع کرتی ہیں کہ وہ آنکھیں بند کرکے اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنے چل دے۔''

''تمہارے اپنے ددھیال میں ایک ایک مرد نے تین تین چار چار عورتیں نہیں باندھ رکھی ہیں کیا اپنے گھر کے کھونٹے سے۔ سب سر جھکا کر اپنا وقت گزارتی ہیں کہ نہیں۔''

''تو پھر ہمیں بھی ویسی ہی مردہ اور بے زبان عورتیں بناتیں نا آپ، کیوں تعلیم دلوائی ...کیوں شعور دیا؟ کیوں یہ بتایا کہ ہماری اپنی بھی کوئی شناخت ہے، اگر آپ بابا کو بی بی جان کے حقوق ادا کرنے پر مجبور کرسکتی ہیں تو میں الطاف کی بیوی سے کیے ہوئے وعدے سے کیسے پھر سکتی ہوں۔ میں نے اسے زبان دی ہے۔'' حجاب جذباتی ہوگئی۔

''تم کیا سمجھتی ہو الطاف اسے رکھے گا؟''

''رکھے یا نہ رکھے یہ اس کا اور اس عورت کا مسئلہ ہے۔ میں کم از کم اس احساسِ جرم سے آزاد ہوجاؤں گی کہ میں نے کسی کا گھر اجاڑ کر اس پر اپنا محل تعمیر کیا ہے۔''

امی اسے یوں دیکھنے لگیں جیسے اُن کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا ہو۔

☆☆☆

''فس کلاس لوگ ہیں بھیا۔ شریف اور سیدھے سادے سے۔ لڑکی میں بھی کسی بات کی کمی نہیں۔'' زیتون نے کہا۔

''جی آنٹی! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔'' عباد نے کن انکھیوں سے امی کو دیکھا جو زیتون کی آمد پر کچھ فکرمند دکھائی دے رہی تھیں۔

''تو بس پھر کس بات کی دیر...... کرو بسم اللہ...... چٹ منگنی پٹ بیاہ......'' زیتون نے خوشی کا اظہار کیا۔

امی نے آہستگی سے پہلو بدلا۔

''لگتا ہے آج تمہاری طبیعت کچھ ڈانواں ڈول ہے۔'' زیتون نے امی کو چپ چپ دیکھ کر کہا۔

''آں...... ہاں...... بس ذرا بلڈ پریشر......'' بلڈ پریشر کو لوگ لاکھ کوسیں پیٹیں پر ہے وقت بے وقت کام آنے والی بیماری۔ امی نے بھی آڑے وقت اسی کی پناہ سے کام چلانے کی کوشش کی۔

''اللہ کسی دشمن کو بھی بلڈ پریشر نہ کرے۔'' زیتون نے امی سے اظہارِ ہمدردی کیا پھر اپنے لہجے میں شگفتگی پیدا کرتے ہوئے امی کا دھیان اُن کی بیماری سے ہٹانے کو بولی۔ ''بہو گھر آجائے اللہ نے چاہا تو دیکھتے ہی دیکھتے ایسی پھل پھلواری لگے گی کہ تم اُن کی چیں پیں میں اپنا بلڈ پریشر وغیرہ سب بھول جاؤ گی۔''

امی چپ رہیں۔ زیتون سے کیا کہتیں۔

''ہاں تو پھر کب لے آؤں لڑکی والوں کو تمہارے ہاں؟ اگلے مہینے لڑکی کا بھائی بھی افسری پاس کرکے آرہا

ہے کچھ دنوں کی چھٹی پر۔ میں تو کہتی ہوں اس کی چھٹی میں ہی دھوم دھڑ کا ہو جائے تو اچھا ہے۔''

''آنٹی سب ہو جائے گا۔ پہلے تو آپ ذرا یہ لفافہ اُن لوگوں کو پہنچا دیں۔'' عباد نے ایک سربند لفافہ جو اس نے پہلے ہی تیار کر کے رکھا ہوا تھا زیتون کو دیتے ہوئے کہا۔ امی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''یہ کیا ہے بھیا؟'' زیتون نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا پھر اپنے قیاس سے خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے بولی۔ ''اچھا اس میں تمہارا شجرۂ نسب ہوگا، ہاں بھئی جو طریقے کے لوگ ہیں وہ رشتے ناتے کرتے ہوئے ایک دوسرے کا شجرہ ضرور دیکھتے ہیں تو کیا اُن کا بھی لے آؤں۔''

''اگر دیں تو ضرور لے آیئے گا آنٹی۔'' عباد دھیرے سے مسکرایا۔

امی کے چہرے پر ایک تشنجی سا تاثر تھا۔ وہ سمجھتی تھیں عباد اس لفافے میں اپنا شجرۂ نسب نہیں اس رشتے سے اپنا انکار لڑکی والوں کو بھجوا رہا تھا۔

''ارے زیتون رہنے دو۔'' امی نے زیتون کے ہاتھ سے لفافہ لینے کی کوشش کی۔ ''اب کون پڑتا ہے ان چوچلوں میں۔'' ساتھ ہی انہوں نے عباد کو آنکھیں دکھائیں۔

عباد نے امی اور زیتون دونوں کے ہاتھ کے بیچ سے لفافہ اچکا اور امی کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جانے دیں امی ورنہ مجھے خود جانا پڑے گا۔'' امی نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

اس سے پہلے کہ امی کچھ پوچھتیں وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا۔ ''فکر مت کریں، کوئی بم نہیں بھجوا رہا ہوں میں اس لفافے میں۔'' اس نے لفافہ دوبارہ زیتون کو تھما دیا۔

''خدا جانے انکار میں کیا لکھا ہوگا اس نے۔'' امی نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''آج کل کی اولاد تو ماں باپ کے کان کترتی ہے۔'' امی کو اپنے مرحوم شوہر کا خیال آیا۔ ''اس کے ابا تو ایسے نہیں تھے۔ ہمیشہ بڑوں کے سامنے سر جھکائے رکھا۔'' امی اپنا دل دکھتا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔

☆☆☆

عباد کے بھجوائے ہوئے سربند لفافے کا ملفوف بم نہ سہی مگر اپنی ہلاکت خیزی میں بم سمان ضرور تھا۔ ضروری نہیں ہوتا کہ انسان کی سانس رک جائے اور دل تھم جائے کبھی کبھی کسی حادثے کی شدت سانس چلنے اور دل دھڑکنے کے باوجود انسان کو مار کے رکھ دیتی ہے۔ عباد کی جانب سے بھجوائی گئی مادی مطالبات پر مبنی طویل فہرست جس میں زیرو میٹر کار کا مطالبہ بھی شامل تھا اس کی اپنی دانست میں تو رشتے سے انکار کا ایک محفوظ اور مہذبانہ طریقہ تھا جو اس نے اختیار کیا مگر اماں اور ابا کے اعصاب پر اس کی ہلاکت خیزی کسی بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔

''اپنا سارا جی پی فنڈ نکلوا لوں تو بھی تقدیم کو جہیز میں یہ سب کچھ نہیں دیا جا سکتا۔'' ابا کو خود اپنی آواز کسی اندھے کنوئیں سے آتی لگی۔

''فرض کریں تھوڑا بہت قرض ادھار کر کے پورا پڑ بھی جائے تو اوروں کو بھی تو نمٹانا ہے...... تمہید کی تو عمر نکلی ہی سمجھو...... تھک گئی ہے میری بچی ہم سب کی خدمتیں کر کر کے...... تسنیم کے واقعے نے ایسا خوف زدہ کر دیا ہے اس کو کہ اس مرتبہ تقدیم کا رشتہ آنے پر ذرا چون و چرا نہیں کی اس نے۔'' اماں نے دل گرفتگی سے کہا۔

''کیا کریں پھر؟'' ابا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''رشتہ اچھا تھا۔ ہو جاتا تو میں بھی سکون سے ہوتی کہ کوئی ایک تو عزت سے اپنے گھر کی ہوئی۔''

''کسی سے قرض ادھار کا بھی امکان نہیں۔ آج کل ہر مولی اپنے پتوں پر بھاری ہے۔'' ابا بڑبڑائے۔

''کوئی بات نہیں...... دوسروں کے لیے ہم بک تو نہیں سکتے۔'' اماں نے ابا کو آزردہ دیکھ کر انہیں د دینے کی کوشش کی۔

''بک سکتا تو مجھے بک جانے میں بھی کوئی عار نہ ہوتا۔'' ابا انتہائی رنجیدہ دکھائی دینے لگے۔

تقدیم کو پتا چلا تو لوگوں کی طمع اور بے حسی پر اسے بھی ملال ہوا۔ وہ شرم و جھجک کو ایک طرف رکھ کر اماں اور کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ ''اب آئیں بھی تو جوتے مار کر نکالیے گا ان بے حیاؤں، لالچ کے ماروں کو۔'' اس نے حقارت سے کہا۔ ''بھک منگے کہیں کے۔''

اماں اور ابا دونوں اسے بے یقینی سے دیکھا کیے پھر اماں دل گرفتگی سے بولیں۔ ''دعا مانگو کہ تم لوگوں کے کوئی بھلے مانس آئیں۔ ہر وقت میرے دل کو بے کلی سی لگی رہتی ہے۔''

''کم از کم میرے لیے تو آپ فکر مند رہنا چھوڑ دیں اماں۔'' وہ اماں کے نزدیک بیٹھ گئی۔

''ممکن ہے؟'' اماں مجسم سوال بن گئیں۔

''میں اپنے پیروں پر کھڑی ہوں۔''

''کیا فرق پڑتا ہے۔'' اماں نے کہا۔

''اپنا بوجھ آپ اٹھا سکتی ہوں، اصل مسئلہ کفالت ہی کا ہوتا ہے نا اماں۔''

''عورت کے لیے کفالت سے بھی زیادہ اہم مسئلہ تحفظ کا ہوتا ہے۔''

''جس کا اپنا دل لالچ کی مٹھی میں دبا ہو وہ کسی کو کیا تحفظ دے گا اماں۔ انکار کر دیں آپ ان لوگوں کو۔''

''دیکھتے ہیں بیٹا کیا ہوتا ہے۔'' ابا نے کہا۔

''اب کیا دیکھنا ابا...... ان کی اصلیت بے نقاب ہو چکی۔ ایسے لوگوں کو تو بے نقط سنانی چاہئیں۔''

''بیٹی والے مجبور ہوتے ہیں۔'' ابا کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔

''کیا مجبوری!''

''تم نہیں سمجھو گی۔'' ابا نے کہا۔

''جب ہمارے مقام کو پہنچو گی تب سمجھ میں آئے گی تمہیں۔'' اماں بولیں۔

''اتنی کوڑھ مغز تو نہیں ہوں اماں......'' وہ دھیرے سے مسکرائی اور اس نے اپنا ہاتھ اماں کے شانے دھرتے ہوئے کہا۔ ''زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا یہی نا کہ شادی نہیں ہوگی...... نہ ہو...... بے شک نہ ہو...... شادی زندگی کا حرفِ آخر نہیں ہے۔''

''سنت ہے۔'' اماں نے کہا۔ ''اللہ کا حکم ہے۔''

''لیکن جہاں شادی کو بیوپار بنا لیا جائے وہاں؟'' تقدیم کی نگاہوں میں کاٹ اور لہجے میں سوال تھا۔ اس کے اس سوال کا جواب اماں، ابا دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں تھا یا شاید وہ جواب دینا نہیں چاہتے تھے۔

''مونس کی پاسنگ آؤٹ کے لیے کیا پروگرام ہے ابا؟'' تقدیم نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔

''تمہاری ماں جانے کو آمادہ ہی نہیں ہو رہیں حالانکہ وعدہ یہ تھا کہ بیٹے کی پاسنگ آؤٹ میں انہیں میرے کندھوں پر بھی سوار ہو کر جانا پڑا تو یہ جائیں گی۔''

''ارے میرے سینے پر مونگ دلنے کو تسنیم جو بیٹھی ہے گھر میں۔ اس بدبخت نے تو میرے لیے ہر خوشی حرام ی۔ یہ گل کھلا کر نہ بیٹھی ہوتی گھر میں تو میں اپنے بچے کے آنے پر گھر میں قرآن خوانی کرواتی۔ اپنوں، ایوں کو جوڑتی۔ خوش بخت سے مونس کا رشتہ پکا کرتی۔ دیگیں چڑھواتی۔ خوشی کرتی۔ تسنیم کے کرتوت نے میری اری خوشیوں پر پانی پھیر کر رکھ دیا۔ جانے کو قدم بھی جب اٹھتے ہیں جب دل خوش ہو۔'' اماں روہانسی ہو گئیں۔

''جانا تو پڑے گا اماں، کوئی معمولی بات تو ہے نہیں۔ مونس کی زندگی میں یہ موقع پھر پلٹ کر تھوڑی آئے ا۔ اگر اس موقع پر گھر سے کوئی نہ گیا اس کی خوشی میں شریک ہونے تو اسے تمام زندگی قلق رہے گا...... اور یہ صرف کی خوشی تھوڑی ہے ہم سب کی خوشی ہے۔ ہم سب کے لیے فخر کا موقع ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا ابا؟'' قدیم نے اماں کا حوصلہ بڑھانے کو کہا۔

''بالکل!'' ابا نے تائید کی۔

''ایسا کرو تم اور تمہارے ابا چلے جائیں۔''

''میں تو سر آنکھوں کے بل جاؤں گی لیکن آپ بھی کیوں نہیں۔''

''مجھے پریشانی ہوگی، ساتھ جانے والوں کے لیے بھی پریشانی کا سبب بنوں گی۔ ویسے بھی بچیاں ہیں گھر ں اُن کے سر پر ماں، باپ میں سے کوئی ایک تو ہونا چاہیے۔ مجھے گھر میں رہنے دو تم دونوں چلے جانا۔''

''جانا تو ہر صورت ہوگا ابا۔'' تقدیم نے ابا کو دیکھا۔

''ٹھیک ہے ہم باپ بیٹی چلے چلیں گے۔''

''خوش بخت کے لیے انگوٹھی بننے کو دے دو۔'' اماں بولیں۔ ''مونس آئے تو میں موقع دیکھ کر اس کے نام کی انوٹھی تو پہنا دوں خوش بخت کو۔ چاہے کوئی تقریب ہو یا نہ ہو۔''

''آپ اطمینان رکھیں، میں کل ہی بننے کو دے دوں گی۔''

''جیتی رہو...... اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے۔'' اماں نے دل سے دعا دی۔

☆☆☆

اسکول جانے کے لیے حجاب صبح کے وقت عموماً گھر سے مین روڈ تک پیدل آنے کے بعد رکشا لے لیا کرتی تھی۔ امی نے اکیلے ٹیکسی میں سفر کرنے سے ہمیشہ منع کیا تھا۔

اس روز بھی وہ حسبِ معمول مین روڈ پر آنے کے بعد کسی خالی رکشا کے انتظار میں کھڑی تھی کہ نئے ماڈل کی ایک سلور گرے کار اس کے بہت نزدیک آ رکی۔ یہ کوئی اچنبھے والی بات نہ تھی۔ آئے دن کا تماشا تھا۔ ایسے موقع پر وہ لفٹ دینے کے شوقینوں کے منہ لگنے کے بجائے یا تو چند قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو جاتی تھی یا ایسے کار نشین لفنگوں کو قطعاً نظر انداز کر کے آگے چلنا شروع کر دیتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے یہی کیا۔ کار آہستگی سے رینگتی ہوئی پھر اس کے نزدیک آ رکی۔ نئے ماڈل کی ایسی بے شمار کاریں شہر میں بھاگتی دوڑتی پھر رہی تھیں۔ الطاف کے پاس بھی ایک ایسی ہی گاڑی تھی۔ گاڑی کا ہارن بجا اور اگلا دروازہ کھول دیا گیا۔ وہ کار نشین کی بے غیرتی اور ڈھٹائی پر جی ہی جی میں کھولتی اسے لتاڑنے کو ٹھٹک گئی۔ اپنے بائیں پہلو پر جھکا گاڑی کا اگلا دروازہ وا کیے الطاف اسے دیکھ رہا تھا۔

(باقی آئندہ)

مکمل ناول

فیصلوں کا سفر

عالیہ حرا



سعد بن وقاص جہاز کے وسیع و عریض عرشے پر ریلنگ پر دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے۔ اُن کی سیاہ سوچتی آنکھوں کے سامنے وسیع و عریض بحرِ بے کناں، بحرِ الکاہل کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ تا حدِ نگاہ



تک پھیلا سفید پانی اور اس کے اوپر جھکا نیلا آسمان...... ہر سو نیلاہٹ نمایاں تھی۔ سعد بن وقاص کے ماتھے پر پُرسوچ شکنوں کا جال تھا۔ جب تک سمندر کے درمیان جہاز کے اوپر آن ڈیوٹی رہتے

پرسکون اور دنیا کے ہنگاموں سے دور رہتے۔ بس اب گھر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ مون اور ایمان کی ہنستی مسکراتی تصویر انہوں نے اپنے لیپ ٹاپ پر، موبائل فون پر سیٹ کی ہوئی تھی جب دل چاہتا بات کر لیتے تھے۔ تصویروں سے دل بہلا لیتے۔ تصویریں جو زندگی کی ساتھی بن کر رہ گئی تھیں۔ ہر تصویر میں جانِ جاناں صبا ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ ان کا تخیل، ان کا خیال، گمان، خواب اور دنیا صبا کی ان مسکراتی تصویروں سے آباد تھی۔ ایسے میں انزلہ کی اس زندگی میں گنجائش کہاں نکلتی تھی؟

انزلہ ان کے بچوں کی دوسری ماں۔ بچوں کی زندگی میں انزلہ سما گئی تھی اور ان کی زندگی میں تو بس صبا سمائی ہوئی تھی۔ صبا جو جا چکی تھی...... صبا جو ان کے گرد کہیں نہیں تھی۔ ان کے جہاز کو کراچی کے ساحل سے لگنے میں کچھ ہی دن تھے۔ اور بہت سالوں کے بعد اُن کی زندگی میں یہ موقع آ رہا تھا کہ عید اپنے وطن میں کرنے جا رہے تھے۔

سعد بن وقاص اپنی چھٹی کسی بھی ساتھی ورکر دوست کے ساتھ بانٹنے کے لیے تیار تھے۔ مگر اب کے اُن کا جہاز ابو غازی خود بھی کراچی کے ساحل پر اپنی عید منانے جا رہا تھا۔ ان کا دل بے چینی و بے تابی کی تال پر وحشت سے رقص کر رہا تھا۔ اپنے گھر میں آخری عید انہوں نے چار سالہ مون اور دو سالہ ایمان کے ساتھ منائی تھی، صبا کے ساتھ چار سال پہلے...... خوب صورت شرارتوں، مہکتی ساعتوں، خوشبودار لمحوں اور صبا کے چنچل، شوخ اور خوب صورت پیکر کے ساتھ...... اب کیسے انزلہ کے ساتھ عید منا سکیں گے۔ اُن کی خواہش ہوتی تھی عید پر گھر نہ جائیں۔ یادیں ان کا پیچھا کرتی تھیں۔

اس بار بچے تو خوش ہوں گے ہی انزلہ کی خوشی بھی دیدنی ہوگی مگر صبا......! اتنے سالوں کے بعد بھی صبا کے بغیر اُن کی زندگی ادھوری تھی۔ صبا سے انہوں نے عشق کیا تھا۔ منتوں سے پایا تھا۔ عشق بچھڑ جائے تو بہت اذیت ہوتی ہے یوں جیسے جسم سے جان نکل جائے اور ان کی روح صبا کی روح کے ساتھ ہی نکل گئی تھی، تو وہ کیسے زندہ رہتے...... مگر زندہ رہنا تھا۔ ان کی زندگی تھی...... ان کے بچوں مون اور ایمان کو ان کی ضرورت تھی۔ ان کے بہتر مستقبل کے لیے۔

ہنستا، مسکراتا شخص ویران ہو جائے، اس کا وجود سیم و تھور کی آماج گاہ بن جائے...... یہ کیسا درد ہوتا ہے یہ کوئی انزلہ کے دل سے پوچھتا۔ سعد بن وقاص نے صبا سے عشق کیا تھا تو! انزلہ نے بھی سعد بن وقاص سے سچی محبت کی تھی مگر اسے اپنا پن کب ملتا ہے، اس کا کاسۂ دل صرف اپنے رب کے حضور سجدہ ریز رہتا تھا۔ سعد بن وقاص کسی بات سے غافل نہیں تھے مگر یہ مجبوریوں کے سودے تھے۔ بعض اوقات مجبوریوں کے سودے دل جیت لیتے ہیں یا پھر کربِ مسلسل دیتے ہیں۔

دل ہار بھی جاتے ہیں، جذبے مر جاتے ہیں۔

اپنی تشنہ لبی کا تقاضا تھا یہ
پانیوں کے سفر پر چلیں جس گھڑی
ساحلوں پر کوئی بھی ہمارا نہ ہو
اجنبی دیس کی ملگجی شام کے
آسمانوں پر کوئی بھی ستارہ نہ ہو
آخری دم تک کشتیِ عمر کو
بادبانوں کا کوئی سہارا نہ ہو

بے حد زود رنجی سے وہ سوچتے اپنے خیال اور صبا کے خواب میں گم تھے۔ گھر جانے پر وہ کتنے خوب صورت اور بھرپور انداز میں ان کا استقبال کرتی تھی۔ ان پر نثار ہوتی تھی۔ ہر صبح عید اور ہر رات شبِ قدر کے مانند ہوتی اور اب...... اِک آہ تھی جو سینے کی وسعتوں سے نکلی۔

"کیا بات ہے سعد کچھ چپ چپ سے ہو؟" ان کے دوست سیفی نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ جو گہرے پانیوں میں اسے کھوج رہے تھے چونک کر پلٹے۔

"آں...... ہاں...... نہیں تو......" بیک ریلنگ سے لگ کر سینے پر ہاتھ باندھ لیے۔

"یہ میرا وہم نہیں ہے یقین ہے، لگتا ہے اس بار گھر جانے کی، بچوں کے ساتھ بھابی کے ساتھ رہنے کی خوشی نہیں ہے تمہیں۔" سعد نے گہری سانس لی۔

"نہیں ایسی بات تو نہیں ہے۔" اِک نگاہِ تغافل ان پر ڈالی۔

"یا پھر تم اس حصارِ محبت سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہتے۔"

سعد نے اِک نگاہ اس پر ڈالی۔

"ماضی کی یادیں انسان کا زیادہ عرصے تک ساتھ نہیں دیتیں آخر ہمیں حال میں لوٹنا پڑتا ہے۔ انہیں دل میں زندہ رکھو اور باہر والوں کو خوش رکھو۔ وہ تمہاری ذات سے منسلک تمہاری توجہ کے مستحق، تمہاری محبت کے طلب گار ہیں۔" دھیرے سے ان کا شانہ دبا کر سیفی انہیں سمجھا رہا تھا۔ وہ ان کے حالِ دل سے باخبر تھا۔ جو محبت کا امین اور چاہت کا گواہ اور ان کے نکاح نامے پر اس کے سائن تھے اور جو ان کی پہلی شادی کی طرح دوسری شادی پر بھی خوش تھا۔ دوست دوستوں کی خوشیوں میں ہی خوش ہوتے ہیں۔ آنکھ بھر کر اسے دیکھا اور آنکھ بھر آئی۔ دھیرے سے نگاہ چرا لی۔

"میں جانتا ہوں تیرا دامن دلگیر ہے مگر یوں فرار کب تک، بچے تو پھر بچے ہیں نا، انہیں بھی تیرا انتظار ہے۔"

"اور...... وہ......؟"

"اور وہ بھی تمہاری گھر والی۔ تمہارے بچوں کی ماں۔ ان کا خیال رکھنا بھی تم پر فرض ہے سعد۔ حال سے فرار ممکن نہیں...... اور خوابوں کے ساتھ سفر کرنا لاحاصل ہے، خواب تشنگی بن کر سراب بن جاتے ہیں۔ بس اب بہت ہو گیا۔ گھر لوٹ چلو اور دل کے ساتھ خوشیاں مناؤ۔" سیفی انہیں سمجھا رہا تھا اور دل...... دل وہ ضدی بچہ ہے جو کھیلنے کو چاند بھی مانگتا ہے اور من پسند کھلونا ٹوٹ جائے تو برسوں اشکبار رہتا ہے۔ کھلونوں کی کرچیاں سنبھال کر رکھتا ہے اور فگار رہتا ہے۔

رات عرشے پر ٹہلتے چاند کی کرنوں میں ڈوبے سمندر کو دیکھتے وہ صبا کے بارے میں سوچتے رہے۔ پانیوں میں صبا کا پیکر ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔

"اسے اس کا حق دینا۔" سیفی کی آواز ابھری۔

"کیسے؟" بالوں میں انگلیاں پھنسا لیں۔

"چار سال سے وہ تمہارے بچوں کو سنبھال رہی ہے...... تمہارے گھر کی دیکھ بھال کر رہی ہے اس ناتے...... تمہاری بیوی تم سے منسلک تمہارے نام سے جڑی ہے اس واسطے...... اسے سہاگن سمجھنا، اس کے دل کے ارمان ہیں۔ تم نے اگر عشق کیا ہے تو اس نے بھی محبت کی ہوگی۔ کوئی یونہی تو نہیں دریائے محبت میں کودتا۔" سیفی جب بولنے پر آتا تو رکتا نہیں تھا آخر شاعر بندہ تھا۔ سعد چونک چونک جاتے۔ کیسے منافقت کرتے، کیسے زخمی دل و جگر پر ہاتھ رکھتے۔ بادِ صبا ان کے وجود کو چھو کر گزر رہی تھی اور دل دو دھاری تلوار ہو رہا تھا۔ انزلہ سے کوئی انسیت، کوئی لگاؤ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا تو محبت کیسے ہوتی...... صبا مر گئی تھی مگر انہوں نے اپنے دل میں اسے مرنے ہی نہیں دیا تو دوسری کی جگہ کیسے بنتی...... انزلہ ضرورت بن کر زندگی میں آئی تھی اور صبا محبت تھی، محبت رہے گی۔ اب دل کو کسی دوسری محبت کی ضرورت نہیں تھی۔ صبا ان کا عشق تھی تو انزلہ امی کی چاہت انزلہ امی کو شروع سے پسند تھی۔ ان کی شادی کا وقت آیا تو امی نے انزلہ کا نام لیا تھا اور انہوں نے صبا کا۔ زندگی انہوں نے گزارنی تھی جیت محبت کی ہوئی۔ فتح کے خمار میں انہوں نے ماں کا دل ٹوٹنے کی آواز ہی نہ سنی۔

صبا سے شادی کے بعد انزلہ انہیں گھر میں نظر نہیں آئی اور نہ ہی امی نے کبھی کہا کہ مجھے حمیدہ کے گھر لے چلو انزلہ سے ملنا ہے۔ انہوں نے بیٹے کی جنوں خیز محبت کے آگے اپنے دل پر پردہ گرا لیا تھا۔ سیفی دونوں کے عشق و محبت کے بارے میں جانتا تھا۔ سیفی کا بچپن اسی گھر میں گزرا تھا۔ بچپن کے ساتھی تھے دونوں۔ حالِ دل سے کیسے بے خبر رہتا وہ۔ پورا چاند سمندر کی لہروں پر رقص کر رہا تھا۔ ابو غازی سمندر کا سینہ چیرتا ساحلِ مراد کی جانب رواں دواں تھا اور سعد ریلنگ پر بازو پھیلائے مدوجزر کا شکار تھے۔

وہ نکاح کر کے چلے گئے تھے امی کے بے حد اصرار پر۔ صبا کی موت کے محض چھ ماہ بعد امی کا بائی پاس ہوا تھا۔ وہ آخری بار اُن سے ملنا چاہتی تھیں۔ ماں کی محبت سے مجبور ہو کر گھر گئے تھے... ورنہ دل اشکبار رہتا تھا۔ یہ سوچنا بھی سوہانِ روح لگتا تھا کہ اس گھر میں جائیں جہاں صبا گنگناتی تھی۔ اُدھر ہی سرسبز لان میں اس کا جنازہ رکھا تھا اُدھر ہی آخری بار دیدارِ یار کیا تھا۔ کیسے وہاں جائیں گے مگر امی کی تکلیف کا سن کر جانا پڑا۔ امی واقعی بہت کمزور ہو گئی تھیں نقاہت غالب تھی۔ اسپتال میں ہی انہوں نے ہاتھ باندھ کر اس سے التجا کی تھی اور وہ دم بخود رہ گئے تھے۔

''بچے ماں کے بغیر نہیں رہ سکتے سعد! نکاح کر لو...... انزلہ سے، میری پسند ہے وہ عزیز ہے مجھے، تمہارے بچوں کو وہ ہی سنبھال سکتی ہے۔''

''امی......!''

''انکار مت کرنا سعد...... مجھے اپنی زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ کون ان بچوں کو دیکھے گا۔ بچوں کی نانی نہیں ہے جو سنبھال لے۔ خالہ، پھوپیاں اپنے اپنے گھروں کی ہیں۔ میرے بعد کون دیکھے گا۔''

''امی!'' انہوں نے ماں کا ماتھا چوم لیا۔ ''خدا نہ کرے آپ کو کچھ ہو۔''

''آج نہیں تو کل ہوگا ہونا تو امر ہے نا۔ بچے بکھر جائیں گے۔ تمہارا روزگار سمندر کی وسعتوں پر پھیلا ہے، سال ڈیڑھ سال بعد تمہارا جہاز ساحل سے لگتا ہے۔ کون دیکھے گا بچوں کو۔''

''آپ...... صرف آپ۔'' انہوں نے ماں کا ہاتھ چوم لیا۔

''مجھے اب کسی رشتے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''بچوں کو اِک نگراں کی اِک ماں کی ضرورت ہے بیٹا۔''

''میں ان کے لیے بہت اچھی میڈ رکھ دیتا ہوں' نگراں آپ ہوں گی۔''

''انزلہ کو میری خاطر میرے گھر میں لے آؤ...... اِک فیصلہ میں نے تمہارا مانا تھا۔ صبا کو لے آئی تھی۔ قدرت نے اسے چھین لیا ہے...... ایک فیصلہ تم ماں کے لیے مان لو۔ انزلہ کو لے آؤ۔''

''امی......!'' وہ کراہ اٹھے۔

''جہاں زندگی ختم ہوتی ہے وہاں سے ہی دوبارہ شروع ہوتی ہے سعد! یہ بشری تقاضے اور زندگی کے اصول ہیں۔ تنہا انسان کبھی بھی زندگی نہیں گزار سکتا۔ مجھ پر بھروسا رکھو۔'' اور انہیں ماں کا اصرار، ماں کا تذبذب اور ان کی حالت دیکھ کر دل کے نہ ماننے کے باوجود اِک فیصلہ کرنا پڑا بچوں کے لیے...... اِک نگراں کی اِک ماں کی ضرورت تھی۔ انہوں نے انزلہ سے نکاح کر لیا...... صرف نکاح۔ دل و دماغ کسی بشری تقاضے کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ امی کا بائی پاس ہوا۔ ساتھ ہی ان کا نکاح ہو گیا۔ پھر وہ جہاز لے کر واپس آ گئے۔ پچھلے چار برسوں میں دو دفعہ وہ گئے۔ ایک مرتبہ امی کی ڈیتھ پر چار دن کے لیے۔ دوسری دفعہ پندرہ دن کے لیے ان کا جہاز ساحل سے لگا تو انہیں خبر ہوئی کہ مون کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اسکول وین سے تو اسے دیکھنے گئے تھے۔ انزلہ نے

اچھی طرح بچوں کو رکھا ہوا تھا۔ فل ٹائم میڈ بھی لا دی تھی۔ بچے اور انزلہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھے۔ ان کے دل کو ڈھارس تھی۔ ان کے پاس صبا کی نشانی محفوظ اور مامون ہاتھوں میں تھے۔

اب پھر ایک عرصے بعد تین چار ماہ کے لیے ان کا جہاز بحیرۂ عرب کے ساحل سے لگ رہا تھا۔ صبا کی یادیں دھندلائی ہی نہیں تھیں امنڈ امنڈ کے آ رہی تھیں کہ پلکیں بھیگ جاتی تھیں۔ اپنے اندر کی محبت کو کیسے مار دیں، کیسے دل کو آمادہ کریں دوبارہ سے محبت کرنے کو اور سیفی...... سیفی کہتا ہے۔

''بچوں کے ساتھ کسی اور کو بھی تیرا انتظار ہے، اسے بھی محبت دینا۔ وہ بھی تشنہ لبی سے بھرے موسموں میں تیرا انتظار کر رہی ہے۔''

☆☆☆

''اُف! کتنا مشکل ہے یہ سفرِ مسلسل......

بڑا دشوار ہوتا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
کہ جیون کی کہانی کو بیانِ بے زبانی کو
کہاں سے یاد رکھنا ہے
کہاں سے بھول جانا ہے
اسے کتنا بتانا ہے
اسے کتنا چھپانا ہے
کہاں رو رو کے ہنسنا ہے
کہاں ہنس ہنس کے رونا ہے
اس آنچل کے کونے کو کتنا بھگونا ہے
کہاں آواز دینی ہے
کہاں خاموش رہنا ہے
کسی دکھ کو کہاں پر
کون سی شدت سے کہنا ہے
کہاں رستہ بدلنا ہے
کہاں سے لوٹ آنا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
بڑا دشوار ہوتا ہے''

انزلہ نے دھیرے سے ڈائری پر قلم رکھ دیا۔ نشست سے پشت لگا کر سر ٹکا کر آنکھیں موندیں اور ہتھیلیوں سے آنکھیں دباتے ہوئے گہری سانس لی۔

''ہاں...... بڑا دشوار ہوتا ہے...... امی...... مگر فیصلہ تو ہو چکا ہے نا۔ اب میری زندگی میں کسی اور فیصلے کی گنجائش نہیں ہے، یہ گھر اور سعد کا ساتھ میری منزل ہے اور منزلیں بار بار نہیں بدلا کرتیں۔ مجھے سعد سے عشقِ جنوں ہے۔'' اور خود ہی مسکرا دی۔

کوئی اے شکیل دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

''سعد نہیں تو کیا ہوا محبت کی صورت ان کے بچے تو ہیں نا، ان کے گھر میں تو ہوں نا...... امی، آپ نہیں جان سکتیں کہ میری زندگی کا سکون کیا ہے...... قرار کیا ہے۔'' دھیرے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔ ہر سو گہرا سکوت تھا، رات کا پچھلا پہر دھیرے دھیرے صبح کے پہلے پہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ تازہ ہوا شب کے باسی پھولوں کی مہک اڑا لے جا رہی تھی۔ اس کی سائڈ ٹیبل میں لگے موتیے کے پھولوں کی مہک نے فضا کو معطر کر رکھا تھا۔

''میں تو اس میں بھی بہت خوش ہوں۔ آپ کہتی ہیں کہ اب کے سعد آئے تو فیصلہ کروا لو...... تم اس کے بچوں کی خادمہ نہیں ہو اس گھر کی نوکرانی نہیں ہو...... بیوی کے حقوق دے تمہیں۔''

''امی مجھے بیوی کا حق نہیں چاہیے مانگوں تو بھی مل جائے۔'' وہ دھیرے سے اٹھی اور دریچے میں کھڑی ہو گئی۔

''مجھے رتبہ چاہیے۔ رتبے کا احترام چاہیے، خیرات نہیں۔ مجھے انتظار کرنا ہے۔ حق چھیننا نہیں

ہے۔" بلو بیل کی بیل کو دھیرے سے چھوا...... سرما کی خوشبو ہر سو پھیلی تھی۔ بھیگا ہوا ٹھنڈا موسم۔ شبنم سی ہوا۔

"جب تک سعد آئیں گے سردیاں شروع ہو چکی ہوں گی۔ میں کافی بہت اچھی بنانے لگی ہوں۔ مختلف حلوے بنا کر رکھنے ہیں۔ کمبلوں کو ترتیب دینا ہے۔" وہ کاموں کی ترتیب دینے لگی۔

"سنو!" دھیرے سے کانوں میں پروا نے سرگوشی کی۔ شرارتی دل نے سر اٹھایا۔

"کچھ گرم کپڑے اپنے لیے بھی بنوالو نا...... اونی رنگ برنگی ٹوپیاں تمہیں بھی تو پسند ہیں۔ وہ پل اوور...... اور اسکارف...... اور سخت سردیاں ہوں۔" وہ لب دبا کر ہنسی۔

"لانگ ڈرائیو...... آتش دان میں جلتی لکڑیاں...... ایزی چیئر پر بیٹھے وہ...... ننگ کرتی میں...... بھاپ اڑاتی کافی۔ کاجو اور ڈرائی فروٹ سے شغل کرتے ہم دونوں...... درمیان میں ان کا شرارتی جملہ...... آؤ نا...... ادھر......!" وہ آنکھیں بند کرکے مسکرائی اور اس کی زندگی کا خواب زندہ ہو گیا۔

پُرسکون، فضا، معطر سردیاں اور خواب ناک رومینٹک ماحول۔ دھیرے سے آنکھیں کھول کر اپنی ہتھیلیوں کی جانب دیکھا۔

"مانگنا نہیں ہے تقدیر سے وصل کا انتظار ہے
میرے ہی ہاتھوں پر لکھی ہے میری تقدیر
اور مری تقدیر پر میرا بس نہیں چلتا"

اس نے گہری سانس بھری...... اور رخ پھیر کر دھیرے دھیرے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"محبت ایسا منتر ہے
فنا جو ہو نہیں سکتا
اور...... میری محبت بے لوث ہے اور سنا ہے" دھیرے سے تصویر کے فریم کے آگے آ کے ٹھہری۔ "بے لوث جذبے رائگاں نہیں جاتے۔"

مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "اور میں نے تو آپ کو اپنے رب سے مانگا ہے۔" وہ ایک بار پھر ٹہلنے لگی۔

"آنے میں چند دن ہی ہیں بس چند دنوں بعد جہاز ساحل سے چھوئے گا اور اس گھر میں رونقیں اتر آئیں گی۔ مون، ایمان اور میں...... اور آپ کو بھی خوش ہونا ہے اور دل سے خوش ہونا ہے اس بار ہمارے ساتھ۔" ایک بار پھر تصویر کے آگے رکی۔

"سن لیا نا؟" اور تصویر کی پیشانی پر ہاتھ میں پکڑا پھول پھیرنے لگی۔

"کوئی عذر، کوئی بہانہ، کوئی اداسی اور کوئی فرار نہیں چلے گا...... ہاں......!" دھیرے دھیرے ہونٹ گنگنانے لگے۔

"اب کے فیصلہ قرارِ وفا کا ہوگا۔"

☆☆☆

ساحل نظر آنا شروع ہو گیا تھا اوائل سرما کی دھوپ نے ہر سو احاطہ کر رکھا تھا، سورج کی سنہری کرنیں لہروں پر موجزن تھیں۔ لوگ خوشی اور بے چینی سے ساحل چومنے کے منتظر تھے بس سعد کے دل میں خوشی نہیں تھی۔

"میں گھر آؤں گا۔" سیفی کافی کا مگ لے کر آ گیا۔ "اور تجھے ہنستا مسکراتا دیکھوں...... غم وا کی تصویر بنا نہیں...... وہ حیات ہوتی تو ٹھیک تھا مگر جو گزر گیا وہ پل اب نہیں آئے گا۔" کافی کا مگ ان کی جانب بڑھایا۔ "اک مکمل گرہستی تیری منتظر ہے۔"

"کتنی فیس ملی ہے کیس لڑنے کی؟" سعد نے مسکرا کر مگ تھام لیا۔

"میں اکثر کام فری کر دیتا ہوں...... یعنی فی سبیل اللہ...... وگرنہ میں انہیں بھی سمجھا دوں گا کہ......" سیفی نے شرارت سے کہا۔

"کیا......!" سعد نے کافی کا گھونٹ بھر کر اسے دیکھا۔

"وہی بے فیض لوگوں سے نبھا کر کچھ نہیں ملا۔" سعد کی نگاہیں لہروں پر ٹھہر گئیں۔

"دل...... سارے کام دل کے ہی تو مرہونِ منت ہوتے ہیں، دل کو کیسے سمجھائیں۔"

"ٹھیک ہے نا پھر۔" سیفی نے پہلو میں کھڑے ہو کر شانے پر بازو پھیلایا۔

"میں زبردستی کچھ نہیں کر سکتا۔" دل میں یادیں سر اٹھا رہی تھیں جہاز ساحل سے لگنے والا تھا اور ہر سو صبا نظر آ رہی تھی۔ ہنستی مسکراتی۔ ان کا دل دکھاتی۔ وہ کیسے کسی دوسرے کو......

"سیفی بھی بس نا۔" سر جھٹکا۔ دل کی سطح نم ہو رہی تھی مگر کیسی عجیب بات ہے کہ مرد رویا نہیں کرتے...... اور...... آنکھوں کی سطح خشک تھی۔ جہاز ساحل سے لگ گیا۔ سب بے قراری سے اترنے لگے۔ سب سے پہلے اترنے والا سیفی اور سب سے آخری میں اترنے والے سعد تھے۔

"یار......" سیفی ہینڈ کیری لے کر ساتھ چلا...... "سمندر بہت بڑا ہے اور اس کا ظرف اس سے بھی بڑا...... یادِ ماضی پھینک دیتا اور پُرسکون ہو جاتا......"

"یہ سب اپنے اختیار میں نہیں ہے۔" لہجے میں حزن تھا۔

"تو اس بار جب ابوِ غازی سفر پر نکلے گا تو تو ساتھ نہیں جائے گا جب تک اپنے تعلقات کو راہِ راست پر نہیں لے آتا۔ غضب خدا کا جوان...... خوب صورت دوسری بیوی گھر میں موجود اور یہ صاحب گڑے مردے اکھاڑنے کے چکر میں ہیں۔ میرے ساتھ یہ ہوتا تو...... میں" ساتھ چلتے چلتے کہتے ہوئے مسکرا دیا۔ "جانے کیا کچھ کر لیتا۔"

سعد نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ شرارتی سی ہنسی۔ آنکھوں میں گہری چمک، اپنوں سے ملنے کی ہمک تھی اور ان کا دل...... سر گھما لیا۔ سیفی کی گاڑی آ گئی۔

ڈرائیور کے ساتھ بچے اور سمیرا تھی۔ وہ خدا حافظ کہہ کر پارے کی طرح بڑھا تھا اُن کی جانب۔ بچے اس سے لپٹ گئے۔ سمیرا گاڑی سے نکل آئی۔ سیفی نے ہاتھ تھام لیا۔ سب کے چہروں پر اک الوہی چمک تھی۔ سچی خوشی تھی اور ان کا دل...... دلِ فگار پر ہاتھ رکھا۔ سیفی چلا گیا۔ دل یادوں میں لپٹنے لگا۔

"صبا...... صبا...... صبا۔" وہ بھی اسی طرح سے آتی تھی۔ پہلے مون اور پھر ایمان کو لے کر، ہنسی کی پھوار برساتی۔ سیاہ آنکھوں میں گہرا کاجل، چمکتا ہوا چہرہ...... اور اب...... پول سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے۔ انہیں ٹیکسی لینی تھی گھر جانے کے لیے اور گھر جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ تبھی وائٹ سوک ان کے سامنے آ کر رکی اور مون و ایمان پاپا...... پاپا کہتے اترے۔ سعد نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ بچوں کو دیکھ کر ساری اداسی اڑنچھو ہو گئی۔ دوزانو جھکے، بانہیں پھیلائیں اور بچے ان میں سما گئے۔ انزلہ بھی نیچے اتر آئی۔ اتنے عرصے بعد محبوب کا دیدار ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی بے صبری آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دیں گی سو گلاسز لگا کر آئی تھی۔ بھیگی آنکھوں کا پردہ رکھ لیا تھا۔ مسکراتے ہوئے گاڑی سے ٹیک لگا کر باپ بچوں کا ملن دیکھ رہی تھی۔

"پاپا...... ٹریفک بہت تھا دیر ہو گئی۔" مون چہکا۔

"پاپا...... چالان ہوتے ہوتے بچا۔" ایمان نے وجہ بتائی۔

"پولیس انکل چھوڑ ہی نہیں رہے تھے، ماما نے بڑے ماموں کو فون کیا پھر جان چھٹی۔"

"ماما...!" سعد کے دل میں ہوک اٹھی۔ "بچوں نے اتنی جلدی صبا کو بھلا دیا۔"

"کیسا رہا سفر؟" انزلہ آگے بڑھی۔

"ہوں...... ٹھیک تھا۔" وہ سنجیدہ تھے۔ انزلہ

نے ڈکی کھول دی۔ سعد سامان رکھنے لگے۔ بچے گاڑی میں بیٹھے تو سعد پیچھے اُن کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ انزلہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی جبکہ دل میں یہ ارمان تھا سعد ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھیں گے تو وہ فرنٹ سیٹ سنبھال لے گی۔ بچے پیچھے...... فیملی مکمل۔ جانے کیوں گہری سانس لی۔

"ابھی شاید وہ وقت نہیں آیا جب فیملی مکمل ہوتی ہے۔ ابھی مزید انتظار کرنا تھا۔ ابھی تو...... ابھی تو......" گاڑی آگے بڑھادی۔

"ماما آرڈر لینا ہے۔"

"ماما آئسکریم بھی۔"

"ماما مٹھائی بھی۔"

"ماما...... میرا بوکے......" بچوں کی فرمائشیں۔

انزلہ نے راستے میں سے سارے آرڈر لیے۔ بچے خوش ہو گئے۔ چلتی گاڑی میں سعد، صبا کے ساتھ محوِ سفر تھے۔ ذہن و دل کے دروازے کسی اور کے لیے وا تھے۔ اُن کے آنے کی خوشی میں ان کی پسند کے کھانے پکاتی تھی وہ اور بازار کے کھانے جب آتے تھے جب ان کے جانے کا وقت آتا اور لمحہ لمحہ ساتھ گزرتا تھا اور یہاں ایسا کیا ہوگا؟ یہاں تو بس سمجھوتا ہی ہے۔ سر جھٹکا...... گاڑی رک گئی۔

گھر آ گیا تھا۔ بچے سعد کو اپنے حصار میں لے کر... اندر بڑھے۔ انزلہ عبدل سے سامان نکلوانے لگی۔ اسے ضبط بھی کرنا تھا اور صبر بھی۔ عرصے بعد پردیسی گھر آیا تھا، وقت بہت تھا ابھی انہیں اپنے ملال میں آخری بار رہنے دو اور...... ڈائننگ ٹیبل پر چکن بریانی، وائٹ قورمہ، کباب اور ٹرائفل دیکھ کر شرمندہ سے ہو گئے سب ان کی پسند کا تھا اور اس وقت ان کی حیرت، خوشی میں بدل گئی کھانے کے بعد جب مون بڑا سا کیک تھامے آ گیا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو پاپا!" پیچھے پیچھے ایمان گفٹ اور بوکے تھامے۔ انہیں اپنی سالگرہ یاد ہی نہیں تھی۔ صبا تھی تو...... سنہری پیکٹ گلاب کی کلی کے ساتھ انزلہ نے ان کی جانب بڑھایا۔

"شکریہ۔"

"پاپا...... گفٹ کا تھینکس نہیں کہتے۔" سعد مسکرا دیے۔ گفٹ پیک سائڈ پر رکھ دیا اور وہ کھلنے کا سائڈ میں پڑا رہا۔ سعد بچوں کے ساتھ اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں چلے گئے۔ بیڈ روم! ویسا ہی تھا جیسے چھوڑا تھا ہر چیز اپنی جگہ ٹھکانے پر تھی۔ صبا ہوتی تو کئی شکایتیں ہوتیں۔

"سعد پلیز چیزوں کو اپنی جگہ پر رکھا کریں۔ پھر ٹاول...... یہ شوز...... اُف کتابیں...... پلیز اپنی سی ڈیز تو سنبھال لیا کریں۔ اور...... اب......" بستر پر گر سے گئے۔

"کئی دنوں سے شکایت نہیں زمانے سے۔"

"پا...... پا...... یہاں کیوں...... اوپر چلیں نا ماما کے بیڈ روم میں۔" ایمان نے پونی ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ پاپا...... کا بیڈ روم ہے پاگل اور پاپا کو آرام کی ضرورت ہے۔ آرام کرنے کے بعد آئیں گے۔" مون نے سمجھایا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر سعد مسکرا دیے۔ ان کا بیٹا کتنا سمجھ دار تھا۔

"اوپر ماما کا بیڈ روم زیادہ اچھا ہے ہوا دار، روشن، ٹیرس والا۔"

"اچھا...... ماما کو یہاں لے آؤ۔" مون نے مشورہ دیا اور ایمان بھاگ بھی گئی۔ سعد روک نہ سکے۔ مون ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ سعد اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگے۔ ایمان انزلہ کو لے بھی آئی۔

"اب ہم مل کر باتیں کریں گے۔ آئیے ماما۔" مون نے اپنے قریب جگہ بنائی اور سعد گڑبڑائے۔ لمحہ بھر کو انزلہ تذبذب کا شکار ہوئی اور پھر سر جھٹک کر بیڈ

اٹھ کر سامنے بیٹھ گئی۔ جب گھر اس کا تھا تو گھر والے کو بھی تو اپنا بنانا تھا پھر شرم کیسی...... کیسی جھجک...... حیا دوریاں پیدا کر دیتی...... اور پھر دل نے اس شخص کو ہی تو اپنا بنانے کی قسم کھائی تھی اور دل کی قسم کو ضرور پورا ہونا چاہیے۔ بچوں نے باتوں کا سلسلہ اسکول سے شروع کر دیا اور ہر بات کا اختتام مون ہاں کرتا۔

"مجھے کل سے آپ اسکول چھوڑنے جائیں گے۔"

"اور مجھے ماما......" ایمان نے فوراً انزلہ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ بچوں سے محبت نظر آ رہی تھی۔

"میری ماما بہت اچھی ہیں۔" ایمان جھومنے لگی۔

"اور میرے پاپا۔" مون کیوں پیچھے رہتا۔ سعد ہنس رہے تھے بچوں کے لیے۔ انزلہ سے نظر چرا رہے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل پر انزلہ کی پشت اور ان کی نشست کے سامنے صبا کا فوٹو فریم بھی نمایاں تھا جو بار بار انہیں اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ ان کی نگاہ دھندلا رہی تھی۔ محبت مرتی نہیں ہے، دور ہو کر اور بھی درد دیتی ہے...... اور یہ میٹھا سا درد انہیں بہت عزیز تھا۔

"چلو بیٹا اب پاپا کو تھوڑا سا آرام کرنے دو۔" بچوں کے ہنسی مذاق اور شرارتوں میں بہت سارا وقت گزر گیا تو انزلہ کو خیال آیا۔

"ماما۔" مون ٹھنکا۔

"پلیز ماما......" ایمان نے ملتجی لہجہ اختیار کیا۔

"چلو...... چلو...... شاباش۔" دوپٹا شانوں پر سنبھالتے، بیڈ سے اترتے ہوئے ممتا بھرا لہجہ تھا۔

"صبح چھٹی ہے۔"

"پاپا تھکے ہوئے ہیں۔"

"میں پاپا کے پاس سو جاتا ہوں۔" مون بستر پر لیٹ گیا۔

"بھئی یہ آپ باپ بیٹے کا معاملہ ہے۔" استحقاق بھرے انداز میں کشن درست کرتی، اخبار سمیٹتی انزلہ نے کہا۔ ایک پل کے لیے وہ انہیں صبا لگی۔

"صبا!" نگاہیں فریم کا بوسہ لینے لگیں۔ دل میں آکاس بیل نے سر اٹھایا۔ درد شانے سے آلگا، جدائی کے احساس نے دل کے درد کو جگا دیا۔ انزلہ مسکراتے ہوئے ایمان کو بہلا پھسلا کر باہر لے گئی۔ مون ان کے تکیے پر سر رکھے لیٹا تھا۔ صبا کا احساس رگ و پے میں سرائیت کر گیا۔ ان کی انگلیاں مون کے نرم بالوں سے کھیلنے لگیں، نگاہیں، مسکراتی ہوئی صبا کے خاموش وجود پر ٹھہر گئیں۔ مون جانے کون کون سی کہانیاں سنانے لگا۔ صبا ان کے شانے سے آلگی۔ سعد کی آنکھیں بھیگیں اور بند ہونے لگیں۔ جدائی کا درد لہو رنگ ہو کر وجود سے لپٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد دودھ کا گلاس لاتی انزلہ دہلیز پر ہی ٹھہر گئی۔ بستر پر دراز سعد آنکھیں موندے لیٹے تھے۔ ایک بازو سینے پر رکھا تھا دوسرا ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھائی گئی تصویر پر۔ انزلہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔ قریب آ کر گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھا۔ اس شخص کے ہونٹوں پر ہنسی کے پھول کھلانے کے لیے جانے کتنے کٹھن سفر طے کرنے ہیں۔ کمبل کھول کر اوپر پر ڈال دیا۔ تصویر اور اس پر رکھا ہاتھ چھپ گیا۔ آہٹ پر آنکھ کھول کر دیکھا۔

"ہلکی ہلکی ٹھنڈک تھی نا اس لیے کمبل اوڑھا رہی تھی۔ آپ یہ دودھ پی لیں، ابھی نیم گرم ہے۔"

"ابھی طلب نہیں ہے۔" انہوں نے نگاہ چرا لی۔

"یہ طلب نہیں ضرورت ہے پلیز، اٹھیں...... گرم دودھ اچھی نیند لاتا ہے۔" اپنائیت بھرا لہجہ......

"سفر کی تھکن اتر جاتی ہے۔" محبت بھرا انداز۔ نکاح کر کے چلے گئے تھے۔ باقاعدہ روابط اب طے

ہور ہے تھے۔

”چلیے اٹھیے نا۔“ اور انہیں اٹھنا پڑا...... مون بے خبر سو رہا تھا۔ سعد نے گلاس تھام لیا۔ انزلہ کنارے پر ٹک گئی۔ جھجک، تذبذب اور پس و پیش کو اس نے جواں ہمتی سے دروازے کے باہر ہی روک دیا تھا۔ تینوں لائن سے کھڑے اس کی آمد کے منتظر تھے۔

”کل ثنا آپی اور پھپو نے آنے کے لیے کہا ہے۔ کہہ تو آج ہی رہی تھیں مگر پھر آپ کی تھکاوٹ کے احساس سے خود ہی کل صبح کا کہہ دیا۔“

”ہوں۔“ انہوں نے کہا اور گلاس خالی کیا۔ انزلہ نے بڑھ کر تھام لیا۔

”میں مون کو لے جاؤں؟“ لمحہ بھر کو سوچا۔

”نہیں رہنے دو۔“

”آپ ڈسٹرب نہ ہوں۔“ مسکرا کر کچھ جتایا۔ سعد چونک گئے۔ انزلہ نے لائٹ آف کر کے بیڈ روم لائٹ آن کی، نیم خوابیدہ سا ماحول ہونے لگا۔ ہلکا سا روز کا اسپرے روم میں کیا اور شب بخیر کہہ کر باہر نکل گئی۔ وہ بیٹھے رہ گئے۔ لیٹتے لیٹتے دوسرے لمحے چونکے۔ ان کے پہلو میں رکھا فریم نمایاں تھا۔

”مجھے کوئی ڈسٹرب نہیں کر سکتا۔“ فریم اٹھا کر مسکرائے اور نیم دراز ہو گئے۔

صبا کا مسکراتا ہوا پیکر سامنے تھا۔ فریم کی سطح پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرا دیے۔

☆☆☆

ان کے کمرے سے اپنے کمرے تک کا سفر طے کرتے ہوئے انزلہ چپ سی ہو گئی۔

”آپ کی تنہائی دور کرتے کرتے خود نہ تنہا ہو جاؤں۔“ اوپر اپنے روم میں جانے کے بجائے لاؤنج کا دروازہ کھول کر لان میں نکل آئی۔ ٹھنڈک کا احساس رگ و پے میں سرائیت کر گیا۔ سرما کی راتیں اسے بہت پسند تھیں۔ اِک گہرائی کا سا احساس لیے۔ نم گھاس نے پیروں کو ٹھنڈا کر دیا۔ خالی ذ لیے کتنے ہی لمحوں تک اِدھر اُدھر گھومتی رہتی۔ گویا لفظوں کی تفسیر بنی ہوئی تھی۔ اس بگھیا کے بھید نہ کھو سیر کرو خاموش رہو......

”سعد!!“ دھیرے سے یوکلپٹس کے تنے ٹیک لگا لی۔ ”نہ جانے آپ سے آپ تک کا فاصلہ طے ہو گا...... کہیں میری ہر کوشش رائگاں ہی نہ جائے۔“ آنکھوں میں نمی کا سا احساس ہوا۔

”آج تو پہلا دن ہے اور تم ابھی سے گھبرا کر مایوس ہو رہی ہو؟“

”ایسی بات نہیں ہے یار۔“ انگلی کی پور سے آنکھ کا کنارہ چھوا۔ ”بس...... ذرا...... یونہی۔“

”محبت میں انسان حساس بھی تو بہت ہو جاتا ہے۔“ قدم اندر کی جانب بڑھا دیے دل کو سمجھاتے ہوئے۔

☆☆☆

صبح گھر میں غیر معمولی رونق تھی۔ مون او ایمان کو پاپا کے آنے کی بے حد خوشی تھی، در و دیوا سے تازگی امنڈ رہی تھی۔ انزلہ گرم گرم تازہ پوریا کڑھائی سے نکال کر لا رہی تھی۔ گرم سوندھی سو حلوے اور ترکاری کی خوشبو پھیلی تھی۔ سعد بہت شو سے کھا رہے تھے۔ بچے چھوٹی چھوٹی باتوں سے ; رہے تھے۔ چائے لا کر وہ بھی ناشتے میں شامل ہو سعد نے نگاہ اٹھا کر دیکھا کیچر سے نکلتی لٹیں، گلے پڑا دوپٹا، اِک اطمینان، ایک مسکراہٹ بالکل گھریلو انداز...... جیسے صبا سامنے بیٹھی ہو۔ سر جھٹکا۔ اب انز سارے دن کا مینیو ان سے ڈسکس کرنے لگی۔

”قورمہ، بریانی ضرور......“

”کسٹرڈ...... لازمی۔“

”ٹرائفل تو بھولیے گا مت......“

”میرے کباب......“ مون اور ایمان رک نہیں رہے تھے۔

”اچھا...... بابا...... اچھا...... بس...... چپ...... خاموش۔ پاپا سے بھی ان کی فرمائش پوچھنے دو۔“

”پاپا...... تو بس پزا لیں گے۔“ مون ہنسا۔

”جہاز پر تو پزا ہی ملتا ہو گا۔“ ایمان کیوں پیچھے رہتی۔ نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے چائے کا مگ آگے کیا۔ بچوں کی باتیں مزہ دے رہی تھیں۔

”جلدی بتائیے تاکہ لسٹ بنا لوں۔“ کیسا ایک بیوی والا انداز تھا۔

”بچوں نے اچھا مینیو ترتیب دیا ہے۔ اس میں فرائی کا اضافہ کر لو۔“

”اور......“

”رات میں کھیر۔“

”ماما...... وائٹ قورمہ۔“

”اچھا...... بابا۔“ ہاتھ بڑھا کر مون کے بال بگاڑے۔ ”اور...... سنو...... ایمان کے ساتھ مل کر شور شرابہ مت کرنا، ڈرائنگ روم میں مت جانا، کسی ڈیکوریشن پیس کو ہاتھ لگایا تو...... بس......“ وارننگ دی۔

”کوئی سزا نہیں، پاپا بچا لیں گے۔“ مون اٹھ کر پاپا کے شانے سے لگ گیا۔ سعد نے بھی اسے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

”جاؤ اپنے پاپا کے پاس...... نو آئسکریم...... نو بریانی اینڈ نو...... سب کچھ۔“ انزلہ نے چڑایا۔ مون جھٹ سے اس کے کورٹ میں آ گیا۔ انزلہ کھلکھلا کر ہنسی۔ سعد بھی مسکرا دیے۔

پھر سارا دن انہوں نے انزلہ کی مصروفیت دیکھی۔ مہمان آ گئے۔ ان کی تواضع...... انہیں ٹائم دینا...... باتیں...... بھرپور کھانا...... شام کی چائے...... رات کا ڈنر سب کی پسند کا۔ پھر آئسکریم اور جب سب آئسکریم کا مزہ لے رہے تھے، باتیں، شرارتیں کر رہے تھے، سعد بہن بھائیوں میں گھلے ملے

ہوئے تھے کہ حمیدہ بانو آ گئیں، فیضان کے ساتھ۔ انزلہ نے اٹھ کر ماں کا استقبال کیا۔ بھائی سے ملی۔ سعد بھی اٹھ کر ملے۔ آپا نے آئسکریم کپ اُن کی جانب بڑھائے۔ حمیدہ بانو، سعد کا جائزہ لیتی زیرک نگاہی سے ماحول اور لوگوں کا بھی جائزہ لے رہی تھیں اور پھر اُن کی نظریں انزلہ پر ٹھہر گئیں۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ سعد کے لیے وہ سب کو خوش کر رہی تھی ان تھک محنت...... کام اور کام...... اور یہ شخص ان کی بیٹی کو بس اپنے بچوں کی خادمہ...... گھر کی رکھوالن سے زیادہ اہمیت نہیں دے گا۔ مر کر بھی صبا نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ ان کی پاگل بیٹی...... صرف نام، گھر اور اس کے بچوں سے خوش ہوئی رہتی تھی بے وقوف۔ انہیں غصہ چڑھ جاتا تھا انزلہ کو دیکھ کر۔ ان کی پیاری بیٹی محبت اور مان کی چاہ میں کیسی خدمت گار بنی ہوئی تھی۔ بچے ماما، ماما کہہ کر خدمتیں الگ کروا رہے تھے۔

”سمجھ لیا ہے نا...... میں نے کیا کہا ہے؟“ کچن میں اسے روک لیا۔

”کیا...... امی!“ تجاہلِ عارفانہ کے انداز میں بال کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

”پھر بتاؤں میں۔“ انہیں جانے کس بات کا غصہ تھا، آواز بلند ہوئی۔

”پلیز امی۔“ گڑبڑا کر اندر دیکھا۔

”بات کرنا...... آر...... یا پار۔“

”امی پلیز...... ابھی کل ہی تو آئے ہیں۔“ دبی دبی آواز میں کہا۔

”اور تو...... نوکرانی بن جا۔“

”امی...... میرا، گھر میرے بچے...... ہیں۔“

”تو سمجھ رہی ہے نا...... شوہر مان نہ دے تو ماں سوتیلی ہی کہلاتی ہے...... خدمت گار میڈ۔“

وہ ساکت کھڑی رہ گئی۔

”تمہارے ابو نے کبھی یہ رشتہ ہونے نہیں دینا

تھا۔"

"امی..... یہ وقت ہے، ان باتوں کا۔" اسے غصہ آنے لگا۔

"یہی وقت ہے اگر تم نے نہیں کی تو میں خود سعد سے بات کرلوں گی۔ میری بیٹی کو کیا سمجھ لیا ہے..... سہاگن ہوتے ہوئے بھی سہاگن نہیں ہے۔"

"اچھا آپی..... جارہے ہیں، امی نکلیں نا۔" فیضان کچن میں آگیا۔ وہ بمشکل مسکرائی۔ امی اس پر قطعی نظر ڈال کر باہر نکل گئیں۔

"امی کے ارادے بالکل ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔" اس کی ہمت اس کا حوصلہ..... کافی کا پانی رکھا اور ٹھنڈا گلاس بھر کر ہونٹوں سے لگالیا۔

"امی..... میں کیا کروں..... بعض چیزوں پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا۔ میں زبردستی نہیں کرسکتی بس کوشش ہے۔ وہ مرد ہیں ہر فیصلے کا اختیار انہیں حاصل ہے۔ میں تو بچپن کی محبت کو نبھا رہی ہوں۔ اللہ نے شاید میری زندگی یونہی لکھی ہے۔" آنکھوں کی سطح بھیگنے لگی۔ دل اداس ہوگیا۔

"انزلہ..... اس ہجر کے سفر میں تمہارے ہاتھ کچھ نہ آیا تو....." اپنی ہتھیلی پھیلائی۔ آگ ہتھیلی پر پڑ رہی تھی۔

"تو کیا ہوا..... محبت کے نصیب میں تو ہے ہجر یہ تو ساری عمر ہی اداس و بے کل رہتی ہے۔ محبت مجھے ہے انہیں تو نہیں نا۔ پھر حوصلہ، برداشت اور سمجھوتا بھی مجھے ہی کرنا ہے۔" گہری سانس لے کر مٹھی بند کی۔

"امی..... ماں ہیں نا۔" آنکھوں کی نم سطح کو چھوا۔ "اور مائیں بیٹیوں کے سکھ چین کے لیے کوئی سمجھوتا نہیں کرتیں۔" اور کافی کی جانب متوجہ ہو کر کپ نکالنے لگی اور کسی کام سے آتے سعد خاموشی سے واپس پلٹ گئے۔

"ابھی تو یہ کتنی خوش تھی۔ قہقہے لگا رہی تھی اور اب۔" اس کا اداس چہرہ انہیں بھی خاموش کرگیا۔ "ابھی سب اندر بھی انزلہ کی تعریفیں کررہے تھے۔ کہ بچوں کو سمیٹ کر رکھا ہے۔ بہت محبت کرتی ہے ا سے۔"

اس رات دلگیر سے انداز میں اپنی ڈائری کی ... پر ہاتھ پھیرتے ہوئے لکھا۔

میں بتاؤں فرق ناصح جو ہے مجھ میں اور تجھ میں
میری زندگی تلاطم، تری زندگی کنارہ
کوئی اے شکیل دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

☆☆☆

رات کا پہر دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ آج مون اور ایمان اپنے روم میں سوئے تھے۔ سعد اپ روم میں نیچے تھے۔ انزلہ نے اپنے روم کے دریچے کھول دیے۔ بادِ صبا کے جھونکوں نے اسے چھولیا۔

"انزلہ..... رونا نہیں....."

"محبت تو ہے نا..... محبوب تو ہے نا..... وصل نہیں تو کیا ہوا؟ عشق والوں کے لیے اِک نگاہ ہی کافی ہے۔" دھیرے سے بلوبیل کی پتیوں کو چھوا۔ عشق، محبت، اپناپن..... دھیرے دھیرے اس کے وجود میں کئی سُر سے بجنے لگے۔ بھیگی ہوئی آنکھیں محبت کے احساس کی شدت سے گلابی ہونے لگیں۔ دکھ..... دکھ بھی محبت کا۔

کوئی سمجھ سکتا ہے..... نہ جان سکتا ہے۔ رات گئے تک چاند اپنا سفر ختم کرتا رہا۔ محبت کی شمع جلتی رہی۔ صبح دم وہ تازہ تھی۔

☆☆☆

صبح بچوں کو اسکول کے لیے تیار کیا تو مون ضد کرنے لگا۔

"پاپا چلیں اسکول چھوڑنے۔" ساتھ ہی انہیں اٹھا بھی لایا۔ اور وہ بھی اٹھ آئے۔ فخر سے مسکرا کر

اسے دیکھا۔

"میں ماما کے ساتھ جاؤں گی۔" ایمان نے ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

"چلو....." لنچ باکس بیگ میں رکھا۔ سعد پر نگاہ ڈالی۔ رات والے کپڑوں میں تھے۔ بلیک ٹراؤزر اور یلو ٹی شرٹ۔ ہلکی ہلکی بڑھی شیو۔ نیند کے خمار سے جاگی آنکھیں۔ ہاتھوں سے بالوں میں برش کرتے سعد کو دیکھتے ہوئے انزلہ نے نگاہ چرالی۔ وہ تو ہر نگاہ ہی محبوبانہ ڈالتی تھی اور سعد ہمیشہ سے زیادہ ہی اچھے لگتے تھے۔

"چلو..... چلو۔" اندر کے شور کو دبا کر بیگ اٹھا کر باہر نکلی۔ کاسنی دوپٹا شانوں پر بکھرا تھا۔ گاڑی نکال کر گیٹ لاک کیا۔ ڈرائیونگ کے لیے چابی سعد کی جانب بڑھائی۔

"نہیں..... تم چلا لو..... میں ریلیکس نہیں ہوں۔" وہ آگے بیٹھے۔ بچے پیچھے بیٹھ گئے۔ بے حد خوش تھے بچے۔ آج پاپا کے ساتھ اسکول جاتے مون کی باتیں اور قصے ہی ختم نہیں ہورہے تھے۔ ایمان نے پاپا کو اپنی سہیلیوں سے ملوانا تھا۔ سعد ہنس رہے تھے اور راستے مکمل ساتھ، مکمل فیملی کو دیکھ کر انزلہ کو کتنی خوشی ہورہی تھی کوئی اس کے دل میں تو جھانکتا اور..... ساکت رہ جاتا۔ اِک نگاہِ غلط انداز سعد پر ڈالی۔ سعد بچوں میں مگن تھے۔ بچے اتر کر اسکول کے اندر جانے لگے۔ سعد ایمان سے وعدہ کررہے تھے۔

"تو آپ کی سالگرہ پر آپ کی سہیلیوں سے ملیں گے۔"

"جی پاپا..... میں بھی اپنے دوستوں کو بلوالوں گا۔"

"میری سالگرہ میں تمہارے دوستوں کا کیا کام ہے۔" ایمان نے جرح کی۔

"پاپا..... اسی دن میری بھی سالگرہ ہوگی۔" اور وہ ہنس رہے تھے۔ بچے ہاتھ ہلا کر اندر چلے گئے۔ انزلہ نے گاڑی ریورس کی۔ سعد سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ کیا بات کرے..... سعد خاموشی سے باہر دیکھ رہے تھے۔ تبھی صبح صبح جانے کہاں سے پھول والا بچہ سگنل کے پاس نظر آیا۔ گاڑی روک لی۔ بچہ دوڑا چلا آیا۔ گلاب کی کلیاں چھوڑ کر اس نے سفید پھولوں کے دو ہار لیے اور سامنے ڈیش بورڈ پر رکھ دیے۔ گاڑی میں موتیا کے پھولوں کی مہک پھیل گئی۔ سعد چونکے اور پھر باہر دیکھنے لگے۔ اور پھر یہ روز کا معمول ہوگیا۔ ہلکا پھلکا ناشتا کر کے سعد دوبارہ سو جاتے اور وہ گھریلو عورتوں کی طرح گھر کچن کے چھوٹے چھوٹے کام نمٹاتی اور سعد کو سوچے جاتی۔ ان کے جاگنے کا انتظار کرتی۔ اگر کبھی کام کا دل نہیں چاہتا تو لان کی سیڑھیوں پر بیٹھ جاتی۔ سعد نے اپنے گرد بہت مضبوط فصلیں کھڑی کرلی تھیں۔ دھیرے سے گول ستون سے لٹکتی بیل کو چھوتی۔

"سفر رائگاں ہی نہ جائے..... نہیں..... اللہ نہ کرے۔" اندر شور سا اٹھتا۔ احساسِ زیاں سے آنکھیں بھیگتیں اور اندر کے شور سے بچنے کے لیے وہ کچن میں خود کو مصروف رکھتی۔ نت نئی ڈشز..... ٹرائی کرتی اور ڈائننگ ٹیبل پر رکھتی۔ بچے اور سعد کھانے پینے کے شوقین تھے۔ اس کی محنت وصول ہوجاتی۔

☆☆☆

ایک ہفتے بعد پھر امی کا فون آگیا۔

"کیا ترقی کی ہے تم نے.....؟"

"جی.....!" وہ حیران ہی تو رہ گئی۔

"اور کیا..... سعد سے بات کی ہے یا خدمت گزاری پر ہی اکتفا کر رکھا ہے۔" اُن کا لہجہ قطعی تھا۔

"امی پلیز!" انزلہ نے گڑبڑا کر اندر دیکھا۔

"میں خود بات کروں گی آکر۔"

"پلیز امی! کیا ہوگیا ہے آپ کو..... ابھی تو وہ

آئے ہیں۔“

”اور ابھی چلا بھی جائے گا...... تو ہاتھ ملتی رہ جائے گی ہوش کرانزلہ...... یہ ٹھیک ہے کیا؟“

”میں جانتی ہوں امی یہ ٹھیک نہیں ہے مگر کاسئہ دل کیسے دراز کروں، کیسے امید کا دامن پھیلاؤں۔“ اس نے سوچا پھر بولی۔ ”امی میں بات کرلوں گی۔“

”اگر تو تیسری دفعہ خالی رہی نا تو پھر دیکھنا تیرے اور سعد کے سارے ہی کس بل نکال لوں گی۔ انسان لونڈیوں، خادماؤں، نوکرانیوں کو بھی ان کا حق دیتا ہے۔ کوئی اتنا شقی القلب نہیں ہوتا۔“

”امی...... مجھے رتبہ چاہیے خیرات نہیں۔“

”اور...... وہ تجھے کچھ نہیں دے گا۔“

”ایسا مت کہیں امی۔“ انزلہ کا دل سکڑ گیا۔

”جو نظر آرہا ہے اسے دیکھ میرے کہنے پر نہ جا...... میں تجھے ٹائم دے رہی ہوں...... سنبھل جا......“

”جی...... امی!“ دھیرے سے کہا۔ اسے شدت سے رونا آیا۔ سامنے سے سعد آرہے تھے۔ ضبط کرنا تھا اور وہ بھی قیامت کا۔

”ٹھیک ہے امی بعد میں بات کریں گے۔“ اس نے فون بند کردیا۔

”جی...... کچھ چاہیے تھا؟“ وہ کھڑی ہوئی۔

”ہاں...... اِک مگ چائے کا مل جائے، فلو کا سا احساس ہورہا ہے۔“ سعد نے بغور اس پر نگاہ ڈالی۔ آنکھوں کی گلابیاں نمایاں تھیں۔

”ابھی لائی۔ آپ جب تک اس میڈیسن باکس سے کوئی ٹیبلیٹ لے لیں۔“ سائڈ ٹیبل کی جانب اشارہ کیا اور سرعت سے اندر بھاگی۔ سعد کو عجیب سا احساس ہوا۔ وہیں لاؤنج میں کاؤچ پر بیٹھ کر اخبار پھیلالیا۔ مگر ان کا دل نہیں لگا۔ ”شاید...... میرا وہم ہو......“ سر جھٹکا۔

انزلہ چائے لے آئی۔ دومگ تھے۔ ساتھ ابلے ہوئے انڈے۔ اس کا چہرہ دھلا ہوا تھا اور آنکھیں سرخ۔ ضبط مکمل تھا۔ ”سردیوں میں ایسی گرم چیزیں مزہ دیتی ہیں۔“ چھوٹی ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھ کر ٹیلی ویژن آن کیا۔ نیوز چینل لگا تھا۔ ریموٹ ان کے سامنے رکھ کر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔

”ہاں...... مگر ابھی تو اوائل سردیاں ہیں۔“

”آپ تو سخت سردیوں کے عادی ہیں، سمندر میں تو ہوتی ہی بہت ٹھنڈ ہے۔ ہمیں یہ ہلکی ہلکی سردیاں بھی بہت لگتی ہیں۔“

”ہوں۔“ چائے کا گھونٹ بھرا۔

”کبھی ہمیں بھی اپنے جہاز اپنے سمندر کی سیر کروائیں نا۔“

”میرا سمندر...... میرا جہاز۔“ سعد مسکرائے۔

”اور کیا...... جو شخص سال کے تین سو سڑسٹھ دن، رات دن جہاز پر رہے تو سمندر اور جہاز پر اس کا ہی راج ہوا نا۔“ اپنا مگ ہتھیلیوں کے درمیان پکڑا۔ سعد کھل کر ہنسے۔

”یہ میری نوکری ہے۔“

”بچے آپ کو بہت مس کرتے ہیں، اداس ہو جاتے ہیں، چار سال تین سال بعد گھر مت آیا کریں۔ سال میں ایک چکر تو لگا لیا کریں۔“ دل کی بات کو بچوں پر ڈال دیا۔ سعد نے ریموٹ اٹھالیا۔

ایک وقت تھا کہ گھر آنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ سال میں تین یا چار چکر لگوا لیتے تھے اپنے...... اور اب...... وہ صبا تھی بچے تھے محبت تھی اور محبت سے محبت مشروط ہوتی ہے۔ کشش سارے کام سارے فاصلے طے کروا لیتی تھی...... اور اب۔ سعد چینل بدل رہے تھے اور انزلہ سعد کو دیکھ رہی تھی۔ محبوب کو دیکھنا کیسا لگتا ہے کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔ دیوانہ وار...... بے خود ہو کر...... عالمِ شوق سے...... جانے کیسے سعد نے انزلہ کی جانب دیکھا وہ

عالمِ بے خودی میں تھی سعد چونکے تھے اور چینل کی سرچنگ رک گئی تھی۔ فضا ترنم سے بھر رہی تھی۔

☆☆☆

بعض اوقات ہماری غلطی نہیں ہوتی اور ہم قصوروار گردانے جاتے ہیں اور قصور جاننے کے بعد ششدر کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اور دل کے جذبوں کے سمندر میں بس یہی خیال موجزن رہتا ہے کہ کہیں ہمارا یہ سفرِ زندگی محض محبت کے نام پر رائگاں تو نہیں۔ محبت کے نام پر اتنی ذلت۔ کچن کے کام سمیٹتے ہوئے اشک چھپانا، انہیں سنبھالنا ممکن تھا بھلا۔ وہ شدید ضبط سے شدتِ گریہ کو سنبھال رہی تھی ابھی نہیں...... چھت کی جانب دیکھا رات ہونے میں بس چند گھنٹوں کا ہی تو فاصلہ ہے۔

”اے اشک ذرا...... سنبھل جا۔
میں...... میری تنہائی اور کمرا......
ہم دونوں ایک دوسرے کا درد بانٹ لیں گے۔
بس...... تو اس وقت ذرا سنبھل جا۔ اندر شور جاری تھا۔“

آپا کی آواز۔ زارا آپی کا فکریہ انداز اور خالہ صغریٰ کا واویلا...... اور اس پر سعد بن وقاص کی خاموشی۔ ”جرم محبت ہے یا محبت جرم ہے۔“ دھیرے سے بریانی کو دم پر رکھ دیا پھر وائٹ قورمے کی جانب بڑھی۔

”اب میرے جذبے یوں بے توقیر اور رائگاں ہوں گے۔“ حالانکہ معاملہ کچھ بھی نہیں تھا مگر آج وہ سوتیلی بن گئی تھی۔ مون کا دل چاہ رہا تھا کہ پاپا کے ساتھ پتنگ اڑائے۔ دونوں بچے اور سعد چھت پر چڑھ گئے۔ خوب شور کی آوازیں آرہی تھیں اور وہ ان کے لیے ہلکا پھلکا چائنیز بنارہی تھی۔ مون بار بار آکر کہہ رہا تھا۔

”ماما چلیں نا اوپر بہت مزہ آرہا ہے پاپا سے پتنگ اڑانا سیکھ لیں...... وہ چلے جائیں گے تو مل کر اڑایا کریں گے۔“ وہ ڈشز میں الجھی ہر بار ٹال رہی تھی۔ وہ اوپر لے کر جانا چاہتا تھا ہاتھ کھینچ رہا تھا آخر میں ناراض ہو کر اوپر بھاگا۔

”میں نہیں بولتا آپ سے۔“

”مون...... مون...... تم مجھے بہت تنگ کرتے ہو۔ پٹائی ہونے والی ہے تمہاری۔“ وہ پیچھے سے چیخی۔ اسی وقت سعد کی بڑی بہن آپا اور زارا آپی اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے یہ جملہ سن لیا۔

”اور کھانا تیار نہ ہوا تو شور مچاؤ گے۔“ مصروف سے انداز میں کہتی جارہی تھی۔ ”مشکل میں ڈال دیتے ہو تم۔ بہت گندے بچے ہو تم۔“

”ہاں بھئی، اب ہمارے بچے برے بھی ہوں گے، گندے بھی، ان کی شکایتیں ان کے باپ سے بھی کرو گی اور مار بھی پڑواؤ گی۔“ آپا سخت سناتی کچن کے دروازے پر آرکیں۔ انزلہ گڑبڑا کر مڑی۔ ان کے پیچھے زارا آپی...... گرم گرم کھیر کا چمچہ اس کے پاؤں پر گرا۔

”اُف......“ لفظ اور جلن ایک ساتھ لگے۔ گھبرا کر پاؤں اٹھایا تو گڑبڑ میں ہاتھ گرم دیگچی کو چھو گیا۔

”اُف!“

”ابھی ہم زندہ ہیں اپنے بچوں کو سنبھالنے کے لیے، کسی زعم میں مت رہنا تم۔“ آگے آگ اور پیچھے شعلے۔ پاؤں کی جلن دیکھنے کے بجائے دوبارہ پلٹ کر آپا کے سرخ چہرے کو دیکھا۔

”ہوا کیا ہے آخر......“ اور اٹھا ہوا پاؤں ٹخنے سے گھٹنے تک گرم اوون سے ٹکرا گیا۔ جس میں اوپر کھیلتے بچوں کو سرپرائز دینے کے لیے کیک بیک ہونے کے لیے رکھا تھا۔ مون کو ایسے سرپرائز بہت پسند تھے۔

”خبردار جو جھوٹی شکایتیں لگائیں، دکھا دیا نہ سوتیلا پن۔“ وہ ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔

”پاپا۔“ باہر سے بہت زور سے مون کی چیخ بلند

ہوئی۔
''بھائی۔'' ایمان کا دل دہلا دینے والا لہجہ۔
''یا الٰہی خیر۔'' اپنی تکلیف، اپنی جلن بھول کر وہ باہر بھاگی۔ مون اوپر سے گرتا ہوا آ رہا تھا۔ جانے کیسے سیڑھیوں پر پاؤں پھسل گیا تھا۔
''بھائی...... بھائی...... مون۔'' سعد اور ایمان بھاگتے ہوئے اتر رہے تھے۔
''مون...... مون...... میرے بچے۔'' انزلہ بھاگی۔
''ڈرامے باز۔'' آپا پیچھے تھیں۔ جھپٹ کر مون کو اٹھایا۔ وہ بے ہوش تھا۔ سر سے خون نکل رہا تھا۔ گھٹنا چھل گیا تھا۔
''کیسے گرا یہ؟'' وہ سعد کو دیکھ کر چلائی۔
''پتنگ اڑاتے ہوئے پاؤں پھسل گیا۔''
جھپٹ کر مون کو اس کی گود سے لیا۔ ایمان نے گاڑی کے دروازے کھولے۔ اتنی دیر میں انزلہ بھاگ کر اندر سے چابی لے آئی۔ سعد نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ آپا آرام سے اسے ہٹا کر آگے بیٹھ گئیں۔ زارا آپی اور مون پیچھے۔ گاڑی باہر نکل گئی اور لق ودق صحرا میں انزلہ حواس باختہ کھڑی رہ گئی۔ آپا کا انداز...... ان کا لہجہ...... ان کا رویہ۔
''کیوں......؟'' اپنی تکلیف...... اپنا دکھ...... اپنی جلن سب بھول گئی۔
''مجھے کسی نے گاڑی میں نہیں بٹھایا۔ مون کیسے گر گیا۔'' اس کا دل بند ہونے کو تھا۔ اپنے جلتے ہوئے زخم یاد نہ رہے۔ سارے چولہے بند کر کے باہر آ گئی۔
''یا اللہ مون ٹھیک ہو۔''
سعد کے موبائل پر رنگ کیا۔ بیل کی آواز قریب سے ابھری۔ سیل فون سامنے سائڈ ٹیبل پر پڑا تھا رونا آ گیا۔ بہت دیر بعد وہ لوگ آ گئے۔ مون کے سر پر پٹی بندھی تھی گھٹنے پر بھی بینڈ ایج تھی۔ وہ صرف خوف سے بے ہوش ہوا تھا۔ سعد مون کو گود میں اٹھا کر اندر لے گئے۔ آپا اور زارا آپی نے اس کی جانب دیکھا ہی نہیں۔ وہ گرم دودھ لے کر اندر گئی۔
''اونہہ...... ڈھکوسلے۔'' آپا نے سر جھٹکا۔
مون خاموشی سے دودھ پی کر لیٹ گیا۔ ''اسی لیے منع کر رہی تھی پتنگ مت اڑاؤ۔'' اس کی زرد رنگت دیکھ کر آنکھیں بھر آنے لگیں۔
''چلو جاؤ...... سب خالی کرو کمرا...... بچے کو سکون کی ضرورت ہے۔'' آپا نے کہنا شروع کر دیا۔
سعد اور ایمان پہلے ہی باہر تھے۔ وہ بھی باہر آ گئی۔
''کتنی چوٹ لگی ہوگی نا!'' آپا کا رویہ نا قابلِ فہم ہو رہا تھا۔ ''ایسا کیا کر دیا تھا بھلا......'' کچن میں آ کر دوبارہ سے چولہے کھولے۔ اپنی جلن اور تکلیف کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد مون کو دیکھ آتی وہ سو رہا تھا۔ سب لاؤنج میں تھے۔ اس بار وہ لاؤنج میں چائے دینے آئی تو باہر ہی ٹھٹک گئی۔
''خبردار...... جو کوئی دوسرا بچہ کیا...... دیکھو تو ابھی سے سوتیلی بن گئی ہے، کہہ رہی تھی باپ سے پٹواؤں گی بہت تنگ کر رکھا ہے تم لوگوں نے، بچہ تھا سہم گیا۔'' آپا کی آواز دھیمی تھی۔ انزلہ ساکت رہ گئی۔ سعد چپ تھے۔
''یہ دو بچے پل جائیں بہت ہیں، جانے تمہارے بعد کیا حال کرتی ہوگی۔'' آپا کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ دیوار سے لگ گئی۔ ''یہ میرے خلاف کیا ہو رہا ہے۔ میں نے تو کبھی انہیں پیار میں بھی نہیں مارا...... اور آپا......'' اس کا گلا رندھنے لگا۔ کچن میں پلٹ آئی اور چائے زری کے ہاتھ اندر بھجوا دی۔ نا قابلِ یقین بات تھی۔ اس کے وجود میں خاموشی کے در کھلتے چلے گئے۔
''سعد نے یقین کر لیا، وہ کیا سوچتے ہوں گے؟'' اور جب رات کو مون کو کھانا کھلانے بیٹھی تو آپا

نے ہاتھ جھٹک دیا۔
''چھوڑ دو بی بی، یہ سب تمہاری ہی وجہ سے تو ہوا ہے، نہ تم بچے کو جھڑکتیں ڈراتیں نہ وہ یوں چھلاوا بنتا۔'' آپا نے اسے ہٹا دیا۔
''آپا میں نے کیا...... کیا ہے؟'' وہ ہکا بکا ہوئی۔
''تم ہی تو کہہ رہی تھیں کہ ابھی باپ سے پٹواتی ہوں۔''
''ایسی بات نہیں ہے آپا، میں مون کے لیے سرپرائز کیک بنا رہی تھی وہاں سے ہٹ نہیں سکتی تھی اور یہ مجھے تنگ کر رہا تھا کہ اوپر چلیں...... پتنگ اڑانا سیکھ لیں۔''
''بس بی بی، ہم نے جو دیکھا ہے وہ کہیں گے، سوتیلی ماں سوتیلی ہی ہوتی ہے، اپنے بچے کی آس ہو گی تو ان بن ماں کے بچوں کو جھڑکا ہے نا۔'' آپا کا لہجہ ملول ہو گیا۔ انزلہ کا منہ کھلا رہ گیا۔ بات کو کیا رنگ دے رہی تھیں وہ، سعد چپ تھے۔ مون ان کے ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ شدید بے بسی کا احساس ہوا۔ اب وہ سوتیلی ہو گئی۔ جھٹکے سے مڑی اور باہر نکل آئی۔ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ سعد نے کیا سوچا۔ کچھ نہیں بولے۔ یقین کر لیا انہوں نے بہن کی باتوں کا...... اس کی محنت، اس کا خیال اس کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔ رات نہ چاہتے ہوئے بھی ساری ذمے داریاں نبھا کر کمرے میں آئی۔ دروازہ بند کیا اور اس دروازے کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔ آنسو تھے کہ ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہے تھے۔ وہ تو بیوی کا مان سمان رتبہ چاہ رہی تھی اور...... اسے سوتیلی ماں کا درجہ دے دیا گیا۔ اس کا قصور...... اس کا ہمدرد، خیر خواہ کوئی نہیں...... سفرِ رائگاں...... کا احساس اس کا دل چیر رہا تھا۔ پاؤں کے زخم پر نگاہ پڑی، پنڈلی کے زخم میں ٹیس اٹھی۔ شلوار کا پائنچا اٹھایا اور ساکت رہ گئی۔ پوری ٹانگ اوپر سے نیچے تک جلی ہوئی تھی اوون کے ساتھ لگ کر...... کلائی کے آبلے...... دل جلا رہے تھے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی اپنی بے بسی اور اپنے دکھ سے گلے مل کر۔

☆☆☆

نہ پروا کی نہ مرہم لگایا۔ صبح وہ اپنے ساتھ سنگ دلی کرتی روم سے نکل آئی۔ آپا اِدھر ہی تھیں۔ خالہ صغریٰ اور زارا آپی جا چکی تھیں۔ مون اور ایمان کو ناشتا کرایا۔ سب کے لیے ناشتا بنایا اور گھر کے معمولات میں لگ گئی۔ زخم کراہ بن کر اس کے ساتھ تھے تبھی امی آ گئیں۔
''تم نے بتایا ہی نہیں کہ مون کے چوٹ لگی ہے۔ وہ تو صغریٰ کا فون آیا تو پتا چلا۔'' حمیدہ زیرک نگاہی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔
''امی...... اتنے شور میں خیال ہی نہ آیا۔''
''کدھر ہے بچہ؟'' سعد کی جانب دیکھا۔
''مون سو رہا ہے۔'' سعد اخبار لیے ادھر ہی آ گئے۔
''آپ ٹھیک ہیں نا۔''
''ہاں میں ٹھیک ہوں تم اپنی سناؤ اور یہ تمہاری خالہ کیا کہتی پھر رہی ہیں۔ کیا دکھایا ہے انزلہ نے سوتیلا پن...... تمہارے بغیر بچوں کو پال رہی ہے محبت، خیال، دھیان، پڑھائی توجہ سے...... ان کے پیچھے اپنی جوانی، اپنا حسن اپنے ارمان مار رہی ہے اور تمہاری بہنوں نے پل میں اسے سوتیلی بنا دیا۔''
''امی...... پلیز۔'' انزلہ گھبرا کر ان کی جانب بڑھی۔ ''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' سعد دونوں کو دیکھنے لگے۔
''ہے، کیوں نہیں ہے۔'' آپا زور سے بولیں۔ ''پوچھیں اس نے نہیں ڈرایا دھمکایا، بچہ مار کے ڈر سے سہم گیا تھا۔''
''آپا ایسا نہیں ہے۔'' مڑ کر ملتجی سے انداز میں

انہیں دیکھا۔ اس کی متورم پلکیں، آنکھوں کے آنسو کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ ماں کو ستا ہوا چہرہ نظر آرہا تھا۔

’’اگر کہہ بھی دیا تھا تو کیا ہوا ماں بنی ہے۔ دن رات ایک کر رکھا ہے اس نے ان بچوں کے پیچھے ماں کا مان رکھا نہ کسی اور کا۔ صلے میں کیا مل رہا ہے اسے؟‘‘ حمیدہ آج دوٹوک موڈ میں تھیں۔

’’امی...... پلیز! اندر چلیں۔‘‘ انزلہ نے ان کا ہاتھ کھینچا۔

’’اور میاں تم اسے کیا دے رہے ہو نہ اعتبار، نہ محبت۔ ارے... کوئی غیر بھی اس طرح سے بچوں کا خیال رکھ لیتا ہے تو اسے سراہا جاتا ہے، محبت دی جاتی ہے اور تم۔‘‘ سعد گڑبڑا گئے۔ انہیں احساس ہونے لگا ان کی خاموشی معاملے کو طول دے رہی ہے۔

’’ارے لے جائیں اتنا مان ہے تو ہمیں نہیں چاہیے۔‘‘

’’ہا...... ہا۔‘‘ انزلہ آپا کے ان لفظوں پر ڈھے گئی۔

’’بہت مل جائیں گے خدمت گار۔‘‘ نخوت بھرے انداز سے سر جھٹکا۔ ماحول میں ایک لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔

’’لے جاتی ہوں بھاری نہیں ہے میری بیٹی مجھ پر...... اور نہ ہی لاوارث ہے...... اسی پر عشق کا بھوت چڑھا تھا، بچوں کی محبت میں مر رہی تھی...... ہائے بن ماں کے بچے ہیں۔‘‘ حمیدہ تو جلال میں آگئیں ویسے ہی وہ انزلہ کی خدمت گزاری اور سعد کی خاموشی سے جلی بھنی بیٹھی تھیں۔ بچوں کے پیچھے ان کی بیٹی رُل رہی تھی حاصل نہ وصول۔ سعد نے چونک کر ساس کے لفظوں پر غور کیا۔ وہ اب انزلہ کو جھٹکے سے اٹھا رہی تھیں۔

’’جن بچوں کی مائیں مر جاتی ہیں وہ بن ماں کے ہی رہتے ہیں۔ لاکھ کوئی دوسری عورت ان پر جان لٹا دے اپنا من، اپنا تن اپنا آپ مار دے...... مگر سوتیلی ماں سوتیلی ہی رہتی ہے، چل اٹھ...... مل گیا تمغا تجھے۔‘‘

’’ا...... می......!‘‘ بے بسی سے گریہ زاری سے دیکھا۔

’’کیا جوتے کھا کر نکلے گی؟‘‘ حمیدہ بیگم کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ ’’ان جیسی عورتوں کی وجہ سے سوتیلی ماں کا لفظ اٹھ نہیں رہا دنیا سے۔‘‘ خشمگیں نگاہوں سے آپا کو دیکھا۔

’’سچ.... تو کڑوا ہوتا ہے اور ہم برے ہیں۔‘‘ آپا نے برابر کا جواب دیا۔

’’پلیز...... پلیز!‘‘ سعد اٹھے۔ ’’سنیں تو۔‘‘

’’تم تو میاں چپ رہو...... جاکر کمرے میں بیٹھو اور بے جان تصویر سے دل بہلاؤ اور اپنے بچوں کے لیے دوسری نوکرانی بھی خرید لینا جو بے لوث، بے غرض اور ہمدرد ہو۔‘‘

’’چل اٹھ۔‘‘ انزلہ کا زخم خوردہ ہاتھ پکڑا۔ اس کی چیخ نکل گئی۔

’’یہ ہاتھ کیسے جلا...... اور یہ پاؤں۔‘‘ ماں کو ان دیکھے بنا بتائے زخم نظر آگئے۔

’’بس ان گھاؤ کے لیے تو بیٹھی تھی۔‘‘ تاسف سے دیکھا۔

’’امی نہیں...... پلیز امی، نہیں...... مون میرے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایمان ڈر جائے گی رات کو...... امی پلیز...... امی پلیز۔‘‘ بے درد ہو کر حمیدہ بیگم اسے کھینچتے ہوئے باہر لے جانے لگیں۔ انزلہ مچل مچل کر روئی۔

’’ان کے سگے ہیں ان کے پاس انہیں تیری ضرورت نہیں ہے، دیکھ لے عاشقی کا نتیجہ...... مرد کی محبت عورت کو سہاگن بناتی ہے، عورت کی عاشقی اسے خوار کروا دیتی ہے۔ دیکھ ایک مرد کی محبت مر کر بھی اس کے سینے میں اس کے کمرے میں راج کر رہی ہے اور تو اس مرد کی عاشقی میں رُل رہی ہے بیگار ادا کر رہی ہے، کیا حاصل جو تیرا ہے ہی نہیں۔‘‘ حمیدہ انزلہ کو گیٹ تک لے آئیں۔ پیچھے کوئی نہیں آیا۔ ایمان...... مون...... سعد نہ آپا۔ سعد ساکت کھڑے تھے۔

’’امی...... نہیں۔‘‘ جھٹکے سے مڑی۔ ’’بچے مر جائیں گے میرے بغیر۔‘‘

’’لے...... دیکھ لے۔‘‘ حمیدہ بیگم نے جھٹکے سے ہاتھ چھوڑا۔ وہ پیچھے جا گری۔ دوپٹا پیروں میں الجھا۔ بال کھل کر شانوں پر بکھر گئے۔ انزلہ پاگلوں کی طرح پیچھے پلٹی۔

’’بچے بھی نہیں آئے تیرے پیچھے...... جن کے لیے اپنے دن رات کالے کر رہی ہے۔‘‘ دور تک سناٹا تھا۔ امی ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ بچے بھی نہیں آئے تھے۔ تبھی وائٹ نسان آکر گیٹ پر رکی۔

’’چل اٹھ اب......!‘‘ گاڑی سے اترنے والے نے انزلہ کو گرا ہوا بھی دیکھا اور حمیدہ بیگم کو چلاتے ہوئے بھی...... اور حیران بھی ہوا...... اور وہ اٹھ گئی۔ دل پھٹ رہا تھا۔

’’امی ایک دفعہ بچوں سے مل لوں۔‘‘

’’انزلہ......‘‘ حمیدہ بیگم رو دیں۔ ’’مت کر ایسا...... مت کر اپنے ساتھ ایسا۔ محبت کچھ نہیں ہوتی، مت رول اُن کی خاطر اپنی جوانی......‘‘

’’امی......!‘‘ وہ بھل...... بھل رو دی۔ فیضان گاڑی آگے لے آیا۔ حمیدہ بیگم نے ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی میں دھکیلا اور خود بھی بیٹھ گئیں۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔ فضا میں غیر معمولی سناٹا چھا گیا۔ گیٹ پر چوکیدار موجود نہیں تھا۔ آنے والے نے بیل پر ہاتھ رکھا اور اٹھانا بھول گیا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ...... اپ سیٹ مائنڈ ہو رہا تھا۔ ساکت کھڑے سعد بن وقاص کو بیل کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ’’یہ کیا ہو گیا...... کیونکر ہوا...... آنٹی کیا کہہ رہی تھیں...... اور آپا......‘‘

بے جان سی نظریں آپا پر اٹھیں جو سوئے ہوئے مون کے بال سنوار رہی تھیں۔ ایک ہاتھ میں ایمان کا ہاتھ تھا۔ وہ باہر جانا چاہ رہی تھی۔ مچل رہی تھی۔

’’پاپا...... پاپا...... ماما کو روکیں نا۔‘‘ اور پاپا دم سادھے لفظوں کے زیر و بم میں اتر رہے تھے۔

’’عشق...... عاشقی...... محبت...... مرنے والی راج کر رہی ہے...... تجھے خاک کے سوائے کیا ملے گا۔‘‘ بیل کی آواز رکی اور پھر بجنے لگی۔ کچن میں کام والی زری پہلے گیٹ کی جانب بھاگی پھر اندر بھاگی آئی۔ ’’صاحب، کوئی سیفی صاحب آئے ہیں۔‘‘

’’سیفی۔‘‘ آپا چونکی۔

’’سیفی!‘‘ سعد نے زیرِ لب دُہرایا۔

’’جی...... صاحب۔‘‘

’’انہیں اندر لاؤ۔‘‘ حواس واپس آنے لگے۔ اِک نظر آپا اور بچوں پر ڈالی۔ آپا کا رویہ ایک دم سے ایسا کیوں ہوا؟ اور آنٹی...... باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

شام گزر گئی۔ رات آگئی۔ وہ ساکت کارپٹ پر بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ سامنے کے زخموں پر امی نے مرہم لگا دیا تھا۔ اندر کے زخم رسنے لگے تھے۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا تھا۔ اس کا قصور...... آپا کو کیا ہوا تھا...... اور سعد نے بھی نہیں روکا...... مون تو سو رہا تھا ایمان نے بھی راستہ نہیں روکا۔ ’’اے...... اللہ!‘‘ آنسو سوچ سوچ کر نکل رہے تھے۔ آنکھیں سوج گئی تھیں۔ کھانا جوں کا توں رکھا تھا امی سونے چلی گئی تھیں۔

’’ساری رات سوچ لے میں وکیل کر کے طلاق دلواؤں گی تجھے۔ وہ بے درو خبیث لوگ بے لوث جذبوں کو کیا جانیں۔ انہیں سوتیلی ماں ہی چاہیے۔ سب دروازے کھڑکیاں کھلے ہیں بھاگنا مت۔ رات کی تاریکی میں ان لوگوں کے لیے بھاگو گی تو

آگے دروازے بند ملیں گے ــــ لوٹ کر آؤ گی تو میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔" امی کا دوٹوک انداز تھا۔ اس کی زندگی کے فیصلے کی ڈور کا سرا اب انہوں نے تھام لیا تھا۔ ایک ہی ان کی بیٹی اس نے بھی ضد کر کے دو بچوں کے باپ سے شادی کر لی۔ وہ شروع سے اس رشتے کے خلاف تھیں مگر انزلہ کا عشق، ضد، محبت...... وہ بھی ننھے منے معصوم بچوں کی وجہ سے مان گئیں۔ دادی بھی دمِ مرگ تھیں سنبھال نہیں سکتی تھیں بچوں کو۔ لیکن اس قدر ناقدری۔ حمیدہ بیگم کے وجود میں بھانبڑ سے جل رہے تھے۔ طلاق...... علیحدگی...... کا احساس ہی سوہانِ روح تھا۔ اس کا ذہن خالی ہو رہا تھا۔

صبح حمیدہ بیگم نماز پڑھ کر اس کے کمرے میں آئیں تو آنسو بہہ نکلے۔ بے دم سی بغیر تکیے بغیر چادر کے کارپٹ پر سکڑی سمٹی پڑی ہوئی تھی۔ ستا ہوا بھیگا چہرہ۔ دھیرے سے اس پر پھونک ماری اور کمبل ڈال کر باہر نکل آئیں۔

"میں تیری ماں ہوں انزلہ تو میری ایک ہی پیاری بیٹی ہے، کہاں جی لگا بیٹھی۔ خاندان والے پہلے ہی کہتے ہیں دو بچوں کے باپ سے بیٹی کو بیاہ دیا۔ میری جان اگلے بھی تو تیری قدر کریں نا...... نہ سعد بولا نہ بچے بھاگے آئے۔" بھیگی آنکھوں سے پنج سورہ کھولا۔ لفظ دھندلانے لگے۔ آنسو گرنے لگے۔

"اے اللہ میری بچی کو صبر دے، اس کے حق میں جو بہتر ہے وہ کر دے۔" انہوں نے پنج سورہ پر پیشانی رکھ کر دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیے۔

☆☆☆

سیفی...... دم بخود تھا۔ اس کے سامنے سعد سر جھکائے بیٹھے تھے۔ وہ تو خوش خوش ملنے آیا تھا۔ اگلے ہفتے یہ لوگ فارم ہاؤس جا رہے تھے۔ انہیں دعوت دینے آیا تھا سب مل کر ایک ہفتہ گزاریں گے...... اور یہاں...... تاسف سے سعد کو دیکھا۔

"ایسا کیا سوتیلا پن دکھا دیا تھا انہوں نے؟" طنز سے سعد کو دیکھا۔ "مون کو مارا تھا۔ کمرے میں بند کیا تھا...... بھوکا رکھا تھا، خوف زدہ کیا ہوا تھا اور مون تو گرا بھی تیرے سامنے ہی تھا...... اور تم نے انہیں روکا بھی نہیں...... نکال دیا۔"

"میں نے نہیں نکالا...... سیفی۔" سعد نے سر اٹھایا۔

"تم نے ہی نکالا ہے۔ یہ تمہارا گھر ہے تمہارا حکم چلتا ہے۔ آپا تمہاری بہن ہیں۔ آپا کے فیصلے پر تمہاری خاموشی نے مہر لگا کر تمہارا فیصلہ بنا دیا۔" سعد گڑبڑا گئے۔

"میں نے پہلی بار انزلہ بھابی کو دیکھا ہے۔ کتنی کم عمر، معصوم اور ذمّے دار تھیں، انہیں والدہ کھینچ کر لے جا رہی تھیں اور وہ بچوں کے واسطے دے کر رکنا چاہ رہی تھیں اتنی ذلت کے باوجود......" سیفی انہیں شرمندہ کر رہا تھا۔

"میں خود نہیں جانتا یہ سب کیسے ہوا بالکل اچانک ہوا۔"

"تم کوئی میلے میں گم ہوئے بچے نہیں تھے سعد، تمہیں روک کر سارا مسئلہ سننا چاہیے تھا۔ آپا کی غلط فہمی دور کرنی چاہیے تھی۔ ایک معصوم عورت چار سال سے تمہارے بچوں کو سنبھال رہی ہے، پال رہی ہے زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر رکھ رہی ہے، اپنا آپ لٹا رہی ہے اس کا یہ صلہ...... اور تم نے اسے کیا دیا بے گانگی، بدلحاظی...... زندہ بیوی کی موجودگی میں مری ہوئی بیگم کی محبت میں مبتلا...... وہ صبر سے دیکھ رہی ہے اور منہ سے کچھ نہیں کہہ رہی پھر بھی اسی گھر پر ان بچوں پر اپنی محبت لٹا رہی ہے۔ کس قدر خود غرض انسان ہو تم، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" سیفی انہیں آئینہ دکھا رہا تھا جو انہیں نظر ہی نہیں آیا۔ "بچوں کو بھی تو نے ان کے پیچھے نہیں جانے دیا۔"

"سیفی! آنٹی رک ہی نہیں رہی تھیں۔" بے بسی سے سر اٹھایا۔

"انہوں نے ٹھیک کیا...... وہ ماں تھیں اور مائیں بیٹیوں کی آسودگی کے لیے فیصلے کیا کرتی ہیں۔ جس فیصلے میں عزت نہیں محبت نہیں کیا فائدہ ایسے فیصلوں کا جو زندگی پر بار بن جائیں اور آپا نے کیوں اتنا سخت قدم اٹھایا۔" سیفی حقیقت میں وکیلِ صفائی بنا ہوا تھا۔

"ظاہر ہے اسی کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے سیفی، نہ وہ بچے کو جھڑکتی نہ وہ سہم جاتا۔" آپا اندر آ گئیں۔

"کیا ماؤں کا بچوں پر کوئی حق نہیں ہوتا آپا...... وہ اتنی کم عمر، معصوم سی ہیں خود بچہ سی لگیں مجھے......"

"کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ان کی پچھلے ماہ و سال کی خدمت کو مت بھولیے گا آپا...... میں تو ان کے جذبے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔" سعد سخت شرمندہ ہو رہے تھے۔ تبھی مون اندر آ گیا۔

"پاپا...... ماما کدھر ہیں؟" مون سعد کے پہلو میں آ بیٹھا۔

"چلی گئی ہے وہ...... اِدھر آؤ...... کیا چاہیے تمہیں......" آپا نے اسے ساتھ لگایا۔

"کہاں گئی ہیں وہ؟ مجھے بھوک لگی ہے...... مجھے ان کے ہاتھ کے نوڈلز کھانے ہیں۔" وہ ٹھنکا۔

"ابھی آ جاتی ہیں۔" سعد نے مون کے شانے پر ہاتھ پھیلایا۔

"انہیں سچ بتاؤ۔" سیفی کا لہجہ سخت ہوا۔

"سیفی!" سعد نے گھُرکا...... تبھی ایمان اندر آ گئی۔ رویا رویا چہرہ تھا۔

"کیا ہوا بیٹا!" سعد نے ہاتھ پھیلایا۔

"پاپا......" وہ رو دی۔ "مجھے بھوک لگ رہی ہے، میں نے ماما کو فون کیا...... جلدی آئیے...... مجھے سینڈوچ کھانا ہے۔" اس کا لہجہ بھرا گیا۔ "نانی امی نے ڈانٹ دیا......" آنسو رخسار پر بہہ نکلے۔ "یہاں کوئی ماما نہیں رہتی مر گئی ہے تمہاری ماما اب فون مت کرنا۔" آنکھیں مسلتی، روتی پاپا کے شانے سے لگ گئی۔ جب سے آئے تھے ایک بار ان بچوں کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے۔ پیار، محبت، اپنا پن، ہنسی مذاق، ہوم ورک کرواتے ہوئے بھی نہیں ڈانٹا تھا خود دیکھتے اور سنتے تھے۔ بچوں کی رائٹنگ اتنی پیاری تھی۔ "ماما نے کروائی ہے۔" ایمان نے استفسار پر محبت سے بتایا تھا۔ آپا کو اس سے کیا شکایت ہے؟ ایمان کو تھپکتے ہوئے آپا کو دیکھا جو مون کو منا رہی تھیں۔

"میں نوڈلز بنا کر لاتی ہوں۔" آپا کہہ کر کمرے سے نکل گئیں۔

"مجھے نہیں کھانا۔" مون باہر نکل گیا۔

"مجھے ماما چاہیے...... پاپا۔" ایمان مچلی۔

"سعد......" سیفی نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

"آپا سے ان کا فیصلہ پوچھو وہ کیا چاہتی ہیں اور کھلی آنکھوں سے جائزہ لو...... کہ کیا ہوا ہے۔ ناحق کسی کو قصوروار بنا ڈ گے تو خدا کی پکڑ میں آ جاؤ گے... کیوں وہ زندگی کا سکون خراب کر رہی ہیں۔" سعد اسے دیکھنے لگے۔ "میں کل پھر آؤں گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک بات یاد رکھ مُردوں کو زندوں کا حق نہیں دیا کرتے۔" سعد اسے دیکھتے رہ گئے اور وہ باہر نکل گیا۔

آپا نے کھانا لگا دیا۔ بچوں نے نہیں کھایا ان کے حلق سے بھی نوالے نہیں اترے...... ٹیبل سے اٹھ گئے۔ رات نو بجے، مہروز ماں کو لینے آ گیا گھر میں مہمان آئے تھے سر گودھا سے۔

"میں صبح آؤں گی۔" اتنا کہہ کر آپا چلی گئیں۔ گھر میں سناٹا چھا گیا۔ زری چوکیدار کی بیٹی تھی۔ اپنے

کوارٹر میں چلی گئی۔ بچے بھوکے سو گئے تھے۔ سعد لاؤنج میں بیٹھے رہ گئے۔ کل تک یہ لاؤنج آباد تھا۔ ہنسی مذاق...... انزلہ کی بچوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ...... رونق کا سا سماں رہتا تھا اور اب...... ٹیلی ویژن چپ تھا در و دیوار ساکت...... یہ کیا ہو گیا۔

''سعد تمہارا گھر ہے تم اسٹینڈ لو...... آپا سے پوچھو۔'' دھیرے دھیرے گھر میں اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ ہر جگہ سلیقہ نظر آ رہا تھا ہر گوشہ مہک رہا تھا ہر کونا خوب صورت لگ رہا تھا۔ اس گھر کو سجانے میں محبت کا ہاتھ غالب نظر آ رہا تھا۔ محبت...... دھیرے سے مقامِ جگر پر ہاتھ رکھا۔ گوشۂ دل دکھتا ہوا محسوس ہوا۔

''محبت زندوں سے ہوتی ہے مردوں سے نہیں۔'' سیفی سمجھا رہا تھا۔

''وہ مری ہوئی محبت کو لیے بیٹھا ہے تیری محبت تیرا عشق اسے متاثر نہیں کر سکتا...... چل اٹھ...... گھر چل۔'' قریب ہی کہیں حمیدہ بیگم کی آواز کی گونج ابھری۔

''نہیں امی...... نہیں...... وہ میرے بچے ہیں۔''

''دفع ہوں...... تیرے بچے...... تو سگی ماں کا بدل نہیں ہے۔ بن ماں کے بچے ہمیشہ ہی بن ماں کے کہلاتے ہیں بھلے سے کوئی لاکھ تن من دھن وار کر راتوں کو سیاہ کرے۔'' رات کے سناٹے میں ہر گونج واضح ہو کر ان سے ٹکرا رہی تھی۔

''آپا نے ایسا کیوں کیا؟'' سعد لان میں نکل گئے۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈ کا احساس رگ و پے میں سرائیت کر گیا۔ اس لان میں اسے ٹہلتے دیکھا تھا رات گئے صبح دم۔ پھولوں کی آبیاری کرتے دیکھا تھا۔ نت نئے کھانے اس کا شوق تھے اور سعد تم نے تو محبت کے نام پر اسے کچھ بھی نہیں دیا تھا پھر بھی وہ اپنی زندگی لٹا رہی تھی۔ اس پر یہ سزا...... وجود کی بے کلی بڑھ گئی۔ اپنے کمرے میں آ گئے۔ صبا خاموش تھی۔ اک اداسی سی کمرے میں پھیلی تھی۔

''دیکھ ایک مردہ عورت نے ابھی تک زندہ مرد کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔ کیا ملا ہے تجھے جو روگ پال رہی ہے محبت کا...... آگ لگے ایسی عاشقی کو...... عشق...... محبت......''

''انزلہ ان سے محبت کرتی ہے۔'' ایک نیا انکشاف۔

''کوئی ایسے ہی بچوں کو نہیں پالتا۔'' سیفی کہہ رہا تھا اس کی آنکھیں، اس کی مسکراہٹ، ان کی پسند کے کھانے اور روزانہ بچوں کو چھوڑ کر واپسی پر موتیا کے پھول خریدنا، انہیں گفٹ دینا...... اور وہ تو ایک بار اس کے قریب نہیں بیٹھے بستر پر گر کر دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے، اس کا ہاتھ نہیں پکڑا۔ اس کے وجود کو محسوس ہی نہیں کیا۔ کتنی دفعہ اسے آتش دان کے قریب بیٹھے دیکھا۔ کتنی بار بچوں کو سلا کر لاؤنج میں بیٹھی نظر آئی اور وہ نظر چرا کر گزر گئے۔ ان نرم گرم سی سردیوں میں وہ بنا گرم چادر کے نظر آئی۔

''مون ٹوپی پہن لو۔''

''ایمان سویٹر مت اتارو...خبردار جو ٹھنڈا پانی پیا...... نو ڈرنکس مون...... کھانسی آئے گی۔'' اور وہ خود...... انہیں زیادتی کا احساس ہونے لگا۔

''یہ کیا ہو گیا۔'' بے چین ہو کر کمرے سے نکلے۔ ''آپا نے یہ سب کیوں کیا بالکل اچانک......'' بچوں کے کمرے میں آ گئے۔ بھوکے بچے سو رہے تھے۔ انہوں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ان کے قریب ہی لیٹ گئے۔ ایمان نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''پاپا...... ماما کب آئیں گی؟'' ایمان رو رہی تھی۔ انہوں نے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''ہم لینے چلے گے انہیں۔'' ان کی ماما...... ان کے بچوں کی خوشی تھی، اس پر اعتبار تھا۔ وہ یہ خوشی نہیں چھینیں گے دھیرے سے تھپکا۔

''تمہارا گھر ہے فیصلہ تمہیں کرنا ہے آپا کو نہیں۔'' دھیرے سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

صبح گھر میں غیر معمولی سناٹا تھا۔ نہ ان کے سرہانے پھول تھے نہ بچوں کی سائڈ ٹیبل پر گلاب...... ڈائننگ ٹیبل پر زری نے ناشتا لگا دیا تھا۔ بچوں نے ایک ایک سلائس لیا۔ بچے ان سے خفا ہو گئے تھے اور بچوں کی خفگی ان سے برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔ آپا بھی آ گئیں۔

''آپا...... آپ نے ایسا کیوں کیا......؟''

''ارے لڑکیاں بہت ہیں دفع کرو...... میں تمہاری دوسری شادی کرواؤں گی۔'' بے پروائی سے کہتے ہوئے وہ بیٹھ گئیں۔

''ہیں......'' سعد تو بھونچکا رہ گئے۔

''خالہ کو بڑا ناز ہے بیٹی پر اب رکھیں اسے، طلاق بھی مت دینا اور فرح سے نکاح کی تیاری کر لو۔''

''جی......'' سعد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ دوسرا ڈرون حملہ......

''تجھ سے عقد کی خواہش رکھتی ہے روتی ہے بچوں کے لیے، کہہ رہی تھی آپا...... صبا کے بچوں پر میرا حق ہے میں پالوں گی انہیں ماں بن کر۔'' سعد دم بخود تھے۔

''اب کے جانے سے پہلے نکاح کر لینا، بچے بھی خوش رہیں گے۔'' آپا کا سارا پروگرام، ساری پلاننگ سمجھ میں آ رہی تھی۔ فرح...... صبا کی چھوٹی بہن تھی۔ دو سال پہلے اس کے شوہر کا ائر کریش میں انتقال ہو گیا تھا تو آپا اس سے ان کا نکاح کرنا چاہتی ہیں۔

''اس میں انزلہ کا کیا قصور...... اس کی شبانہ روز محنت اور محبت کا یہ انجام...... نہیں، یہ زیادتی ہے۔ ظلم ہے یہ......'' جھرجھری لی۔

''آپ نے مجھ سے پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا؟'' پُرشکوہ نگاہ ڈال کر خفگی سے آپا کو دیکھا۔

''تم سے کیا پوچھیں۔ ہمیں نظر نہیں آ رہا کہ وہ تمہیں پسند نہیں ہے، اس کے ساتھ تم کہیں آتے جاتے نہیں ہو، ساتھ نہیں بیٹھتے، تم لوگوں کے بیڈ روم الگ ہیں تو کیا فائدہ ایسے ساتھ کا۔'' سعد ایک ٹک دیکھتے رہ گئے۔ کتنا ٹھیک کہہ رہی تھیں وہ مگر......

''اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اسے یوں دھتکار کر گھر سے نکال دیا جائے۔'' تیزی سے اندر آتا مون دروازے میں رک گیا۔

''ما...... ما...... کو نکال دیا۔''

! ''آپ کو معلوم ہے مون اور ایمان کتنے چھوٹے تھے جب صبا کا انتقال ہوا۔ جب انزلہ ان کی زندگی میں آئی جب بھی وہ چھوٹے تھے۔ انزلہ کی آغوش میں انہیں ماں کا احساس ہوا۔ میں آ تا رہا ہوں' خبر گیری کرتا ہوں میں نے کبھی شکایت محسوس نہیں کی۔ میرے بچے محفوظ اور خوش ہیں مجھے اطمینان ہے...... اور فرح جس کے شوہر کے انتقال کو دو سال ہوئے ہیں جس کی وجہ سے آپ دوسروں کے پودوں کی جڑیں کاٹ رہی ہیں...... کتنی شرم کی بات ہے آپا۔'' آپا کرسی پر ڈھے سی گئیں۔

''مون اور ایمان...... انزلہ کو اپنی ماں سمجھتے ہیں' انہیں صبا کا احساس نہیں ہے۔ فرح کو خالہ کا درجہ دیتے ہیں۔ خالہ کو ماں سمجھ سکتے ہیں جبکہ ان کی ماں ان کے سامنے ہے۔'' سعد کا انداز باز پرس والا تھا۔

''سعد...... فرح بچوں کے لیے روتی ہے۔'' آپا نے بے بسی سے سر اٹھایا۔

''بچے بے یار و مددگار نہیں ہیں آپا۔ آپ نے سوچے سمجھے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھا لیا۔ صبا کی موت نے بچوں کو انزلہ کی شکل میں ماں دی ہے۔ انزلہ کا یہاں سے جانا ان بچوں کو مار دے گا۔ میں جیتے جی آپ کی اور فرح کی خواہش کے لیے ان بچوں کو مار دوں۔ بچے، فرح کو ماں کی شکل میں کبھی قبول نہیں کریں گے

اور جو رشتہ قبول نہ کیا جائے دل سے وہ سوتیلا ہوتا ہے۔ اس گھر میں قدم قدم پر محبت بکھری ہے۔ بچے اس کے جانے کے غم میں بھوکے ہیں، ایمان سوئی نہیں ہے۔ اس گھر کے در و دیوار سوگوار و اداس ہیں۔ آپ نے محسوس نہیں کیا؟'' سعد پوچھ رہے تھے۔

''دل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ کریں یہ ٹھیک تھا۔''

''سعد! میں تمہارے اور بچوں کے لیے۔''

''آپا!'' سعد نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''میرے لیے نہیں میرے بچوں کے نظریے سے سوچیں، آپ کا فیصلہ ان کی زندگی کے قدم اکھاڑ دے گا اور میں ابھی ہر فیصلہ بچوں کے لیے کروں گا۔ یہ فیصلہ کسی کے حق میں بہتر نہیں ہے۔'' وہ دھیرے سے کھڑے ہو گئے۔

''زندگی کو ہر لمحے تازہ پھولوں کی ضرورت ہوتی ہے باسی پھول بالآخر گلدان سے نکال دیے جاتے ہیں۔'' انہوں نے دل میں کہا اور باہر نکل گئے۔ آپا ہاتھ ملتی بیٹھی رہ گئیں۔ ان کی اور فرح کی کوئی پلاننگ کامیاب نہ ہو سکی۔ سعد کاٹھ کے الو نہ تھے۔

''مون...... مون......'' سعد بیٹے کو پکار رہے تھے۔

''پاپا، مون باہر گیا ہے اس کا دوست آیا تھا۔'' ایمان بتا رہی تھی۔

''بیٹا آپ تیار ہو جائیں، ماما کے پاس چلتے ہیں۔'' سعد کہہ رہے تھے۔ ''میں...... مون کو دیکھتا ہوں۔'' شطرنج کی بساط پر ان کے سارے مہرے گر پڑے تھے۔

☆☆☆

''دیکھ لے، دو دن ہو گئے کوئی نہیں آیا اور تو ان کے ہجر میں مر رہی ہے۔'' حمیدہ بیگم نے چائے کا خالی مگ اس کے ہاتھ سے لیا۔ ملگجا حلیہ، بکھرے بال کیچر میں الجھے تھے۔ ستا ہوا چہرہ، متورم آنکھیں۔ انزلہ خاموشی سے سر جھکا کر کلائی کا زخم دیکھنے لگی۔

''میں ماں ہوں بیٹا میری بات سمجھ۔''

''امی...... سمجھ لی ہے، حقیقت مجھ پر بھی آشکار ہو گئی ہے۔ میں نے آپ کا فیصلہ بھی مان لیا ہے یہاں بیٹھ گئی ہوں بس اب اور کچھ مت کہیے گا۔'' بے بسی سے بھرائی ہوئی آنکھوں سے ماں کو دیکھا۔

''میں تیرا نکاح کرنا چاہتی ہوں۔''

''امی۔'' بے ساختہ ہاتھ جوڑ دیے۔ ''اتنا ظلم مت کریں۔ اس زندگی کو ایسے ہی رائگاں جانے دیں۔''

''طارق آج بھی تیرا انتظار کر رہا ہے۔'' وہ کچھ نہیں سن رہی تھیں اور وہ بے بسی سے رو دی۔

''امی میں بیاہتا ہوں۔ نہ مجھے میرے شوہر نے چھوڑا ہے اور نہ میں بیوہ ہوں۔ مجھ پر یہ ظلم نہ کریں۔''

''زندگی تو...... تو بیوہ کی طرح سے گزار رہی ہے۔ شوہر کی محبت عورت کو مکمل کر دیتی ہے اس کا ساتھ اعتماد دیتا ہے۔ بچوں...... اور پرائے بچوں کے سہارے زندگی نہیں گزر سکتی انزلہ۔'' حمیدہ بیگم دھیرے دھیرے سمجھا رہی تھیں۔

''تیری نند نے تجھے سمجھا دیا ہے۔ میری زندگی کا کیا اعتبار۔ فیضان شادی کر کے باہر چلا جائے گا اور تو...... تیرے ساتھ اس طرح کا سلوک ہوتا رہے گا۔ اس عشق و عاشقی کے چکر میں سر جھکا کر تو سہتی رہے گی سارے ظلم۔'' وہ واشگاف الفاظ میں سمجھا رہی تھیں۔

''سعد کو تو اتنے سالوں میں پرکھ نہیں چکی۔ کیا دیا ہے اس نے تجھے...... بیوی کا رتبہ جس کی تو خواہش مند ہے...... محبت جو تیری پہلی خواہش ہے بیٹا۔ بچے وہ تجھے دے گا نہیں...... کہیں اس کے بچوں میں فرق نہ آ جائے۔'' حمیدہ بیگم کسی بھی لگی لپٹی کے بغیر کہتی جا رہی تھیں۔ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے وہ سنتی رہی۔ جلے ہوئے زخم ٹیس دے رہے تھے۔

امی کی باتیں غلط نہیں تھیں...... مگر وہ اس دل کا کیا کرتی جو کسی اور ڈگر چلنے پر رضامند نہیں تھا۔ اس محبت

اور...... یکطرفہ محبت نے اسے بے حد رنجور رکھا تھا۔

''اچھی طرح سوچ لو...... میں نے طارق کو انکار نہیں کرنا، وہ تمہیں آسٹریلیا لے جائے گا...... گئے دنوں کو کون یاد کرتا ہے۔'' امی اٹھ گئیں۔ وہ بھل بھل رونے لگی۔ اپنے جذبوں کی بے قدری پر...... اپنی بے بسی پر...... اپنے دکھ پر...... باہر بیل...... زور سے بج رہی تھی۔ کوئی دروازہ نہیں کھول رہا تھا۔ پھر دروازہ دھڑ دھڑ بجنے لگا۔ امی جانے کہاں ہیں بیڈ سے اتر کر چہرہ صاف کرتی گیٹ کھولنے کے لیے کمرے سے نکلی۔

''ماما......'' اس کے قدم رک گئے۔

''ما...... ما......'' وہ مون کی آواز تھی۔ سرعت سے بھاگی۔ میز کا کونا پنڈلی کے زخم سے ٹکرایا...... ٹیس نے رگ و پے کو ہلا دیا۔

''ما...... ما......'' وہ مون تھا۔ دروازہ دھڑ دھڑ بج رہا تھا۔

''مون......'' بے ساختہ بھاگ کر دروازہ کھولا۔ سامنے مون کھڑا تھا۔ ''تم......!''

''ما...... ما......'' مون اس سے لپٹ گیا۔

''مون......'' وہ نیچے بیٹھ گئی۔ ''کیسے آئے ہو بیٹا؟'' اسے لپٹا لیا۔ ''پاپا کے ساتھ آئے ہو جانو؟ ایمان کہاں ہے؟''

''ماما...... آپ کیوں چھوڑ کر آ گئیں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ میں نے کچھ نہیں کھایا...... ایمان کو بھی ڈر لگتا ہے ماما چلیں نا۔ میں آپ کو لینے آیا ہوں...... مجھے کتنی چوٹ لگی ہے۔ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' ہاتھ تھام کر شانے پر سر جھکا لیا۔ انزلہ نے اسے سمیٹ لیا۔

''میں کہاں تم لوگوں کے بغیر رہ سکتی ہوں۔'' آنسوؤں پر اختیار ختم تھا۔ ''تم کس کے ساتھ آئے ہو؟''

''میں سیفی انکل کے ساتھ آیا ہوں چپکے سے۔'' انزلہ دیکھتی رہ گئی۔ ''بابا کو بھی نہیں معلوم......''

''مون!'' وہ اس محبت پر رو دی۔ ''پاپا کتنے پریشان ہوں گے؟''

''پاپا پریشان نہیں ہوں گے، پھپھو ان سے لڑ رہی ہیں۔ فرح آنٹی کو ہماری ماما بنانا چاہتی ہیں۔ ہمیں کسی کے بچے نہیں بننا، ہم صرف آپ کے بچے ہیں۔'' انزلہ چونک گئی۔ مون ٹھنک رہا تھا۔ رو رہا تھا۔ اتنی بڑی بڑی باتیں بھیگی پلکوں کے ساتھ اسے دیکھا۔

''سیفی انکل کہاں ہیں؟'' اور سیفی ماں بیٹے کے درمیان گفتگو سنتے سچی محبت پر ایمان لے آیا۔ انزلہ کے لہجے، رویے اور انداز میں کھوٹ تھا نہ ملاوٹ۔ وہ اپنی محبت کو محبت کے ساتھ نبھا رہی تھی۔ انزلہ کھڑی ہو گئی۔ سیفی سامنے آ گیا۔

''موصوف اکیلے نکل کھڑے ہوئے تھے آپ کی تلاش میں۔ وہ تو میں اچانک ہی آ گیا...... خود لے آیا۔''

''ان کے پاپا کو بتایا...... وہ پریشان ہوں گے...... میں فون کر دوں۔'' بے ساختہ پلٹی۔

''نہیں...... اسے پریشان اور مون کی تلاش میں خوار ہونے دیں، آج سارے دن میں اسے اندازہ ہو جائے گا کہ اسے کیا فیصلہ کرنا ہے اور کون سا فیصلہ درست ہے۔'' انزلہ اپنی جگہ جم گئی۔

''اندر آئیے نا۔''

''نہیں، دوبارہ آؤں گا...... اس خوار آدمی کو لے کر۔'' سیفی ہنسا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے ایسے خوار آدمی کو یہاں لانے کی۔ اس نے میری بیٹی کی زندگی خوار کر دی، ڈوبا رہنے دو اسے پرانی مری ہوئی محبت کے عشق میں۔'' حمیدہ بیگم بال جھٹکتی باہر آ گئیں۔ سیفی گڑبڑا گیا۔

''جو ساتھ رہ کر نہیں سمجھ سکتا اسے لفظوں سے نہیں سمجھایا جا سکتا اور اسے بھی لے جاؤ۔ جدائی ایک دفعہ ہی سب کو مار دے تو اچھا ہے روز روز کا مرنا مجرم

بنا دیتا ہے۔“

”امی......پلیز۔“ انزلہ کا لہجہ ملتجی ہو گیا۔

”میں نے صبر کر لیا تھا اپنی بچی کی ضد پر اس کے شوق پر اور مجھے اطمینان بھی تھا چلو گھر اچھا ہے۔ بچوں کو ماں کی ضرورت ہے، سعد بھی لوٹ آئے گا مگر ان کی پھپھو صاحبہ کے تیور کچھ اور ہیں، سبق سیکھ لیں وہ!“ طنز سے مون کو دیکھا۔ جو ٹکر ٹکر نانو کو دیکھ رہا تھا۔

”امی پلیز...... یہ ان کے دوست ہیں۔“ انزلہ نے گڑبڑا کر ماں کا ہاتھ تھاما۔ ”اور بنا لحاظ کے یہ اسی طرح جا کر بتائیں گے؟“ سیفی سر جھکا کر مسکرا دیا۔

”آنٹی ایک موقع اور دیں۔ بس اس کے بعد......“

”موقع اسے دیا جاتا ہے جو لینا چاہے۔ وہ تو......“ اندر فون بجنے لگا۔

”امی دیکھیں جا کر......“ اور وہ اتنے کو بہت سمجھ کر اندر پلٹ گئیں۔

”آئی ایم سوری۔“ انزلہ نے خجل بھرے انداز میں دیکھا۔

”اٹس......او کے، میں شام تک آؤں گا۔“

”میں نہیں جاؤں گا۔“ مون انزلہ کے قریب ہوا۔ ”مجھے بھوک لگی ہے۔“ انزلہ کا دل بھر آیا۔

”ٹھیک ہے۔“ اسے ساتھ لگا لیا۔

”اور آپ کی امی۔“ سیفی نے اندر کی جانب اشارہ کیا۔

”میں دیکھ لوں گی۔“ دھیرے سے کہا۔ وہ پلٹ گیا۔ انزلہ نے دروازہ بند کر دیا۔

”کیا کھائے گا میرا بیٹا۔“ پیار سے سمیٹ کر اندر لے آئی۔

”تیری ماں کا سر......“ حمیدہ بیگم نے سر پیٹ لیا۔

”امی پلیز...... اب ایسا کچھ مت کہیے گا۔“ پلٹ کر انہیں دیکھا اور حمیدہ بیگم دانت پیستے ہوئے اسے اندر جاتا ہوا دیکھتی رہ گئیں۔ فیضان آیا تو فیضان کو دیکھ کر رو دیں۔

”میں کیا کروں اس لڑکی کا یہ مجھے جینے نہیں دے گی۔ پھر ان کے پیچھے خوار ہونے کو تیار ہے۔“

”امی۔“ دھیرے سے ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں صوفے پر بٹھایا۔ ”ابھی...... اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا جتنا اسے اس کام سے منع کریں گی وہ نہیں رکے گی۔ انشاء اللہ اس کے حق میں بہتر ہو گا جو بھی ہو گا۔“ وہ دل گیر سے انداز میں دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

اندر باہر...... اوپر نیچے، گھر سے باہر چوکیدار سے، باہر روڈ تک، اڑوس پڑوس میں...... سعد بن وقاص پاگلوں کی طرح مون کو ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ اِدھر اُدھر کہیں ہوتا تو ملتا نا۔

”آپا!“ وہ سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئے۔

”میں کہاں ڈھونڈوں اسے، وہ بھوکا ہے اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے......“ آپا تصور وار تھیں چپ تھیں۔ ایمان رو رہی تھی۔ سعد باہر دیکھنے کے لیے پھر نکل رہے تھے کہ گیٹ پر سیفی کی گاڑی آ کر رکی۔

”سیفی......“ وہ بے ساختہ اس کی جانب بڑھے۔

”کیا ہوا......؟“ سیفی بے قراری کی ایکٹنگ کرتا ہوا باہر نکلا۔

”مون...... مون نہیں مل رہا۔ صبح سے۔“ وہ رو دینے کو تھے۔ روہانسی انداز تھا۔

”کہاں تھا وہ...... کیسے نکل گیا...... چوکیدار نہیں تھا کیا؟“ وہ شاندار ایکٹر تھا۔

”پتا نہیں۔“ وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

”بھابی کو فون کیا؟“ اسے ترس آ گیا۔ سعد

چونکے۔

”اسے...... اسے کیا فون کروں، کیا سلوک کیا ہے آپا نے اس کے ساتھ اور وہ جائے گا کیوں اکیلا وہاں......؟“

”ہوں۔“ وہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ گھڑی پر نگاہ کی پانچ بج رہے تھے اور پچھلے چھ گھنٹے سے خوار ہو رہا تھا، ترس آنے لگا۔ پتا نہیں عقل بھی آئی یا نہیں۔

”کہاں تلاش کریں...... وہاں بھی نہ ہوا تو کیا کہے گی وہ۔“ بے حد پُرتفکر لہجہ تھا۔

”ریڈیو پر...... ٹیلی ویژن پر اعلان کروائیں اور اگر کہیں نہ ملا تو...... اسے ڈانٹا تو نہیں تھا۔“ سیفی اندر ہی اندر ہنس رہا تھا۔

”پتا نہیں میں تو آپا سے گفتگو کر رہا تھا۔“ اسے لے کر سعد اندر آ گئے اور آپا سے کی ہوئی ساری گفتگو دُہرا دی۔

”ہوں۔“ سیفی اندر تک خوش ہو گیا۔

”میں ایمان اور مون کو لے کر جا رہا تھا اسے لینے...... کہ مون کھو گیا۔“

”چل آ...... پہلے انزلہ بھابی کی طرف چلتے ہیں۔“ سیفی رک گیا۔ ”ہو سکتا ہے وہاں نہ نکل گیا ہو۔“ پُریقین لہجہ تھا۔

”چلو۔“ سعد تیار ہو گئے۔ سیفی نے ایمان کو آواز دی۔

”سیفی...... اگر مون وہاں بھی نہ ہوا تو...... میں انزلہ کو کیا جواب دوں گا؟“

”اگر وہاں ہوا تو؟“ سیفی دھیان سے گاڑی چلا رہا تھا۔

”وہاں کیسے جا سکتا ہے۔ اتنی دور ہے راستے کا کیا پتا ہو گا۔“ سعد، سیفی کے لہجے پر دھیان نہیں دے رہے تھے۔ گھر آ گیا۔ ایمان بھاگ کر سیڑھیاں

جان پہچان

میرے لب دعا کیا ہے وہ جانتا ہے
میرا آخر رہا کیا ہے وہ جانتا ہے
پکارا ہی نہیں لیکن یہ ایک ساعت میرے دل کی
ابھرتی ہوئی صدا کیا ہے وہ جانتا ہے
کہاں کون سی ہے وہ شاخ کہ جہاں پھول ہیں
کدھر اور کتنا نیا کیا ہے وہ جانتا ہے
اسے کھوئے ہوئے اِک عمر ہوئی مگر آج بھی
میرے دل کی اِک اِک ادا کیا ہے وہ جانتا ہے
میں بکھر گئی، میں اجڑ گئی میں کدھر گئی
میرا اب اے غزل رہا کیا ہے وہ جانتا ہے

شاعرہ: غزالہ جلیل راؤ، اوکاڑہ

چڑھی۔ دروازہ حمیدہ بیگم نے کھولا۔

”اب...... تم......!“ انہیں غصہ آ گیا۔

”عجیب بد دماغ ہے تمہارا باپ، پہلے مون اب تمہیں بھیج دیا۔ اسے یہ پتا ہے کہ بچے پل ہوتے ہیں یہ نہیں معلوم کہ اس پل کو مضبوط کیسے کرنا ہے۔“ باہر سیفی کے ساتھ سعد ساکت کھڑے رہ گئے۔ مون اِدھر تھا۔ یہ انکشاف ہی روح میں خوشگواریت بھر گیا۔ آنٹی کی بات سنی ہی نہیں۔ مون مل گیا تھا۔ یہ حقیقت ہی تسلی بخش تھی۔ سیفی نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

”کیسے آئی ہو تم؟“

”پاپا کے ساتھ...... ماما کو لینے۔“

”امی...... کون ہے؟“ انزلہ باہر نکل آئی۔

”تمہاری بیٹی ہے۔“ طنز بھرا لہجہ تھا۔ انزلہ ان کی سن نہیں رہی تھی۔۔ وہ بیٹی کی زندگی کیسے خراب ہوتے دیکھیں۔

”ایمان۔“ انزلہ نے جھپٹ کر اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

”ما......ما......“ ایمان رو دی۔
”کیوں آگئیں آپ اِدھر......؟ میں نے آپ کے پاس رہنا ہے۔“ سیفی اور سعد...... اندر آگئے۔ سعد شرمندہ تھے۔ سب کچھ سننا ان کا حق تھا۔ سر جھکا لیا۔ مون باہر آگیا۔ حمیدہ بیگم اندر چلی گئیں۔
”تم...... اِدھر کیسے؟“ مون نے ساری فکر دور کردی۔
”میں ماما کے پاس آرہا تھا راستے میں سیفی انکل مل گئے وہ چھوڑ گئے تھے اور اب میں کہیں نہیں جاؤں گا...... ماما کے بغیر۔“ مون نے انزلہ کا ہاتھ تھام لیا۔
”اور میں بھی۔“ ایمان نے اس کے گرد بازو حمائل کردیے۔ انزلہ نے دونوں کے سروں پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ سعد صوفے پر بیٹھے اور سیفی کی طرف دیکھا تو یہ ساری پلاننگ سیفی کی تھی تبھی وہ سیدھا اسے اِدھر لے کر آیا۔ سارا دن خوار کروانے کے بعد۔
”یہ بہت ضروری تھا۔“ سیفی نے سعد کا ہاتھ تھام لیا۔
”ہاں۔“ سعد نے گہری سانس لے کر انزلہ کو دیکھا۔ ”یہ بہت ضروری تھا زندگی کو گزارنے کے لیے۔“ ملگجا سا حلیہ۔ بکھرے گیسو۔ متورم چہرہ، کلائی پر پٹی بندھی تھی۔ پیر پر بھی بینڈیج تھی۔ اس کی جانب دیکھنے سے گریزاں۔ آج سے پہلے تک ہمیشہ اسے نک سک سے تیار دیکھا تھا۔ حمیدہ بیگم آگئیں۔
”کیا سوچ کر اِدھر آئے ہو میاں...... تمہاری بہن نے کیا سلوک کیا......؟“
”میں شرمندہ ہوں آنٹی۔“ سعد نے دوٹوک لہجہ اختیار کیا۔
”تمہاری شرمندگی اس کی بے عزتی کا ازالہ کردے گی۔“ انزلہ کی جانب اشارہ کیا۔
”میں انہیں لینے آیا ہوں۔“
”کس کی مرضی سے...... بچے تمہارے۔ گھر تمہارا اس کا کیا جب اسے بیوی کا درجہ ہی نہیں ملا...... کسی کوڈبل پیسے دو خادمہ مل جائے گی۔“ سخت لہجہ تھا۔
”آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔“
”جائے گی تو شکایت ہوگی نا، اس نے اپنی زندگی کو کھلونا سمجھ لیا ہے مگر میں ماں ہوں...... مجھے اس کی خوشیوں کی ضمانت چاہیے۔“ وہ شرائط پر اتر آئیں۔ انزلہ نے تذبذب سے دیکھا۔
”میں ہر شرط پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ان کی خوشیوں کی ضمانت دیتا ہوں۔“ سیفی آگے ہوا۔
”تم...... پیچھے ہو اور سعد کو بولنے دو۔“ اسے خاموش کروا دیا۔
”میں معذرت کررہا ہوں آنٹی اور پوری کوشش کروں گا کہ انہیں مجھ سے شکایت نہ ہو۔“ سعد کا سر جھکا ہوا تھا اور حمیدہ بیگم کو یقین کرنا تھا۔ ان کی بیٹی پاگل تھی اس کی کوئی کل سیدھی نہیں تھی ہمیشہ سے ہی اپنے لیے مشکل راہ کا انتخاب کرتی تھی اور دل لگا بیٹھی تھی اور دل کی لگی ساری عمر ہی پر ملال رکھتی ہے پھر یہ شخص خود چل کر آیا ہے اسے موقع دے دو...... پھر انہوں نے انزلہ سے کہہ دیا تھا کہ صرف ایک موقع......اور زندگی میں ایک بار اور...... ایک موقع ضرور ملنا چاہیے انہیں۔ ایک بار پھر بچوں کی خاطر انزلہ پر ترس آگیا تھا۔
”چلیں!“ سعد، انزلہ سے کہہ رہے تھے۔ انزلہ کھڑی ہوگئی۔ بچوں کے چہرے چمک رہے تھے۔ اسے ہر حال میں جانا تھا۔ اس شخص کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی تھی۔ زندگی کی سانسیں سوہانِ روح تھیں۔ مرنا ہی تھا تو پھر اس قفل میں ہی سہی...... محبوب کا در اور گھر تو ہوگا تنہائی کا جنگل نصیب میں ہے تو پھر اس کے گھر کے در و دیوار ہی سہی...... اس کی خوشبو بچوں میں بھی تو ہے نا...... وہ کیسے...... جی سکتی ہے اس کے بغیر...... اپنے دل کی پیاس بجھائی تھی کوئی اس کے دل سے پوچھتا مگر

ممتا کون؟ یہ اس کے دل کی لگی تھی اور یکطرفہ تھی ہر یکطرفہ محبت ہمیشہ ہی بھیگے ہوئے سمندر میں رہتی ہے۔ اس کا دل اداس ٹوٹا ہوا تھا۔ اسی طرح سے ملگجے سے حلیے میں بکھرے بالوں میں زخم زخم وجود کو سنبھالتی...... نکل آئی۔ اس شخص کے سامنے ہمیشہ تیار ہوکر آتی تھی۔ قرینے طریقے سے رہتی تھی۔ اس کی جانب اٹھی نگاہ شاید اسے سیراب کردے۔ آج ملگجا سا روپ تھا اور دل کو یقین تھا، اس کے لیے محبت کے سب دروازے بند تھے۔ اللہ نے سارے در بند کرکے جانے کے لیے اس کا درِ دل آباد کردیا تھا۔ بچے بہت خوش تھے گاڑی میں اس کے شانوں پر سر رکھے بیٹھے تھے۔ اپنے اپنے فرمائشی پروگرام بنارہے تھے۔ سیفی کے ہونٹوں پر شوخ سی دُھن تھی۔ سعد اس کے ڈرامے پر مسکرا رہے تھے جس نے ان کی جان نکال دی تھی۔ یہ لوگ گھر میں داخل ہوئے تو آپا اپنے بیٹے کے ساتھ چلی گئیں۔ گھر کے در و دیوار پر رونق اتر آئی۔
”سعد...... میں نے پہلے بھی تمہیں سمجھایا تھا پھر سمجھا رہا ہوں زندہ پر ہمارا پہلا حق، پہلا اختیار ہوتا ہے اور زندہ بھی وہ جس نے ہمارے پیاروں کو سمیٹ رکھا ہو۔“ سعد نے سر جھکا لیا۔
”کسی کو بلاقصور سزا دینا جرم ہے اور ناحق جرم سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔“
”ماما...... یہ...... ماما...... وہ“ کچن سے بچوں کی آوازیں آرہی تھیں۔
”جا تو بھی کچھ مانگ لے...... میں ایک ہفتے بعد آؤں گا، ہم لوگ فارمز پر جارہے ہیں کوئی عذر کوئی بہانہ نہیں اگر سیز فائر نہیں ہوا یعنی تم لوگوں کا بیڈ روم ایک نہیں ہوا تو اب کے تیرے مقابل میں ہوں گا اور خود انزلہ بھابی کو تیری زندگی سے نکال کر رکھ دوں گا۔“ سیفی سمجھا رہا تھا۔ دھمکیاں دے رہا تھا۔
”تم لوگ بھی فارمز پر چلو گے ہمارے ساتھ......اور۔“ سعد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

انہیں ایسا کرنا ہی تھا۔ اب کے بچوں، گھر، آنٹی اور سیفی کے نادر ارشادات کے ساتھ انہیں بھی انزلہ کا احساس ہورہا تھا۔ اس کی بے لوث چاہت بے لوث جذبے......اور بچے اس کے گرویدہ تھے۔ سیفی نے انہیں گلے لگالیا۔ انزلہ کو بڑے زبردست وکیل ملے تھے۔

☆☆☆

رات انزلہ بچوں کے کمرے میں ہی سوئی۔ دل میں سوچ لیا تھا اب اسے اِدھر ہی رہنا تھا۔ اپنی ضرورت کی چیزیں یہاں شفٹ کرکے اوپر والے اس کمرے کو گیسٹ روم بنا دے گی۔ بائیں دیوار والا دریچہ جہاں سے چاند پورا اور روشن نظر آتا تھا۔ اوپر کا ٹیرس جہاں پر رکھی کرسیوں پر بیٹھ کر رات گئے تک سعد کو سوچتی تھی اور ان کے ساتھ ٹیرس پر ٹہلنا چاہتی تھی۔ سب...... خواب...... سب خواب ہے۔ بچوں کے تکیے پر سر رکھے بار بار آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ ایک شخص کی محبت میں مبتلا ہوکر ساری عمر کا ہجر خرید لیا تھا سب کی ناراضی کا مول دے کر......اور شخص بھی وہ جو دوسری محبت میں مبتلا تھا۔

رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی۔ سعد اپنے بیڈروم میں ٹہل رہے تھے۔ بیڈروم بھی وہ جو ہر پل صبا کی یاد سے مہکتا تھا۔ اس کے وجود کو مرنے ہی نہیں دیا تھا اس کی خوشبو...... الماری کھول دی۔ اس کے ہینگروں لٹکے ہوئے کپڑوں پر ہاتھ پھیرا...... دھانی ساڑی، سرخ سوٹ ...... سفید پشواز۔ آنکھیں بھیگنے لگیں...... نیچے شیلف میں رکھے شوز۔ مڑ کر دیکھا۔ ڈریسنگ ٹیبل تک آباد تھی۔ لپ اسٹک، کٹ، چوڑیاں، پرفیومز...... ڈھیر سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہوئے ان کا تنہا سراپا۔ وہ یہاں بیٹھ کر تیار ہوتی تھی۔ وہ پیچھے بیٹھ کر اسے تنگ کرتے تھے۔ اور جب وہ تیار ہوجاتی تھی تو اٹھ کر اس کے مقابل

آجاتے۔ آئینہ مکمل ہو جاتا اس کے بالوں میں پھول لگا دیتے آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ اب انہیں اس درِ دل کو بند کر دینا تھا کسی اور کو اس کا حق دینا تھا۔ بڑے ہو رہے تھے بچے جب سمجھ دار ہو جاتے تو...... کچھ فیصلے انسان کو وقت سے پہلے کرنے پڑ جاتے ہیں۔ صبا ان کے لیے مرچکی تھی، بچوں کی آنکھ، شعور انزلہ کی گود میں کھلا تھا ماں کے درجے پر فائز کر دیا تھا اسے صبا ان کے لیے زندہ تھی...... بس آج تک، آج کے بعد اگر انہوں نے اس کمرے میں تنہا رات گزاری تو بچے پوچھ سکتے تھے کہ کیوں پاپا...... ہمیں زندوں پر اختیار ہونا چاہیے...... اور آپ...... اس کی تصویر الٹا دی۔ دراز بند کر کے الماری لاک کر دی۔ ڈریسنگ ٹیبل کی ساری چیزیں درازوں میں ڈال دیں۔ اس کی تصویروں کو باکس میں بند کر دیا۔ کل سے اس کمرے کو بچوں کی اسٹڈی میں تبدیل کروا دیں گے۔ انہوں نے دل سے فیصلہ کیا۔ اس بار آنکھیں نہیں بھیگیں اور صبا کی تصویر بھی انہیں مسکراتی ہوئی لگی جو اُن کے والٹ میں لگی تھی جسے نکال رہے تھے۔ جب ایک معصوم کم عمر لڑکی ان کی محبت میں، ان کے بچوں کو ان کے گھر کو اپنا سمجھ سکتی ہے تو اس کے لیے وہ بھی خود کو بدل سکتے ہیں، بچوں کا احترام واجب ہے ان پر...... دل بے چین ہوا۔ اسے بھی آہستہ آہستہ قرار آجانا تھا۔ دروازہ بند کر کے باہر نکل آئے۔ ہر سو گہرا اندھیرا تھا۔ بچوں کے کمرے میں جھانکا۔ دونوں بچوں کے درمیان انزلہ سو رہی تھی۔ اس کے بازو پھیلے ہوئے تھے اور پھیلے بازوؤں میں مون اور ایمان سمائے ہوئے تھے۔ دھیرے سے ایک تکیہ اٹھا کر مون کے پہلو میں لیٹ گئے۔

☆☆☆

صبح ان کے گھر کی رونق برقرار تھی۔ کچن کی خوشبو، بچوں کی فرمائشیں۔ انزلہ کی تکمیل اور اس کا ملگجا سا حلیہ۔ ان کی جانب دیکھنے سے گریزاں تھی سامنے اخبار پھیلائے ساری سرگرمیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ دوپہر کا مینیو تیار تھا۔ شام کی چائے کے ساتھ ایمان کی فرمائشیں۔

''رات کا ڈنر میری طرف سے۔'' مسکراتے ہوئے اخبار بند کر دیا۔

''ہرے...پاپا...... میلا۔''

''پاپا...... میکڈونلڈ......''

''اور...... آپ......'' اندر جاتی انزلہ کو روکا۔

''جہاں بچے کہیں گے۔'' بچوں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے پروگرام کا حصہ بنی۔

''ہرے۔'' بچے بہت خوش تھے۔ زندگی رواں ہو گئی تھی۔ سیفی کا فون آگیا۔

''کچھ ہوا......؟''

''یار...... ہو جائے گا اتنی جلدی کیا ہے؟ ابھی تو مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''ہا...... ہا...... ہا...... مرد ہو کر ڈر رہا ہے۔'' سیفی ہنسا۔ ''سب فائلیں بند کر دیں......'' ذومعنی ہوا۔

''ہاں۔''

''سارے کیس تم وکیلوں نے مل کر بند کروا دیے۔''

''نہیں ختم کروا دیے۔'' سیفی ہنس رہا تھا۔

''پا...... پا......'' مون بھاگا آیا۔

''پاپا......'' ایمان اندر کہیں سے چیخ رہی تھی۔

''پا...... پا......'' مون سامنے آیا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔

''کیا...... ہوا؟'' فون رکھ دیا۔

''پاپا...... ماما کی ٹانگ دیکھیں اتنا بڑا زخم، ماما نے دوا بھی نہیں لگائی انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلیں...... آئیں......'' ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے کمرے میں لے آیا اور سعد اٹھتے چلے گئے۔

''یہ دیکھیں پاپا......'' ایمان انہیں دیکھ کر بے چین ہوئی۔ انزلہ ان کے بیڈ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھی تھی۔ ایمان نے ایک دم سے اس کی شلوار کا پائنچا اونچا کر دیا وہ نہ نہ کرتی رہ گئی۔ اس کے گھٹنے سے نیچے آبلے ہی آبلے تھے، کچھ پھوٹ گئے تھے کچھ کی اسکن سرخ ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا...... یہ......'' سعد ہکا بکا رہ گئے۔

''ہٹو...... ایمان کچھ نہیں ہوا...... دوا لگائی ہے میں نے۔'' انزلہ گڑبڑا گئی۔

''کیسے ہوا؟'' سعد نے ایمان کے قریب بیٹھ کر جائزہ لیا۔

''معمولی سا زخم ہے ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ پائنچا نیچے کرنے لگی۔

''یہ معمولی سا ہے؟'' پاؤں پکڑا۔ ''چلو ڈاکٹر کے پاس۔''

''نہیں...... چھوڑیں پاؤں...... ٹھیک ہو جائے گا۔''

''پاپا میں نے ڈاکٹر انکل کو فون کر دیا ہے آرہے ہیں۔'' مون دوبارہ بھاگا آیا۔

''کیسے ہوا یہ......؟''

''اس دن اوون میں کیک بیک کر رہی تھی، آپا کی باتیں سنتے ہوئے ٹانگ گرم اوون سے چپک گئی تھی۔'' اس نے سر جھکا لیا۔

''اور تم نے بتایا نہیں کسی کو...... مرہم تو لگا لیتیں۔'' انہوں اپنائیت سے اسے دیکھا۔

''پاپا...... ماما کو کتنا درد ہو رہا ہوگا؟''

''پاپا...... ڈاکٹر انکل کا فون آیا ہے۔'' بیل کی آواز پر مون ان کا فون سن آیا۔ ''وہ نہیں آسکتے مصروف تھے اگر خاص کام ہے تو کمپاؤنڈر کو بھیج دیں......'' انہوں نے کمپاؤنڈر کو بلوا لیا۔ اس نے زخم صاف کر کے بینڈیج کر دی۔ اسے تکلیف تھی برداشت کر رہی تھی۔

''اسی تکلیف میں سارے کام کر رہی تھیں؟''

''بچے ہیں نا۔'' محبت سے انہیں دیکھا اور انہیں خود پر تاسف ہونے لگا۔

''ہم اپنے دکھ میں مبتلا ہو کر دوسروں کی محبت دیکھتے ہی نہیں ہیں۔ کس اذیت سے گزر کر دوسرے ہمیں خوشیاں دیتے ہیں مگر اپنے لیے سوچتے ہوئے ہم اپنی ذات میں کتنے خودغرض ہو جاتے ہیں۔'' انہوں نے خود کو ملامت کیا۔

''اب نہیں...... جب دوسرے ہمارے لیے جیتے ہیں تو ہمیں بھی دوسروں کے لیے جینا چاہیے۔'' انہوں نے اس کا پاؤں اٹھا کر بیڈ پر رکھا اسے سیدھا کیا اس کے پیچھے تکیے لگائے اور بچوں کو ڈانٹا۔

''کوئی فرمائش نہیں، ماما نے بیڈ سے نیچے نہیں اترنا۔ سب کچھ ریڈی میڈ۔''

''ہرے......'' بچے خوش تھے۔

''ایسی کوئی بات نہیں، میں ٹھیک ہوں چل سکتی ہوں۔'' انزلہ خجل سی ہونے لگی۔

''بیٹھ جائیں...... ماما کے ہاتھ کا کوئی نہیں کھائے گا تین دن تک۔'' ایک اور فرمان جاری کر دیا۔ بچے ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

''پاپا رات کا ڈنر!'' مون کو فکر ہوئی۔

''چار...... دن بعد۔''

''سیفی انکل کے فارم ہاؤس بھی تو جانا ہے۔''

''ماما کے ٹھیک ہونے کے بعد۔'' وہ بیڈ پر بیٹھ گئے۔ انزلہ تحیر سے سمٹ رہی تھی۔ جب ہم بدلنے لگتے ہیں تو سامنے کیوں بدلنے لگتا ہے۔ دل کو سمجھانے لگتے ہیں تو صبر آنے لگتا ہے پھر سے ضبط میں دراڑیں پڑنے لگتی ہیں۔

''ماما کو آرام کرنے دو۔''

''ماما جلدی سے ٹھیک ہو جائیں......'' بچے باہر نکل گئے۔ انہوں نے اس کی ٹانگوں پر کمبل پھیلا دیا۔

''آرام...... آرام...... صرف آرام...... اس کے بعد اپنا حلیہ درست کرو...... پھر ہم مل کر اپنے اپنے فرائض اور حقوق ادا کریں گے۔'' دھیرے سے اس کا ہاتھ دبایا اور پلٹ گئے۔ انزلہ بیٹھی رہ گئی۔ موسم بدل رہا تھا یا یہ صرف روٹین کا حصہ ہے۔ آنکھیں اتنی سی پذیرائی پر ہی بھیگنے لگیں۔ شام میں بچے ٹرالی کھینچتے کمرے میں آگئے۔ پیچھے پیچھے سعد بھی تھے۔ چائے، سموسے، نمکو، کیک۔

''اُف!'' انزلہ اٹھ گئی۔

''پاپا نے کہا ہے ماما کی خدمت کرنی ہے بس۔'' ایمان پلیٹ بھرتے لگی۔ سعد اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟''

''میری طبیعت تو خراب نہیں ہے۔'' وہ خفت زدہ ہوئی۔

''ہاں بھئی پاؤں صاحب آپ کا کیا حال ہے درد ورد ٹھیک ہے نا۔'' دھیرے سے پاؤں چھوا۔

بچے کھلکھلا کر ہنسے۔ وہ بھی ہنس دی۔ مکمل فیملی...... انزلہ کا دل پھیلنے اور سکڑنے لگا۔ خواب ہے یا حقیقت۔ مون لاؤنج کی ٹی وی ٹرالی کھینچ لایا۔ سعد بچوں کے ساتھ مل کر شوخ ہو رہے تھے گاہے بگاہے مسکراتی نگاہ اس پر ڈال لیتے اور انزلہ بے یقین سی رہی...... کیا یہ مسکان، یہ ہنسی یہ توجہ میرے لیے...... یا بچوں کی وجہ سے رات بچے اس کے دائیں بائیں سوئے تو سعد اپنا تکیہ اٹھا کر مون کے پہلو میں آگئے۔

''بھئی میں اکیلے کمرے میں نہیں سو سکتا۔'' ٹھنک کر کہا۔ بچے شرارت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ مون نے پاپا کے بازو پر سر رکھا۔ ''کہانی سنائیے۔''

''پاپا زور سے، میں بھی سنوں گی۔'' ایمان نے سر اٹھا کر کہا اور سعد انہیں جل پری اور سمندری شہزادے کی کہانی سنانے لگے۔ بچے سنتے سنتے سو گئے۔ انزلہ آنکھیں موندے لیٹی رہی۔ سعد سر اٹھا کر اسے دیکھتے رہے۔ سونے کی ایکٹنگ کر رہی تھی۔

''طبیعت ٹھیک ہے۔'' مون کے سر کے نیچے سے ہاتھ نکال کر دھیرے سے اس کے بالوں کو چھوا...... اس نے آنکھیں کھول لیں۔

''درد تو نہیں ہو رہا؟''

''نہیں...... تو۔''

''نیند نہیں آرہی۔'' رخسار چھو کر مسکرائے۔

''نہیں سو رہی تھی۔''

''ڈسٹرب ہو رہی ہو میری وجہ سے؟'' دھیرے سے کان کی بالی کو چھوا۔

''نا...... ہی...... نہیں تو۔'' بے ساختہ کہا۔ ''میں آپ کی وجہ سے کبھی ڈسٹرب نہیں ہوتی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' اپنی گرم ہتھیلی میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ تبھی اس کی کراہ نکلی۔ ایمان نے سوتے ہوئے کروٹ لی تھی۔ اس کا پاؤں اس کی ٹانگ پر پڑا تھا۔

''کیا ہوا؟'' سعد چونکے۔

''کچھ نہیں۔'' دھیرے سے ایمان کا پاؤں ہٹا کر پہلو بدلا۔

''زور سے تو نہیں لگا۔'' ایمان کی جانب دیکھا۔

''نہیں۔'' وہ مسکرادی۔

انہوں نے آنکھیں موند کر گہری سانس لی۔ انزلہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ انزلہ دل ہی دل میں سمٹتی رہی۔ یہ حدت، یہ گرماہٹ، اسے بھیگا سمندر بنا رہی تھی اور وہ ضبط کر رہی تھی۔

''انزلہ......'' کمرے کی خاموش فضا میں سرگوشی سی ابھری۔ ''تم بہت اچھی ہو...... میرے بچوں کا خیال رکھا...... اس گھر کو اپنا سمجھا...... کوئی لالچ نہیں کوئی صلہ نہیں...... آپا نے تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں۔'' دھیرے سے ہاتھ دبایا۔ ''میں اس کی تلافی کروں گا۔ میرے بچوں کو ان کی ماں ملی ہے اس گھر کو تمہاری ضرورت ہے۔'' وہ دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے۔

''میں نے آپ سے شکایت تو نہیں کی۔''

''اسی چیز نے تو مجھے اور بھی شرمندہ کیا ہے۔ مون کے اندر تم بستی ہو ایمان سوتے میں ماما...... ماما...... پکارتی رہی۔''

''مجھے بھی، ان کا خیال ستاتا رہا۔ میں بھی ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' آنسو چھلک پڑے۔ ایمان کے اوپر سے ہاتھ ہٹا کر مون کے بال سنوارے۔

''میں بھی بس اب ان کے لیے ہی رہنا چاہتی ہوں آپ آپا کی خواہش پوری کریں۔'' آنسو تواتر سے گر رہے تھے۔ پچھلے چند دنوں سے اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا بہت روئی تھی ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

''میں بچوں کو بھی سمجھا لوں گی۔ بس آپ ہم لوگوں سے کوئی ناتا نہ توڑیں، میں بچوں کو سمیٹ لوں گی۔'' سعد اسے دیکھنے لگے۔ اتنی بڑی نہیں تھی وہ جتنا ضبط دکھا رہی تھی۔ دھیرے سے اس کا ہاتھ کھینچا اور اٹھ بیٹھے۔

''مایوس ہوگئی ہو مجھ سے؟''

''نہیں، مایوس ہوتی تو یہاں نہ آتی۔'' اس نے آنسو صاف کیے۔ ''میرے اور بچوں کے درمیان تعلق کو آپ سمجھ نہیں سکتے۔ یہ قدرتی اپنائیت، قدرتی کشش، قدرتی میلان ہے، انہوں نے میرے وجود سے جنم نہیں لیا مگر میرے بطن کا حصہ ہیں۔'' وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔ اس کے پیچھے ایمان تھی آگے مون اور مون کے پہلو میں سعد۔ وہ اس کی جانب توجہ کیے بیٹھے تھے۔

''میں جانتا ہوں...... اور اس چیز نے مجھے متاثر

کیا ہے۔ انسان بچوں کے لیے تو جیتا ہے، تم نہ ہوتیں تو میرے بچے بکھر گئے ہوتے۔''

''نہیں، یہ کبھی نہیں بکھر سکتے۔'' اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ مژگاں بھیگ کر برسات سمیٹ رہے تھے۔

''مجھے بچوں کے لیے رہنے دیں میں بچوں کے لیے آئی ہوں، ہم لوگوں کو بس یہ سمجھوتا کرنا پڑے گا۔'' وہ دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی اور اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ یہ شخص اس سے کبھی محبت نہیں کر سکتا تو بچوں کے ناتے ہی سہی۔

''میں نے بچوں کے تمام جملہ حقوق ساری زندگی کے لیے تمہارے نام منسوب کیے، تمہیں آئندہ مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' وہ دھیرے سے بستر سے اترنے لگے۔

''تم ان کے سیاہ و سفید کی مالک ہو۔'' سعد کھڑے ہو گئے۔ ''بچوں کی جانب سے کبھی ہرٹ نہیں ہو گی۔'' وہ دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ انزلہ سر اٹھا کر یوں دیکھنے لگی گویا بے یقین ہو۔ سعد کمرے سے باہر چلے گئے بچوں کے حقوق اسے سونپ کر اور وہ بے یقینی سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''کیا تھا مجھے سمیٹ لیتے۔ کیا تھا مجھے میرے ہونے کا بھی احساس دلا دیتے...... جھوٹا ہی سہی۔'' وہ گھٹنوں پر سر جھکا کر روئے چلی گئی۔

''تو یہ طے ہے انزلہ کہ تم نے حرماں نصیب ہی رہنا ہے۔ اب تمہیں زندگی سے اور نصیب سے کوئی شکوہ نہیں کرنا۔'' خود کو سمجھایا مگر آج آنسو کسی طور تھمنے کے لیے تیار تھے اور نہ سنبھلنے کے لیے تھم رہے تھے۔ ساری رات وہ اشکبار رہی۔ رات گئے تک سعد لان میں ٹہلتے رہے اور پھر لاؤنج میں آ کر سو گئے۔ صبح دم پھر شور ہنگامہ تھا۔ سعد ناشتا بنا رہے تھے۔ زری مدد کر رہی تھی۔ انزلہ باہر آ گئی۔

''لاؤ...... میں بنا دوں۔'' سعد کی جانب دیکھنے سے گریزاں اور رات بھر ساون بھادوں سعد سے چھپا ہوا نہیں تھا۔

''نو...... نو...... آرام...... آرام، ہمیں آپ کے ہاتھ کا کچھ نہیں کھانا۔'' بچے چیخے۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی ناشتا اس کے آگے آ گیا۔ سعد کے چہرے پر پچھلی رات کا کوئی عکس نہیں تھا۔ پگلی...... دیوانی...... پاگل ہو...... محبت تمہیں ہے انہیں تو نہیں...... درد بھی تمہیں ہو گا انہیں نہیں...... اس نے گہری سانس لی۔

شہر آباد، رونقیں آباد
دل کی دھڑکنوں کو کون سنتا ہے

آنکھیں احساسِ دل سے نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں۔ سردیوں کی ٹھنڈی دوپہریں ہوں یا سرد راتیں۔ اب ہر موسم ہر ساون اکیلے ہی گزارنا ہے۔

دوپہر میں بچے سعد کے ساتھ لان میں مصروف تھے۔ زری سے کہہ کر اپنے کمرے سے اپنے کپڑے منگوا لیے۔ آہستہ آہستہ سامان نیچے شفٹ کرے گی گیسٹ روم کی ضرورت تو رہتی ہے۔ بہت دنوں کے میلے کپڑے تبدیل کیے بالوں میں برش کیا۔ لان میں کینو اور مالٹے پہنچا دیے۔ بچے انجوائے کر رہے تھے۔ کھانا بازار سے آیا۔ اس نے منع بھی کیا مگر نہ بچے مانے نہ سعد۔ رات کو بچوں نے پزا، برگر اور آئس کریم کی فرمائش کی۔ چوکیدار کے ساتھ انہیں بھیج دیا۔

☆☆☆

آہٹ پر سر اٹھایا۔ سعد اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ''آپ......'' انزلہ نے میگزین بند کیا۔ نک سک سے تیار، خوشبو اڑاتے بھرپور پرسنالٹی لیے۔

''کوئی کام تھا؟'' وہ سر اٹھا کر سنبھلی۔

''ہاں۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھے۔

''کل بچوں کے جملہ حقوق تمہارے نام کیے تھے۔ آج اپنے جملہ حقوق تمہارے نام کروانے آیا

ہوں..... قبول کرلو۔"

"جی......" آنکھوں میں تحیر ابھرا۔

"بچوں کے ساتھ مجھے بھی بانٹ لو...... مجھے آتش دان کے پاس اکیلی بیٹھی لڑکی کی تنہائی دور کرنی ہے۔ اس کے ساتھ باتیں کرنی ہیں، اب اکیلے کمرے میں تنہا نہیں سو سکتا۔ میری تنہائی شیئر کرلو۔" انہوں نے دھیرے سے ہاتھ پھیلا دیا۔

"میں نے...... منع تو نہیں کیا...... آپ خود ہی......"

"ہاں، میں خود ہی سمجھ کر آیا ہوں، تم نے کبھی سمجھا تھا نہ مانگنا تھا...... نہ دینا تھا اور نہ کسی بکھرے ہوئے شخص کو سمیٹنا تھا۔" پُرشکوہ نگاہ ڈالی۔

"اتنا گلہ۔" انزلہ ہنس دی۔ کل شب اتنا روئی تھی کہ بس...... اب اور نہیں۔

"امی کہتی ہیں تم بچی ہو مجھے بچوں کو ہی سمیٹنا آتا ہے...... اور کچھ زندگی میں سیکھا ہی نہیں۔"

"میں جانتا ہوں......" اس کے قریب ہوئے، باڈی اسپرے کی خوشبو اسے ڈسٹرب کرنے لگی۔

"تم صرف قبول کرلو...... باقی میرا کام......" ہاتھ تھام لیا۔

"میں نے بتایا تھا نا...... میں بچوں۔" وہ جھجکی۔

"بس!" آگے کہنے سے روک دیا۔ "بچوں کا منظر نامہ اب ختم ہو چکا ہے اب میں اور تم۔ مجھے اپنا بیڈ روم تبدیل کرنا ہے اس کمرے کو میں گیسٹ روم بنا رہا ہوں یا اسٹڈی روم۔" انزلہ نے سر اٹھایا۔ "اپنے دل کی خواہش پر۔" پلکوں کی سطح کو چھوا۔ متورم، روئی ہوئی پلکوں کو قرار سا آنے لگا۔

"اوپر والے کمرے میں شفٹ ہو جائیں، میں بچوں کے کمرے میں شفٹ ہو رہی ہوں۔"

"قطعی نہیں۔" وہ اور قریب ہوئے۔

"اوپر کمرے میں جو میری تصویر کے پہلو میں لڑکی بچی ہے مجھے اسی کے ساتھ رہنا ہے تا زندگی...... ہمیشہ کے لیے۔ بچوں کے لیے بچوں کے باپ کو بھی قبول کر لو۔" اب کے وہ رکے نہیں پیش قدمی جاری رکھی۔

"ساری زندگی تمہارا ہو کر رہے گا تمام جملہ حقوق کے ساتھ۔" انزلہ گڑبڑا گئی۔ "اپنے جملہ حقوق میرے نام کر دو۔" آواز دھیمی ہو گئی۔ فرار کی ساری راہیں بند تھیں۔ دھیرے سے اپنا سر سعد کے شانے سے لگا دیا۔ آنسو بے اختیار ہونے لگے۔

"بس...... اب اور نہیں۔" سعد نے سمیٹ لیا

"زندگی کے آخری دن کا ہجر آخری مرتبہ ہم دونوں نے گزار لیا۔ مرنے والوں کے ساتھ زندگی نہ گزرتی۔ زندوں کو مار نہیں دیا جاتا۔" سعد دھیرے دھیرے بچے دل سے سرگوشی کر رہے تھے۔

"چلو...... اوپر اپنے کمرے میں...... دریچے سے ایک ساتھ چاند دیکھیں گے۔ چاند کی روشنی بھیگیں گے۔ ٹیرس پر واک کریں گے گرم کافی پیتے ہوئے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر زندگی دھڑکنوں کو محسوس کریں گے...... چلو۔" سعد بے خود ہو رہے تھے۔ اتنے اظہار پر انزلہ گھبرا گئی۔

"میں کیسے...... میں چل نہیں سکتی۔" انزلہ نے اٹھایا۔

"میں اٹھا لیتا ہوں۔" سعد جھکے۔

"نہ...... نہیں۔" وہ گھبرا گئی۔ "بچے۔"

"صرف...... سعد کو دیکھو۔ محسوس کرو اور......"

وہ ایک بار پھر اسے ڈسٹرب کرنے لگے۔ "اس سے محبت کرو۔" گلابی آنکھیں خمار لیے، محبت سے سرخ آنکھوں پر جھک گئیں۔

اس کا عشق، اپنائیت اور محبت کے ساتھ اس کا بن کر اس پر چھا گیا۔ کیسے نہ محبت کو قبول کرتی۔ اس محبت کے لیے تو اس کی دھڑکنیں زندہ تھیں۔





موسموں کے تغیر

شمیم فضل خالق

ناولٹ

وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح کسی مجسمے کے مانند ساکت کھڑا تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ پتھر کا بے جان مجسمہ ہو جس کے اندر نہ تو دھڑکتا ہوا دل ہو نہ جذبات ہوں اور نہ احساسات۔ سامنے بیٹھی فریدہ آنٹی مسلسل اسے کوس رہی تھیں۔

"تم یہ فیتے اٹھا لائے ہو...... دیکھ لو اچھی طرح کس قدر ڈل کلر ہیں اس کے...... تمہیں نمونے کے لیے جو فیتے دیے گئے تھے وہ کہاں ہیں......

بولو، بتاؤ...... احمق کی اولاد، کوئی کام جو کبھی ڈھنگ کا کیا ہو۔'' فیتوں کا بنڈل اس کے منہ پر مارتے ہوئے فریدہ آنٹی بولیں تو ماہین کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں پکڑ لیا۔ حماد اسی طرح کھڑا رہا اپنے دفاع میں وہ ایک لفظ نہیں کہہ پا رہا تھا ماہین کو غصہ آ گیا آخر وہ کچھ کہتا کیوں نہیں۔ اس دوران بابا امیر ڈسٹر کندھے پر ڈالے وہاں آ گیا وہ اس گھر کا بہت پرانا نوکر تھا اور ہر معاملے میں بولنا اپنا فرض سمجھتا تھا اس وقت بھی جب فریدہ آنٹی غیظ وغضب کے عالم میں اسے کہہ رہی تھیں۔

''جاؤ...... یہ واپس دکاندار کو دے آؤ اور صحیح چیز لے کر آنا...... ورنہ گھر میں نہ گھسنا، کم بخت کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا۔''

''پر بی بی صاحب......'' بابا امیر پریشان سا ہو کر بولا ''وہ دکان تو بہت دور ہے، اب بھی یہ صبح کا گیا اب آیا ہے، اب پھر پیدل جائے گا تو اس کی تو ٹانگیں ٹوٹ جائیں گی۔''

''ہاں تو ٹوٹ جانے دو اس کی ٹانگیں۔ اب کیا میں اسے ٹیکسی کا کرایہ دے کر بھیجوں۔ اچھا ہے اسے تکلیف ہوگی تو آئندہ دیکھ بھال کر سودا لائے گا۔'' وہ سر جھکا کر فیتوں کا بنڈل اٹھا کر چلا گیا جبکہ ماہین اور امیر بابا کھڑے کے کھڑے رہ گئے اسی دوران مہک باہر آئی اور ماہین کو دیکھ کر لپک کر اس کی طرف آئی۔

''ماہی...... تم کب آئی ہو؟ اندر میرے کمرے میں کیوں نہیں آ رہی تھیں؟''

ماہین نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا لیکن وہ جواب کا انتظار کیے بغیر اسے ہاتھ سے کھینچتے ہوئے اپنے کمرے میں لے گئی اور اسے اپنی تازہ شاپنگ دکھانے لگی جو اس نے کل ہی سارا دن لگا کر کی تھی۔ ماہین کا دل حماد کی وجہ سے بوجھل سا ہو رہا تھا مگر وہ زبردستی ہی اس کے جوش وخروش کا ساتھ دے رہی تھی۔

جب وہ گھر گئی تو آپا زینب ڈھیر سارے برتنوں کے درمیان بیٹھی برتن دھو رہی تھیں۔ اماں اور بابا کی آوازیں کمرے سے آ رہی تھیں۔ وہ کمرے میں جانے لگی تو آپا نے اسے آواز دے کر بلایا...... وہ قریب آئی تو آپا تجسس سے پوچھنے لگیں۔

''کیا خریدا تھا مہک نے...... تو نے اس کی شاپنگ دیکھ لی؟''

''وہی جو ہر ہفتے خریدتی ہے۔ کپڑے، جوتے، میک اپ کی چیزیں وغیرہ۔'' ماہین بیزاری سے بولی۔

''کیا بات ہے ماہی...... وہاں کچھ ہو گیا تھا کیا.. تو بہت بجھی بجھی سی لگ رہی ہے؟'' آپا نے غور سے اس کی اتری صورت دیکھ کر پوچھا۔

''وہی حماد والا قصہ تھا آپا۔ آج اس کی پھر سے جی بھر کر بے عزتی کی ہے فریدہ آنٹی نے۔'' وہیں آپا کے قریب پیڑھی پر بیٹھتے ہوئے وہ بولی۔

''یہ تو روز کی بات ہے، کوئی نئی بات تو نہیں، تو ہر بار اتنی اپ سیٹ کیوں ہو جاتی ہے۔'' آپا نے پلیٹ دھو کر سائڈ پر لگے ریک میں اٹکاتے ہوئے کہا۔

''اپ سیٹ ہونے والی بات تو ہے نا آپا...... حماد مہک کا فرسٹ کزن ہے۔ حماد کے والد اور مہک کے والد سگے بھائی تھے پھر کیوں فریدہ آنٹی اسے نوکروں کی طرح ٹریٹ کر رہی ہیں بلکہ نوکروں سے بھی بدتر جبکہ بابا امیر سے اس گھر میں اچھا سلوک ہو رہا ہے حماد کی نسبت...... ایسا کیوں ہے آپا؟'' ماہین دکھی لہجے میں بولی۔

''دراصل حماد بے چارہ شروع سے چچا کے ٹکڑوں پر پلا ہے۔ ماں، باپ بچپن میں گزر گئے تھے۔ نہ کوئی بہن نہ کوئی بھائی تھا۔ چچا، چچی نے اسے

پال پوس کر تعلیم دلا کر اس پر احسان کیا ہے اور اب اسے ٹھوکروں میں رکھ کر اپنے احسان کی قیمت وصول کر رہے ہیں اس سے۔'' آپا سنجیدگی سے بولیں۔

''کیا تعلیم دی ہے اس بے چارے کو...... اپنے بچوں کو اچھے سے اچھے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھایا...... اور انٹر کے بعد اسے کالج سے ہٹا دیا کہ گھر کے کام کاج دیکھنے والا کوئی نہیں۔ بے چارہ بی اے کی پرائیوٹ تیاری کر رہا ہے لیکن دو سال ہو گئے اس کی تیاری نہیں ہو رہی...... وقت ہی نہیں ملتا اسے، کیسے امتحان دے گا۔'' ماہین رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''لیکن تجھے کیا...... وہ جانیں اور ان کا کام جانے، وہ اس کے اپنے ہیں ہم کیا کہہ سکتے ہیں اس بارے میں۔ فریدہ آنٹی کو حماد سے تمہاری ہمدردی کے بارے میں پتا چلا تو انہیں بالکل بھی اچھا نہیں لگے گا۔'' آپا نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''تم جانتی ہو آپا، مجھے کبھی بھی ناانصافی پسند نہیں رہی ہے، مجھے تو جانوروں پر ظلم کرنا پسند نہیں ہے' حماد تو پھر انسان ہے کیسے چپ رہ سکتی ہوں میں' مجھے اور کچھ نہیں تو مہک سے بات کرنی ہی ہوگی۔'' ماہین بولی تو آپا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''یہ غضب نہ کرنا ماہی...... مہک تیری بہت نزدیکی دوست سہی لیکن اسے اپنے گھریلو معاملات میں تیری مداخلت پسند نہیں آئے گی اور ایسا نہ ہو کہ اس بات کو لے کر وہ کچھ اور سوچنے لگیں۔'' آپا قدرے توقف سے بولیں تو ماہین حیرت سے آپا کو دیکھنے لگی۔

''کیا سوچیں گے وہ...... کیا سوچ سکتے ہیں وہ؟'' ماہین بولی۔

''تم یہ رہنے دو...... لیکن جب تک مظلوم خود پر ڈھائے جانے والے مظالم پر آواز نہیں اٹھائے گا دوسرے لوگ اس کی مدد نہیں کر سکتے۔'' آپا نے جلدی سے بات بدلتے ہوئے کہا۔

''لیکن حماد بے چارہ کیا کر سکتا ہے، کیسے آواز اٹھا سکتا ہے ان کے خلاف، گھر سے بے گھر نہیں کر دیں گے وہ اسے!'' ماہین الجھی نظروں سے آپا کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہی تو ساری بات ہے۔ وہ گھر سے بے گھر نہیں ہونا چاہتا۔ اسے ایک چھت کے نیچے ساری سہولتیں ملی ہوئی ہیں چاہے روٹی اسے ذلت سے ملے...... لیکن فری میں اسے سب مل تو رہا ہے، وہ یہ سب کھونا نہیں چاہتا۔''

''آپا تم جانتی ہو اس کا ساری دنیا میں چچا کے سوا کوئی اور نہیں۔ وہ جائے تو کہاں جائے۔'' ماہین حیرت سے بولی۔

''ارے وہ کوئی لڑکی تو نہیں ہے جسے ایک گھر کی چھت چاہیے' وہ تو مرد ہے کھلے آسمان تلے رہ سکتا ہے۔ خالی پیٹ گزارہ کر سکتا ہے۔ وہ اس گھر سے چلا کیوں نہیں جاتا۔ جہاں اس کی عزت نہیں۔ ایسی روٹی تو کتے بھی کھانا پسند نہیں کریں گے جیسی وہ کھاتا ہے یا شاید وہ گالیاں کھا کھا کر بے حس ہو چکا ہے۔ اب نہ وہ سوچتا ہے نہ سوچنا چاہتا ہے۔''

اماں کے آواز دینے پر وہ اٹھ کر اماں کے کمرے کی طرف چلی گئی لیکن آپا کی باتیں کئی کئی دن تک اس کے ذہن میں چکراتی رہیں۔ آپا ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ حماد کو اپنی عزتِ نفس کی کوئی پروا نہیں...... فریدہ آنٹی کوئی ایک بات بھی اس سے سیدھی طرح نہیں کرتیں، مہک اسے ایک نوکر سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی اور حماد کے چچا قیوم صاحب اسے اے لڑکے، او چھوکرے کہہ کر صرف کام کے لیے بلاتے ہیں۔ ماہین مسلسل سوچ رہی تھی۔

ماہین نرم احساسات رکھنے والی ایک نرم دل

لڑکی تھی۔ وہ شروع سے بہت حساس تھی اس کی اور مہک کی کلاس میں بہت فرق تھا۔ یہ علاقہ بڑے لوگوں کا علاقہ تھا۔ جانے کیسے سستے دور میں یہ مکان ماہین کے ابو نے خریدا تھا۔ دس مرلے کا یہ مکان پرانی طرز کا بنا ہوا تھا اور آج کل کافی قیمت کا تھا لیکن چونکہ یہاں بڑے بڑے مالدار لوگوں کی کوٹھیاں بن گئی تھیں اور بڑے لوگوں کے بیچ میں رہنا ایک الگ مزہ تھا اس لیے لوگوں کے اصرار کے باوجود ماہین کے والد ظفر صاحب نے یہ گھر نہیں بیچا اور اب شاندار کوٹھیوں کے بیچ کھڑا یہ عام سا سادہ مکان ان کوٹھیوں کا نظر بٹو لگتا تھا۔

ظفر صاحب ایک سرکاری آفس میں گریڈ 16 کے ملازم تھے۔ ان کی بیگم زرینہ ایک سیدھی سادی خاتون تھیں۔ ان کے دو بچے تھے۔ زینب بڑی تھی ماہین چھوٹی۔ وہ بی اے کررہی تھی۔ اس کا اور مہک کا بڑا گہرا دوستانہ تھا حالانکہ مہک کے والد کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ وہ ایک اچھے کالج میں پڑھ رہی تھی جبکہ ماہین کو ایک سرکاری ادارے میں پڑھنے کے لیے جانا پڑتا تھا لیکن دونوں ہم عمر تھیں۔ مہک، ماہین کے پڑوس میں تھی۔ دونوں کی اِدھر اُدھر ملاقاتیں ہوئیں تو دونوں دوست بن گئیں اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ دوستی اتنی گہری ہوگئی کہ دونوں ایک جان دو قالب بن گئیں۔ مہک بھی ماہین کے گھر آیا کرتی تھی لیکن زیادہ تر وہ ماہین کو ہی بلالیا کرتی۔ ماہین کو بھی وہاں جانا اچھا لگتا تھا۔ آتے جاتے اس کی حماد سے بھی ملاقات ہوجاتی۔ پھر آہستہ آہستہ اسے گھر کے ایک فرد کی سی حیثیت حاصل ہوگئی تھی کوئی بات ہوتی...... دھڑلے سے اس کے سامنے کی جاتی۔ حماد کے ساتھ گھر والوں کا جو رویہ تھا وہ بھی اس سے چھپا نہ رہا اور آہستہ آہستہ حماد کی مظلومیت پر اس کا حساس دل تڑپنے لگا اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس سلسلے میں وہ ایسا کیا کرے کہ حماد کی زندگی میں کچھ سلجھاؤ آسکے لیکن آج آپا نے جو باتیں کیں تو اسے لگا جیسے اس سارے معاملے میں صرف گھر والوں کا قصور نہیں بلکہ اس میں حماد کا بھی قصور ہے کیونکہ ظلم کرنے والا اور ظلم سہنے والا یکساں قصوروار ہوتا ہے۔

اب ماہین، حماد سے بات کرنے کے لیے موقع ڈھونڈنے لگی۔ حماد اور اس میں کوئی بے تکلفی نہیں تھی جب بھی حماد کو برا بھلا کہا جاتا تو اس کے چہرے سے جھلکتی ہمدردی صاف دکھائی دیتی...... کبھی کبھی حماد اس کے چہرے پر ایک نظر ڈال لیتا مگر فوراً اپنی نظریں ہٹالیتا لیکن وہ اتنا بھی بے وقوف نہیں تھا کہ اس کو اس کے چہرے پر ہمدردی نظر نہ آتی...... شاید وہ دل ہی دل میں خفت بھی محسوس کرتا ہو کہ اس کے سامنے بھی اسے بری طرح لتاڑا جاتا لیکن ماہین تو اتنی ڈسٹرب ہوجاتی کہ وہ حماد کے شرمندہ چہرے کی طرف دیکھنا بھی گناہ سمجھتی تھی۔

گھر میں تو بات کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ ماہین حیران تھی کہ وہ حماد سے کہاں اور کیسے کچھ کہہ پائے گی لیکن شاید خدا کو بھی یہ منظور تھا کہ وہ حماد سے بات کرے اس دن جب وہ سردیوں کے کپڑے خریدنے مارکیٹ جارہی تھی تو سڑک کے بائیں طرف ڈھیلے ڈھالے انداز میں چلتا ہوا حماد اسے نظر آگیا یقیناً اس سے بہتر موقع اسے دوبارہ ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔ ماہین نے اپنے قدم تیز کرلیے اور اس کے قریب پہنچ کر سلام کیا۔ اس نے ہڑبڑا کر ماہین کی طرف دیکھا پہلے تو وہ حیران ہوا پھر دھیمے انداز میں سلام کا جواب دے کر اس نے اپنے قدم تیز کرلیے کہ مزید بات چیت نہ ہو لیکن ماہین اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی سو اس نے بھی اپنی رفتار بڑھاتے ہوئے بات چیت میں پہل کی۔

''سودا لارہے ہو؟'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔

''مجھے بھی گھر کے لیے کچھ چیزیں دیکھنی ہیں...... چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' اس نے ماحول کی اجنبیت کو اپنی بے تکلفانہ گفتگو سے توڑتے ہوئے کہا لیکن وہ گھبرا سا گیا۔

''نن...... نہیں ...... وہ آپ آلو پیاز والی مارکیٹ میں جاکر کیا کریں گی۔''

''ارے...... آلو پیاز ہی تو لانے ہیں مجھے۔'' وہ اس کے گھبرانے پر ہنس دی۔ وہ اب بھی گھبرا رہا تھا۔

''آپ مجھے بتادیجیے...... میں لے آؤں گا آپ کے لیے۔'' وہ تھکے تھکے لہجے میں بولا۔ اس کی آفر ماہین کو عجیب سی لگی۔

''فریدہ آنٹی میرے کام کرنے پر آپ کو ڈانٹیں گی نہیں؟'' غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ وہ بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''چلیں، آپ کے طفیل مجھے بھی اس مارکیٹ کو دیکھنے کا موقع ملے گا جہاں سے آپ چن چن کر سستی سبزیاں لاتے ہیں۔'' وہ بولی۔

وہ کچھ نہ بولا، دھیمے دھیمے انداز میں قدم اٹھاتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا لیکن اس کے چہرے پر عجیب سی گھبراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور وہ چونک کر خوفزدہ انداز میں آگے پیچھے یوں دیکھتے ہوئے جارہا تھا جیسے کسی کے دیکھ لینے کا ڈر ہو۔ ماہین کو اس کا یہ ہراساں انداز بالکل نہیں بھا رہا تھا۔ اس پر اسے غصہ بھی آرہا تھا اور رحم بھی...... کیسے ایک اچھے بھلے شخص کی شخصیت مسخ ہوکر رہ گئی تھی۔ صرف چند لوگوں کی احساسِ برتری کے باعث...... لیکن وہ اس کے انداز کو نظر انداز کرکے نرم لہجے میں عام سے موضوعات پر بات چیت کررہی تھی۔ مارکیٹ میں وہ اس کی موجودگی میں بہت لیے دیے انداز میں سودا خرید رہا تھا۔

''حماد، ذرا یہ مولیاں تو دیکھیں۔ خراب تو نہیں ہوں گی نا، دراصل مجھے تجربہ نہیں ہے اکثر مولیاں اوپر سے صاف نظر آتی ہیں لیکن اندر سے بالکل خراب جبکہ امی نے آج خاص طور پر مولیاں لانے کے لیے کہا تھا......'' وہ بے تکلفی ظاہر کرنے کے لیے اس سے بات چیت کررہی تھی۔

حماد پھرتی سے اچھی اچھی مولیاں نکال کر ایک طرف رکھ رہا تھا۔ سودے کے تھیلے لیے وہ باہر آئے تو سامنے ہی ایک کھوکھا سا بنا ہوا تھا...... کھوکھے کے سامنے چند میز کرسیاں رکھی تھیں اور وہاں لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

''حماد، مجھے چائے کی بہت طلب ہورہی ہے۔ چلو چائے پی لیتے ہیں۔'' ماہین جلدی سے بولی۔ وہ چونک گیا۔

''نن...... نہیں...... مجھے دیر ہوجائے گی...... خانساماں سودے کا انتظار کررہا ہوگا۔ آپ چائے پی لیجیے...... میں چلتا ہوں۔'' وہ اٹکتے ہوئے بولا۔

''مجھے اکیلے بیٹھ کر چائے پینے میں مزہ نہیں آتا...... اور پھر ٹائم ہی کتنا لگتا ہے ایک کپ چائے پینے میں۔'' وہ اس کا بازو کھینچتے ہوئے بولی۔ اس کے چہرے پر شدید پریشانی کے اثرات تھے اور وہ سہما سہما سا سر جھکائے ماہین کے ساتھ کھنچتا چلا جارہا تھا۔ چائے کے بھاپ اڑاتے کپ دونوں کے درمیان چھوٹی ٹیبل پر رکھے تھے۔

''حماد...... ایک بات پوچھوں؟'' ماہین نے بات کی ابتدا کی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا اور الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

''حماد...... جب فریدہ آنٹی تمہیں ڈانٹتی ہیں تو تمہیں برا نہیں لگتا؟'' وہ نرم اور دھیمے لہجے میں بولی۔

ایک عجیب سا...... بے بس سا تاثر حماد کے چہرے پر پھیل گیا اس نے جلدی سے نظریں جھکالیں اور چائے کے کپ سے اٹھتی بھاپ پر اپنی نظریں جمادیں' ماہین نے کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کیا پھر قدرے وقفے سے بولی۔

''حماد...... تم کو یقیناً برا لگتا ہوگا کیونکہ جب مجھے برا لگتا ہے تو تمہیں کیسے برا نہیں لگتا ہوگا۔'' حماد کچھ نہیں بولا۔ اس کے چہرے پر دکھوں کا غبار سا چھا گیا تھا۔ ہونٹ لرزنے لگے تھے اور آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں۔

''حماد...... تم اس گھر کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے جہاں تمہاری اتنی بے عزتی ہوتی ہے۔'' ماہین اپنی بات کو بڑھاوا دیتے ہوئے بولی۔ وہ اب بھی کچھ نہیں بولا لیکن اس کے چہرے کے نقوش تن سے گئے تھے وہ منہ سے تو کچھ نہیں بولا لیکن اس کے چہرے کے نقوش کہہ رہے تھے کہ میں کیسے اس گھر کو چھوڑ دوں جبکہ میرا کوئی بھی نہیں، میں کس کے پاس جاؤں، کیسے میں اس گھر کو چھوڑ سکتا ہوں۔ ماہین نے اس کے چہرے پر لکھی یہ ساری تحریر پڑھ لی تھی۔

''حماد! تم لڑکی نہیں ہو، جو ایک چھت کے لیے اتنی بے عزتی برداشت کر رہے ہو، اگر تم فٹ پاتھ پر بھی رہو گے تو بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا...... اور کم سے کم تمہاری عزت تو محفوظ رہے گی کوئی اس طرح سرِعام تمہاری عزت کی دھجیاں تو نہیں اڑائے گا نا......'' وہ بولی۔ وہ گم صم کسی غیر مرئی نقطے پر اپنی نظریں جمائے ساکت سا بیٹھا رہا ماہین کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی لیکن جب اس کی خاموشی طویل ہوگئی تو ماہین مایوس سی ہوگئی۔

''سوری حماد! مجھے تمہارے معاملے میں اس طرح دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے تھی بہر حال تمہیں سمجھانا میں اپنا فرض سمجھتی تھی اور ایک آخری بات کہ اگر میری بات تمہارے ذہن میں آئی تو یہاں سے نکل کر اپنی پڑھائی کے بارے میں ضرور سوچنا کہ یہی ایک راستہ ہے جس پر چل کر تم کامیاب ہو سکتے ہو!'' وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

اس نے اب حماد کے جواب کا انتظار نہیں کیا...... بیرے کو بلا کر چائے کے پیسے دیے اور حماد کی طرف دیکھے بغیر وہاں سے نکل آئی لیکن اسے حماد سے بات کر کے خاصی مایوسی ہوئی تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے حماد خود اپنی حالت بدلنا نہیں چاہتا۔ اس نے دکھ سے سوچا تھا کہ جو بندہ اپنی بے عزتی خود محسوس نہ کر رہا ہو دوسرے اس کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ ایک دو دن وہ اسی دکھ کے حصار میں رہی اور مہک کے لاکھ بلانے پر بھی وہ اس کے گھر نہیں گئی۔ کچھ پڑھائی کی مصروفیات تھی۔ ایک دو بار مہک خود اس سے ملنے کے لیے آگئی...... لیکن اس دن اماں نے کڑھی بنائی تھی۔ مہک کو اماں کے ہاتھ کی کڑھی بہت پسند تھی۔ وہ جب بھی کڑھی بناتیں مہک کو بھیجنا نہیں بھولتیں۔

''ماہی! یہ کڑھی مہک کو دے آنا، گرم گرم ہے، ٹھنڈی ہوگئی تو مزہ نہیں دے گی۔'' انہوں نے ڈونگا بھر کر مہک کے لیے کڑھی نکالی اور ماہین کو آواز دیتے ہوئے کہا۔

ماہین کا خود بھی دل چاہ رہا تھا مہک کے گھر جانے کے لیے سو اس نے کوئی آنا کانی نہیں کی ڈونگا اٹھایا اور مہک کے گھر چلی گئی۔

مہک حسبِ عادت ماہین کو اپنی تازہ شاپنگ دکھانے لگی ساتھ ساتھ وہ لاابالی پن سے چمچ سے کڑھی بھی کھاتی جاتی۔

''آنٹی اپنے کمرے میں ہیں نا...... میں جا کر ان سے مل لوں۔'' واپس جانے سے پہلے ماہین، مہک سے کہنے لگی۔

''یہ غضب نہ کرنا ماہی...... ممی آج کل بہت

غصے میں ہیں۔ حماد گھر سے کیا چلا گیا...... ممی کے تیروں کا سارا رخ اسی طرف ہے...... بلکہ اسی طرف کیوں...... سب اسی کی زد میں آتے ہیں۔'' مہک ہنس کر بولی۔ اس کے دل کی ایک بیٹ مس ہوگئی۔

''تو کیا...... حماد...... حماد چلا گیا؟'' حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے وہ رک رک کر پوچھنے لگی۔

''ہاں...... ممی بھی نا بس...... وہ اِدھر تھا تو تب بھی انہیں پسند نہیں تھا...... اور اب چلا گیا تو بھی سارا دن اسے گالیاں دیتی رہتی ہیں۔'' مہک نے برا سا منہ بنا لیا پھر وہ ہنس کر بولی۔ ''اب وہ سننے کے لیے موجود نہیں لیکن ممی اب بھی اپنا غبار اس پر نکالتی رہتی ہیں۔''

ماہین اب بھی وہاں کھڑی تھی لیکن جیسے وہاں موجود ہی نہیں تھی اسے عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ حماد اس کے کہنے پر یہاں سے چلا گیا تھا خدا کرے اسے اس کی گمشدہ عزت مل جائے گھر آتے وقت ایک ہی دعا اس کے لبوں پر تھی۔

''خدایا...... اسے اپنے فیصلے پر کبھی پچھتانے نہ دینا...... اس کے راستوں کے کانٹے چن کر اس کی راہ میں پھول بچھا دینا۔'' اور پھر یہ دعا اس کے لبوں سے چپک گئی تھی۔

وقت گزرتا رہا...... آپا کی شادی ہوگئی تھی۔ اماں اور ابا کچھ زیادہ ہی بوڑھے ہوگئے تھے۔ ماہین ایک کالج میں لیکچرار تھی۔ مہک کی بہت بڑے صنعت کار کے بیٹے سے شادی ہوگئی تھی اور وہ آسٹریلیا چلی گئی تھی۔ اماں، ابا کی اب سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ماہین کا گھر بھی بس جائے لیکن خدا کی طرف سے دیر تھی کہ جو بھی رشتہ آتا اس میں کوئی ایسا سقم ضرور ہوتا کہ اماں، ابا کے دل کو نہ بھاتا۔ ماہین نے اپنی زندگی کے تمام اختیارات اماں، ابا کو دے رکھے تھے۔ وہ اپنی زندگی کے شب و روز سے مطمئن تھی۔ یہ جاب اس کے مزاج کے مطابق تھی۔ وہ کوشش کرتی کہ نو عمر لڑکیوں کو صرف کتابیں نہ رٹائے بلکہ ان کو اخلاقی تعلیم بھی دے، ان کی رہنمائی کرے اور ان کی تربیت میں اہم رول ادا کرے وہ اپنی انہی عادتوں کی بنا پر سارے کالج میں مقبول تھی بلکہ کالج بھر میں اسے پسند کیا جاتا تھا۔

ان ہی دنوں ایک ٹریجڈی ہوگئی۔ مہک کی اپنے شوہر سے نہیں نبھ سکی اور وہ طلاق لے کر آسٹریلیا سے واپس آگئی۔ شادی کے دو سال بعد یہ رشتہ ختم ہوگیا۔ مہک کا کوئی بچہ بھی نہیں ہوا تھا۔ حساس سی ماہین کو مہک کی طلاق سے بہت دکھ ہوا لیکن مہک کو کوئی خاص پروا نہیں تھی۔ وہ اپنے شوہر کی مسلسل برائیاں کرتی رہی اور اس سے گلو خلاصی کو اپنی خوش قسمتی سمجھتی رہی۔ فریدہ آنٹی اگرچہ پریشان تو لگ رہی تھیں لیکن ظاہر نہیں کر رہی تھیں جبکہ ماہین تو مہک کے گلے لگ کر بے اختیار رونے لگی تھی۔

''ارے پاگل۔'' مہک ہنس کر بولی۔ ''اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ قید سے بندہ چھوٹتا ہے تو اسے اور اس کے رشتے داروں کو خوشی ہوتی ہے اور تم میری آزادی پر خوش ہونے کے بجائے رو رہی ہو۔'' ماہین نے شرمندہ ہو کر اپنے آنسو پونچھ لیے۔

''چلو...... میرے کمرے میں...... میں تمہیں اپنی آسٹریلیا کی شاپنگ دکھاتی ہوں۔'' مہک اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ حیران پریشان سی ماہین کو وہ کھینچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لے گئی۔

ایک سال مزید بیت گیا...... اس دن ماہین کو فریدہ آنٹی نے بلایا تھا ماہین حیران تھی کہ فریدہ آنٹی اسے کیا کہنا چاہتی ہیں۔ اگرچہ وہ مہک سے اکثر اوقات ملنے چلی جایا کرتی تھی۔ اب وہ کالج سے اتنی تھکی ہاری گھر آتی کہ چاہتے ہوئے بھی جلدی جلدی مہک سے ملنے نہیں جا سکتی تھی لیکن اس دن جب فریدہ

آنٹی کی طرف سے پیغام آیا تو وہ تجسس کے مارے اسی وقت وہاں چلی گئی۔

سردیوں کے ابتدائی دن تھے۔ فریدہ آنٹی لان میں دھوپ میں بیٹھی کینو کھا رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر تو خوش ہوئیں اور کینو اپنے ہاتھ سے چھیل کر اسے کھلانے لگیں۔ وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

''آپ رہنے دیں ...... میں چھیل دیتی ہوں۔'' اس نے فریدہ آنٹی کے ہاتھ سے کینو لے لیے اور چھیلنے لگی۔

''آنٹی ...... مہک کہاں ہے؟'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''اپنے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہی ہوگی یا شاپنگ کے لیے گئی ہوگی۔ تم تو جانتی ہو یہی دو شوق ہیں اس کے۔'' فریدہ آنٹی بولیں۔ وہ کچھ نہ بولی...... چھلے ہوئے کینو پر نمک لگا کر اس نے فریدہ آنٹی کے سامنے رکھ دیے...... تبھی فریدہ آنٹی ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں۔

''ماہی! تم بڑی سمجھدار ہو...... تم جانتی ہوگی کہ بیٹیوں کے گھر اُجڑ جائیں تو ماؤں کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ جب سے مہک کی طلاق ہوئی ہے میں بہت ڈسٹرب رہنے لگی ہوں۔''

''آنٹی! آپ اس طرح سوچ سوچ کر بیمار پڑ جائیں گی۔ خدا مہک کے ساتھ اچھا کرے گا۔ انشاءاللہ سے جلد ہی ایک اچھا ساتھی اور اچھا گھر مل جائے گا۔'' ماہین کا حساس دل ان کے دکھ پر بے اختیار تڑپنے لگا۔ اس نے گلوگیر آواز میں فریدہ آنٹی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''ماہی! میں نے یہی بات کہنے کے لیے تمہیں بلایا ہے۔ تم کالج میں لیکچرار ہو...... ہر قسم کے لوگوں سے تمہاری ملاقات ہوتی ہے اگر تم کوشش کرو تو مہک کا گھر دوبارہ بس سکتا ہے۔'' فریدہ آنٹی ایک لمبی سانس لے کر بولیں۔

ماہین چند لمحے تو کچھ بول ہی نہیں سکی۔ اسے فریدہ آنٹی کی بات پر حیرت ہوئی۔ اس نے تو کبھی اس نہج پر سوچا بھی نہیں تھا لیکن فریدہ آنٹی اس قدر ڈپریس تھیں کہ انہیں تسلی دینا بھی ضروری تھا سو جب وہ وہاں سے اٹھی تو اس نے خلوصِ دل سے فریدہ آنٹی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مہک کے دوبارہ گھر بسانے کے لیے کوشش ضرور کرے گی۔

ان دنوں کالج میں امتحانات چل رہے تھے۔ ماہین بالکل فارغ نہیں تھی۔ اس دن بھی وہ اسٹاف روم میں بیٹھی پیپرز چیک کر رہی تھی کہ ماسی مریم نے کسی مہمان کے آنے کی اطلاع دی ماہین کو حیرت ہوئی اس سے ملنے بھلا کون آسکتا ہے؟ اس نے سوچا پھر یہ سوچ کر مطمئن ہوئی کہ بچیوں کے داخلے وغیرہ کے سلسلے میں ان کے والدین وغیرہ آیا کرتے ہیں۔ وہ انتظار گاہ میں.... گئی تو اس کا شک صحیح نکلا۔ وہ کسی لڑکی کا بھائی تھا جو اپنی بہن کے داخلے وغیرہ کے سلسلے میں بات کرنے آیا تھا۔ وہ جوان سال لڑکا تھا اس کی بہن اس کے ساتھ نہیں تھی۔ بقول اس کے وہ کچھ بیمار تھی اس لیے خود نہیں آسکی تھی بھائی کو بھیج دیا تھا معلومات حاصل کرنے کے لیے۔ ماہین نے اسے ضروری معلومات فراہم کر دیں وہ جاتے جاتے کچھ متاثر سا ہو کر بولا۔

''مس ماہین...... اگر میں کبھی کبھار آپ سے ملنے آؤں تو آپ برا تو نہیں مانیں گی؟''

''کس سلسلے میں؟'' ماہین نے حیرت سے پوچھا۔

''بس ایسے ہی...... آپ کی گفتگو بڑی سلجھی ہوئی اور معلوماتی ہے۔ لگتا ہے آپ کے پاس معلومات کا خزانہ ہے۔'' ماہین ہنس دی۔ ایسے ان میچور لوگ اکثر اس سے متاثر ہوا کرتے تھے۔

''آپ لوگوں کو معلومات فراہم کرنا میری

ذمے داری ہے۔ داخلے وغیرہ کے سلسلے میں آپ آسکتے ہیں۔ باقی تو میری معلومات صفر ہیں...... میرا مطلب ہے زندگی کے بارے میں آپ کو کچھ نہ بتا سکوں گی۔'' وہ نرمی سے بولی۔

وہ کئی بار شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔ ماہین مسکراتے ہوئے دوبارہ اسٹاف روم میں آگئی۔ دو تین دن بعد وہ پھر آگیا۔ آج بھی اس کے ساتھ اس کی بہن نہیں تھی ماہین کو اچھا نہ لگا کہ وہ اکیلا آیا تھا۔

''فراز صاحب! اچھا ہوتا کہ آپ آج اپنی بہن کو لے آتے۔ وہ اپنے کاغذات ساتھ لے آتی تو مجھے اسے سمجھانے میں آسانی ہوتی۔'' وہ روکھے لہجے میں بولی۔

''آج میں اس سلسلے میں نہیں آیا ہوں مس ماہین۔'' وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

''جی...... ؟'' ماہین نے ٹھٹک کر اسے دیکھا اور اُلجھے لہجے میں بولی۔ ''پھر آپ کس سلسلے میں آئے ہیں؟''

''مس ماہین...... دراصل میرا ایک دوست ہے سعد...... اچھے عہدے پر فائز ہے۔ دیکھنے میں گڈ لکنگ ہے جوان ہے۔ میری عمر کا ہوگا اسے گھر بسانے کے لیے ایک اچھی لڑکی کی ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے اس کی کوئی فیملی نہیں۔ نہ ماں، باپ، نہ بہن بھائی، لے دے کے ایک میں اس کا دوست ہوں۔'' فراز نے آنے کا مقصد بتایا۔

''آپ کیا سوچ کر یہاں آئے ہیں؟ کیا ایک تعلیمی ادارے کا مذاق اڑانے...... آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے ادارے میں پس پردہ رشتے کروانے کا کام کرتے ہیں۔'' ماہین کو جی بھر کر غصہ آیا۔ وہ سلگتے لہجے میں بہ مشکل اپنے غصے کو قابو میں کرتے ہوئے بولی۔

''نن...... نہیں...... بالکل بھی نہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''بخدا یہ تو میں نے صرف اس لیے کہا کہ کسی کی مدد کرنا کوئی غلط بات نہیں۔''

''لیکن اس کام کے لیے آپ نے میرا ہی انتخاب کیوں کیا؟ جائیں اور کسی میرج بیورو کا دروازہ کھٹکھٹائیں...... میں کیا آپ کو اتنی فارغ لگتی ہوں جو......'' وہ اس کی بات کاٹ کر جھنجلا کر بولی۔

''میرج بیورو والے اکثر دھوکا دہی سے کام لیتے ہیں۔ میں نے یہ سوچ کر کہ آپ کالج میں پڑھاتی ہیں اگر کسی اچھی لڑکی کو جانتی ہوں تو......'' وہ سر جھکا کر دھیمی آواز میں بولا۔

ماہین کے دماغ میں جیسے ایک بجلی سی کوندی مہک جیسے اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی، آنٹی کی التجائیہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرانے لگی اور اپنا وعدہ بھی اسے یاد آگیا جبکہ مصروفیت میں وہ تقریباً اس بات کو بھلا بیٹھی تھی...... لیکن یہ تو جیسے خدا نے خود ہی انتظام کر دیا تھا۔ اسے افسوس ہونے لگا کیوں اس نے اس لڑکے کو اتنا برا بھلا کہہ دیا۔

''اگرچہ میں نے کبھی اس قسم کے کام نہیں کیے لیکن آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔ پہلے یہ بتائیں کہ آپ کا دوست کام کیا کرتا ہے اور اس کے بارے میں مزید معلومات بھی دیجیے تاکہ لڑکی کے والدین کو تفصیل سے آگاہ کیا جائے۔'' وہ فوری طور پر اپنا لہجہ تبدیل کر کے بولی۔ اس کے مثبت انداز میں بات کرنے سے وہ خوش ہوگیا اور جلدی جلدی اسے ساری معلومات دینے لگا۔

لڑکا پولیس ڈیپارٹمنٹ میں حال ہی میں ڈی ایس پی کے عہدے پر ترقی کر گیا تھا۔ آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ شرافت اور اچھے اخلاق میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اب وہ گھر بسانا چاہتا تھا لیکن اس کا کوئی قریبی رشتے دار نہیں تھا جو اس کی مدد کرتا۔ ماہین کو

مہک کے لیے یہ رشتہ مناسب تو لگا تھا لیکن کیا خبر آنٹی کو پسند نہ آئے یا مہک خود ہی ایسا رشتہ قبول نہ کرے کیونکہ وہ تو ایسی فیملی تھی کہ پیسہ اُن کے ہاتھ کا میل تھا جبکہ ایک گورنمنٹ سرونٹ کی تنخواہ کتنی ہوسکتی ہے اور مہک اس پر کتنا عیش کرسکتی ہے۔ وہ سوچ میں پڑگئی پھر اس نے سوچا کہ پہلے آنٹی سے بات کرلے۔ جب اس نے فریدہ آنٹی سے بات کی تو اس کی توقع کے برعکس وہ بے طرح خوش ہوگئیں۔

''ارے ماہی...... تو تم اِس معاملے میں دیر کیوں کررہی ہو؟ آج کل اچھے رشتے کہاں ملتے ہیں۔ کہیں کوئی اسے کڈنیپ ہی نہ کردے میرا مطلب ہے آج کل لڑکیوں کی مائیں تو اچھے لڑکوں کے لیے سنہری جال پھیلائے رکھتی ہیں۔ کہیں وہ کسی جال میں نہ پھنس جائے۔''

وہ آنٹی کے جوش وخروش کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ آنٹی اس رشتے کا سن کر اتنی خوش ہوں گی پھر بھی بات صرف فریدہ آنٹی کی نہیں تھی اصل فیصلہ تو مہک نے کرنا تھا۔

''آنٹی...... مہک کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا نا......؟'' وہ جھجک کر بولی۔

''کاہے کو ہوگا اسے اعتراض...... ایک سرمایہ کار سے شادی تو نباہ نہیں سکی، اب کیا دوسری بار پچھتانا دکھائے گی...... اور سنو۔'' وہ اس کی طرف جھک کر راز داری سے بولیں۔ ''اب اس کے ہوش ٹھکانے آگئے ہیں پہلے جیسا دم خم نہیں رہا اس میں۔ سارا دن اپنے کمرے میں بند ہوکر سیڈ گانے سنتی رہتی ہے۔''

''اچھا......'' اسے حیرت ہوئی۔ اپنی مصروفیت کے باعث وہ کافی دنوں سے مہک سے نہیں ملی تھی۔ اس وقت بھی اس کا مہک سے ملنے کا موڈ نہیں تھا کہ اچھا ہے آنٹی ہی یہ بات اس سے کریں۔ اس نے سوچا اور آنٹی سے اجازت لے کر گھر آگئی۔

مہک کی رضامندی سے پہلے ماہین اس لڑکے سعد سے ملنا چاہتی تھی۔ اس کے دل میں یہ خدشہ بھی تھا کہ کیا پتا لڑکا کسی مطلقہ لڑکی سے شادی نہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی آئیڈیل کوئی کنواری لڑکی ہو۔ بہر حال اب تو اس کام میں ہاتھ ڈال لیا تھا۔ اسے اب پورا کرنا ہی تھا۔ ویسے بھی اس کی نیچر ہی ایسی تھی کہ ہر کسی کی مدد کے لیے پیش پیش ہوتی اور یہاں تو معاملہ اس کی دوست مہک کا تھا۔ فراز نے اپنا سیل نمبر ماہین کو دے دیا تھا سو ماہین نے اسے فون ملایا۔

''فراز صاحب...... کیا آپ اور سعد صاحب مجھ سے ملاقات کرسکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے اسی سلسلے میں جس کی آپ نے بات کی تھی۔''

''جی...... کیوں نہیں۔'' وہ بڑے بشاش لہجے میں بولا۔ غالباً اسے امید نہیں تھی کہ ماہین خود اس سے رابطہ کرے گی۔

''کیا ہم کالج آجائیں؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''ہاں......'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔ ''کالج تو ایسی باتوں کے لیے مناسب جگہ نہیں ہے لیکن... کیا کیا جاسکتا ہے۔ اپنے گھر میں آپ کو نہیں بلاسکتی آپ ایسا کریں...... چھٹی کے بعد آجائیں۔ میں انتظارگاہ میں آپ کا ویٹ کروں گی۔''

مقررہ وقت پر فراز اور سعد آگئے سعد کو دیکھ کر وہ چونک گئی لگتا تھا کہ سعد سے پہلے بھی کہیں مل چکی ہے۔ اسے اس کی صورت شناسا لگ رہی تھی لیکن ذہن پر زور دینے کے باوجود اسے یاد نہ آیا تو اس نے سمجھ لیا کہ شاید وہ کسی کے داخلے کے سلسلے میں آیا ہو اور اس کی صورت اس کے ذہن میں محفوظ رہ گئی ہو۔ کالے رنگ کی قمیص شلوار پہنے اس نے سلیقے سے بال جمائے تھے۔ چہرے پر بڑا سکون اور دھیمی سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ مردانہ وجاہت کا وہ نوجوان اسے مہک کے لیے ایک بہترین تحفہ لگا اور وہ دل ہی

دل میں دعا مانگنے لگی کہ خدا کرے اسے مہک کی پہلی شادی اور طلاق پر اعتراض نہ ہو۔

بات چیت شروع ہوگئی۔ اس کی زیادہ تر باتوں کا جواب فراز دیتا رہا۔ سعد سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ مہک کی ڈھیر ساری تعریفوں کے بعد اس نے دبے لفظوں میں مہک کی پہلی شادی اور طلاق کے بارے میں بتادیا جسے سن کر وہ دونوں چونک گئے۔ کچھ دیر ماحول پر بڑا غیر فطری سا سناٹا طاری رہا۔ پھر فراز نے سنبھل کر اس سے مہک کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ ماہین نے بڑی سچائی سے مہک کا نام اس کا بیک گراؤنڈ اور وہ سب کچھ بتادیا جو کوئی نیا رشتہ بنانے کے لیے ضروری ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کی امارات کے بارے میں بھی تفصیلی بات کی۔ فراز نے ہی سوچنے کا ٹائم لیا جبکہ سعد بالکل خاموش تھا۔ جاتے جاتے سعد نے بڑی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ماہین بری طرح الجھ گئی کہ آخر یہ بندہ اتنا شناسا سا کیوں لگ رہا ہے لیکن دماغ میں کوئی گھنٹی نہیں بج رہی تھی۔ تھک کر اس نے اپنا ذہن اس طرف سے ہٹالیا اور مہک کے بارے میں سوچنے لگی۔ آنٹی نے یقیناً مہک سے بات کی ہوگی...... جانے اس کا ردِعمل کیا ہوگا۔ ان ہی سوچوں میں گھری جب وہ گھر گئی تو اماں نے اس سے پہلی بات یہی کی۔

''مہک تم سے ملنا چاہتی ہے۔ دو بار مہک نے فون کیا ہے اور ایک بار تمہاری آنٹی نے...... وہ بھی تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ میرا خیال ہے وہ تمہارے لائے ہوئے رشتے کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گی۔''

اماں سے وہ کبھی کوئی بات چھپایا نہیں کرتی تھی سو یہ بات بھی اس نے تفصیل سے اماں سے کی تھی اور اماں نے اسے کسی ایسی کوشش سے منع نہیں کیا تھا کہ ان کو بھی مہک سے ہمدردی تھی اور وہ چاہ رہی تھیں کہ اس کا گھر دوبارہ بس جائے۔ کھانا کھا کر وہ فریدہ آنٹی کے گھر چلی گئی آنٹی نے اسے گلے سے لگا کر بوسا دیا اور اپنے پاس بٹھالیا۔

''آنٹی! مہک کہاں ہے؟'' اسے مہک سے ملنے کی بے تابی تھی۔

''مل لینا بھئی مل لینا...... وہ اپنے کمرے میں ہے لیکن پہلے میرے پاس تو بیٹھو۔'' فریدہ آنٹی ہنس کر بولیں۔

''آنٹی! مہک کو آپ نے اس رشتے کے بارے میں بتایا، اسے اعتراض تو نہیں ہے؟'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''نہیں...... اب اس کے کس بل نکل چکے ہیں۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے کہ میرے اور اس کے ڈیڈ کے بعد وہ اکیلی بغیر کسی مرد کے اپنی زندگی کیسے گزارے گی۔ ویسے تو وہ بالکل راضی ہے لیکن کچھ باتیں تم بھی اسے سمجھا دینا۔'' فریدہ آنٹی نے اسے خوش خبری سنائی۔ کچھ دیر بعد مہک کے سامنے بیٹھی تھی۔

''ماہی! مما کی باتوں سے میں متفق تو ہوں لیکن ایک گورنمنٹ سرونٹ کی کتنی سیلری ہوگی...... تم تو میرے شوق جانتی ہو۔ کیسے گزارہ ہوگا میرا۔'' مہک اسے کہہ رہی تھی۔

''مہک! وہ یقیناً تمہارے شوق افورڈ نہیں کرسکے گا...... تم کو ہی اپنا آپ بدلنا ہوگا۔ میرا خیال ہے تم اتنی شاپنگ کرچکی ہو کہ اگر میں ہوتی تو شاپنگ کے نام سے ہی دور بھاگتی...... بس اب تم کو گھر بیٹھنا ہے۔ گرہستی سنبھالنی ہے اور بچے پیدا کرنے ہیں۔''

''وہاٹ!'' مہک چیخ کر بولی۔

''ہاں مہک... اگر تم مجھے ایک اچھی بیوی ہونے کی یقین دہانی نہیں کراؤ گی تو میں اس بات کو یہیں ختم کردوں گی اس لیے کہ اگر میں تمہارے ساتھ اچھا کرنا چاہتی ہوں تو مجھے اس معصوم لڑکے سعد کے ساتھ بھی

لڑکے سعد نے نہیں اس کے دوست فراز نے کی تھی۔ سعد جب تم سے بات کرنے آیا تو اسے تم پسند آ گئیں اور اس نے اپنے دوست کو تم سے بات کرنے بھیجا اور تمہارے گھر اپنا رشتہ بھجوا دیا۔'' اماں سوچ بھرے لہجے میں بولیں۔

''ک...... کیا......؟'' وہ بری طرح اچھل پڑی اور بے یقینی سے اماں کی طرف دیکھنے لگی۔

''ہاں بیٹا! آج صبح ایک سوبر سی پختہ عمر کی خاتون آئی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ سعد ان کا پڑوسی ہے، وہ پولیس میں افسر ہے اور بہت اچھا لڑکا ہے، وہ اس کا رشتہ اس کی خواہش پر لے کر آئی ہیں تمہارے لیے۔'' اماں بولیں۔

ماہین کا سر گھومنے لگا تھا۔ آج کل اس کے لیے بھانت بھانت کے رشتے آ رہے تھے لیکن اس نے کسی رشتے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اچھی بات یہ تھی کہ اماں، ابا کو بھی ابھی تک کوئی رشتہ نہیں بھایا تھا ورنہ اس کی انکار کی کوئی اہمیت نہیں تھی...... اور اب یہ رشتہ۔

''اماں! اگر پہلے یہ رشتہ آ جاتا تو کچھ سوچا جا سکتا تھا لیکن اب...... اب فریدہ آنٹی اور مہک کو پتا چلے گا تو وہ سیدھے سبھاؤ مجھ پر الزام لگا دیں گی کہ اچھا رشتہ دیکھ کر میں بے ایمان ہو گئی ہوں۔ نہیں اماں، آپ فوراً سے پیشتر ان خاتون کو انکار کر دیں۔'' وہ رسان سے اماں کو سمجھانے لگی۔

''ویسے مجھے یہ رشتہ اس لیے پسند آیا کہ وہ خاتون سعد کی بہت زیادہ تعریفیں کر رہی تھیں۔ میں اور تمہارے بابا تمہارے لیے ایسے ہی شریف لڑکے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن تمہاری بات میں بھی وزن ہے۔'' اماں سوچتے ہوئے بولیں۔

''دیکھیں اماں......'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ ''اگر یہ رشتہ کسی پریزیڈنٹ کا بھی ہوتا تو میں اسے قبول نہیں کرتی، میں فریدہ آنٹی اور مہک کی نظروں میں گرنا نہیں چاہتی...... بس آپ ان کو انکار کر دیں۔'' وہ اماں کو سوچتا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چینج کرنے چلی گئی لیکن اس بری طرح اپ سیٹ تھی کہ بھوک کے باوجود اس نے کھانا نہیں کھایا اور سوچتے سوچتے جانے کب وہ نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

اماں کی آواز نے اسے جگا دیا۔ مندی مندی آنکھوں سے اماں کو دیکھتے ہوئے وہ نیند بھری آواز میں بولی۔ ''کیا ہے اماں......؟''

''مہمان آئے ہیں بیٹا...... تمہیں پوچھ رہے ہیں۔'' وہ اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ اکثر لڑکیوں کے والدین کوئی نا کوئی مسئلہ لے کر آ جاتے، کبھی گھر، کبھی کالج۔ اس نے سوچا، ایسے ہی کوئی مہمان ہوں گے تبھی تو اسے پوچھ رہے ہیں۔ لیکن ڈرائنگ روم میں گھستے ہی اسے بڑے زور کا جھٹکا لگا۔ بالکل سامنے صوفے پر سعد اور فراز بیٹھے تھے۔ اسے دیکھ کر دونوں اس کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ گم صم سی ہو گئی، پیروں نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا، سر گھومنے لگا اور وہ تھوڑی سی سہم بھی گئی کہ یہ لوگ گھر تک پہنچ گئے تھے۔ پہلے تو اس کا دل چاہا کہ انہیں کھری کھری سنا کر سیدھا سبھاؤ باہر کا دروازہ دکھا دے لیکن اسے اخلاقیات کی جو تعلیم دی گئی تھی وہ اسے کسی انتہائی اقدام سے روک رہی تھی اور پھر اماں کی نصیحت تھی کہ گھر آئے دشمنوں کا بھی لحاظ کرو سو ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اُن کے سلام کا جواب دے کر وہ اُن کے سامنے والے صوفے پر ٹک گئی۔ کوشش کے باوجود وہ چہرے پر کوئی نرم تاثر لانے میں ناکام رہی تھی۔ سعد سر جھکائے بیٹھا تھا جبکہ فراز کے چہرے پر شرمندگی تھی اور وہ بات کرنے کے لیے الفاظ کا انتخاب کر رہا تھا۔

''آپ کچھ کہنے آئے ہیں؟'' جب وہ کافی دیر تک کچھ نہ بولے تو روکھے لہجے میں وہ خود ہی بول

پڑی۔

''ج...... جی...... جی ہاں۔'' فراز بولا جبکہ سعد کی نگاہیں کچھ اور زمین پر جھک گئیں۔

''دراصل ماہین جی...... ہم آپ کو کچھ بتانے آئے ہیں۔ ایک حقیقت بتانا چاہتے ہیں ہم آپ کو...... کہ اگر آپ کوئی فیصلہ کریں تو اس حقیقت کو سامنے رکھ کر کریں۔'' وہ سنجیدہ لہجے میں رک رک کر کہنے لگا۔

''کیا فیصلہ کروں میں.... آپ کیا حقیقت بتانا چاہتے ہیں...... آپ نے کسی فیصلے کے جوگا چھوڑا ہے مجھے...... آپ نے تو فریدہ آنٹی اور مہک کے سامنے میری حیثیت دو کوڑی کی کر کے رکھ دی ہے۔'' ماہین بھڑک اٹھی۔ اس بار سعد نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔

''آپ کیا سمجھتی ہیں کہ وہ لوگ میرا رشتہ قبول کر لیتے۔''

''یہ میرا دردِ سر تھا۔ وہ لوگ اس رشتے کو قبول کر چکے تھے...... اور اب آپ لوگوں کے منتظر تھے کہ آپ باقاعدہ رشتہ لے کر آئیں گے لیکن آپ لوگ......!'' کچھ حیرت سے ماہین نے اسے دیکھا اور اسی ناراضی بھرے لہجے میں بولی۔ وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گئی لیکن اس کی ادھوری بات میں جو مطلب پوشیدہ تھا وہ لوگ اس مطلب کو سمجھ گئے تھے۔ سعد تو خاموش رہا لیکن فراز اپنا گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔

''ماہین جی...... ہمیں معاف کر دیں کہ ناتجربہ کاری کی بنا پر ہم سے سارے کام غلط ہو گئے۔ دراصل میری کوئی بہن نہیں تھی جسے میں داخلہ دلانا چاہتا تھا وہ صرف اور صرف آپ سے ملنا اور راہ و رسم بڑھانا تھا۔''

''م...... مجھ سے!'' مارے حیرت کے ماہین کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''آپ لوگ مجھ سے کیوں راہ و رسم بڑھانا چاہتے تھے؟''

اس سے تو بات کرنی مشکل ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی ساری زندگی بڑی صاف ستھری گزاری تھی۔ ہر قسم کی آلودگیوں سے اپنا دامن صاف رکھا تھا۔ اس کے کردار کی پختگی کی مثالیں دی جاتی تھیں اور اب یہ...... مارے رنج کے اس کی روح فنا ہونے لگی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''اگر ہم ڈائریکٹ آپ کے متعلق بات کرتے تو یہ کنفیوژن نہیں ہوتی اور پھر ہم نے دوسری غلطی یہ کی کہ اپنی آنٹی کو آپ کے گھر بھیج دیا رشتے کے لیے...... یہ بھی غلط تھا جب تک آپ کی طرف سے گرین سگنل نہ ملتا ہمیں یہ قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ بس اس لیے ہم خود حاضر ہو گئے کہ ساری کنفیوژن دور کر لیں اب تو ماہین کے غصے کا ٹھکانا نہیں رہا۔ وہ اماں کی مہمانوں کے متعلق ساری ہدایات بھول گئی۔

''ہوش میں تو ہیں آپ...... آپ کو احساس ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں اور اس کی زبان آگ برسا رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان دونوں لڑکوں کو اپنے گھر سے نکال باہر کرے۔ سعد تو اس کے غصے کے آگے کچھ نہیں بولا لیکن فراز دھیمی آواز میں بولا۔

''ہم نے آپ سے معافی مانگ لی ہے مس ماہین اور اپنی غلطیوں کا اعتراف بھی کر لیا ہے لیکن ہم نے آپ کا رشتہ مانگا ہے۔ کوئی غلط کام نہیں کیا۔''

''رشتے ایسے مانگے جاتے ہیں۔ اس طرح غلط طریقے سے کسی کو گمراہ کیا جاتا ہے۔'' وہ بھڑک کر بولی۔

''دراصل ہمارا کوئی بزرگ نہ تھا جو اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتا...... بس ہم سے غلطیاں ہوتی

گئیں۔" فراز سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

ماہین چپ ہوگئی۔ وہ بار بار اپنی غلطیوں کی معافی مانگ رہے تھے اور شرمندہ تھے۔ ماہین کو اپنا بڑھ بڑھ کر بولنا بھی اب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اگر ایک بندہ اپنی غلطی تسلیم کر کے معافی مانگ لے تو پھر یقیناً دوسرے کو معافی دے دینی چاہیے۔ اب بھی اگرچہ ... کئی سوال تھے جو ماہین کو پریشان کر رہے تھے۔ مثلاً یہ کہ سعد اس سے کیوں رشتہ جوڑنا چاہتا تھا اور اس کے لیے انہوں نے اتنی لمبی پلاننگ کیوں کی۔ وغیرہ وغیرہ...... لیکن اب اس نے مزید بات بڑھانی مناسب نہیں سمجھی اور بات ختم کرتے ہوئے بولی۔

"اوکے...... میرا خیال ہے اس بات کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ اگر آپ لوگ چائے پینا چاہیں تو میں چائے بھجوا دیتی ہوں۔ ابا گھر پر نہیں ہیں ورنہ وہ آپ کو کمپنی دیتے۔" وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اس کا خیال تھا وہ لوگ بھی اس کے ساتھ ہی کھڑے ہو کر اجازت لیں گے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا بلکہ فراز سنجیدگی سے کہنے لگا۔

"آپ بیٹھیں ماہین جی...... ابھی تک تو وہ بات ہوئی ہی نہیں جسے آپ سے کرنے کے لیے ہم بطورِ خاص آئے ہیں۔"

"کیا......؟" اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوگئیں۔ "کیا ابھی کچھ کہنا باقی ہے؟" اسے الجھن کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی ہونے لگی۔ ایک پولیس افسر اسے کسی کیس میں گھیرنا چاہتا ہے کیا...... وہ بیٹھ گئی اور پریشان سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی جبکہ اب فراز کے بجائے سعد بولا۔

"آپ ابھی کہہ رہی تھیں کہ مہک اور فریدہ آنٹی کو آپ نے اس رشتے کے لیے آمادہ کر لیا ہے لیکن اگر وہ میری اصلیت جان لیتیں تو اس کے لیے کبھی آمادہ نہ ہوتیں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں اور...... آپ کی اصلیت کیا ہے؟ کیا وہ آپ کو جانتے ہیں؟" اس کے ڈر پر حیرت غالب آگئی...... وہ سوال پر سوال کیے جا رہی تھی۔

"جی ہاں! اچھی طرح جانتے ہیں وہ مجھے کیونکہ میرا بچپن اور جوانی کا کچھ حصہ بھی ان کی ٹھوکروں میں گزرا ہے...... اور یہ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔" سعد دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"کیا......؟" وہ ہکا بکا اس کا منہ دیکھنے لگی۔ اس کی دھڑکنیں معدوم ہونے لگیں اور سر بری طرح چکرانے لگا۔ کتنی دیر تو اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔ سوچنے سمجھنے اور بولنے کی بھی صلاحیت جیسے ختم ہو کر رہ گئی تھی لیکن اچانک جیسے اس کے ذہن میں کلک سا ہوا۔ وہ ہکلا کر بولی۔

"ح...... حماد...... تم حماد ہو......؟" اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ سعد کی صورت اسے جانی پہچانی سی کیوں لگ رہی تھی۔ حالانکہ حماد اور سعد میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ مسکین سا حماد جس کے چہرے پر ہمہ وقت عاجزی اور مسکینیت چھائی رہتی۔ جو مہک کے گھر والوں کا بے دام غلام تھا۔ جس نے کبھی فریدہ آنٹی کی ناجائز اور غلط باتوں کا پلٹ کر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ جو اپنے چچا کے جوتے پالش کرتا تو ان کا نوکر لگتا تھا۔ کسی کی سوچ میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ ان کا بھتیجا بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ سعد...... یہ پولیس افسر جس کے چہرے پر خود اعتمادی کی گہری چھاپ ہے۔ جو سنجیدگی سے بات کرتا ہے اور مخاطب کا دل جیت لیتا ہے۔ ماہین پھٹی پھٹی نظروں سے اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"میں تو شاید اس آگ میں بھسم ہو جاتا...... ساری عمر چچا کے گھر کی چاکری میں گزر جاتی...... اگر آپ مجھے راستہ نہ دکھاتیں...... آپ کا دکھایا ہوا راستہ اتنا صاف تھا کہ میں نے ایک بار اسے اختیار کیا تو کسی کھائی کسی گھاٹی کو اپنے آڑے نہیں آنے دیا...... اور آگے...... اور آگے چلتا رہا...... اور کامیابی کے زینے طے کرتا رہا...... لیکن میں یہ کبھی نہیں بھولا کہ میری زندگی بنانے میں آپ کا ہاتھ ہے۔ میں اگر آج ایک باعزت پوسٹ پر ہوں تو یہ سب آپ کی بدولت ہے۔ میں حماد سے سعد بنا تو یہ آپ کی وجہ سے...... ورنہ میں آج بھی اپنے پاؤں گھسیٹتے ہوئے بازار میں سبزی کا مول تول کرتا یا مہک کے کپڑے درزی سے لا رہا ہوتا۔ میں آپ کا یہ احسان کبھی بھی...... زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔" وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں آنے کے بعد پہلی بار ماہین کے لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ بکھر گئی۔ اسے حقیقتاً بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ حماد کے بارے میں سوچتی کہ مہک کے گھر سے نکل کر اس کا کیا حال ہوا ہوگا۔ وہ ہمیشہ اس کے لیے دعا مانگتی اور آج اس کی دعا قبول ہوگئی تھی۔ وہ ایک نیک دل لڑکی تھی اور نیکیاں کر کے مسرور اور مطمئن ہوتی تھی۔ کسی بھی صلے کے بغیر بس وہ لوگوں کے ساتھ اچھائیاں کیے جاتی لیکن اب سعد کو دیکھ کر وہ یہ جاننے کے لیے بے تاب تھی کہ جب حماد اپنے چچا کے گھر سے نکلا تو اس پر کیا بیتی...... اور وہ حماد سے سعد کیسے بنا۔

"آپ یہ میرا احسان وغیرہ رہنے دیں' میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کے لیے آپ احسان مند ہوں...... اس میں آپ کی اپنی ہمت اور جدوجہد کو کریڈٹ جاتا ہے لیکن مجھے یہ سننے کا تجسس ضرور ہے کہ آپ حماد سے سعد کیسے بنے اور آپ نے اپنی راہ کی کٹھنائیاں کیسے دور کیں۔" اس کا موڈ یکدم خوشگوار ہو گیا تھا اور چہرے پر ایک مطمئن سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ سب کچھ بھول گئی تھی سوائے اس کے کہ اس نے جو نیکی کی تھی وہ آج مجسم اس کے سامنے بیٹھی

تھی جبکہ سعد دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''آپ کی اس دن کی باتوں نے مجھے جیسے نیند سے جگا کر رکھ دیا۔ مجھے اپنے وجود سے نفرت ہونے لگی کہ میں کیونکر ان لوگوں کی چاکری کر رہا ہوں جو مجھ پر اتنے مظالم کرنے کے باوجود خود کو حق پر سمجھ رہے ہیں جبکہ میں خود بھی ان کو حق پر سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے کھلاتے پلاتے ہیں تو مجھے ٹھوکروں پر رکھنے کا حق ہے ان کو۔ مجھ میں شعور تب بیدار ہوا جب آپ نے مجھے سمجھایا...... اور تب میں اس گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر فراز کے پاس آگیا۔ فراز میرا اسکول کے وقت کا دوست تھا۔ مجھ سے پڑھائی چھوٹ گئی تھی لیکن فراز اور میری دوستی نہیں چھوٹی تھی۔ میں گھر والوں سے چھپ کر فراز سے ملا کرتا اور فراز میری کتابوں اور داخلے وغیرہ کا خرچہ برداشت کرتا رہا کیونکہ میں پرائیوٹ طور پر امتحانات دے رہا تھا۔ تعلیم حاصل کرنا میری خواہش، میرا خواب اور میرا مقصد تھا۔ جب آپ نے مجھے نصیحت کی کہ عزت مجھے تب حاصل ہوگی جب میں تعلیم حاصل کروں گا تو تعلیم حاصل کرنے کی میری دیوانگی کچھ اور بڑھ گئی اور اس سلسلے میں میرے، ہر دکھ درد میں کام آنے والے دوست فراز نے میری قدم قدم پر مدد کی جب میں نے ڈبل ایم اے کیا تو فراز کی کوششوں سے ہی مجھے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں جاب مل گئی، اپنے کام سے لگن اور محنت نے میری راہوں کے پتھر چن لیے اور میں کامیابیاں حاصل کرتے کرتے آج ایک باعزت پولیس آفیسر ہوں...... لیکن میرے اندر ایک باعزت زندگی گزارنے کی خواہش آپ نے پیدا کی اور اسے تکمیل تک پہنچایا فراز نے سو مجھے...دونوں پر فخر ہے۔''

''نہیں، یہ سب آپ کی جدوجہد، لگن، اور محنت کا نتیجہ ہے۔ اگر آپ میری باتوں کو سیریسلی نہ لیتے اور اسے ایک پاگل لڑکی کی دخل در معقولات سمجھتے ہوئے خاطر میں نہ لاتے تو آج جیت آپ کا مقدر نہ ہوتی لیکن خیر...... یہ سب چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ آپ حماد سے سعد کیسے بنے؟''

''میرا اصل نام سعد حماد ہے۔ اسکول کے... سرٹیفکیٹ میں یہ نام لکھا ہے لیکن چچا کے گھر والے مجھے حماد کہہ کر بلاتے رہے جبکہ اسکول میں مجھے سعد کہا جاتا تھا۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''اچھا......'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔''

''نہیں مس ماہین......'' فراز جلدی سے بولا۔ ''ہم چائے ضرور پئیں گے لیکن پہلے ایک اہم بات آپ سے کرنا چاہیں گے بلکہ میں نہیں...... آپ سے وہ بات ڈائریکٹ سعد کرے گا۔''

''کیا اب کچھ اور بتانا باقی رہ گیا ہے کیا؟'' وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئی اور حیرت سے بولی۔

''ہاں، ماہین جی...... وہ بات تو رہ ہی گئی ہے جسے ہم بتانے کے لیے آئے ہیں۔'' پھر وہ سعد سے بولا۔ ''سعد...... چلو بات کرو۔''

ماہین کو لگا جیسے سعد کو بات کرنے میں بہت مشکل پیش آرہی ہو۔ وہ کتنی دیر اپنے الفاظ مجتمع کرنے کی کوشش کرتا رہا...... عجیب سی الجھن اور کش مکش اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ ماہین کو حیرت کے ساتھ ساتھ تجسس بھی تھا کہ اب سعد یا حماد مزید کیا کہنا چاہتا ہے کیونکہ ساری باتیں تو کلیئر ہوگئی تھیں۔ آخرکار جب فراز نے سعد کو ٹہوکا دے کر اسے بولنے پر آمادہ کیا تو وہ کھنکھار کر دھیمی آواز میں کہنے لگا۔

''ماہین جی...... میں جانتا ہوں کہ آپ کو میری باتیں اچھی نہیں لگیں گی...... آپ کو میری جرأت پر غصہ آئے گا اور شاید آپ ہمیں کھڑے کھڑے اپنے اس ڈرائنگ روم سے نکال دیں لیکن ان تمام خطرات کے باوجود میں اپنے دل کی بات آپ سے کہنے کی جرأ

ر کروں گا۔'' وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور ماہین کے حیران چہرے پر اپنی نظر دوڑاتے ہوئے بولا۔

''بات میں وہاں سے شروع کروں گا جو میری دگی کا تاریک دور تھا یعنی چچا کے گھر میرا رہنا۔ اس ان اور اجلے اجلے محل جیسے گھر میں میرا دن بھی اریک ہوتا اور رات تو خیر نام ہی اندھیرے کا ہے یکن جب آپ وہاں آتیں تو مجھے لگتا جیسے اندھیرے یں روشنی کی کرن چمک اٹھی ہو۔ جیسے تاریکیاں چھٹ گئی ہوں۔ آپ کے چہرے پر ہمدردی کی جھلک دیکھ کر مجھے چچی کی صلواتوں کا غم نہ رہتا۔ رات کو سوتے قت میں آپ کو ہی سوچتا...... لیکن میں ڈر ڈر کر سوچتا کہ اگر میری سوچوں کی مہک کو یا چچی کو بھنک بھی پڑ گئی تو وہ میرا وہ حشر کریں گی کہ میں نے مہک کی دوست کو پسند کرنے کی جرأت کیسے کی۔'' اس کی آواز بھرا گئی ثاید وہ اس دور میں چلا گیا تھا۔ لیکن جلد ہی اس نے خود کو سنبھالا اور رقت بھری آواز میں بولنے لگا۔

''لیکن...... میں اور میرا دل اس بات پر قادر نہ تھا کہ میں آپ کے متعلق نہ سوچتا...... سو ڈر ڈر کر، خوفزدہ ہو کر ہی سہی لیکن ان اندھیرے پلوں میں آپ ہمیشہ روشنی بن کر میرے آس پاس رہیں۔ ونے پر سہاگا یہ ہوا کہ آپ نے مجھے زندگی کا وہ راستہ دکھایا جس نے میری زندگی بدل دی...... آپ کوئی ات کریں اور میں نہ مانوں یہ کیسے ہوسکتا تھا میں جانتا ہاماہین جی کہ آپ نے میرے ساتھ جو کیا وہ ہمدردی ں کیا...... لیکن میں...... میں نے جو کیا......'' وہ کچھ پ سا ہو کر بولا۔ ''سب محبت میں کیا...... بلکہ عشق یں تو میں جب چچا کے گھر سے نکلا تو آپ کا تصور ے ساتھ ساتھ تھا...... اور تب سے لے کر اب تک پ کا تصور ہمیشہ میرے ساتھ رہا ہے اور آج اگر آپ کے سامنے بیٹھا آپ کو اپنا حالِ دل سنا رہا ں تو یہ خود اعتمادی بھی مجھے آپ کے تصور نے دی

ہے۔'' وہ خاموش ہوا تو فراز جلدی سے بولا۔

''اور ماہین جی اس کی وحشتوں کا اس کی محبتوں کا اس کے عشق کا میں گواہ ہوں...... یہ کبھی بھی آپ کو نہیں بھولا لیکن اپنی تمام تر محبتوں کے باوجود یہ اتنی ہمت نہیں رکھتا کہ آپ کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا سکے، یہ ساری عمر آپ کی خاموش محبت کے سہارے زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن میں اس کا دکھ نہیں دیکھ سکتا تھا سو میں نے اسے اس پر آمادہ کرلیا کہ یہ آپ کو اپنی شریکِ حیات بنا کر اپنی پاک محبت کو کامیابی سے ہمکنار کرے اور اس مقصد کے لیے باقی پلان میرا ہی تھا جو ناتجربہ کاری سے غلط ہو رہا تھا بلکہ غلط ہو رہا ہے۔''

وہ کسی سنگی مجسمے کی طرح بیٹھی تھی۔ کبھی احساس تک نہیں ہوا تھا کہ وہ بے ضرر سا...... معصوم سا شخص اس کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ وہ تو سب کے ساتھ اچھا کرنے والی لڑکی تھی حماد کے لیے اس کی بے چارگی پر کڑھتی رہتی...... پھر اس نے اسے ایک ایسا راستہ بتا دیا جس پر چل کر وہ اپنی عزتِ نفس کو مزید چھلنی چھلنی ہونے سے بچا سکتا تھا لیکن اسے یقین نہ تھا کہ وہ اس کی بات کو اہمیت دے گا۔ اس کے لیے یہ خوشی اور فخر کی بات تھی کہ حماد نے اس کی بات کو اہمیت دی اور اپنے چچا کا گھر چھوڑ دیا بعد میں وہ اسے دعاؤں میں یاد کرتی رہتی کیونکہ وہ اس کے مشورے پر چچا کا گھر چھوڑ گیا تھا تو اس کے ساتھ سب اچھا ہو لیکن بعد میں وہ پڑھنے پڑھانے کے سلسلے میں اتنی مصروف ہوگئی کہ آہستہ آہستہ حماد کو بھول گئی تھی۔ اگر وہ اسے ہمیشہ یاد بھی رکھتی تو حماد اور سعد میں اتنا زیادہ فرق تھا کہ وہ اسے پہچان نہ پاتی۔

''ہم اب چلتے ہیں ماہین جی...... آپ اچھی طرح سوچ سمجھ کر ہمیں جواب دیجیے۔ ہماری غلطیوں کو نظر انداز کر دیجیے۔ دراصل امی، ابو میرے بڑے بھائی کے پاس امریکا گئے ہوئے ہیں ورنہ امی سارا

کچھ سنبھال لیتیں پھر ہم سے اس طرح غلطیاں نہیں ہوتیں۔'' فراز اسے سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر بولا۔

اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ انہیں ایک کپ چائے پینے کے لیے روک لیتی۔ وہ گم صم کھڑی رہی اور وہ دونوں خدا حافظ کہہ کر کھلے دروازے سے باہر نکل گئے اور وہ خالی الذہنی سے کتنی دیر خالی دروازے کو دیکھتی رہی۔

''بیٹا! جو مہمان آئے تھے وہ کیا کسی اسٹوڈنٹ کے رشتے دار تھے؟'' رات کو اماں نے پوچھا۔ وہ کچھ نہ بولی بس خالی خالی نظروں سے اماں کو تکتی رہی۔ اماں نے اپنی دُھن میں اس کی خاموشی نوٹ نہیں کی۔

''تو نے انہیں چائے بھی نہیں پلائی وہ تو کافی دیر بیٹھے رہے۔ میں بھی کام میں مگن تھی چائے کا پوچھنے نہ آسکی۔ اچار کا سارا سامان منگوالیا تھا وہی ڈال رہی تھی۔''

''اماں...... ابا کہاں گئے ہیں؟ ابھی تک واپس نہیں لوٹے۔'' اس نے اگرچہ بات بدلی تھی لیکن ابو کی غیر حاضری اسے پریشان بھی کرنے لگی تھی۔

''وہ کہہ کر گئے تھے کہ پنشن لے کر وہ اپنے دوست جاوید خان کی طرف جائیں گے...... اور ابھی فون پر کہا ہے کہ جاوید خان انہیں کھانے کے بنا نہیں چھوڑ رہے ہیں سو دیر سے آئیں گے۔''

''اچھا......'' اسے تسلی ہوئی اور جب وہ کافی دیر خاموش بیٹھی رہی تو اماں کو عجیب سا لگا۔ وہ بھی اتنی دیر چپ نہیں رہ سکتی تھی۔

کیا بات ہے ماہی...... کوئی مسئلہ ہے کیا......؟''

''نہیں اماں...... مسئلہ تو نہیں...... بس آپ سے یہ کہنا تھا کہ سعد کی آنٹی دوبارہ آئیں تو آپ انہیں انکار کردیں۔''

''ہاں، ہاں کردوں گی...... تو ابھی تک اس بات کو لے کر پریشان ہو رہی ہے۔ تجھے پتا تو ہے کتنے رشتے آئے تیرے...... اور سب کو انکار ہی کردیا۔ اب یہ مناسب نہیں لگا تو انکار کردیں گے لیکن اس سے پہلے کبھی تو کسی رشتے کے لیے اتنی پریشان نہیں ہوئی پھر اس بار......''

ہمیشہ کی طرح وہ اماں سے کچھ نہ چھپا سکی۔ حماد یعنی سعد کی ساری کہانی اس نے حرف بحرف اماں کو سنادی...... اور اس کی کہانی میں محبت کا جو اظہار کیا گیا تھا اسے بھی وہ حذف نہ کرسکی کہ ماں سے کچھ بھی چھپانا اس کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا تھا۔ اماں نے اسے تسلی اور دلاسے دے کر بہلا تو لیا لیکن خود گہری سوچ میں کھو گئیں...... آپا زینب کی شادی کے بعد وہ اماں ابا کے ساتھ ایک ہی کمرے میں سوتی تھی۔ ابا کو مطالعے کا شوق تھا جبکہ وہ اپنے کالج کے لیے لیکچر تیار کرتی۔ ٹی وی بھی چلتا رہتا اس شور اور جلتی لائٹ میں اماں خراٹے بھر کر سوئی رہتیں جبکہ آج وہ کروٹیں بدل رہی تھیں۔ وہ سونے کی ایکٹنگ کر رہی تھیں لیکن ماہین جانتی تھی کہ وہ سو نہیں رہی ہیں۔ انہیں پریشان اور فکر مند دیکھ کر اسے افسوس ہو رہا تھا لیکن وہ بھی کیا کرتی۔ اماں سے کچھ بھی چھپانا اس کے لیے ناممکن تھا۔

ایک ہفتہ بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گیا۔ مہک اور فریدہ آنٹی نے اسے پھر نہیں بلایا تھا...... شاید اس کا نہ جانا انہوں نے اپنے لیے انا کا مسئلہ بنالیا تھا اور ناراضی کے اظہار کے طور پر اسے نہ اپنے ہاں بلایا تھا نہ ہی مہک اس کے گھر آئی تھی۔ وہ بھی اپنی مصروفیات میں گھر کر وقتی طور پر ساری باتیں بھول بیٹھی تھی کہ اس دن جب وہ کالج سے گھر گئی تو اماں کو کسی گہری سوچ میں ڈوبے دیکھا۔ چینج کر کے وہ اماں کے پاس آئی تو اماں اتنی گہری سوچ میں تھیں کہ اس کی آہٹ بھی محسوس نہیں کرسکیں۔

''کیا بات ہے اماں...... کیا سوچ رہی ہیں؟'' محبت سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر وہ بولی تو ماں چونک پڑیں۔

''کچھ نہیں بیٹا...... بس تم سے ایک بات کرنی تھی۔''

''ہاں کہیے نا......'' وہ لاڈ سے ان کے کاندھے پر سر رکھ کر بولی۔

''بیٹا! دیکھو زندگی گزارنے کے لیے ہوا، پانی کی جتنی ضرورت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ ضرورت محبت کی ہوتی ہے۔ محبت ایسی آکسیجن ہے جو عمر کو بڑھاتی ہے۔ جو بندے کو تازہ دم رکھتی ہے۔''

''میں جانتی ہوں اماں...... لیکن آپ کو یہ سب مجھے کہنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔ کیا میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔'' ماہین نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا اور الجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

''بات تمہاری اور میری محبت کی نہیں ہے۔ بات اس محبت کی ہے کہ جو بندہ تمہیں اپنانا چاہتا ہے...... وہ تمہیں ڈھیر ساری خوشیاں اور محبتیں دے......'' اماں ہنس دیں پھر تھوڑا سا رک کر بولیں۔ ''میں سعد کی بات کر رہی ہوں۔''

''اماں...... میں نے آپ سے کہا تھا کہ انہیں انکار کردیں...... آپ نے ابھی تک انہیں انکار نہیں کیا۔'' وہ شدت سے چونک پڑی اور الجھتے ہوئے بولی۔

''بیٹا! انکار کرنا بہت آسان ہے اور پل بھر میں کیا جاسکتا ہے لیکن میں سعد کو انکار کرنا نہیں چاہتی...... کہ شاید تمہیں دوبارہ سعد جیسا قدردان بندہ نہ ملے۔ جس نے تمہاری محبت میں خود کو سرتاپا بدل ڈالا۔ ایسا ہر بندہ نہیں کرسکتا۔''

وہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی رہی۔ اماں کافی دیر تک اسے سمجھاتی رہیں۔ اسے سعد کا رشتہ قبول کرنے کے لیے آمادہ کرتی رہیں۔ وہ چپ چاپ اماں کی دلیلیں سنتی رہی لیکن اس نے اماں کو کوئی مثبت یا منفی جواب نہیں دیا۔ اگلے دن زینب آپا نے بھی اسے فون کیا، وہ بھی اسے سعد کے لیے فورس کرتی رہیں۔ لیکن اس نے زینب کو بھی کوئی حتمی جواب نہیں دیا۔

اماں، ابا سعد سے مل چکے تھے۔ اس دوران سعد اور فراز دوبار اماں ابا سے ملنے آچکے تھے۔ فراز نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ وہ سعد کا بھائی بھی ہے، دوست بھی ہے اور اب کسی تیسرے کو بیچ میں لائے بغیر وہ ہی آئے گا اور بار بار آئے گا۔ جب تک کہ وہ لوگ سعد کے لیے ماہین کا رشتہ قبول نہیں کریں گے۔ اماں اور ابا دونوں کو سعد ہر لحاظ سے پسند آیا تھا۔ وہ خاموش سا باعتماد اور باوقار لڑکا مردانہ وجاہت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ دوسرے وہ اچھے عہدے پر فائز تھا اور دل و جان سے ماہین کو اپنانا چاہتا تھا۔ ماہین کے لیے ایک دو اور رشتے بھی آرہے تھے۔ وہ دونوں رشتے بھی برے نہ تھے۔ اماں ماہین کی خاموشی سے تنگ آچکی تھیں۔ اس دن ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو وہ اپنے مزاج کے خلاف سخت لہجے میں ماہین سے کہنے لگیں۔

''ماہین! بس اب اس قصے کو ختم کردو۔ اب مزید اس معاملے کو مت لٹکاؤ...... وہ بے چارہ فراز نہ دن دیکھتا ہے اور نہ رات...... ہر وقت آتا ہے...... میں تو اب اس سے شرمندہ ہوئی ہوں۔ باقی دو رشتے والے بھی جواب کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔''

''میں کیا کروں اماں...... میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔'' وہ بے بسی سے اماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''بس اب میں تمہیں سوچنے کے لیے مزید ٹائم نہیں دے سکتی۔ تم ابھی کے ابھی مجھے جواب دو۔''

''اماں...... میں سعد کے جذبے سے متاثر ضرور ہوئی ہوں اور جانتی ہوں کہ سعد کے ساتھ میری

زندگی بہت اچھی گزرے گی لیکن آپ میری نیچر کو جانتی ہیں کہ میں خود غرض نہیں ہوں، یہ رشتہ میں نے پہلے مہک کے لیے پسند کیا تھا اگر آپ اجازت دیں تو میں مہک اور فریدہ آنٹی کو ساری حقیقت بتادوں اگر مہک اور فریدہ آنٹی سعد کی حقیقت جاننے کے بعد اس رشتے کو قبول کرتی ہیں تو پہلا حق اس کا ہے یعنی مہک کا۔'' ماہین دھیمے لہجے میں بولی۔

''تو یہ کیا اول فول بول رہی ہے۔ سعد تو کبھی مہک کے ساتھ شادی کے لیے آمادہ نہیں ہوگا...... جن لوگوں نے اس کے ساتھ اتنی زیادتیاں کیں اس پر اتنے ظلم کیے ایک نوکر سے بھی کم حیثیت دی کیا وہ اس سے شادی کے لیے مان جائے گا۔'' اماں نے حیرت سے اسے دیکھا اور گڑبڑا کر بولیں۔

''اگر وہ مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو میری یہ بات اسے ماننی پڑے گی۔'' ماہین آہستہ سے بولی۔

اماں چپ کی چپ رہ گئیں جبکہ مزید سوچے سمجھے بغیر وہ جیسی بیٹھی تھی ویسے ہی مہک کے گھر جانے کے لیے کھڑی ہوگئی اس نے ماں سے جانے کی اجازت بھی نہیں مانگی اور اماں نے بھی اسے نہیں روکا اس صورتِ حال سے اماں بھی تنگ آچکی تھیں اور ویسے بھی وہ اب ماہین کو اپنے گھر کا کرنا چاہتی تھیں۔

ماہین نے گھر میں داخل ہو کر سلام کیا تو مہک اور فریدہ آنٹی دونوں نے بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا اور دونوں ماہین کو دیکھ کر چونک اٹھیں۔

''آؤ، آؤ ماہین، شکر ہے تمہاری شکل دیکھنے کو ملی کتنا وقت ہوگیا تمہیں یہاں آئے ہوئے تمہیں کچھ اندازہ ہے؟'' فریدہ آنٹی نے ریموٹ سے ٹی وی کی آواز کم کی اور بولیں۔

''ماہی...... تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے، میں تو تمہیں بہت اچھا سمجھتی تھی لیکن تم تو لیکچرار بن کر آسمانوں پر اڑنے لگی ہو...... شاید تم خود کو بڑی توپ قسم کی چیز سمجھنے لگی ہو۔'' وہ معذرت کرنے ہی والی تھی کہ آنٹی بولیں۔

''لیکن ماہین...... تمہیں شاید علم نہیں ہوگا کہ مہک تمہاری ایک ماہ کی سیلری ایک دن کی شاپنگ میں اڑا دیتی ہے۔ اس لیے اگر تمہیں اپنی جاب کا غرور ہے اور تم آسمانوں پر اڑنے لگی ہو تو پلیز تم نیچے آجاؤ۔'' فریدہ آنٹی ایک طنزیہ قہقہہ لگا کر بولیں۔

دونوں ماں بیٹی ہنسنے لگیں تو ماہین کا ان کی گفتگو سے دم گھٹنے لگا اور اسے احساس ہوا کہ سعد کیسے ان کی باتیں برداشت کرتا تھا۔ کتنا کٹھن تھا یہ سب برداشت کرنا۔ اس کا دل چاہا کہ سب چھوڑ چھاڑ یہاں سے بھاگ جائے لیکن پھر اس نے خود پر قابو پایا اور فریدہ آنٹی کے قریب والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''میں کالج میں بہت بزی ہوگئی تھی بس اس لیے جلدی نہ آسکی۔''

''شاید تم یہ مژدہ بھی سنانے آئی ہو کہ اس پولیس آفیسر نے جس کا رشتہ تم مہک کے لیے لائی تھیں وہ مہک کی شادی اور طلاق کا سن کر بدک گیا۔'' فریدہ آنٹی نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... وہ رشتہ موجود ہے لیکن پہلے میں آپ کو اس پولیس افسر کی اصلیت بتادوں گی...پھر آپ نے فیصلہ کرنا ہے کہ آپ اس کو اپنا داماد اور مہک اسے اپنا شوہر بناتی بھی ہے یا نہیں۔'' اس نے وضاحت سے کہا۔

''کیا مطلب......؟'' فریدہ آنٹی نے حیرت سے اسے دیکھا جبکہ مہک بھی حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''جب میں اس بندے سعد کا رشتہ مہک کے لیے لائی تھی تو تب مجھے بھی اس کی اصلیت کا علم نہ تھا لیکن اب جو بات میرے علم میں آگئی ہے ضروری ہے کہ آپ کے علم میں بھی لائی جائے۔'' ماہین نے قدرے توقف سے بات شروع کی اور سنجیدگی سے بولی۔

''ماہی پلیز سیدھی بات کرو۔ مجھے لمبی بات کبھی پسند نہیں رہی ہے۔'' فریدہ آنٹی بور ہو کر بولیں۔

''وہ پولیس افسر کوئی اور نہیں...... حماد ہے سعد حماد...... اسی گھر میں رہنے والا مہک کا چچا زاد......'' ماہین دھماکا کرنے والے انداز میں بولی۔

''کیا......؟'' دونوں کو زبردست شاک لگا۔ مہک تو بوکھلا کر اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی جبکہ فریدہ آنٹی منہ کھولے ایک شاک کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھیں۔

''نو...... نیور...... ماہی تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، بہت بڑی غلط فہمی...... بھلا ایک ان پڑھ بندہ پولیس افسر کیسے بن سکتا ہے...... اب ایسا بھی اندھیر نہیں ہے۔'' بڑی دیر بعد مہک نے ہی بات کی۔

اس کی بات سے فریدہ آنٹی کو بھی تسلی ہوئی کہ شاید یہ خبر سچ نہ ہو لیکن ماہین نے سعد کی ساری کہانی ان کو سنادی...... بس اس نے اس کے کچھ حصے حذف کرلیے مثلاً اس نے یہ نہیں بتایا کہ حماد اس کے کہنے پر گھر سے چلا گیا تھا اس نے اس کہانی کا وہ حصہ بھی حذف کردیا جس میں حماد نے اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ جب اس نے اپنی بات ختم کی تو کمرے میں اس قدر سناٹا تھا کہ سوئی بھی گرتی تو آواز آجاتی، وہ دونوں اس قدر سکتے میں تھیں کہ انہیں یہ بات ہضم کرنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ فریدہ آنٹی کا رنگ فوراً ہی انتہائی سیاہ لگنے لگا تھا اور وہ اپنی پوری آنکھیں کھولے منہ پھاڑے یک ٹک بولتی ہوئی ماہین کو دیکھ رہی تھیں جبکہ مہک کی حالت بھی ان سے کم نہ تھی۔ دونوں کو اپنی حالت سنبھالنے میں کافی وقت لگا لیکن اچانک ہی مہک چیخنے لگی۔

''تم...... تمہاری جرأت کیسے ہوئی...... میرے لیے یہ اسٹوپڈ رشتہ لانے کی، میں اس شخص سے شادی کروں گی جس نے ہمیشہ میری جوتیاں سیدھی کی تھیں۔ تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا...... وہ شخص آسمان پر بھی پہنچ جائے تو بھی میں اسے اپنی جوتی صاف کرنے کے لیے ملازم نہیں رکھوں گی کجا کہ اسے شوہر بنانا......''

ماہین دم بخود کھڑی اس کی کڑوی کسیلی باتیں سن رہی تھی۔ اسے ڈر لگنے لگا تھا کہ کہیں ان پر خدا کا قہر نہ ٹوٹے۔ کیا بندہ اس قدر مغرور بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے ہی جیسے انسان کو ایک حقیر کیڑے مکوڑے سے زیادہ نہ سمجھے۔ مہک تن فن کرتی اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مہک کے جانے کے بعد وہ فریدہ آنٹی سے جو کسی پتھر کے بت کی طرح ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھیں نظریں بچا کر نکل جانا چاہتی تھی کہ فریدہ آنٹی فوراً اسے پیشتر اس کے پاس آگئیں اور اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے ملتجی لہجے میں بولیں۔

''ماہی...... مہک کی باتوں کا برا نہ مانو...... تمہیں تو معلوم ہے کہ وہ بہت جذباتی ہے، ابھی اس کا غصہ اترے گا تو دیکھنا وہ خود تم سے سوری کرنے تمہارے گھر پہنچ جائے گی۔'' ماہین خاموش بیٹھی رہی، فریدہ آنٹی نے کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کیا پھر بولیں۔

''میرا خیال ہے کہ اگر حماد...... میرا مطلب ہے کہ اس اسٹوپڈ سعد کا رشتہ مہک سے طے پا جائے تو مہک کے لیے بہت اچھا رہے گا۔ عام سے حالات میں تو میں شاید یہ کبھی گوارا نہیں کرتی لیکن مہک کی ضد کی عادت نے اسے ایک گھر چھڑوا دیا کوئی بھی مرد ایک ضدی اور خود پسند عورت کا شوہر بننا پسند نہیں کرے گا۔ ویسے بھی اس میں ایسی خوبی نہیں جسے کوئی بھی شوہر پسند کرسکے...... لیکن یہ سعد......'' وہ آسودگی سے مسکراتے ہوئے بولیں۔ ''وہ شوہر کم اور نوکر زیادہ رہے گا اس کا مہک کے سامنے وہ دم نہیں مار سکے گا ساری عمر اس کا غلام بن کر رہے گا۔ اس کی ہر جائز اور ناجائز خواہش پوری کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ یہ

ماہنامہ پاکیزہ جون 2012ء 241

رشتہ مہک کے لیے جتنا مناسب ہے شاید اتنا کوئی اور رشتہ مناسب نہیں ہوگا۔'' وہ دم بخود...... ہکا بکا فریدہ آنٹی کا منہ تک رہی تھی جبکہ فریدہ آنٹی کہہ رہی تھیں۔

''ماہی...... بس تم یہ رشتہ اوکے کردو...... میں مہک کو سمجھاتی ہوں۔ یقیناً وہ میرے سمجھانے سے سمجھ جائے گی۔ وہ نہیں سمجھتی کہ عورت کے لیے شوہر کے نام کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔ سعد نام کے شوہر کی آڑ میں وہ اپنی تمام ضدیں پوری کرسکتی ہے۔ اپنے طریقے سے اپنی زندگی گزار سکتی ہے۔ وہ بے چارہ لوگوں کی نظروں میں تو اس کا شوہر ہوگا ورنہ وہ دو کوڑی کا بندہ اس کا نوکر رہے گا جیسے پہلے تھا۔''

ماہین کے تلوے پر لگی اور سر پر بجھی۔ وہ حیرت اور دکھ سے اس خود غرض عورت کو دیکھ رہی تھی۔ یکدم حماد کا مظلوم چہرہ اس کے سامنے آگیا۔ اس کی گھگیائی صورت اس کی نظروں کے سامنے پھرنے لگی۔ پھر اچانک جیسے فلم کے سین کی طرح دوسرے سین میں حماد نے سعد کا روپ دھار لیا۔ ایک خود اعتماد اور خوبرو پولیس افسر وہ جیسے خود سے کہنے لگی۔

''تو کیا میں سعد کو دوبارہ حماد بنا دوں...... کہ وہ دوبارہ مہک کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا رہے اور اس کی جوتیاں سیدھی کرتا رہے۔ نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے خود کلامی کی۔ ''نہیں میں ایسا کبھی نہیں کروں گی۔''

''کیا ہوا ماہی...... تم کچھ کہہ رہی ہو؟'' فریدہ آنٹی جو اس کے چہرے کی کش مکش کو غور سے دیکھ رہی تھیں پوچھنے لگیں۔

''آنٹی...... یہ یاد رکھیں کہ میں سعد کو حماد نہیں بننے دوں گی...... میں اس کے ساتھ مزید زیادتی نہیں ہونے دوں گی۔ اس نے آپ کے بہت ستم سہے ہیں۔ اب اس کو اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا حق ہے اور میں اسے یہ حق دوں گی۔'' یہ کہتے ہوئے ماہین اٹھ کھڑی ہوئی اور فریدہ آنٹی کی کوئی دوسری بات سنے بغیر وہ تیزی سے ان کے گھر سے باہر نکل آئی۔

اماں اسی طرح بیٹھی تھیں جیسے وہ انہیں چھوڑ گئی تھی۔ وہ خاموشی سے اماں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے؟'' اماں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اماں......'' وہ قدرے خاموش رہی پھر دھیمے لہجے میں بولی۔ ''اماں، آپ سعد کو ہاں کردیں۔''

''کیا......؟'' اماں پہلے تو چونک پڑیں لیکن جب ساری بات سمجھ گئیں تو بڑی آسودہ سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر پھیل گئی۔ اپنی اس سادہ اور خوب صورت دل والی بیٹی سے اماں کو بہت پیار تھا اور وہ چاہتی تھیں کہ اسے اچھا گھر بار ملے اور ایسا قدر دان جیون ساتھی ملے جو ہمیشہ اسے اس کی خوبیوں کی بنا پر چاہتا رہے سعد کا رشتہ یقیناً ایسا رشتہ تھا جس پر وہ آنکھ بند کر کے اعتبار کرسکتی تھیں۔ خوشی کے مارے ان کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے اور وہ جلد سے جلد یہ خوش خبری ماہین کے ابا کو سنانا چاہتی تھیں لیکن وہ کسی دوست کی عیادت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ کمرے میں جاتی ماہین کو آج اپنا آپ ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔ اسے ایک عجیب سی سرشاری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا واقعی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ سعد کا سراپا بار بار اس کی نگاہوں کے سامنے آرہا تھا۔ ایک عجیب سا خوش کن احساس ہو رہا تھا اسے باہر سے گنگنانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اماں جب بھی بہت خوش ہوتیں تو کوئی پرانا گانا گنگنایا کرتیں۔

اماں کو خوش دیکھ کر ماہین کے ہونٹوں پر بڑی پُرسکون مسکراہٹ در آئی۔ واقعی جو لوگ کسی کے ساتھ برا نہیں کرتے خدا بھی ان کے ساتھ برا نہیں کرتا ہے۔ اچھائی کا صلہ اچھا ہی ملا کرتا ہے۔

بے انت لمحہ

عقیلہ حق

سارے کمرے میں پھیلے اطلس دکمخواب کے کپڑے یکدم سفید کورے لٹھے میں بدل گئے، ہر طرف کافور کی خوشبو پھیل گئی۔ ہنستے مسکراتے چہرے جیسے آنسوؤں سے بھیگ گئے، اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے باتیں کرتی آپا اور بھابی کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر حلق میں اٹکتا نمکین پانی پینے کی کوشش کی۔ جھکی جھکی پلکیں جھپک جھپک کر اس نے آنکھوں میں اُمڈتے ہوئے آنسو پینے کی کوشش کی پھر اس کو ایسا



لگنے لگا اب اگر چند لمحے بھی وہ اس ماحول میں بیٹھی رہی تو اس کی سانس بند ہو جائے گی...... یکدم وہ فیصلہ کن انداز میں کھڑی ہوگئی۔

''کہاں جارہی ہو؟'' آپا نے خطرناک حد تک سفید پڑتے اُس کے چہرے پر بیزار سی نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

☆☆☆

میں سارہ امتیاز علی، دو بڑے بہن، بھائیوں کی چھوٹی بہن، اماں مجھ سے کب بچھڑیں مجھے یاد نہیں، ہاں اتنا ضرور یاد ہے کہ میری اماں کے بال بہت لمبے تھے، لمبے سیاہ، گھنے بال اور اپنی اماں کی یہ واحد نشانی میرے پاس رہ گئی...... ابا جو گھریلو معاملات سے ہمیشہ لاتعلق رہتے تھے، میرے لیے وہ اماں اور ابا دونوں بن گئے۔ ماں کی محرومی کو محسوس کرنے سے پہلے میں ابا کی پُرشفقت محبت میں ڈوب گئی...... اور ابا۔ ابا بھی تو بہت جلدی چلے گئے، وہ برسات کی ایک اندھیری رات تھی، جب ابا کے سینے میں شدید درد اٹھا اور ابا درد کی شدت برداشت نہیں کرسکے۔ میں گم صم گھڑی کی گھڑی رہ گئی اور پے در پے نقصانات نے مجھے چپ سی لگادی، پھر یہ چپ بڑی آپا نسیم اور بڑے بھیا سلیم کی محبتوں پر ٹوٹی، واقعی صبر اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب تمہارے پیارے بچھڑتے ہیں تو ہم تم کو صبر دیتے ہیں ورنہ تمہارے کلیجے پھٹ جائیں...... اور میں بھی سب کچھ بھول بھال کر مگن ہوگئی...... اماں اور پھر ابا کے بعد گھر، گھر نہیں رہا مکان بن گیا اور پھر سب کو فکر لاحق ہوگئی اس مکان کو گھر بنانے کی، سو بڑے چچا کی شائستہ باجی بھابی بن کر ہمارے گھر آگئیں اور بدلے میں بڑی آپا بڑے چچا کے بیٹے اختر سے بیاہ دی گئیں یوں ہمارا مکان پھر سے گھر بن گیا یا پھر آج سوچتی ہوں گھر سمجھ لیا گیا۔

شائستہ بھابی، بھیا کی زندگی کے ساتھ ساتھ سارے گھر پر چھا گئیں مجھے تو رنگین کپڑوں اور خوب صورت زیورات سے سجی بھابی بہت ہی اچھی لگتی تھیں۔ میں اسکول سے آکر بھابی کے سارے چھوٹے موٹے کام اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے کرتی۔ حتیٰ کہ بھابی کے جوتے بھی اٹھا کر ان کے پیروں کے پاس لاکر رکھتی میں ماں باپ کی محبتوں کی ترسی ہوئی محبت اور غلامی میں تمیز ہی نہ کرسکی۔

وقت پر لگا کر اُڑا...... کب کھلونے سمیٹ کر الماری میں رکھ دیے گئے مجھے تو پتا ہی نہیں چلا، ہاں اتنا ضرور ہوا کہ اس تمام عرصے میں بھیا اور بھابی کے آنگن میں چار بچے کھیلنے لگے اور میں......

☆☆☆

''یا اللہ سارہ تم کیا آیا ہو ان بچوں کی جورات دن ان کی خدمتوں میں لگی رہتی ہو اور تمہاری بھابی، کہاں ہیں؟ حد ہوگئی تم سے تو......'' نرگس نے سارہ کو رمشا کو نہلاتے دیکھ کر کہا۔

''لو اس میں ملازمہ ہونے والی کون سی بات ہے، رمشا میری بھتیجی ہے میرے بھائی کی بیٹی، میرے بھائی جو میرے لیے باپ جیسے ہیں اور جو میں بچوں کا خیال نہیں رکھوں گی تو کون رکھے گا۔'' سارہ نے رمشا کے بدن کو تولیا سے پونچھتے ہوئے خفگی بھرے انداز میں نرگس کو ٹوکا۔

''بس تم یہ اپنا بھائی اور بھائی نامہ تو بند ہی رکھو، ارے میری بھولی دوست بھائی، بھائی ہوتا ہے اور باپ، باپ۔ تمہارے سلیم بھائی تمہارے صرف بھائی ہیں ہاں باپ وہ اپنی بچیوں کے ہیں اور یہ فرق واضح نظر آتا ہے۔ اِک تمہاری آنکھوں میں کالا پانی اتر آیا ہے تو میں کیا کروں لیکن ایک دن تم کو اندازہ ہوگا میں ٹھیک کہتی تھی......''

''کہتی تھی...... اس کا مطلب ہے تم جلد ہی رخصت ہونے والی ہو، اللہ تیرا شکر ہے۔'' سارہ نے نرگس کی

بیچ میں کاٹتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا۔

''بکواس بند کرو، بڑی آئیں رنگیلا کی ...من۔ یہ بتاؤ ملکہ الزبتھ محترمہ شائستہ بھابی کی ...ری باو بہاری تم پر سارے گھر کی ذمے داری ڈال آج صبح سے کہاں روانہ ہوئی ہے۔'' نرگس نے ...ام سے تخت پر لیٹتے ہوئے سارہ کو جلانے والے ...از میں پوچھا۔

''بھابی، آج بڑی آپا کی طرف گئی ہیں......'' ...رہ نے جواب دیا۔

''تو یہ کہو نا اپنی اماں کے گھر گئی ہیں، تمہاری آپا ...ی بھاوج ہی تو ہیں نا ویسے دونوں کی بنتی خوب ...'' نرگس نے شائستہ بھابی اور نسیم آپا کے ...ملاقات کا تجزیہ کیا۔

''ارے ہماری بھابی کی تو سب ہی سے بنتی ...'' سارہ ہنسی۔

''خیر یہ تو نہ کہو، آج تمہارے گھر میں ساس ...وں کا جھمیلا ہوتا تو پوچھتی، تمہاری پیاری بھابی کتنی ...ری ہیں، یہاں تو خالی میدان ان کو مل گیا تو وہ اچھی ...بنیں گی۔'' نرگس کو نہ جانے کیوں سارہ کی سادہ ...جی پر تاؤ آرہا تھا۔ نرگس، سارہ کی بچپن کی دوست ...، نرگس اور سارہ کے گھر کی دیواریں ملی ہوئی تھیں، ...س جانتی تھی کہ سارہ ایک سادہ مزاج نیک اور فرماں ...ار لڑکی ہے، وہ اپنے بھائی سے اس قدر محبت کرتی ...کہ اس کو ان کی زیادتی بھی زیادتی نہیں لگتی۔

سارہ تمام دن گھر اور گھر داری میں الجھی رہتی ...شائستہ بھابی دو پیار بھرے جملے بول کر اس اللہ میاں ...گائے کو کولہو کے بیل کی طرح کام میں لگائے ...۔ گھر کا ماحول دقیانوسی نہیں تھا سب ہی کچھ ہوتا ...ں سارہ کے معاملے میں سلیم بھائی نہ جانے کیوں ...ی خیالات رکھنے والے بن جاتے۔ کس قدر ...لی تھی نرگس نے اور خود سارہ کا کس قدر دل چاہ

رہا تھا کہ میٹرک میں +A گریڈ لینے کے بعد وہ کالج میں داخلہ لے لیکن اس کو کالج میں پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

''آج کل کالجوں میں پڑھائی تو ہوتی نہیں، وہاں جا کر لڑکیاں اور بگڑ جاتی ہیں ویسے بھی لڑکیوں کو پڑھ کر کرنا کیا ہے چولھا، ہانڈی تو بس کرتی رہو۔''

نرگس تلملا کر رہ گئی سلیم بھائی کے فرمودات پر اور سارہ...... سارہ تو تھی ہی صبر و شکر کا پیکر...... اور نہ جانے وہ کون سا لمحہ تھا یا دوست احباب کا اصرار کہ سلیم بھائی نے اس کو پرائیوٹ امتحان دینے کی اجازت دے دی لیکن وہ پرائیوٹ بھی نہیں پڑھ سکی گھر کے کاموں سے اس کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ کتابیں لے کر بیٹھے۔

کوئی اس سے آگے نہ پڑھنے کا سوال کرتا تو وہ اطمینان سے کہتی، بھائی جان تو چاہتے ہیں میں پڑھوں لیکن مجھے ٹائم ہی نہیں ملتا اور اب تو میرا دل ہی نہیں لگتا کتابوں میں...... اور جس نے بچپن سے اسکالرشپ لی ہو اور میٹرک میں +A گریڈ لیا ہو تو کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اس کا کتابوں میں دل ہی نہ لگتا ہو۔ لیکن ہر بات کہنے کی تو نہیں ہوتی نا......

''یا اللہ تم علامہ بنی کیا سوچے چلی جارہی ہو؟'' سارہ نے گم صم بیٹھی نرگس کا شانہ ہلایا ''آؤ باورچی خانہ میں چلو تمہارے لیے چائے بناتی ہوں۔'' سارہ نے ہنستے ہوئے نرگس کو بازو پکڑ کر کھڑا کیا۔

''ہاں، ہاں کچن میں چلو کیونکہ میری چائے کا تو بہانہ ہے اصل میں تم کو روٹیاں تھوپنی ہیں، ہے نا؟'' نرگس، سارہ کے پیچھے پیچھے بڑبڑاتے ہوئے چلی آرہی تھی اور سارہ اس کی محبتوں پر زیرِلب مسکراتی رہی۔

☆☆☆

''خیریت کب آئے؟ اور یہاں کھڑے کیا کررہے ہو؟'' سلیم نے آکر ماجد سے ذرا تیز لہجے میں پوچھا جو... روٹی پکاتی سارہ سے بات کررہا تھا۔

''کچھ نہیں بھائی جان، میں سارہ سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ آخر روٹیاں خود بخود گول کیسے ہوجاتی ہیں۔'' ساجد نے ہنستے ہوئے سلیم سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دیا۔

''تم کو جو بھی پوچھنا ہوا کرے اندر آکر پوچھا کرو، یہاں اس طرح سوال وجواب کرنے مت کھڑے ہوجایا کرو، مجھے ایسی باتیں قطعی پسند نہیں اور ویسے بھی ہمارے گھر کا ماحول اس طرح کا نہیں ہے۔'' سلیم نے خشک لہجے میں حق دق کھڑے ساجد سے کہا اور تیز قدموں سے اندر کی طرف چل دیا۔ یہ دیکھے بغیر کہ سارہ اس کے رویے سے حیران ہوکر روٹی پلٹنا ہی بھول گئی۔

ساجد، سارہ کا تایازاد تھا اور وہ ساجد کے ساتھ بچپن ہی سے منسوب تھی، گوکہ باقاعدہ منگنی نہیں ہوئی تھی لیکن وہ دونوں ایک ان کہی ڈور میں بندھے ہوئے تھے۔ ساجد کبھی کبھار چلا آتا اور جس دن ساجد آتا وہ دن سارہ کی بے کیف زندگی کا ایک خوب صورت دن قرار پاتا۔ اس کے گال دہکنے لگتے اور لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ آجاتی، ساجد، سارہ کی زندگی کا وہ خوب صورت باب تھا جس کے بغیر سارہ اپنی زندگی کی کتاب کو مکمل نہیں سمجھتی تھی۔ کہتے ہیں عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے' سو شائستہ کی نگاہوں سے بھی یہ راز چھپا نہ رہا تھا۔

''درودیوار بتارہے ہیں کہ شاید کل حضرت رومیو تشریف لائے تھے؟''

''ہاں، آئے تو تھے...... لیکن ان کو دیکھ کر بھائی جان کا موڈ کافی خراب ہوگیا۔'' سارہ نے کپڑے نچوڑ نچوڑ کر الگنی پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟ ان کو کیوں غصہ آگیا......؟'' نرگس حیران ہوئی۔

''بھائی جان کو یہ بات بری لگی کہ وہ اکیلے گھر میں مجھ سے کچن کے دروازے پر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔''

''تو ظاہر ہے جب گھر میں تم اکیلی ہوگی تو وہ تم ہی سے باتیں کریں گے نا اور تمہاری بھابی کو تو فرصت ہی نہیں ہوتی گھر میں بیٹھنے کی۔''

''یا اللہ نرگس، تم بولنے پر آتی ہو تو کسی کی نہیں سنتی ہو۔'' بھائی جان صحیح تو ناراض ہوئے، شریف گھروں کی لڑکیاں اس طرح اکیلے گھروں میں لڑکوں سے باتیں تو نہیں کرتیں نا، غلط بات تو غلط ہوتی ہے نا. بھائی جان کوئی میرا برا تو نہیں چاہتے، غلطی تو میری تھی، مجھے خود ہی خیال رکھنا چاہیے تھا۔'' سارہ کے لہجے میں ایک عجیب سی اداسی گھل گئی۔

''صابرہ خاتون۔ آپ کو صابرہ کہوں یا شاکرہ...... وہ کوئی غیر نہیں تمہارا تایازاد ہے اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ تمہارے پیارے بھائی کو یقین ہونا چاہیے کہ تم نے ساجد بھائی کو اکیلے گھر میں ڈیٹ مارنے کے لیے نہیں بلایا تھا۔ وہ معمول کے مطابق آئے تھے، میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے بھائی ہیں کیا چیز...... ان کی بیگم بغیر برقع چادر کے گھومتی پھرتی ہیں' ان کی جوان ہوتی بیٹیاں کو ایجوکیشن اسکولوں میں پڑھ رہی ہیں اور تمہارے معاملے میں دا قدامت پسندی پر اتر آتے ہیں۔''

''اف نرگس! تم تو بہت لڑاکا ہوتی جارہی ہو، سمجھ میں نہیں آتا سسرال جا کر کیا کروگی۔''

''نہ ظلم سہوں گی اور نہ ہی ظلم کروں گی سمجھیں تم۔'' نرگس نے سارہ کی بات بیچ میں سے اچک کر کہا۔

''خیر ظلم تو نہیں ہورہا میرے ساتھ، وہ میرے بھائی ہیں، میرے ابا کی طرح ہیں، وہ جو بات بھی کرتے ہیں میرے بھلے ہی کے لیے کرتے ہیں۔ اب تو وہ میرے بھائی بھی ہیں اور میرے باپ بھی۔'' سارہ کے لہجے میں بھائی کے لیے محبت کی انتہاؤں تک ام تھا۔

''تو کیا وہ اپنی بیٹیوں کے باپ نہیں ہیں۔ ے وہ تمہارے بھائی ہیں، صرف بھائی اور تم اس گھر کی مفت کی ملازمہ ہو، آخر تمہاری کوری عقل کو ب سمجھ آئے گی۔'' نرگس نے تیزی سے وائپر سے اٹھائی سوتی سارہ سے جھنجلا کر کہا۔

''مجھے کچھ نہیں سمجھنا، تم زیادہ شرمت پھیلاؤ، نادان!'' سارہ نے اس کی بے سروپا باتوں کو ہنسی میں ٹالتے ہوئے کہا۔

چلو چھوڑو، یہ بتاؤ، ساجد بھائی تو ناراض نہیں ہوں گے۔''

''کہاں؟ وہ بے چارے تو اور شرمندہ ہوگئے کہ خوامخواہ ان کی وجہ سے مجھے ڈانٹ پڑی۔'' سارہ نے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

''ہائے بے چارے......'' نرگس نے شرارت سے آنکھ دبائی۔

''جی ہاں بے چارے......'' سارہ نے دہرایا اور دونوں بے ساختہ ہنس دیں۔

☆☆☆

''نرگس کو نہ جانے کیا ہوگیا ہے ہر ایک سے بدگمان ہوجاتی ہے۔ بھائی جان مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں اور شائستہ بھابی تو کس قدر اچھی ہیں، کبھی ایک لفظ مجھ کو نہیں کہتیں، مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں، نرگس تو بے وقوف ہے...... بھائی جان تو ہیں ہی اچھے بھابی ان سے بھی زیادہ اچھی ہیں، اللہ میرے جیسی بھابی سب کو دے......'' سارہ نے رات کو بستر پر لیٹ سوچا اور کہیں آسمانوں پر بیٹھا کوئی مسکرادیا، جو اگر ہر دعا قبول کرلے تو......

☆☆☆

عورت کی پیدائش مرد کے جسم سے ہوئی ہے لیکن وہ نہ تو اس کے پیر سے نکلی ہے کہ اسے کچلا جائے اور نہ اس کے سر سے نکلی ہے کہ اس پر حکومت کی جائے بلکہ وہ مرد کی پسلی سے نکلی ہے تاکہ اس کے ساتھ مساوات کا درجہ دیا جائے مرد کی بغل میں ہے تاکہ اس کی حفاظت کی جائے اور دل کے قریب ہے تاکہ اس سے محبت کی جائے۔

(او ہنری)

(نرگس سعید قریشی۔ کراچی)

ساری زندگی گزر گئی میری ان تین کمروں میں' میں کیسی خوب صورت تھی اور رل گئی، آج تک کمبخت ایک گاڑی تک نصیب نہیں ہوئی' اچھا کھالو تو اچھا پہننے کے لیے نہیں، اچھا پہن لو تو اچھا کھانے کو ترسو...... پوری زندگی گزر گئی ساس سسر کی باقیات کو سمیٹتے سمیٹتے...... سوچا تھا اکیلا گھر ہوگا خوب عیش کروں گی۔ بظاہر تو ہر عیش بھی ہے لیکن، لیکن وہ زندگی تو نہیں جو خواب تھی اور میں یہ کیسے برداشت کروں کہ ساری زندگی جو لڑکی سر جھکائے میرے ہر حکم کی تعمیل کرتی رہی، جس کو سال کے چند جوڑوں کے علاوہ ہمیشہ میری اترن ملی وہ محلوں میں راج کرے گاڑیوں میں گھومے نہیں میں یہ برداشت نہیں کرسکتی، میں نے اس کو ہمیشہ رعایا سمجھا اور اس کو رعایا کی طرح محکوم اور مظلوم ہی رہنا چاہیے۔ میں کم از کم اس کو برابری نہیں دے سکتی، اس کو ہمیشہ مجھ سے کمتر اور دب کر رہنا چاہیے کہ مستحکم پشت بڑے بڑے معصوموں کو شیر بنادیتی ہے۔ نہیں، میں یہ برداشت نہیں کرسکتی۔

''بھابی روٹی ڈال دوں......؟'' سارہ نے سوچوں میں غرق شائستہ کو حال میں واپس کھینچ لیا۔

''ہاں، ہاں۔'' شائستہ غلاموں کی طرح کھڑی سارہ کو دیکھ کر بولی۔ ''تم بھی سوچتی ہوگی میری بہن کہ بھابی نے ساری ذمے داری مجھ پر ڈالی ہوئی ہے کیا کروں تم نے ایسی عادت بگاڑدی ہے کہ کوئی کام

کرنا بھی چاہوں تو نہیں ہوتا۔'' شائستہ نے مکاری سے مسکراتے ہوئے ہمیشہ سے محکوم سارہ سے کہا۔

''کوئی بات نہیں بھابی آپ کام کریں یا میں ایک ہی بات ہے۔'' سارہ سادگی سے کہتے ہوئے پلٹ گئی۔ اب کون اس کو بتائے یہ ایک ہی بات نہیں ہے۔

☆☆☆

تائی اماں کی آمد آج کل کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی کہ ساجد نے ہاؤس جاب مکمل کر کے اپنا ذاتی کلینک کھول لیا تھا۔ گزشتہ دو دہائیوں میں تایا مجید کے گھر والوں کو اللہ نے بہت نوازا اور وہ ناظم آباد سے کشمیر روڈ منتقل ہو گئے۔ گھر میں گاڑیاں آ گئیں، روپے پیسے کی ریل پیل ہو گئی۔ اللہ جب نوازنے پر آتا ہے تو مٹی بھی سونا بن جاتی ہے اور یہی تایا مجید کے گھر والوں کے ساتھ ہوا لیکن بے پناہ پیسہ آنے کے باوجود ان کے مزاج وہی عاجزانہ رہے بلکہ کہتے ہیں نا پھل دار درخت ہمیشہ جھکے رہتے ہیں تو یہ مثل تائی زلیخا اور تایا مجید کے سارے گھر والوں پر صادق آتی ہے اور چونکہ گئے وقتوں میں سارہ کو انہوں نے ساجد کے لیے مانگا تھا تو وہ آج بھی اپنی بات پر قائم تھے لیکن صرف ان کے قائم رہنے سے کیا ہوتا ہے۔

سلیم ہمیشہ سے ضدی، خودسر اور کچے کانوں کا تھا، ماں باپ کی جلدی موت نے اس کو گھر کا سربراہ بنا دیا اور اس کی ڈور شائستہ جیسی ''میٹھی چھری'' کے ہاتھوں میں آ گئی ۔ ہاتھ میں ڈگڈگی لے کر سلیم کو نچانے کا فن شائستہ کو آتا تھا اور اکثر وہ اپنے فن کا مظاہرہ بھی کرتی تھی۔

''آج تائی زلیخا آئی تھیں سارہ اور ساجد کے رشتے کے لیے۔ میں تو حیران رہ گئی سارہ اور ساجد کا کیا جوڑ، کبھی مخمل میں بھی ٹاٹ کا پیوند لگا ہے، کہاں سارہ ایک میٹرک پاس لڑکی اور کہاں ساجد جیسا قابل ڈاکٹر لیکن میرے اعتراض پر تائی اماں کہنے لگیں کہ جب لڑکے کو اعتراض نہیں تو ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے۔ وہ بتا رہی تھیں کہ سارہ اور ساجد ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں یہ بات سن کر میں تو چپ کی چپ رہ گئی۔ پھر تائی اماں جلدی سے بات بنانے کو کہنے لگیں کہ ساجد بہت پسند کرتا ہے لیکن بھئی جو حقیقت تھی وہ تو منہ سے نکل گئی نا۔ اتنا تو سب ہی جانتے ہیں کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اور اگر بجتی ہے تو دوسرے کے منہ پر طمانچہ ہی پڑتا ہے جیسے آج آپ کے منہ پر پڑا۔ ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا اور ہماری ناک کے نیچے عشق چلتا رہا۔ کیا شریفوں میں اس طرح ہوتا ہے کہ لڑکیاں محبتیں کریں اور پھر ان کے بڑے مٹھائی کے ڈبے لے کر آ جائیں...... اگر میری بیٹی اس طرح کرتی تو میں تو زندہ دفن کر دیتی اس کو، سمجھ میں نہیں آ رہا کہ سارہ کی تربیت میں کہاں غلطی رہ گئی۔ میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کل جب دنیا والے سوال کریں گے تو کون جواب دے گا۔'' شائستہ نے سلیم کے سر میں تیل کی مالش کرتے ہوئے اس کے کان بھرے۔

''کیا مطلب، کیسی محبت...... کیسی پسندیدگی؟'' سلیم نے غصے سے پوچھا۔

''لو بھئی آپ تو آنکھوں دیکھے اندھے بن رہے ہیں، وہ جو ہر اتوار کو ساجد یہاں آ کر جم جاتا ہے، وہ کیا میرے اور آپ کے لیے آتا ہے، ظاہر ہے سارہ کے لیے آتا ہے اور سارہ کو دیکھیے چاہے سارے ہفتے وہ کسی بھی حلیے میں رہے اتوار کو اس کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ ساجد کے صدقے ہمیں بھی اچھی اچھی ڈشز کھانے کو مل جاتی ہیں۔ میں تو اس لیے چپ رہتی ہوں کہ بن ماں باپ کی لڑکی ہے، میں کون ہوتی ہوں روکنے ٹوکنے والی۔'' شائستہ نے بھرائی ہوئی آواز میں بہتان تراشی کی۔

''کیا مطلب کہ تم کون ہوتی ہو! ارے تم اس کی بھاوج ہو، اس کے چچا کی بیٹی ہو۔'' سلیم سے بیوی کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں ہو سکے۔

''کوئی سمجھے تو بہت کچھ اور نہ سمجھے تو کچھ نہیں، یہ تو مان کا پان ہوتا ہے۔'' شائستہ نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''چھوڑیں اس بات کو میرا اجر تو میرے اللہ کے گھر میں ہے، تائی اماں جواب مانگ رہی ہیں۔'' شائستہ نے میاں کے چہرے کے بگڑے زاویوں کو مکاری سے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''کیا جواب دوں؟'' سلیم عجیب الجھن میں گرفتار تھا ایک طرف بچپن کا رشتہ اور دوسری طرف یہ تازیانہ کہ بہن محبت کا کھیل کھیلتی رہی اور وہ اس کی شادی کر کے بقول شائستہ بے غیرتی کا مظاہرہ کر لے۔

''کیا جواب دیں گے جو آپ مناسب سمجھیں، اب آپ ہی اس کے بڑے ہیں، اس کی باپ کی جگہ ہیں اور شرعی طور پر بھی آپ اس کے ولی ہیں۔ آپ کا جو بھی فیصلہ ہو کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' شائستہ سلیم کو کمفرٹ زون میں لے گئی۔

شائستہ سلیم کی بیوی تھی، شادی کے گزشتہ اٹھارہ سالوں میں سمجھ چکی تھی کہ سلیم کو کیسے اور کہاں پر استعمال کیا جاسکتا ہے...... وہ دل ہی دل میں ہمیشہ سے سارہ کی سادگی، فرمانبرداری اور اچھائیوں سے خائف رہی کہ آج تک خاندان میں، جان پہچان والوں میں، محلے پڑوس میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ جو ایک دفعہ ملنے کے بعد سارہ کا گرویدہ نہ ہو جائے اور شائستہ ایک کمزور اور ناتواں لڑکی سے جو اس کے سامنے بڑی ہوئی تھی، جب بھی مقابلہ کرنے کھڑی ہوئی ہمیشہ ہاری...... اور پھر ساجد کا رشتہ، ساجد کا رشتہ تو اس کو راتوں رات آسمان پر بٹھا دیتا اور وہ یہ کیسے برداشت کرتی کہ جس لڑکی سے وہ اپنے برتن دھلواتی ہے، ٹانگیں دبواتی ہے، اپنے بچوں کی صفائیاں کرواتی ہے وہ لڑکی، وہ سارہ امتیاز علی، ایک ڈاکٹر کی بیگم بن جائے۔ 1000 گز کے بنگلے میں نوکروں کی فوج پر حکمرانی کرے، یہ سب برداشت کرنے کے لیے بہت ظرف چاہیے تھا اور یہ ظرف کم از کم شائستہ میں نہیں تھا...... او سارہ کے بارے میں فیصلہ کرنے والا واحد مہرہ، اس کے ہاتھ میں تھا، اس کو بہلا کر بھڑکا کر اس سے اپنی مرضی کا فیصلہ کروانا کون سا مشکل تھا۔ وہ سارہ کا بھائی تھا، باپ نہیں تھا جو کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت دس بار سوچتا، جو اپنی اولاد پر الزام لگتے وقت اگر کہنے والے کا منہ نہیں توڑتا تو اصل حقیقت ضرور معلوم کرتا، سب سے اہم بات یہی تھی کہ وہ سارہ کا بھائی تھا باپ نہیں۔

☆☆☆

''تمہارے بھائی تم پر تو بہت پابندیاں لگاتے ہیں اور تمہاری بھتیجی رمشا تو خوب میک اپ شیپ کر کے کہیں گئی ہے۔'' نرگس نے شامی کباب فرائی کرتی سارہ سے کرارے انداز میں سوال کیا۔

''تم کیا سارا دن ہمارے گھر کی ٹوہ میں لگی رہتی ہو بی جمالو۔'' سارہ نے سوال پر سوال کیا۔

''ہاں، ہاں لگی رہتی ہوں، بات ٹالنے کی کوشش نہیں کرو، شرافت سے میری بات کا جواب دو......'' نرگس کے تیور خطرناک تھے۔

''کوئی خاص بات نہیں، اس کی سہیلی کی برتھ ڈے ہے وہیں گئی ہے اور ظاہر ہے تیار ہو کر ہی جائے گی۔ سنا ہے اس کی دوست بہت مالدار ہے ڈیفنس میں رہتی ہے اس نے اپنا ڈرائیور بھیجا تھا......'' سارہ نے آخری کباب فرائی کر کے چولہا بند کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو ان کا ڈرائیور سوٹ پہنتا ہے اور ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر جایا جاتا ہے، تم کو کب عقل آئے گی سارہ۔ اس گھر میں دو قانون چلتے ہیں تمہارے لیے کچھ اور اپنے لیے کچھ اور۔ یہ

ے ان ہی بھائی کی بیٹی ہے نا جنہوں نے اپنے تایازاد ساجد کو گھر میں آنے سے منع کر دیا کیونکہ اپنے گھر کی عزت بہت پیاری ہے اور بقول ان ارتے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں لیکن کسی کی زبان نہیں ی جاسکتی اور آج ان کی جوان بیٹی سج سنور کر کسی ' کے ساتھ ائر کنڈیشنڈ گاڑی میں گھر کے ا سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر گئی ہے اب ان کو یا ہاری پیاری بھابی کو خیال نہیں کہ لوگ دیکھیں گے تو لیا سوچیں گے۔ حد ہوگئی زیادتی کی یہاں تو......''

گس نہ جانے کیا کیا بولے جا رہی تھی لیکن سارہ تو نی زندگی میں پہلی بار یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ ''یں واقعی اس گھر میں دو قانون تو نہیں چلتے، کہیں ی ایسا تو نہیں ہے۔

☆☆☆

''برا مانتی ہیں تو مانیں، جس کا دل چاہے مجھ سے ملے ورنہ اپنے گھر جا کر بیٹھے، ہم شریف لوگ ہیں ہمارے ہاں محبتوں کی شادیاں نہیں ہوتیں۔ میں کس ں کی زبان پکڑوں گا۔ مارتے کا ہاتھ پکڑا جاسکتا ہے لیکن بولتے کی زبان کون پکڑے۔ میں تھک گیا وں لوگ کہیں گے کہ سلیم علی کی بہن نے عشق لڑا کر شادی کی، نہیں میں ایک لفظ برداشت نہیں کر سکتا جلد س اس منحوس کے لیے رشتہ ڈھونڈو اور دفان کرو۔ آج ف اس کی وجہ سے میں نے اتنی بات برداشت ی۔'' تائی زلیخا مایوس ہو کر جا چکی تھیں اور سلیم اپنے مرے میں کھڑا چیخ رہا تھا اور گھر کے آنگن میں کھڑی وسوچ رہی تھی۔

''یا اللہ لفظ ہیں یا آرے...... کیا کبھی کوئی ں کی چھری سے بھی ذبح کرتا ہے، یہ میرے بھائی میرے باپ کی جگہ ہیں، یہ مجھ سے بدگمان کیسے گئے۔ کیا تعلق اور رشتے اتنی جلدی بدگمان ہو سکتے ۔ ان کو بہکایا گیا اور یہ بہک گئے، مجھ پر الزام لگے اور انہوں نے مجھے مجرم ٹھہرا دیا۔ تائی زلیخا کی غلطی کیا تھی۔ انہوں نے صرف یہی تو کہا تھا کہ سارہ، ساجد کی بچپن کی مانگ ہے اور ہم سب کی اور ساجد کی یہ خواہش ہے کہ اب شادی ہو جانی چاہیے۔ اس تمام گفتگو میں محبت، عشق، آوارگی کہاں سے آگئی۔ وہ کون تھا جس نے پاکیزگی کو گندگی میں بدل دیا...... میری ساری ریاضت، محنت اور محبت پل بھر میں اکارت ہوگئی، میں نے تو ساری زندگی یہ بھی نہیں سوچا کہ میں کیا چاہتی ہوں، کیا تھا اگر بھائی جان کہتے کہ میں یہ شادی نہیں کر سکتا یا مجھے یہ رشتہ منظور نہیں، تو کیا میں بغاوت کرتی! نہیں، میں بغاوت کر ہی نہیں سکتی اور بیٹیاں کبھی باپ کے فیصلوں پر بغاوت تھوڑی کرتی ہیں، محبت اور عزت میں میری ترجیح عزت ہوتی لیکن اب نہ تو مجھے میری محبت ملی اور عزت بھی خاک میں مل گئی۔'' آنسو سارہ کا چہرہ بھگوتے رہے اور وہ ٹھنڈی سرد رات میں ننگے سر خاموش صحن میں بیٹھی رہی۔ اس بات سے بے خبر کہ سارا گھر گرم لحافوں میں دبکا گہری نیند سو رہا تھا۔

☆☆☆

بہت جلد سارہ نے بابل کی دہلیز پار کر کے شوہر کے صحن میں قدم رکھا۔ سارہ کا شوہر غیاث الدین جو ایک اسکول ٹیچر ہونے کے ساتھ ساتھ چھ بہن بھائیوں اور ایک بوڑھی ماں کا واحد سہارا تھا۔

نرگس نے اتنے بے جوڑ رشتے پر جب کچھ کہنا چاہا تو سارہ نے یہ کہہ کر اس کو خاموش کر دیا کہ اس کے گھر والے خوش ہیں جب اس کی بڑی بہن بیٹھی ڈھول پیٹ رہی ہے اور اس کا بھائی لوگوں میں کارڈ بانٹ رہا ہے تو نرگس کو کوئی حق نہیں کہ اس کے لیے کسی سے سوال کرے کہ زندگی میں کچھ سوال انسان اپنے ساتھ قبر میں لے جاتا ہے۔ سارہ نے خاموشی کی چادر اوڑھ لی...... اس کو اپنے بھائی سے کوئی شکایت نہیں تھی

کہ اس کو اپنے بھائی سے بہت محبت تھی اور محبت کوئی کہنی کی چوٹ تھوڑا ہی ہوتی ہے کہ چند لمحوں کی تکلیف ہوئی اور بس ختم...... محبت تو محبت ہوتی ہے اور سلیم تو بھائی ہونے کے ساتھ اس کا باپ بھی تو تھا...... لیکن کیا واقعی سارہ، سلیم کی بیٹی تھی یا بیٹی جیسی تھی۔

☆☆☆

ارے، میں تم لوگوں کو کیا بتاؤں بہت ہی بڑے لوگ ہیں، بہت مالدار لڑکا، ایم بی اے کرنے امریکا جا رہا ہے، ہماری رمشا نے تو تم جانتی ہو... ایف اے کے بعد پڑھ کر ہی نہ دیا۔ کتنا سر پیٹا، تمہارے بھائی نے لیکن وہ نہ مانی اور دیکھو نصیب میں اللہ نے کیسا قابل لڑکا رکھا ہے، لو بات کہاں چلی گئی ہاں تو میں بتا رہی تھی بہت مالدار لوگ ہیں، اب ہم نے تو جیسے تیسے زندگی گزار لی، کم از کم ہمارے بچے تو عیش کریں، بھئی اب وہ دور نہیں رہا کہ جہاں ماں باپ نے چاہا شادی کر دی۔ میں نے تو رمشا کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ کوئی اچھا لڑکا نظر آئے تو گھیر لو......'' شائستہ بڑے جوش و خروش سے نسیم آپا کو بتا رہی تھیں کہ رمشا کا نکاح اس کی سہیلی کے بھائی سے طے ہوا تھا سو اسی سلسلے میں نسیم اور سارہ دونوں بہنیں آئی ہوئی تھیں۔ آپا نسیم اور شائستہ تو حسبِ عادت باتوں میں مشغول تھیں اور سارہ سر جھکائے تھیلیوں میں جوڑے پیک کر رہی تھی۔

''اور بھئی ہم کوئی دقیانوسی، بے وقوف ماں باپ تو ہیں نہیں کہ اپنی بیٹیوں کو شادی کے نام پر مسائل کے سپرد کر دیں، یہ احمر، رمشا کی سہیلی کا بھائی ہے اور جب میں نے اس کی پسندیدگی رمشا میں محسوس کی تو بھئی لڑکا اچھا تھا میں نے خود جان بوجھ کر مواقع دیے تاکہ انڈر اسٹینڈنگ بڑھے، تم خود سوچو ہمارے گھر میں اتنے بڑے گھر سے رشتہ بغیر کسی پلاننگ کے کیسے آ سکتا ہے۔'' شائستہ تو اپنے آپ کو نوبل انعام کا حقدار سمجھ رہی تھیں۔

''تو کیا یہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہ ہوگا؟'' نسیم کچھ الجھی ہوئی تھیں۔

''کیوں...... کیوں ہوگا...... ارے میں تو سارا زیور بیچ دوں گی اپنی بچی کی خوشی کے لیے دھوم دھام سے شادی کروں گی کہ دنیا دیکھے گی، کی ماں ابھی زندہ ہے۔'' شائستہ نے برا مانتے ہوئے نسیم کو جوب دیا۔

''لیکن بھابی کیا بھائی جان نے کوئی اعتر نہیں کیا پسند کی شادی پر؟'' سارہ نے سینے میں اٹکا ایک سوال دبی زبان میں کر ڈالا۔

''لو بھلا وہ کیا اعتراض کریں گے، وہ تو بہت خوش ہیں۔ انہوں نے تو بھئی صاف کہہ دیا کہ اگر میری بیٹی کی خوشی اسی میں ہے تو میں بھی خوش ہوں، کسی کو بھی اعتراض کرنے کا حق نہیں اگر کوئی کچھ کہے گا تو میں خود جواب دوں گا، میری لاوارث نہیں ہے اس کا باپ ابھی زندہ ہے اور.. شائستہ نہ جانے کیا کیا بولے جا رہی تھیں لیکن سارہ کان تو جیسے سائیں سائیں کر رہے تھے لیکن اس چاروں طرف جیسے ایک جملہ رقص کر رہا تھا۔ ''ا باپ ابھی زندہ ہے...... باپ ابھی زندہ ہے۔''

''بھئی میں کیا پوچھ رہی ہوں، کہاں جا ہو۔'' آپا نسیم نے ذرا تیز آواز میں حق دق کھڑی بہاتی سارہ سے دوبارہ پوچھا۔

''آج میرے ابا مر گئے آپا، مجھے سورۃ پڑھنی ہے، وضو کرنے جا رہی ہوں۔'' سارہ نے چہرے کے ساتھ صحن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

بہت سے جنازے ایسے ہوتے ہیں جن پر برسوں نہیں روتے اور جب روتے ہیں تو پھر ہر روز ہر لمحہ روتے ہیں اور اب سارہ کو بھی ساری زندگی، روز، ہر لمحہ باپ کی موت پر رونا تھا۔

بہار آنے کو ہے

شمع سید



''کس قدر روکھے پھیکے سے دن رات ہیں اور روٹین لائف نہ کوئی تبدیلی نہ کوئی رنگ نہ دل میں ...... پرانے ساز و سامان کی طرح دل بھی زنگ آلود ہو گیا ہے۔ کتنا اچھا تھا اس گھر میں وہ زمانہ جب اس آنگن میں دلہن بن کر اتری تھی۔ سب کی ل سے کتنی پذیرائی ملی تھی۔ میں تو جیسے ہواؤں میں نے لگی تھی اور تو اور احد علی بھی ہر وقت میرے گرد منڈلاتے رہتے تھے اور اب......'' رانیہ نے ڈریسنگ کے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ ''کپڑے بھی ڈھنگ کے نہیں سلواتی، کتنے کھلے اور ڈھیلے ڈھالے ل، ڈیزائن بھی بھدے اور پرانے سے۔'' رانیہ نے بالوں کو کلپ سے آزاد کر کے بغور کچھ تلاشنا شروع کر دیا۔ آخر کافی تلاش کے بعد ایک سفید بال نظر آ ہی گیا۔ ''اسکن بھی کافی ڈل ہو گئی ہے، آج ہی پارلر جاتی ہوں فیشل کے لیے۔'' ابھی سوچ ہی رہی تھی ہانیہ کے تیز رونے کی آواز اسے سوچوں سے باہر لے آئی۔ ''چلی تو جاؤں مگر ہانیہ کو کہاں چھوڑوں؟ کام ..... ارے نہیں وہ تو ہے ہی بڑی سڑیل سی اور ی بھی رہتی ہے، خدا جانے نہاتی بھی ہے یا نہیں' انی صاحبہ کو اپنی ملازمت سے فرصت نہیں ملتی۔ چلو بی کی ہی منت کرتی ہوں کہ چند گھنٹوں کے لیے کو اپنے پاس رکھ لیں۔''

''اماں بی آپ ہانیہ کو اپنے پاس رکھ لیں گی؟ پارلر جانا ہے۔''

''ضرور جاؤ بیٹا...... میں نے تو بارہا کہا ہے کہ

دل کو سنبھالوں کیسے

زندگی کی الجھنوں میں کچھ مصروف تھا جانم
سو تم ناراض ہوگئی تھیں
مجھ سے روٹھ کے تم، اسلام آباد چل دی تھیں
میں نے دل میں سوچا تھا
دوسری فلائٹ سے میں بھی، تمہارے پاس جاؤں گا
تمہیں حیران کردوں گا
بے حد پیار سے جاناں، تم کو جلد منالوں گا
لو، آگیا ہوں اب میں بھی......
لیکن!
یہ ملاقات تو جانم
آنسوؤں میں ڈوبی ہے
موت کا سیاہ پرچم ہر اک جانب لرزاں ہے
جہاز کے ٹکڑے ہوگئے ہیں انسانی اعضا بکھرے ہیں
میرے پیار کا تحفہ
تمہارے ہاتھ کا کنگن......
اِک جھاڑی میں اٹکا ہے

شاعرہ: شگفتہ شفیق، کراچی

اپنا خیال رکھا کرو۔ کیسی شہزادیوں جیسی آن بان تھی تمہاری۔ خوب صورتی تو خدا نے تمہیں بے حساب دی ہے مگر نوک پلک اور کانٹ چھانٹ کی ضرورت تو پودوں تک کو ہوتی ہے۔ خود کو سجا سنوار کر رکھا کرو۔"

"اماں بی بہت شکریہ۔ آپ گریٹ ہیں اماں بی کون کہتا ہے کہ ساس ہمیشہ بری ہی ہوتی ہے۔"

"ہٹو بی...... اب زیادہ مکھن نہ لگاؤ، تمہیں تو ایک بچی کی پیدائش نے ہی بوکھلا کر رکھ دیا ہے۔ میں تو ابھی تک اتنا دم خم باقی ہے کہ خوشی خوشی پوتے پوتیاں پال سکتی ہوں۔ اب جاؤ اور کوشش کرنا کہ جلدی واپسی ہو۔"

"جی اماں بی......" پارلر جانے کے لیے علی سے رقم اور اجازت تو وہ پہلے ہی لے چکی تھی۔ پوری طرح تیار ہو کر اس نے موبائل چارجنگ سے نکالا بیگ میں رکھنا ہی چاہتی تھی کہ میسج کی بپ ہوئی۔ سم سروس والوں کا میسج تھا کہ آپ اس ریٹ پر فون چیٹ کرسکتے ہیں اور نئے دوست بنا سکتے ہیں۔ غیر ارادی طور پر ہی رانیہ نے میسج کا Reply کردیا۔ اب وہ چیٹ روم میں انٹر ہوچکی تھی۔ اس نے اپنا نک آئی ڈی سمیعہ کے نام سے بنایا۔ اچانک ہی اسے اس مصروفیت میں لطف آنے لگا۔ تقریباً آدھا پونا گھنٹا بات کرتے رہنے کے بعد اس نے کراچی سے ایک فرینڈ دریافت کرلیا۔ جبکہ وہ خود سیالکوٹ سے تھی۔

"چلو اچھا ہے، بندہ دور ہے۔ ویسے بھی الس اونلی فن۔"

اس کا نام سرفراز تھا۔ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ تین بھائی اور ایک بہن تھی۔ عمر 35 کے لگ بھگ اور غیر شادی شدہ تھا۔ شادی سے اسے چڑ تھی جانے کیوں......؟ رانیہ آدھے گھنٹے میں ہی یہ سب معلومات حاصل کرچکی تھی۔ اس نے اپنے بارے میں سرفراز کو بتایا کہ وہ بھی غیر شادی شدہ ہے اور نوکری کرتی ہے۔ یہ ابتدائی جھوٹ تھا جس کی بنیاد پر اسے ایک پوری عمارت کھڑی کرنا تھی، یہ وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ اسے ایک گیم سمجھ کر کھیل رہی تھی۔ پھر ضروری کام کا کہہ کر وہ سائن آف ہوگئی۔

رفتہ رفتہ بات کرنے کا دورانیہ بڑھتا گیا۔ رانیہ کا گھر، بچی، شوہر سب نظر انداز ہو رہے تھے۔ سوائے اس کی اپنی ذات کے وہ پہلے سے بہت زیادہ اہمیت

[دھیان] رکھنے لگی تھی۔ بہت خوش اور مسرور رہتی۔ روز [بروز نکھ]رتی جارہی تھی۔ علی پہلے پہل تو اس خوشگوار [تبد]یلی پر بہت خوش ہوا۔ پھر اسے کچھ عجیب سا لگنے [لگا۔] رانیہ اپنی خود پرستی میں ہانیہ کا بھی خیال نہیں رکھ [رہی ت]ھی۔ وہ رو رو کر ضدی اور چڑچڑی ہوتی جارہی [تھ]ی۔ علی کو اس درجہ بے پروائی سے کچھ کھٹک تو ہوئی مگر اس نے اپنی اس سوچ کو جھٹک دیا۔ اس کے شک [ک]ی چنگاری کو ہوا تب ملی جب موزے تلاش کرتے ہوئے الماری کی دراز میں کپڑوں کے نیچے اسے ایک [او]ر موبائل سیٹ ملا۔ پہلے سوچا رانیہ سے پوچھے پھر تو [پولیس] کی عادت نے اسے پوری طرح جاسوسی پر مائل کیا۔

"رانیہ میں سوچ رہا ہوں کہ باہر لاؤنج میں سوجایا کروں۔ ہانیہ کے رونے سے بہت ڈسٹرب ہوتا ہوں۔ [ر]ات بھر نیند ٹوٹتی رہتی ہے اور صبح سر بھاری۔"

"ٹھیک ہے علی جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ [بہ]ت تھک بھی تو جاتے ہیں سارا دن بھاگ دوڑ میں۔" رانیہ کا یہ جواب حسبِ توقع تھا سو علی کو ذرا بھی [ح]یرانی نہیں ہوئی۔

علی کے جاتے ہی تمام رات رانیہ ہوتی اور [فو]ن، کچھ وقت گزرا تو سرفراز نے میسج کے بجائے بات [ک]رنے پر اصرار شروع کردیا۔ اب رانیہ پریشان [ہوئ]ی کہ اس نے تو کہا ہے وہ غیر شادی شدہ ہے اور پھر [ہان]یہ بھی تو رات بھر بار بار جاگتی رہتی ہے۔ اس نے حل [کے] طور پر ایک جھوٹ اور گھڑا۔

"سرفراز میں تم سے بات اس لیے نہیں کرتی کہ [میر]ے بھائی کی بیٹی میرے پاس ہی سوتی ہے۔ چھوٹی [سی] ہے تو بار بار جاگ جاتی ہے۔ اوپر تلے کے بچوں کی [وجہ س]ے بھابی نے اسے مجھے ہی سونپ رکھا ہے۔"

"اٹس او کے یار...... تم ایزی رہو۔ میں سمجھ سکتا ہوں تمہاری مشکل، تم تھوڑی دیر ہی مجھ سے بات کرلیا کرو۔"

رانیہ کا بات کرنا اور کمرے سے باہر کسی کی آواز

امرود

امرود دنیا بھر میں پایا جاتا ہے۔ گرمیوں، سردیوں میں یہ پھل سات، آٹھ ماہ تک چلتا ہے۔ قدرت نے اس پھل کو کئی قیمتی پھلوں کے وافر غذائیت اور وٹامنز بھرے اجزا سے مالا مال کیا ہے۔ یہ پھل کچے اور پکے ہوئے غذائی اجزا اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ کچے امرود کا مزاج سرد تر ہوتا ہے اور پکے ہوئے پھل کا مزاج گرم تر ہوتا ہے۔ معدہ اسے تین سے چار گھنٹے کے دوران ہضم کرتا ہے، اس پھل کو ہر طرح کی زمین پر کاشت کیا جاسکتا ہے۔ یہ غذائی لحاظ سے بالکل سستا اور وٹامن بی سے بھرپور ہوتا ہے۔ اس کے بیجوں میں خاصی مقدار میں لوہا پایا جاتا ہے۔ وٹامن اے کے علاوہ یہ فاسفورس اور چونے سے لیس ہوتا ہے۔ اس پھل کا استعمال ہمیشہ کھانا کھانے کے بعد مفید ہے یہ پھل قبض کشا ہے۔

یہ پھل خود تو ہاضم نہیں ہے لیکن ہاضمے کو درست کرتا ہے۔ موسم برسات میں اس کا استعمال معدے میں فاسد مادے کی زیادتی اور قولنج کے امراض کا سبب بنتا ہے۔

مرسلہ: صوفیہ قمر، کراچی

علی کی جاسوسی کو مزید ہوا دے رہا تھا۔ آخر کار علی نے اپنا رویہ تبدیل کرنا شروع کردیا۔ جسے مست رانیہ سمجھ ہی نہیں سکی۔ اس کی دنیا تو جیسے سرفراز سے شروع ہوتی اور اسی پر ختم ہوجاتی۔ وہ ایک خواب ایک سراب کے پیچھے اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔

☆☆☆

"رانیہ۔"

''ہوں۔''

''یہاں آؤ میرے پاس بیٹھو اور میری بات غور سے سنو۔ دروازہ لاک کر دو۔ میں نہیں چاہتا کہ ہماری بات کی کسی اور کو بھنک تک پڑے۔''

''ایسی بھی کیا راز داری ہے علی......'' علی کا گمبھیر انداز اندر کہیں خطرے کی گھنٹی بجا رہا تھا۔

''یہ تمہارا فون ہے؟'' فون تھا یا ایٹم بم......

''نہیں تو میرا فون کون سا ہے آپ جانتے ہیں علی۔''

''جھوٹ نہیں رانیہ کیونکہ میں سب جان چکا ہوں۔ تم اپنا سامان پیک کرو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں۔ طلاق کے پیپرز تمہیں مل جائیں گے۔'' علی نے دھمکی دی۔ ''ہانیہ کو چاہو تو لے جاؤ چاہو تو چھوڑ جاؤ۔ اور بے فکر رہو میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ تم جو لے جانا چاہو لے جا سکتی ہو۔ مزید کوئی بات نہیں۔ میں ابھی آتا ہوں تب تک تیار ہو جاؤ۔ تمہیں اس گھٹن بھری زندگی سے آزاد کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تم سے بہت محبت کی ہے اور شاید کرتا بھی رہوں گا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ جبراً باندھ نہیں سکتا۔'' کوئی اور عورت ہوتی تو یقیناً ایسا فیصلہ سن کر لرز جاتی ڈھے جاتی مگر وہ تو رانیہ تھی جو اپنی روٹین بدلتے بدلتے خود کو اپنی اصل تک کو بدل چکی تھی۔

''ٹھیک ہے یوں ہے تو یونہی سہی۔ میں بھی ایسے شکی انسان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ کیا ہوا اگر میں نے کسی سے ہنس کر دو گھڑی بات کر لی تو...... بھاگ تو نہیں گئی کسی کے ساتھ۔ سسرال کی خدمت کرو، شوہر کے پیچھے دم ہلاتے رہو، بچوں کی آیا تک بنو، پھر بھی سانس لینا دوبھر ہے عورت کا۔ جہاں کوئی کھڑکی، دروازہ کھولا، دھڑ سے فتویٰ لگ گیا بدکرداری کا۔'' اسی غصے میں رانیہ اپنے باپ کے گھر آ گئی۔

☆☆☆

والدین کے گھر بھائی، بھابیوں کے درمیان رہتے ہوئے اسے جلد ہی اپنی غلطی اور حد درجے بے وقوفی کا اندازہ ہونا شروع ہو گیا۔ اسے اپنا گھر، اپنی جنت چھوٹ جانے کا دکھ ستانے لگا۔ دوسری طرف علی بھی اپنے فیصلے پر نادم تھا کہ اسے پیار سے معاملہ سلجھانا چاہیے تھا۔ رانیہ کی ذہنی اور روحانی ضرورتوں کو سمجھتے ہوئے اسے اس کا پورا حق اور بھرپور توجہ اور محبت دینی چاہیے تھی۔

فروری کے خوب صورت اور روشن دنوں میں اسے رانیہ کا کھڑکی سے پردہ ہٹا کر اسے جگانا بہت یاد آنے لگا۔ کھڑکی کے باہر رکھے پودے اور گملوں میں بھر خشک پتے بھی اداس اور ملول تھے۔ اماں کے جوڑوں کا درد مالش نہ ہونے کی وجہ سے مزید بڑھ گیا تھا۔ ہانیہ کی کلکاریاں اور رونے کی آواز بھی وہ بہت مس کر رہا تھا۔ ہر طرف ایک سناٹا سا تھا۔ اسی وحشت اور تنہائی سے گھبرا کر وہ بالکونی کی طرف کھلنے والا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

آج چھٹی کا دن تھا اور موسم بھی خوشگوار تھا۔ سورج دھند کو پیچھے چھوڑتا اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ''پودے کتنے خراب ہو گئے ہیں گملوں کی مٹی تک سوکھ گئی ہے۔'' اس نے تمام پودوں کو پانی دیا۔ سارے خشک پتے اکٹھے کر کے شاخوں کو مناسب حد تک تراشا...... اس سب سے فارغ ہو کر وہ پودوں کو بہت دھیان سے دیکھنے لگا۔ جیسے رانیہ کے وجود اس کے احساس کو محسوس کر رہا ہو۔ پت جھڑ کے بعد شاخوں پر ننھی ننھی کونپلیں پھوٹنے والی تھیں۔ شاید بہار آنے کو ہے۔ اس خوب صورت احساس کے ساتھ ہی علی کے لبوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ ابھری اور اس کا ہاتھ جیب میں پڑے موبائل کو ٹٹولنے لگا۔ اسے ایک بہت ضروری کال کرنی تھی۔



بہنوں کی محفل

مدیرہ

☆ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

☆ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد ﷺ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

☆ پیاری بہنو! آج مجھے بہت غصہ آ رہا ہے...... اس لیے اپنے دل کی چند باتیں آپ سے شیئر کرنا چاہتی ہوں۔ اپنی ایک دوست کی سالگرہ پر میں جا تو نہیں سکی تھی مگر ایک بے حد عمدہ ہینڈ بیگ اسے تحفتاً بھجوایا...... اپنی ایک کزن کی ایک تقریب میں، میں نے اس کے پسندیدہ رنگ کی ساڑی بھجوائی اور اپنی ایک قریبی سہیلی کے کہنے پر میں نے خود اپنے ہاتھ کی اونی جرسی بنا کر دی...... مگر ان میں سے کسی نے بھی میرا شکریہ ادا نہیں کیا۔

اور ایک نے اس انداز میں کیا جیسے اس نے مجھ پر احسان کیا ہو۔ میرے دل میں ملال کے رنگ کتنے زیادہ ہیں یہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔ اور ایسا ہی آپ کے ساتھ بھی یقیناً ضرور ہوتا ہوگا کہ لوگ لے کر ایسے بھول جاتے ہیں...... جیسے ہم نے ان کا قرض لوٹایا ہو۔ ان کے منہ سے شکریے کا ایک لفظ تک نہیں پھوٹتا۔ اور آپ نے بھی یہ سوچا ہے کہ ہمارا رب ہمیں ہر وقت اپنی نعمتیں عطا کرتا رہتا ہے...... تو ہم اس کا کتنا شکر ادا کرتے ہیں اور وہ ہمیں ناشکری کی حالت میں بھی نوازتا ہی رہتا ہے۔ (بے شک اللہ سب سے بڑا ہے) ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو ہر وقت پانچوں وقت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ (یقیناً بے حد کم) اور ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو روزانہ شکرانے کی نماز ادا کرتے ہیں۔ (آٹے میں نمک کے برابر)

پیاری بہنو! آج میں آپ سے بالکل سچی بات کہہ رہی ہوں کہ جب میں نے شکرانے کے نفل پڑھنے شروع کیے...... تو مجھے اپنے معمولات میں بڑی خوشگوار تبدیلی کا احساس ہوا۔ آپ دن میں کسی بھی وقت صرف دو نفل شکرانے کے ادا کرنا شروع کیجیے...... پھر دیکھیں کہ کیسا لطف محسوس ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی نے جب مجھے بتایا تھا...... کہ ان کے پچیس سال سے شکرانے کے نفل بھی قضا نہیں ہوئے تو میں انہیں دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی تھی کہ ہمیں تو اپنی فرض نمازوں کے قضا ہونے کا ملال نہیں ہوا کرتا...... اور ایسے پیارے لوگ بھی ہیں جنہیں یہ فخر ہے کہ ان کے شکرانے کے نفل کبھی قضا نہیں ہوئے۔ ہم فیشن، رسم و رواج، نام و نمائش کی حرص کرنے میں تو ہمیشہ آگے ہی آگے رہا کرتے ہیں۔ دوسروں پر میں بالکل انگلی نہیں اٹھا رہی...... خود میری ذات بھی ایسی ہی ہے کہ شو بازی کی چیزیں اچھی لگا کرتی ہیں...... اور دل ان کی جانب مائل ہوتا ہے۔

مگر پیاری بہنو! ہم سب کو اچھی باتوں کی حرص کرنی چاہیے اور اچھی باتیں آگے پھیلانی چاہئیں۔ ہم بری باتیں، افواہیں بھی تو پھیلاتے ہیں ناں تو کیا ہم کسی سے یہ نہیں کہہ سکتے...... روزانہ شکرانے کے دو نفل ادا کر کے دیکھو...... ہم بھی پڑھتے ہیں تم بھی پڑھو۔ یاد رکھیں...... یہ میرے اللہ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ میں شکر ادا کرنے والوں کو زیادہ دیا کرتا ہوں) تو آئیں ہم روزانہ کسی بھی وقت دو نفل شکرانے کے ضرور ادا کریں گے اور یہ اچھی بات کسی تحفے کی طرح آگے اور بہت آگے تک ضرور بانٹیں گے بھی...... (آج سے ہی)

☆ آئیں اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے قبل درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا

مانگیں۔(ابھی پڑھ لیں) آیت کریمہ یہ ہے۔

لاالہ الا انت سبحنک انی کنت من الظالمین

٭ ٭ ٭

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ نیویارک میں مقیم معروف شاعر مشیر الحسن طالب کے بیٹے سامی خان کی شادی ڈاکٹر نادیہ سے ہوئی۔(مبارک باد)

☆ ارم ثاقب، ثمرہ اور غزل، امریکا آپ کو اپنے بھائی کی شادی کی دلی مبارک باد۔

☆ پاکیزہ کی افسانہ نگار ارجمند عقیل ان دنوں کراچی سے امریکا گئی ہوئی ہیں۔

☆ پاکیزہ کی شاعرہ اور تبصرہ نگار فریدہ افتخار، پشاور سے امریکا گئی ہوئی ہیں اپنے بیٹے کے پاس۔

☆ معروف افسانہ و ناول نگار رضوانہ پرنس، یکم مئی کو لندن چلی گئیں۔

☆ ٹی وی چینل سے وابستہ رامس تنویر کا گزشتہ دنوں نکاح ہو گیا ہے۔(مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری اور مراسلہ نگار کنول عاصم، لاہور کی اس ماہ شادی کی سالگرہ ہے۔(مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ثمینہ طارق محبوب، دمام گزشتہ دنوں ملتان آئی ہوئی تھیں۔ ان کا نواسا ہوا ہے۔ جس کا نام محمد عباد رکھا گیا ہے۔(مبارک باد)

☆ معروف سرجن ڈاکٹر جمال الدین اور بیگم شازیہ جمال کے چھوٹے بیٹے محمد عباد الدین کی پہلی سالگرہ اور عقیقے کی تقریب ان کی رہائش گاہ پر ہوئی۔ جس میں عباسی شہید کے اور دیگر اسپتالوں کے ڈاکٹرز نے بھی ایک بڑی تعداد میں شرکت کی۔(مبارک باد)

☆ معروف افسانہ نگار اور شاعرہ اختر بیگانہ ان دنوں بسترِ علالت پر ہیں۔ ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

☆ گزشتہ دنوں رضوانہ پرنس کا ایک لانگ پلے ایک نجی چینل سے دکھایا گیا، جس کی ڈرامائی تشکیل بھی رضوانہ نے خود ہی کی تھی۔(مبارک باد)

☆ ہماری پیاری مصنفہ قیصرہ حیات کا سلسلے وار ڈراما مسیحا ان دنوں ایک نجی چینل سے دکھایا جا رہا ہے۔ (مبارک باد)

☆ ہماری پیاری دوست شیریں حیدر کی ٹیلی فلم گزشتہ ہفتے نجی چینل سے دکھائی گئی جس کا نام چند اکلیم اور رانی تھا۔(مبارک باد)

☆ ہماری ایک اور عزیز مصنفہ غزالہ عزیز کا سیریل بات ہے رسوائی کی ایک نجی چینل سے شروع ہو چکا ہے۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی شاعرہ، افسانہ نگار اصفا فیصل نے اشتہارات کی دنیا میں قدم رکھ دیا ہے۔ ان کا پہلا اشتہار مدرڈے پر ریلیز ہوا ہے۔(اللہ تعالیٰ آپ کو اس شعبے میں عزتِ نفس کے ساتھ کامیابیاں عطا فرمائے)

☆ ہماری پیاری شاعرہ سعدیہ ہما شیخ، سرگودھا ان دنوں اپنے دوسری شعری مجموعے کو ترتیب دے رہی ہیں۔ (مبارک باد)

☆ معروف افسانہ نگار اور ٹی وی اینکر سیما رضا ردا کا افسانوں کا مجموعہ جلد کتابی صورت میں آنے والا ہے۔(مبارک باد)

☆ ہماری پیاری مصنفہ رفعت سراج کا ڈراما سیریل 15 مئی سے شروع ہو رہا ہے۔(مبارک باد)

☆ پاکیزہ کے مستقل قاری رضوان ادریس ان دنوں شدید بیمار ہیں ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری اور تبصرہ نگار زم زم، وہاڑی ان دنوں بیمار ہیں اور وہاڑی اور لاہور کی مصنفات سے دوستی کی خواہاں ہیں۔(ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں)

☆ ہماری بے حد پیاری شاعرہ شگفتہ شفیق کا دوسرا مجموعۂ کلام یاد آتی ہے کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔ شگفتہ کی نظمیں بے حد جذباتی اور درِ دل پر دستک دینے والی ہیں۔ کتاب کی قیمت صرف -/200 روپے ہے۔ جو فرید پبلشرز، اردو بازار، کراچی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ رابطہ کیجیے۔ 0321-3786601

☆ آپ کی باجی انجم انصار کا ٹی وی سوپ اٹکھیلیاں جو ایک مزاحیہ ڈراما ہے آپ ایک نجی چینل پر ہر پیر اور منگل کی شام 7 بجے دیکھ سکتی ہیں۔ رات کے گیارہ بجے بھی دیکھا جا سکتا ہے اور ہر منگل اور بدھ کی دوپہر ایک بجے یہ سلسلے وار ڈراما دوبارہ دکھایا جاتا ہے۔

☆ ہماری تبصرہ نگار اور افسانہ نگار افشاں کوثر، کراچی۔ ایک طویل عرصے بعد پاکیزہ میں آ رہی ہیں۔(خوش آمدید)

☆ پاکیزہ کی شاعرہ اور تبصرہ نگار نگینہ ضیا بنگش، کراچی ان دنوں اپنی شاعری کا مجموعہ ترتیب دے رہی ہیں۔ (ماشاءاللہ)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری سیما ناز کی گزشتہ ہفتے منگنی ہوئی۔(مبارک باد)

☆ شاعرہ فریدہ خانم، لاہور نے ہمیں بتایا ہے کہ ان کے پہلے شعری مجموعے مختلف نے ادبی حلقوں میں بے حد پذیرائی حاصل کی ہے۔(مبارک باد)

☆ معروف فیشن ڈیزائنر یاسمین رشید کے ڈیزائن کیے ہوئے لان کے سوٹ بیرونی ممالک میں بے حد پسند کیے گئے ہیں۔(ماشاءاللہ)

☆ امینہ عندلیب، سلانوالی کی تا حال بے حد طبیعت خراب ہے۔ ان کی کلی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔

☆ ٹی وی کی معروف اینکر اور مصنفہ شازیہ افتخار خان گزشتہ دنوں لاہور سے کراچی آئیں تو ایک اچکا ان کا بیگ لے کر بھاگ گیا۔ جس میں ان کا موبائل اور کرنسی تھی۔(بہت افسوس ہوا.... کاش اسے معلوم ہوتا کہ آپ ہمارے شہر میں مہمان تھیں تو وہ ایسی حرکت نہ کرتا)

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار مہوش مشعل، احمد پور شرقیہ کے تین بھائیوں ناصر، مدثر اور یاسر کی منگنی ہو گئی ہے۔ ان کی بھابیوں کے نام نگینہ، فریحہ اور مہک ہیں۔(بہت مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی قاری سائرہ خان کی رخصتی ہو گئی ہے۔ اب وہ مظفر گڑھ رخصت ہو کر جا چکی ہیں اور سائرہ منور کہلاتی ہیں۔(مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی قاری عارفہ خان کی رخصتی ہو گئی ہے اب وہ کراچی سے رحیم یار خاں رخصت ہو کر جا چکی ہیں اور اب عارفہ عمران کہلاتی ہیں۔(مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری غزالہ صدیقی، سندھ کی منگنی اپنے کزن فرقان سے ہوئی ہے۔(بے حد مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی قاری ساجدہ نسرین ان دنوں بیمار ہیں ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

انتقالِ پُر ملال

☆ اس ماہ ہماری بے حد شفیق رقیہ بجیا کی برسی ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری عائشہ دانش، کراچی کے ماموں جناب عارف علی انتقال کر گئے۔

☆ معروف نعت خواں تابندہ لاری کے شوہر چل بسے۔

☆ معنفہ شمیم فضل خالق کی بہن نرگس اقبال انتقال کر گئیں۔

☆ بھوجا ائرلائن کے حادثے میں شامل تمام شہدا کے لیے دعا کریں۔ اس اندوہناک حادثے میں ہماری شاعرہ فصیحہ آصف خان کی آنٹی زاہدہ عزیز، ان کی نواسی ایمن شامل تھیں۔ ہماری شاعرہ اور تبصرہ نگار ناہید بنت نور کے پڑوسی بھی تھے۔

نوٹ ♦ مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کے ساتھ ساتھ تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

✉ ڈاکٹر ممتاز ضیا، کراچی سے۔ ''ہمیشہ مجھے کچھ کہنا ہے میں تم بہت کچھ کہتی ہو بس خدا کرے بات دل میں اتر جائے، آمین۔ دین کی باتیں اور اسما الحسنیٰ ایمان میں تازگی کا سبب بنتے ہیں۔ عکس اچھے انداز میں آگے بڑھ رہا ہے مگر ابھی بہت سے سوالات ذہن میں ابھر رہے ہیں جن کے حل ہونے کا انتظار ہے۔ عکس اور چڑیا کا بھید تو کھل گیا۔ رفعت سراج کی تحریر اثر انگیز تھی پر میرا دل چاہتا ہے کہ اب اس قسم کی قربانیاں ختم ہو جائیں تو اچھا ہے ویسے بھی بعض دفعہ سگی خالہ سوتیلی ماں بن جاتی ہے اور کبھی سوتیلی ماں سگی ماں کی طرف پیش آتی ہے۔ زندگی ایک دلچسپ موڑ پر آ گئی ہے، حجاب کے ساتھ برا ہوا تو اچھا بھی ہو گیا کہ رخصتی سے پہلے ہی الطاف کی اصلیت کھل گئی۔ گڑیا اچھی لگی نیا سا پلاٹ ہے۔ اے دلِ ناداں پر تبصرہ مکمل ہونے پر۔ جدت تراش میں کفن کف کان کا مسئلہ اپنی ناقص عقل میں تو آیا نہیں ہاں مگر کچھ فیشن ایسے ہیں جن کی نسبت کفن زیادہ اسمارٹ لگتا ہے۔ کانچ سی لڑکی بہت خوب صورت انداز میں اختتام پذیر ہوا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کانچ کے مسیحا بھی ہوتے ہیں۔ اب اگلے ناول کا انتظار ہے۔ رخ چوہدری کی ایک دلچسپ ہلکی پھلکی تحریر کہکشاں خیالوں کی۔ اصل زر، دودھ کا جلا، زندگی پھر گنگنائے اور پھر کوئی خواب، خوشگوار تحریریں تھیں۔ عذرا کی ڈائری کا انتخاب بہت کارآمد اور مفید ہے۔ بہنوں کی محفل شان و شوکت سے سجی ہے۔ انجم واقعی اتنی بھلکڑ تو نہیں ہو بلکہ بھلکڑ ہو ہی نہیں، میرا ابھی خیال ہے کوئی صفحہ ادھر ادھر ہو گیا ہو گا اور یہ پیارے نام چھپ نہ سکے بہر حال ان ناموں کو نہ ہم بھول سکتے ہیں اور نہ تم ویسے شکر ہے میرا نام اس زد میں نہیں آیا کیونکہ میرا تو دل بے حد نازک ہے ٹوٹ جاتا، ہمیشہ خیال رکھنا۔ بہن دلشاد نسیم اور نگہت غفار کے غم میں برابر کی شریک ہوں، اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان دونوں کو صبر عطا فرمائے، آمین۔ اٹکھیلیاں بہت دلچسپ سوپ ہے۔ رضوانہ پرنس کا ڈراما نہ دیکھ سکے معلوم نہ تھا۔ سروری باجی، اینہ عندلیب اور دیگر بیماروں کے لیے دل دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ صحت اور زندگی دے، آمین۔ ذیشان کی دعوتِ حج اور عمیر کا ولیمہ دونوں تقریبات بہت خوشی کا باعث بنیں کہ بہت سے اچھے اور پُرخلوص لوگوں سے ملاقات رہی۔ ثمینہ سرورق پر خوب سجیں۔ رضوانہ تمہارے زندگی برتنے کے انداز بہت قابلِ قدر ہیں۔ ہمیں ایسے ہی زندگی کو فیس کرنا چاہیے۔ ہاں میں تم سے کچھ شیئر کرنا چاہتی ہوں جو میں نے آج تک کسی سے نہیں کیا۔ تمہاری طرح ایک کاش میرے دل میں بھی گڑی ہوئی ہے۔ میرے شوہر ایک ہفتہ P.U.O ایسا بخار جس کا کوئی سبب نہ معلوم ہو سکے میں مبتلا رہ کر خدا کو پیارے ہوئے۔ وفات سے 24 گھنٹے قبل ہم باتیں کر رہے تھے۔ ڈاکٹر راؤنڈ پر آئے اور مجھے باہر جانے کو کہا۔ میرے شوہر نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے جانے سے منع کیا مگر میں ان کو تسلی دے کر باہر چلی گئی دس منٹ بعد میں واپس گئی تو وہ کومے میں تھے اور ٹھیک 24 گھنٹے بعد وفات پا گئے۔ میرے دل میں بھی یہ پھانس ہے کہ کاش میں نے ڈاکٹر کی بات نہ مانی ہوتی اور ان کو چھوڑ کر نہ جاتی مگر شاید کیا یقیناً زندگی اسی کا نام ہے۔ انجم میری چشمِ غم کو تمہارے جلترنگ نے خشک کر دیا کتنا بڑا کریڈٹ ہے تمہارا۔ میرا انتخاب، میں اکثر گنگناتی ہوں، پاکیزہ ڈائری اور دیگر سلسلے بھی اچھے ہیں۔'' (تفصیلی تبصرے کا شکریہ۔ آپ کا خط پڑھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے)

✉ جویریہ سلیم، راولپنڈی سے۔ ''مئی کا پاکیزہ کل ہی خریدا۔ اپنا خط شامل نہ پا کر محکمۂ ڈاک پر غصہ آیا اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی ہوں۔ ابھی صرف دونوں قسط وار ناول عکس اور زندگی ہی پڑھ پائی ہوں چونکہ کچھ اسائنمنٹ تیار کرنے ہیں۔ حاضری لازمی دینی تھی۔ اس لیے یہ سطور لکھ رہی ہوں۔ محترمہ قیصرہ حیات صاحبہ کی کتاب انوار اسما النبی کس

ادارے نے شائع کی ہے، میں اسے ضرور پڑھوں گی۔ (یہ کتاب آپ کو لاہور میں اردو بازار میں بہ آسانی مل جائے گی) پچھلے پاکیزہ کا ذکر میں نے اپنی دوستوں سے کیا جس میں میرا پہلا خط شائع ہوا ہے تب معلوم ہوا کہ ان میں سے کئی تو پہلے ہی پاکیزہ پڑھتی ہیں لیکن اب اس میں دو کا مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ پھپو جانی ہمیں خاص دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔'' (خوش رہو پیاری بھتیجی)

✉ تنزیلہ خان، راولپنڈی سے۔ ''پہلی مرتبہ قلم اٹھا رہی ہوں جس کی وجہ نمرہ احمد کا ناولٹ ابلیس ہے۔ مجھے غلط سمجھے گا مگر اس کہانی کو پڑھ کر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ لگتا ہے محترمہ نے کبھی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ میں خود درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوں۔ نہ صرف اپنی بلکہ کئی یونیورسٹیوں میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ طالبات پروفیسروں کے کمرے میں بیٹھی ہوں اور کمرہ اندر سے لاک ہو۔ میں آپ کو بتاؤں اگر کسی پروفیسر کے متعلق ذرا سی بات بھی پتا چلے تو فوراً انتظامیہ اور ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ایکشن لیتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کیسے ذرا ذرا سی بات پر اساتذہ کھڑے کھڑے فارغ کر دیے جاتے ہیں۔ کبھی اساتذہ کے کمرے اندر سے لاک نہیں کیے جاتے۔ دیگر طلبہ و طالبات، چوکیدار، چپراسی، انتظامیہ، اسٹاف سب اندھے نہیں ہوتے۔ دوسری بات یہ کہ ایک لیکچرار کو پروفیسر بنتے بنتے بیس پچیس سال لگ جاتے ہیں کوئی پروفیسر اتنا جوان نہیں ہوتا لیکچرار سے ایسوسیٹ پروفیسر اور پھر پروفیسر بنتے بنتے عمریں بیت جاتی ہیں۔ یونیورسٹیوں میں ایسا ماحول ہرگز نہیں ہوتا جیسا دکھایا گیا۔ میرا مقصد بے بنیاد تنقید کرنا نہیں ہے لیکن یہ کہانی پڑھ کر رہ نہ سکی شاید آپ میرا خط شائع نہ کریں لیکن یقین کیجیے میرا مقصد صرف یہ باور کرانا ہے کہ تعلیمی درس گاہوں کی عزت و احترام کا خیال رکھا جائے۔ اگر یہ کہانی کسی ایسی لڑکی کی والدہ پڑھ لے جس کی بیٹی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے جا رہی ہو تو آپ بتائیں اس کا کیا ردِعمل ہو گا جبکہ جو حالات و واقعات اس میں بیان کیے گئے وہ سب جھوٹ ہیں۔ دیگر بہنیں بھی مجھ سے اتفاق کریں گی۔ یہاں میں یہ بھی ضرور کہنا چاہوں گی کہ معنفہ نے پاکیزہ کو خاصی کمزور تحریر ارسال کی ہے۔ کوئی بات بری لگی ہو تو بے حد معذرت۔ آپ سے تو کوئی گلہ نہیں ہے۔'' (سب سے پہلے اس محفل میں خوش آمدید۔ آپ کا پورا خط پڑھا۔ آپ کے خط کے نکات سے میں متفق بھی ہوں اور میں خود بھی اساتذہ اور اور تعلیمی اداروں کو قدر اور احترام کی نظر سے دیکھتی ہوں اور اس قسم کا افسانہ شائع کرنے کا میرا یہ قطعی مقصد نہیں تھا کہ کسی استاد کی تذلیل کی جائے۔ پیاری بہن اس افسانے میں معنفہ نے محرم اور نامحرم کے فرق کو واضح کیا ہے۔ استاد بھی انسان ہے وہ بھی بھٹک سکتا ہے۔ ہماری بچیاں بے شک ہر شعبے میں اعلیٰ مقام حاصل کریں۔ بس دینی تعلیمات کا خیال رکھیں تو ہمیشہ فائدے میں رہیں گی۔ آپ بھی تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہیں اس لیے کوشش کریں کہ بچے اور بچیوں کو گاہے بہ گاہے ایسی باتیں بتاتی رہیں کہ شاید ہماری چھوٹی سی کوشش کسی کو بڑے نقصان سے بچا لے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ آپ آئندہ بھی ہمیں لکھتی رہیں گی، شکریہ)

✉ زرین زبیر کوثماری، کراچی سے۔ ''انجم باجی سب سے پہلے میری شکایت پروفیسر عابدہ خان سے...... اتنی دیر غائب مت رہیں۔ ثمرہ بخاری کے مفید ٹوٹکے ہم سب مس کر رہے ہیں۔ سعدیہ ہاشم تم جلدی سے اس محفل میں آجاؤ، تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ رضوانہ پرنس کا انٹرویو بہت اچھا لگا۔ انجم باجی آپ کا جلترنگ ہم ہر ماہ شوق سے پڑھتے ہیں مگر جب اے پلس پر آپ کا ڈراما اٹکھیلیاں دیکھ رہے ہیں تو نہ صرف مجھے بلکہ میرے بچوں کو بھی اس میں جلترنگ کا مزہ آ رہا ہے۔ عذرا باجی کو بتا دیں...... ان کی ڈائری سے ہم بھی مستفید ہو رہے ہیں۔'' (شکریہ)

✉ ناہید بنت نور، واہ کینٹ ورکس۔ ''مئی کا شمارہ بھی بہترین رہا۔ افسانے، ناول، ناولٹ کس کس کی تعریف کروں۔ پلیز نئی معنفات کے افسانے کم لگائیں پڑھ کر مزہ نہیں آتا۔ کانچ سی لڑکی تو بے حد پسند آیا۔ اب آپ کا نیا ناول کب آ رہا ہے۔'' (پہلے میرے پاس افسانوں کا جو انبار جمع ہو گیا ہے اسے تو لگا دوں کہ ہر رائٹر کو یہی شکایت ہے کہ میرا افسانہ نہیں لگتا۔ تو بھئی کس کس کے افسانے شائع ہو رہے ہیں۔ ہمارے ہاں مرد حضرات کی تحریریں شائع نہیں کی جاتیں)

عظمیٰ آفاق سعید، کراچی سے۔ ”سب سے پہلے میں عذرا آنٹی کا شکریہ ادا کروں گی کہ انہوں نے اپنی پوٹلی سے خوب صورت بننے کے بہترین نسخے بتائے...... جو اتنے اچھے لگے ہیں کہ پلان بنایا ہے کہ اُن پر عمل کروں گی اور لگانے سے پہلے ہی اپنے آپ کو خوب صورت سمجھنے لگی ہوں۔ یہ ہے لکھنے والوں کا کمال کہ ہر چیز کا انجام پہلے ہی نظر آنے لگتا ہے۔ ہنستی مسکراتی رضوانہ پرنس نے تو مجھے رُلا دیا...... جہاں انہوں نے بابا کا ذکر کیا ہے، میری آنکھوں سے آنسو بہے رہے ہیں اور جب پرنس کے الوداعی جملے پڑھے تو یقیناً سب قارئین کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئی ہوں گی۔ پاکیزہ کے سارے ناول بہترین جا رہے ہیں مگر مجھے شیریں حیدر کے ناول کی آخری قسط کی تعریف بھی کرنی ہے کہ انہوں نے واقعی دریا کو کوزے میں بند کر دیا، ویل ڈن...... پروفیسر عابدہ خان کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ آپ کی باتوں سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ انٹرویوز کی کمی محسوس ہو رہی ہے اس کا مطلب ہے مجھے ہی کچھ ہلنا پڑے گا۔ سرورق کافی عرصے سے اے ون جا رہے ہیں۔ پاکیزہ ڈائری کے لیے بہنیں اپنے مراسلات محنت سے تیار کر کے بھیجیں۔“ (رائے پہنچائی جلد ہی ہے)

نگینہ ضیا بخش، کراچی سے۔ ”مئی کا پاکیزہ بہت پسند آیا۔ کانچ سی لڑکی نے میرے دماغ کو بے قابو کر رکھا تھا۔ آخری قسط آپ نے بے حد عمدگی سے ختم کی ہے۔ اس سے یقیناً بہت سے لوگ سبق سیکھیں گے۔ عمیرہ احمد اور ناہید سلطانہ اختر آپ کے لیے پھولوں کا ایک ٹوکرا حاضر ہے قبول کریں۔“ (پیاری نگینہ صرف ایک ٹوکرا...... آئندہ ایسی کنجوسی مت کرنا)

ثریا پروین، کراچی سے۔ ”باجی میں نے آپ کی بہت سی کتابیں پڑھیں ہیں ماشاء اللہ سب ایک سے ایک ہیں مگر ناول چاندنی کی کیا بات تھی۔ آج تک اس کی کہانی ذہن میں موجود ہے۔ آپ کا ناول جو پاکیزہ میں شائع ہوا تھا، اچھا لگتا ہے اس میں حیدر آباد دکن کا کردار بہت شاندار تھا۔ پورا ناول ہی کمال کا لکھا تھا۔“ (ثریا بہن میرے ناول چاندنی کا سوپ تیار ہو چکا ہے۔ آپ بہت جلد کسی ٹی وی چینل پر دیکھیں گی جسے ڈرامائی طور پر بھی میں نے ہی لکھا ہے۔ چند خوب صورت تبدیلیوں کے ساتھ۔ انشاء اللہ)

☒ فرحانہ ناز ملک، ڈیرا غازی خان۔ میرا خیال سو فی صد درست تھا کہ میرے لکھے ہوئے صفحات کہیں اِدھر اُدھر ہو گئے۔ دو صفحات افسانوں کی فائل میں کس طرح چلے گئے مجھے خود بھی نہیں پتا چلا اور میری گڑیا...... اس میں تمہارا نام بھی شامل ہے۔ تم مجھے بے حد عزیز ہو اور تمہارے افسانے بھی لگتے رہیں گے، بس ایک مشورہ ہے کہ بے جا طوالت سے احتراز کیا کرو۔

☒ تحسین اختر، فیصل آباد۔ دلہن نمبر عید کے بعد والا شمارہ ہوگا۔ اس کے لیے نت نئی شادیوں کی رسمیں، شادی کی تصویریں کے ساتھ انٹرویوز، شادی کے احوال سب کچھ چاہئیں۔ ہاں پنجاب کی شادیوں میں وہاں کے مختلف علاقوں میں جو دلچسپ رسمیں مزے مزے کے گیت اور مذاق ہوا کرتے ہیں وہ آپ جلد از جلد مجھے ارسال کر دیں۔ اور میں یہ بات اپنی تمام بہنوں سے بھی کہہ رہی ہوں۔

☒ شمائلہ سہیل جاوید، کراچی۔ گڑیا اپنے تمام مرسلات اور نظمیں بروقت ارسال کیا کرو تا کہ وہ وقت پر جگہ پا سکیں۔

☒ سمیرا فارق، کراچی سے۔ ”باجی مئی کا شمارہ پسند آیا۔ رضوانہ پرنس کا انٹرویو پڑھ کر اچھا لگا۔ ناہید سلطانہ اختر کا ناول اچھا لگ رہا ہے۔ کانچ سی لڑکی کا اختتام بھی شاندار رہا۔ مجھے عظمیٰ کی تحریریں بہت اچھی لگتی ہیں۔ ان سے کہیے کہ وہ آتی رہا کریں۔“ (بہت بہتر)

فریدہ فری، لاہور سے۔ ”مئی کا پاکیزہ ملا جو کہ سالگرہ نمبر تھا سب سے پہلے کانچ سی لڑکی پڑھی مزہ آ گیا ہم یہ کتابی شکل میں ضرور خریدیں گے۔ اس کے بعد جلترنگ واہ کیا بات ہے۔ ہم جیسے بیماروں کے چہرے پر بھی خوشیوں کے پھول کھل اٹھتے ہیں۔ ناول، ناولٹ اور افسانے سب ہی بہت اچھے تھے، ناولٹ دودھ کا جلا، اصل زر، اسیرانِ قفس بہت

ہی اچھی تحریریں تھیں۔ کہکشاں خیالوں کی رخ چوہدری نے مزیدار افسانہ لکھا وہ اپنی سوڈانی بہو سے ڈرتی رہیں جو آخر میں کچ پچ پری نکلی، اے دلِ ناداں مکمل ناول بھی بے حد دلچسپ تھا۔ سندیسے سوسو تھے۔ روحانی مشورے بہت مفید ہوتے ہیں۔“ (شکریہ)

جبیں ہاشمی، بھیرہ سے۔ ”مئی کے شمارے کی ماڈل بھی اپنی مثال آپ ہے سالگرہ نمبر ایک میں بہت رش تھا۔ بہت سے لوگ تھے اور انجم آپی آپ کی دعاؤں کے تحفے...... ایک پھولوں کا گلدستہ اور دعاؤں سے بھری ٹوکری آپی جی آپ نے مجھے بھی دی جس کا میں تہ دل سے شکریہ ادا کر رہی ہوں۔ مجھ ناچیز کے لیے آپ کی دعاؤں کا گلدستہ کسی تمغے سے کم نہیں۔ یہ پھول، یہ دعائیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ آپ ہم سے اتنا پیار کرتی ہیں میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ رضوانہ پرنس کا فسانہ نہیں حقیقت بالکل حقیقت پر مبنی تحریر اچھی لگی۔ خدا ان کو ہر خوشی سے نوازے، آمین۔ ڈائری سے انتخاب عذرا رسول کے ٹوٹکے ہماری ڈائری میں منتقل ہو رہے ہیں کیونکہ یہ ٹوٹکے سب اے ون ہیں۔ سلسلے وار ناول عکس کی جتنی تعریف کریں کم ہے۔ ویل ڈن عمیرہ احمد جیتی رہو اور لکھتی رہو ہماری دعا ہے۔ میمونہ خورشید کا مکمل ناول اے دلِ ناداں اب دیکھنا یہ ہے کہ افق کتنا ساتھ دیتی ہے اپنی سا سوجی کا؟ افسانے سب ہی اچھے تھے۔ خواب سفر میں رہے۔ گڑیا زیادہ پسند آیا۔ ناولٹ میں دودھ کا جلا زبردست تحریر ہے۔ ہر رائٹر کی تحریر ناول ہو یا افسانہ تعریف کے قابل ہیں۔ مجھے کچھ کہنا ہے، جس کی مدیرہ انجم آپی ہوں۔ انہوں نے جب بھی کچھ کہا ہم ہمہ تن گوش رہے۔ سلسلے وار ناول کانچ سی لڑکی کا اینڈ ہو چکا۔ آپ کی تحریر نے موجودہ دور کے ایک بہت بڑے مسئلے سے آگاہ کیا ہے۔ آج کا دور فتنے کا دور ہے۔ جس کی پیش گوئی آپ نے کانچ سی لڑکی کے ذریعے کر دی ہے۔ آپ کی ہر تحریر سبق آموز ہوتی ہے۔ آپی جی آپ کی تحریر قارئین کے لیے اچھا تحفہ تھی۔ امید ہے کہ آپ جلد ایک اور ناول لے کر آئیں گی۔ ہم اس ناول کا انتظار کریں گے۔“ (نوازش)

فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ”سرورق پاکیزگی اور نفاست لیے ہوئے تھا۔ پُروقار سا، پسند آیا سالگرہ نمبر دو پر بج گیا۔ عزم و حوصلہ و جواں مردی پر آپ کی پُراثر باتیں باہمت بنا گئیں۔ میرے خیالات بھی کم و بیش آپ جیسے ہیں۔ جو ہارنے کا تصور کر لیتا ہے وہ ہار ہی جاتا ہے۔ دینی معلومات ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ قیصرہ حیات کا حرف حرف حب رسولؐ میں ڈوبا محسوس ہوتا ہے۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے، آمین۔ عکس کی موجودہ قسط بے حد لاجواب و بے مثال رہی۔ اپنی زندگی کا سب سے بڑا خواب پورا ہونے پر اس کی خوشی دیدنی رہی مگر اس خواب میں موجود تلخ حقیقت کانٹے کی طرح چبھتی رہی۔ عمیرہ احمد نے بہت جانفشانی سے لکھی۔ رفعت سراج، میری پسندیدہ لکھاری ہیں۔ ان کا نام ہی کافی رہتا ہے۔ خواب سفر میں رہے، بہت اعلیٰ پائے کی تخلیق لگی۔ گو موضوع پرانا اور اختتام واضح رہا مگر اِک گداز اور محرومی کا احساس حاوی رہا۔ زندگی، ناہید سلطانہ اختر کی سابقہ تحاریر کی طرح چاشنی سے بھرپور رہی۔ بیٹیوں کے نصیب بھی نرالے ہوتے ہیں۔ تعلیم تربیت کچھ بھی کر لیں...... پر مقدر سے نہیں لڑا اور جیتا جا سکتا۔ حجاب کے ساتھ جو ہوا اور جو ہوگا اس پر دل ابھی سے دکھی ہے...... گڑیا اِک معصوم دل کی بپتا، ہر کوئی اپنے اندر جھانکنے کا فن جانتا ہے۔ میمونہ خورشید ایک بار پھر رشتوں کی بھرمار اور تانوں بانوں سے الجھی ہوئی ہیں۔ کانچ سی لڑکی بہرحال جیت گئی۔ چاند کا تھو کا منہ پر کے مصداق تحریر رہی۔ خدا ظالموں کی رسی دراز تو کرتا ہے پر ایک دن کٹ ضرور جاتی ہے۔ اب آپ جلد ہی کوئی دوسری مزیدار تحریر لائیں بنا ناغہ کیے۔ کہکشاں خیالوں کی، اسیرانِ قفس اصل زر، بہت کارآمد تحاریر رہیں۔ نگہت سیما کی تحریر دودھ کا جلا اس ماہ کی نمبر ون تحریر کہیں تو غلط نہ ہوگا جو ماؤں اور بیٹیوں دونوں کے لیے تربیت کی راہ ہموار کر گئی۔ پھر کوئی خواب بنو کا اختتام بھی پسند آیا۔ واؤ...... بہنوں کی محفل سے پتا چلا کہ آپ کا ڈراما آ رہا ہے۔ مگر ہائے ظالم لوڈ شیڈنگ...... جن بہنوں کے دکھ نظر آئے خدا کرے وہ دور ہوں۔ جو خوش ہیں، اُن کی خوشیاں پائیدار بن جائیں۔ فریدہ فری کو کتاب کی اشاعت کی مبارک باد قبول ہو۔ فسانہ نہیں حقیقت، رضوانہ پرنس نے بے حد رُلایا...... میں تو ویسے بھی بہت حساس ہوں۔ ان کے دکھوں سے پُر جملوں پر بے ساختہ رو پڑی۔ رضوانہ نے جس ہمت و استقامت سے خود کو سمیٹا، ان کو داد دوں گی کہ انہوں نے کس طرح اپنی بکھری

ذات کو سمیٹا۔ باقی تمام سلسلے بھی اپنی جگہ بے مثال رہے۔ باجی سندیسے ختم کرکے بزمِ پاکیزہ کا سلسلہ دوبارہ شروع کریں۔“ (اگر دیگر بہنوں کی بھی یہی رائے ہے تو بتا دیں، ہمیں تو بھئی آپ کے مشوروں کے سہارے ہی چلنا ہے)

☜ شاہدہ قاضی، رسالپور سے۔ ”عظمٰی آفاق سعید نے جس محبت سے اپنے بھائی کے ولیمے کا احوال لکھا بہت خوشی ہوئی پڑھ کر...... اللہ ان کی عمر دراز کرے اور آباد رکھے۔ اس کے بعد عذرا رسول صاحبہ کو بیٹے کی ڈگری اور حج دونوں مبارک ہوں۔ اللہ انہیں بھی خوشیاں نصیب کرے اور معراج بھائی کو زندگی اور صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ اب پاکیزہ کی طرف۔ بہنوں کی محفل میرا پسندیدہ صفحہ ہے کیونکہ اس میں ہر بہن اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ مجھے ضیا ممتاز صاحبہ کا تبصرہ اچھا لگتا ہے۔ بہنوں کی محفل میں آپ نے جس عزت اور محبت سے تمام قاری بہنوں، تبصرہ نگار اور رائٹرز بہنوں کو عقیدت پیش کی ہے، دل باغ باغ ہو گیا اور اپنا نام دیکھ کر تو دل سے دعائیں نکلیں۔ نئی بات جو پسند آئی وہ ہر ناول یا ناولٹ کا نام صفحے پر لکھا دیکھا۔ اس سے یہ بھی آسانی ہوئی فہرست دیکھے بغیر بھی نام کا پتا چل جاتا ہے۔ کانچ سی لڑکی بہترین ناولٹ ہے۔ ہر کردار اپنی جگہ فٹ اب آخری قسط کا انتظار ہے۔ شیریں حیدر نے ناول کو آخر میں سمیٹ کر ختم کر دیا۔ نمرہ احمد کا ابلیس پسند آیا۔ ایک بدکردار انسان جو تدریس جیسے مقدس پیشے کو پامال کر رہا تھا۔ ایسے بھیڑیے ہمارے اردگرد بہت سے موجود ہیں۔ جلترنگ ہمیشہ کی طرح خوب صورتی لیے ہوئے پایا۔ پاکیزہ کے لیے دعا ہے کہ...... دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے اور آپ ہمیں اچھی اچھی باتیں سکھاتی رہے۔ آپ بمع عذرا باجی کے اس رسالے کے لیے ستون کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اللہ آپ کو ہمیشہ صحت مند رکھے اور زندگی کی ہر آفت اور مصیبت سے بچائے، آمین۔“ (آپ کی دعاؤں کے لیے احسان مند رہوں گی)

☜ تسنیم منیر علوی، دبئی سے۔ ”ہر دفعہ آپ کی پیش کردہ فہرست میں ناچیز پُرتقصیر کا نام ہونا میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں۔ مان گئے ماشاء اللہ اس کمال یادداشت کو بے حساب و بے شمار سلام...... آپ پر وہ مثل صادق آتی ہے کہ باتوں سے خوشبو آئے اور قلم چلے تو جلترنگ بج اٹھیں...... شادی اور ولیمے کی مبارک باد تو میں فون پر دے چکی ہوں۔ ماشاءاللہ ... تصویریں بھی اور آنکھوں دیکھا حال بھی زبردست رہا۔ تصویریں البتہ زیادہ واضح نہیں آئیں۔ (ہاں اندر کی تصاویر پر رنگ پھیل گئے تھے) افسانوں میں اقبال بانو نے پہلا قدم اٹھالیا ہے تو سب کو اسی نقشِ قدم پر چلنا چاہیے۔ واقعی لڑکوں کو یہ کہنا چاہیے کہ میں ایسے دستور کو نہیں مانتا...... عطیہ عمر کی کہانی آئینوں کی بستی ایک سبق آموز کہانی تھی۔ سکینہ فرخ بات تو سمجھ کی ہے مزاح کا رنگ لیے ایک دلچسپ افسانہ تھا۔ میں خود ایسی صفائی فوبیا خواتین سے واقف ہوں...... نمرہ احمد نے ابلیس لکھ کر دل کے تاروں کو چھیڑ دیا۔ بقول شاعر تیرے سادہ لوح بندے کدھر جائیں کہ درویشی بھی عیاری فقیری بھی عیاری (شعر کا مفہوم) اب تو اس ابلیس زدہ دنیا میں محرم اور نامحرم کسی کو بھی شک کا فائدہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ نوشین نے میڈیا پر اچھا وار کیا۔ آج کل واقعی صورتِ حال ایسی ہی ہے۔ ناول سب بہت اچھے ہیں۔ عمیرہ احمد کا عکس بہت گہرا اور دل پذیر ہے۔ ویسے بھی ایک بات شیئر کرتی ہوں۔ آج کل ٹی وی پر ڈراموں میں رشتوں کے تقدس کا جس طرح مذاق اڑایا جا رہا ہے، اس پر ہم سب کو سوچنا چاہیے۔ مائیں ہاتھ میں تسبیح لیے سازشوں میں مصروف...... شادی شدہ خواتین کہیں اور انوالو...... عجیب طوفانِ بدتمیزی مچی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟“ (ایسی بات نہیں ہے۔ ہماری بزرگ خواتین بھی اب بزرگی اپنانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور بہت ساری خواتین کی عمر 35 کے بعد رک جاتی ہے۔ اسی لیے ٹی وی پر بھی وہی نظر آ رہا ہے۔ جو ہو رہا ہے)

☜ صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ سے۔ ”اس ماہ میرے دیور فہد پرویز کی شادی، میری کزن مومنہ اشفاق کے ساتھ ہے اس سلسلے میں تھوڑی سی مصروفیات ہیں۔ آپ نے دعاؤں کے گلدستے جو ہمارے نام بھیجے ہیں انہوں نے ہمارا سیروں خون بڑھا دیا ہے۔ یقین جانیں دعاؤں کے گلدستے میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ کو اپنے بیٹے عمیر کی شادی بہت بہت مبارک ہو۔ شادی کا احوال عظمٰی کی زبانی پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ خصوصاً شاہی بگھی میں بیٹھنے کی روداد بہت دلچسپ

لگی۔ نمرہ احمد نے بہت اچھے موضوع پر لکھا۔ لڑکیاں بالکل کانچ سی ہوتی ہیں اور جب دہلیز سے باہر قدم رکھتی ہیں تو قدم قدم پر ابلیس رونما ہوتے ہیں۔ پردے کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے جب انسان کالج لائف میں ہوتا ہے تو ایک ٹھہراؤ اور وقار آجاتا ہے۔ ایک مقناطیسی کشش ہوتی ہے اور اکثر اسٹوڈنٹس اور شاگرد کے خوب صورت رشتے میں ابلیس آجاتا ہے۔ اللہ سب کو اپنی امان میں رکھے اور اس کے شر سے بچائے رکھے، آمین۔ برائی میں زیادہ کشش ہوتی ہے اس لیے انسان دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ کانچ سی لڑکی اچھا جا رہا ہے سچائی سے قریب تر ہے آج کل واقعی ایسا ہو رہا ہے۔ خبیث لوگ کسی بھی لڑکی کی پکچر لے کر اس کے ساتھ بکواس ٹیپ کر کے یوٹیوب پر چلا رہے ہیں۔ اللہ سب کو ہدایت دے۔“ (بے شک)

☜ یاسمین کنول، پسرور سے۔ ”سرورق کی لڑکی بڑی پُرکشش ہے۔ پیاری سی مسکراہٹ کے ساتھ اور بھی بھلی لگ رہی ہے۔ سب سے پہلے تو بہنوں کی محفل میں مجھ خاکسار کو یاد رکھنے کا شکریہ، میں کافی دیر سے پاکیزہ سے دور ہوں مگر آپ نے مجھے میرا نام لے کر بہت قریب کر دیا ہے۔ شکریہ آپ کا اور پاکیزہ کا...... عذرا رسول صاحبہ کی ڈائری بھی معلومات کی پٹاری ہے بہت اچھا کیا آپ نے اپنی ڈائری پاکیزہ سے شیئر کر لی۔ بہت سوں کا بھلا ہوگا۔ کانچ سی لڑکی کا پانچواں حصہ اچھا لگا۔ پھر کوئی خواب بنو، عذرا بیگ کا خوب صورت مکمل ناول قابلِ ستائش تحریر رہی۔ شیریں حیدر کے ناول شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں کی آخری قسط زبردست رہی۔ ناہید سلطانہ اختر کی زندگی بھی بہتر جا رہی ہے۔ عمیرہ احمد کے عکس کی تعریف نہ کرنا بے ادبی ہوگی۔ پاکیزہ ماشاءاللہ چالیس سال کا ہو گیا۔ باشعور اور پختہ مزاج پاکیزہ کی پاکیزگی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ شعور اور آگہی پاکیزگی جس کا حصول ہم سب کے لیے ضروری ہے۔ عظمٰی آفاق سعید نے شادی میرے شہزادے کی بڑی اچھی بولتی تحریر لکھی بڑا مزہ آیا۔“ (شکریہ)

☜ مسز فرح امجد، لاہور سے۔ ”میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے بھی اپنے دل کے قریب سمجھا اور میں پاکیزہ اور پاکیزہ کی پوری ٹیم کو مبارک باد دیتی ہوں کہ جن کی کاوشوں کی وجہ سے پاکیزہ چالیس کی دہائی میں شامل ہو گیا ہے خداوند تعالیٰ اسی طرح پاکیزہ کو ترقی اور کامیابیاں عطا کرے (آمین) میں اپنی رائٹرز کو بھی مبارک باد دیتی ہوں کہ جن کی محنت اس کے حسن کو چار چاند لگا دیتی ہے۔ سلسلے وار ناول عکس زندگی بہت خوب صورتی سے رواں دواں ہیں میری طرف سے رائٹرز کو ویل ڈن اور اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ اور انجم آپی آپ کا ناولٹ کانچ سی لڑکی ایک بہترین تحریر ہے اور ہمارے معاشرے کی خوب عکاسی کی ہے۔ بہت مبارک باد اور پورا پاکیزہ میری جان ہے۔“ (اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور ہم سب کو آپ اپنے تبصرے سے خوش کرتی رہیں)

☜ ثمینہ عرفان، کراچی سے۔ ”نئے سال کے پہلے شمارے میں ہماری شاعری نہ سہی خط تو ضرور شائع ہوگا لیکن ایسا نہ ہوا تو دل کچھ ڈوب سا گیا لیکن جب تک ہم نے اپنے ڈوبتے دل کو سنبھالا۔ کچھ گھریلو مصروفیات میں فروری، مارچ کا مہینہ گزر گیا اور پھر فروری، مارچ کے شمارے کہیں نہیں ملے۔ جب اپریل کا شمارہ لینے گئے تو ایسے ہی دکاندار سے پرانے رسالوں کے لیے پوچھ لیا تو اس کو کہتے ہیں دل سے دل کو راہ ہوتا۔ ملا بھی تو فروری کا شمارہ جس میں ہمارے خط کا جواب بہت خوشی ہوئی۔ ہم فوراً آپ کو شکریہ کا خط لکھنے بیٹھ گئے۔ حالانکہ ہماری آنکھوں میں گرمی کی وجہ سے الرجی ہوئی ہے لیکن آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا خط کا بھی۔ لفظ توفگی کے معنی بتانے کا بھی۔ مئی کا مہینہ مزدوروں کے دن اور ماؤں کے دن کے حوالے سے اہم ہے۔ ہماری ماں کو پاپا کے پاس جانے کی بہت جلدی تھی۔ دونوں اکیس دن کے اندر ایک دوسرے کے پاس چلے گئے۔ اللہ ان کی مغفرت کرے، آمین۔“ (پیاری گڑیا آپ باقاعدگی سے اپنے تبصرے بھیجیے۔ آپ کے والدین کی مغفرت کے لیے ہمارے قارئین ضرور دعا کریں گے)

☜ شاہین، نیویارک سے۔ ”مطالعے کا شوق بہت پرانا ہے۔ سسپنس اور پاکیزہ سب میرے مطالعے میں رہتے ہیں، اس کے علاوہ جو اچھی کتاب مل جائے۔ کچھ لکھنا چاہتی ہوں لیکن جھجک کی وجہ سے لکھ نہیں پاتی۔ مجھے تھوڑی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے شاید کہ میں کچھ کر پاؤں۔ خط بھی پہلی دفعہ ہی لکھ رہی ہوں۔“ (اس محفل میں خوش آمدید۔ ہم

مجھ سے ملیے

میرا نام شگفتہ ناز ملک ہے، علی پور کی باسی ہوں پہلے تھوڑا سا اپنے علاقے کا بتادوں۔ میرا شہر علی پور ضلع مظفر گڑھ کی تحصیل ہے اور صوبہ پنجاب کی آخری تحصیل بھی۔ میرا گاؤں شہر سے پانچ منٹ کی ڈرائیو پر ہے اور بہت خوب صورت علاقہ ہے۔ میرے گاؤں کا نام بنی آرائیں ہے اور اس بستی کی برانچ سمجھ لیں عالم شاہ والا ہے۔ یہ انتہائی پُرسکون جگہ ہے صاف ستھرا علاقہ ہے۔ ہرے بھرے باغ ہیں حتیٰ کہ یہاں کے تمام مکانات بھی خوب صورت ہیں بہت چھوٹا سا علاقہ ہے لیکن یہاں ایک اسپتال بھی ہے اور لڑکے، لڑکیوں کے اسکول بھی ہیں لوگ پڑھے لکھے سلجھے ہوئے ہیں۔ یہاں کے مشہور پھل آم اور انار ہیں۔ یہ تو تھا میرا علاقہ اب اپنے بارے میں بتاؤں کہ میں ہاؤس وائف ہوں اور ماشاء اللہ دو بہت پیارے بیٹے ہیں محمد ارباب اور محمد مصطفیٰ۔ میاں صاحب انجینئر ہیں۔ میری تمام فیملی بہت پڑھی لکھی ہے۔ ہمارے علاقے میں لڑکوں کو پڑھانے کا رواج تھا لڑکیوں کو نہیں مگر میرے ابو نے یہ روایت تبدیل کی میرے علاوہ تمام بہنیں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ دوست کبھی زندگی میں بنا نہیں پائی اس لیے کہ میری بہنیں ہی میری دوست ہیں۔ نایاب، چندا، ریحانہ۔ میری شدید خواہش ہے کہ میرے بیٹے حافظ بنیں اور آپ سب بہنیں دعا کریں کہ اللہ پاک تمام خواہشوں کی طرح یہ خواہش بھی پوری کردیں۔ حافظ قرآن بننا اب صرف میری ہی نہیں میرے دونوں بیٹوں کی بھی خواہش ہے۔ پاکیزہ سے بہت کچھ سیکھا یہ صرف ڈائجسٹ ہی نہیں میرا ساتھی بھی ہے اسی کی بدولت ماہا بخاری جیسی دوست ملی۔ آخر میں بس اتنا کہنا چاہوں گی کہ خاموشی ہر مسئلے کا علاج ہے۔ بہت زیادہ اور بے وقت بولنا کبھی کبھی بہت بڑے مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔ سو بہتر ہے کہ اچھی بات کی جائے یا خاموش رہا جائے۔

ڈائجسٹ میں پڑھنا میں نے میٹرک کے ایگزامز کے بعد شروع کیا تھا۔ بس وہ دن اور آج کا دن ہم دونوں کا ساتھ ہے۔ عمیرہ احمد کا نام ذہن میں آتے ہی بے مثالی کا تصور ذہن میں آتا ہے جنہیں ہم ون اینڈ اونلی بھی کہہ سکتے ہیں۔ تصوف پر ان کی تحریریں ہوں تو بے مثال سیاست پر ہوں تو لاجواب غرضیکہ کوئی ایسا موضوع نہیں جس پر وہ لکھیں اور لکھنے کا حق ادا نہ کرسکیں۔ عمیرہ جی نے اپنے ہر کردار کو امر کردیا ہے ان کی تحریر پر جب بھی بات کی جائے تو تنقید کا پہلو نہیں ملتا۔ ان کردار اور حالات پر ایسی گرفت ہوتی ہے کہ قاری ایک سحر میں رہتا ہے۔ عمیرہ کی تحریر کی یہ خوبی ہے کہ ان کو پڑھتے ہوئے قاری اسی ماحول میں خود کو محسوس کرتا ہے۔ عمیرہ جی کی تحریر کو پڑھتے ہوئے ہر دفعہ ہی یہ احساس ہوا کہ اس ٹاپک پر اس سے زیادہ اچھا اور لکھا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ عمیرہ جی کی یہ خوبی کہ وہ جس موضوع پر لکھتی ہیں اس پر ان کی معلومات غضب کی ہوتی ہیں۔



وہ کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑتی ہیں اور قاری کی نبض پر ان کا ہاتھ ہوتا ہے۔ انجم انصار کے بارے میں لکھنا تو سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے۔ ان کا طنز و مزاح پڑھ کر مزہ آتا ہے تو ناول کی خوب صورتی اور اسلوبِ بیان الگ متاثر کرتا ہے۔ پاکیزہ میں شائع ہونے والے جلترنگ تو جب بھی اٹھا کر پڑھ لیں ہر دفعہ نیا مزہ دیتے ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی بات کو بھی اتنے لطیف پیرائے میں بیان کرتی ہیں کہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ جاتی ہیں۔ ان کے اکثر کردار ہمارے اردگرد چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی کہانیاں ماورائی دنیا کی نہیں بلکہ ہمارے ہی اردگرد کی کہانیاں ہوتی ہیں اور یہی اُن کی تحریر کی بہت بڑی خوبی ہے۔ فائزہ افتخار جی کا تو نام ہی کافی ہے، اُف ان کی تحریریں اور ان کا مزہ سنجیدہ تحریروں کی نسبت مزاح لکھنا بہت مشکل کام ہے اور مزاح بھی ایسا کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں مزاح اور پھکڑ پن میں بہت فرق ہے اور فائزہ جیسا ستھرا مزاح تو سبحان اللہ۔ منظر کشی ان کی اتنی غضب کی ہوتی ہے کہ لفظوں سے تصویری بنتی جاتی ہے اور پڑھنے والا اپنے آپ کو اس ماحول کا حصہ محسوس کرتا ہے۔ واقعی فائزہ جی آپ سے تو جیتنا مشکل ہی نہیں شاید ناممکن ہے۔

شگفتہ ناز ملک

آپ کی حوصلہ افزائی ضرور کریں گے)

☆ اصفا فیصل، کراچی سے۔ ''مئی کا پاکیزہ شان دار تھا۔ عکس پڑھتے ہوئے کئی دفعہ لگا کہ دو مختلف کرداروں کی کہانی چل رہی ہے مگر ہر بار نفی ہو جاتی کیونکہ شیر دل اور اس کے انکل کا تذکرہ ایک ہی پیرائے میں چلتا جیسے وہ ایک ہی کردار ہوں۔ بہرحال عکس نے اپنی توجہ سسپنس پر مرکوز رکھی ہے اور یہی اس کہانی کی سب سے اسپیشل بات ہے۔ خواب سفر میں رہے، رفعت سراج جی کا افسانہ پڑھ کر اچھا لگا بہت دنوں کے بعد ان کا وہی مخصوص لہجہ دل کو بھا گیا۔ رفعت سراج جی سے میں 2008ء میں ملی تھی۔ زندگی، ناہید سلطانہ اختر کا بہت زبردست جارہا ہے۔ اندازِ بیاں بہت جامع اور مفصل ہے، اے دلِ ناداں میں باقی آئندہ دیکھ کر دل مسوس کر رہ گیا۔ جدت تراش بھی ٹھیک تھا، کانچ سی لڑکی میں سرفراز صاحب کی زیادتی کی سزا ان کے بیٹے کو بھگتنی پڑی۔ افسوس ہوا مگر کہانی کو بہ خوبی اپنے انجام تک پہنچانے کے لیے آپ مبارک باد کی مستحق ہیں۔ سعدیہ رئیس نے اسیرانِ قفس سے بھرپور انصاف کیا، زبردست! اصل زر بھی اچھی تھی۔ دودھ کا جلا نگہت سیما، موضوع اگرچہ پرانا تھا مگر اسے ایک نیا رنگ دے کر انتہائی قابلِ اصلاح کیا لوگوں کے لیے بہت زبردست تحفہ تھا، ویلڈن سیما جی بہت مزہ آیا۔ ریما علی سید نے بھی اچھا لکھا۔ پھر کوئی خواب بنو اچھا تھا مگر اس میں جذبات کی حد درجہ ترجمانی تھی اور واقعات کم تھے۔'' (شکریہ)

☆ رفعت مبین رفی، کراچی سے۔ ''کانچ سی لڑکی کا اختتام بہت پسند آیا۔ اس سے بہتر اختتام نہیں ہوسکتا تھا۔ اسے پڑھ کر بہت سارے لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ سمجھنے والوں کے لیے بہت سبق آموز ہے کیونکہ آج کل آپس میں حسد، جلن اس قدر بڑھ گئی ہے کہ لوگ کچھ بھی کر گزرنے سے باز نہیں آتے ہیں۔ فسانہ نہیں حقیقت ہے پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا۔ رضوانہ پرنس کو اللہ تعالیٰ اور ہمت و حوصلہ عطا فرمائے اور انہیں اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے، آمین۔ اور رہی دنیا تو دنیا کی مت سوچیں دنیا کا تو کام ہی ہے بولنا، یہ دنیا کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتی ہے۔ عکس کا ہر ماہ بے چینی سے انتظار رہتا ہے جیتی رہو عمیرہ سدا خوش رہو۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ خواب سفر میں رہے، زندگی،

اصل زر، غرض کے ہر افسانہ ہر ناولٹ بہترین بلکہ یہ کہ پاکیزہ کے دونوں سالگرہ نمبر بہت لاجواب تھے۔ رخ چوہدری، میمونہ، نگہت، ناہید سلطانہ، رفعت سراج، انجم انصار، رضوانہ پرنس، عظمیٰ آفاق اور پاکیزہ کی ساری ٹیم کو میرا اسلام اور مبارک باد۔'' (نوازش)

✉ نور افشاں شیخ، شکار پور سے۔ ''باجی آپ کو اتنا پیارا ناول کانچ سی لڑکی لکھنے پر بے حد مبارک باد۔ آپ پلیز اپنا کوئی بھی ایک ناول پی ٹی وی چینل پر بنوائیں، پلیز باجی۔ اپریل، مئی میں مجھے کچھ کہنا ہے سے لے کر آخر تک سب سلسلے بہت پسند آئے، پلیز باجی روحانی مشوروں کے صفحات بڑھائیں۔ ناولز میں عکس اور زندگی ٹاپ پر جا رہے ہیں۔ عکس میں مجھے چڑیا اور اس کے نانا کی باتیں پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے، پلیز عمیرہ احمد کی تصویر دکھائیں باجی۔ میمونہ خورشید کے ناول کی پہلی قسط بھی بہت اچھی لگی۔ باجی عذرا رسول کی ڈائری سے انتخاب والی باتیں بہت فائدے والی لگیں کچھ میں نے اپنی امی کو بھی بتائیں کچھ ٹپس خود پر اپلائی کروں گی۔ نمرہ احمد کی تحریر ابلیس بھی بہت حقیقت کے قریب لگی۔ باجی امینہ عندلیب کی طبیعت ٹھیک نہ ہونے کا پڑھ کر بھی بہت دکھ محسوس کرتی ہوں اور ان باجی کے لیے میں نماز میں دعا ضرور مانگتی ہوں۔'' (جزاک اللہ)

✉ عارفہ مسعود، لاہور کینٹ سے۔ ''میں پاکیزہ کی ایک خاموش قاری ہوں اس وقت سے جب ناہید سلطانہ اختر صاحبہ کے ناول آنچ، ریت پر مکان جیسے شاہکار ناول آتے تھے۔ دو تین دفعہ آپ کو خط لکھا شاید اس سے بھی کم۔ مگر آپ کی محبت نے میرا دل موہ لیا جب پاکیزہ کا سالگرہ نمبر ملا اور آپ نے فرداً فرداً اپنی بہنوں کے نام لکھے اور اس محفل میں اپنا نام دیکھ کر گویا سکتہ سا ہو گیا کہ ہمارے جیسے بھی آپ کو یاد ہیں جو کم کم حاضری دیتے ہیں۔ یقین کریں مجھے اپنے نام پر بھی اتنا پیار نہیں آیا جتنا اب آیا۔ آپ قریب ہوتیں تو آپ کے ہاتھ چوم لیتی، آج کی خود غرض دنیا میں بھی اتنی محبت کی کرنیں بکھیرنے والے لوگ ہیں اللہ آپ کو اپنے تمام بچوں سمیت شاد و آباد رکھے۔ آپ کا شہزادہ بیٹا اپنی گڑیا سی دلہن سمیت بہت اچھا لگ رہا تھا اور عظمیٰ جی نے احوال لکھ کر گویا بہن ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ان کے ہر ہر لفظ سے محبت ٹپک رہی تھی۔ بہت عرصے پہلے میں نے کسی بہن کا مشورہ پڑھا تھا کہ بہنیں روز دو نفل شکرانے کے پڑھا کریں آپ یقین کریں انجم جی ہم گناہ گار لوگ اللہ کے شکرانے کا حق ادا نہیں کر سکتے مگر اس مشورے پر عمل کر کے میں نے بہت کچھ پایا میں بھی سب بہنوں کو یہ ضرور کہوں گی کہ وہ وقت نکال کر شکرانے کے نفل ضرور ادا کیا کریں۔ عنیزہ سید کی تحریر نے گویا میرا دل نکال لیا۔ بہت خوب صورت، میں بھی سوچتی ہوں کہ اپنے ابو کی کہانی لکھوں جن کے تمام خواب احسن طریقے سے پورے ہوئے اور پھر ایک ایک خواب ان کے سامنے بکھرتا چلا گیا۔ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوں تو شاید اتنا رنج نہ ہو مگر خواب پورے ہو کر بکھریں تو ان کی کرچیاں جسم میں پیوست ہو جاتی ہیں اور ایسا ہی میرے والدین کے ساتھ ہوا اور وہ اپنی آخری منزل پر پہنچ گئے کہ اولاد کے دکھ ان سے دیکھے نہ گئے۔ تمام بہنوں سے گزارش ہے کہ ان کی مغفرت کے لیے دعا ضرور کریں۔ مگر جب قلم اٹھاتی ہوں تو تمام خیالات بکھر بکھر جاتے ہیں آنکھوں کے گوشے نم ہو جاتے ہیں اور الفاظ گم ہو جاتے ہیں۔ اوہ میں کن بھول بھلیوں میں الجھ گئی۔'' (پیاری عارفہ آپ کسی بھی بہانے سے سہی، اس محفل میں تو آئیں اور... آتی رہیے گا)

✉ مسز ثمینہ طارق محمود، دمام سے۔ ''پاکیزہ مجھے بے حد پسند ہے۔ تمام تحریریں شوق سے پڑھتی ہوں۔ جلترنگ خصوصی طور سے پسند ہے۔'' (نوازش)

✉ شہناز حیدر، اٹک (A-E-O) سے۔ ''باجی پاکیزہ میں اپنا انٹرویو دیں۔ میں بہت عرصے سے منتظر ہوں۔ پاکیزہ ہمارا پسندیدہ ماہنامہ ہے۔ عکس اچھا ہے۔ زندگی بھی خوب ہے۔ کانچ سی لڑکی پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ آپ نے دعا اور بددعا پر بہت اچھا لکھا۔'' (اس محفل میں خوش آمدید۔ انٹرویو میں کیا دوں۔ میرے پاس بتانے کے لیے کوئی خاص بات ہی نہیں ہے)

✉ مسز ریحانہ ناز، کراچی سے۔ ''پاکیزہ، جلترنگ کی وجہ سے پڑھنا شروع کیا تھا۔ اب تو میں اس کی عادی ہو گئی

ہوں۔ ذرا بھی ملنے میں تاخیر ہو جائے تو برا حال ہو جاتا ہے۔ ناہید سلطانہ اختر نے بہت اچھا لکھا۔ کانچ سی لڑکی کی آخری قسط بہترین رہی۔ آپ کو بہت مبارک ہو۔ اے پلس پر آپ کا ٹی وی سوپ اٹکھیلیاں بہت زبردست جا رہا ہے۔ آپ کے جلترنگ کے خاکوں کا خوب مزہ آ رہا ہے۔'' (نوازش)

✉ مینا شاہ، حیدر آباد سے۔ ''یہ ڈاکٹر ممتاز ضیا کہاں ہیں آج کل۔ (اس ماہ موجود ہیں) باجی آپ سے یہ کہنا ہے کہ نئی مصنفات کی تحریریں زیادہ نہ لگایا کریں۔ ہمیں مزہ نہیں آتا۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ پاکیزہ میں صرف اعلیٰ ترین تحریریں شائع ہوں۔'' (گڑیا اگر ہم نئی مصنفات کو موقع نہیں دیں گے تو وہ سیکھیں گی کیسے؟ یہ بھی تو ذرا سوچو)

✉ منیزہ نعیم، راول پنڈی سے۔ ''آج کوئی ایک سال بعد دوبارہ حاضری دے رہی ہوں بس کچھ مصروفیات کی وجہ سے ہمیشہ تبصرہ لکھنے سے رہ جاتی تھی، یہ نہیں کہ ہم اپنے پیارے پاکیزہ سے دور تھے...... نہیں بلکہ ہر مہینہ ہی پاکیزہ کے ساتھ گزرا، بہرحال دسمبر کے شمارے میں شگفتہ کنول کی خبر پڑھ کر دل کو بڑی تکلیف ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، آمین۔ تمام بہنوں کے افسانے پڑھے اچھے لگے آپ کا کانچ سی لڑکی بہت زیادہ اچھا لگا واقعی آپ ہم آج کسی کی بیٹی کے بارے میں بات کرتے نہیں جھجکتے مگر جب مکافاتِ عمل سے گزرتے ہیں تب بھی اپنا آپ سچا ہی لگتا ہے، اپریل کا شمارہ ہاتھ میں ہے اپنی پوری رعنائی سے سویٹ سی بھورانی ثمینہ پوری تمکنت سے جلوہ افروز تھیں۔ شادی میرے شہزادے کی پڑھی، عظمیٰ نے ایک پیار کرنے والی بہن کا بھرپور کردار ادا کیا واہ عظمیٰ جانی (نند ہو دے تے تیرے ورگی) بہرحال آپی کو آپ کو اور تمام اہلِ خانہ کو عذرا آپی جیسی پیاری میزبان کو بھی مبارک جنہوں نے اپنی لکھاری بہنوں کو پیارے انداز میں خوش آمدید کہا۔ بہرحال جی آپی جانی ایک شکوہ ہے کہ شادی میں بلاوا نہیں آیا مگر ہم پھر بھی خود کو آپ کے ساتھ محسوس کر رہے تھے اور جناب کراچی آ کر دعوت اڑائیں گے، انشاء اللہ۔ اقبال بانو آپی کی آمد اچھی لگی۔ دلشاد نسیم آپی کے شوہر کا افسوس ہوا اللہ تعالیٰ آپی کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

✉ عائشہ خورشید انور، کراچی سے۔ ''کیا آپ مجھے اپنی بزم میں آنے کی اجازت دینا چاہیں گی۔ پلیز مجھے اپنی بزم میں اس حمد کے ساتھ شریک کر لیں جو میں نے بڑی محبت سے اپنے پیارے اللہ کی محبت میں لکھی ہے۔'' (اس محفل میں اور پاکیزہ ڈائری میں خوش آمدید)

✉ رخسانہ قدسیہ، مانسہرہ سے۔ ''میں حیران ہوں آپ اتنا اچھا موضوع چن کر اتنے اچھے الفاظ میں لکھتی ہیں۔ آپ پر رب عظیم کی مہربانی ہے۔ آپ کی تحریر پڑھ کر انسان اپنی خامیوں، کمزوریوں کو دور کر سکتا ہے۔ کچھ لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے کام آ سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے پیارے نبی کے صدقے نظرِ بد سے بچائے۔ آپ کے لیے میں ہر وقت دعا کرتی ہوں بڑی بہن جو سمجھتی ہوں۔ میں پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے کب سے پاکیزہ پڑھنا شروع کیا تھا۔ پچیس سال تو ہو گئے ہوں گے۔ اب تو بچے بھی یونیورسٹی پہنچ گئے ہیں۔ میں خود بھی ہائی اسکول میں ٹیچر ہوں۔ جس چیز نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور ہو گیا ہے وہ میں آپ کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی ہوں۔ (اپنا دکھ) مارچ کا مہینہ بہار کا لیکن میرے لیے...... میری امی فوت ہو گئیں۔ اپنا دکھ جو میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔ ایک چھوٹی بہن ہے۔ اسی لیے آپ کو بڑی بہن کہا ہے۔ میں جب بھی کراچی آئی آپ سے ضرور ملوں گی۔ امی کے دکھ نے مجھے زندہ درگور کر دیا ہے۔ میری بھی ایک ہی بیٹی ہے آپ کی طرح۔'' (رخسانہ بہن آپ جب بھی کراچی آئیں میرے پاس ضرور آئیں)

✉ زرقا محسود، جنوبی وزیرستان محسود قبائل سے۔ ''سب سے پہلے پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو۔ عمیرہ احمد کا ناول عکس بہت خوب صورتی سے آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ عکس بلاشبہ ایک بھرپور ناول ہے۔ ناہید سلطانہ اختر، شیریں حیدر، انجم انصار اور نمرہ احمد ارے واہ زبردست مجھے تو پڑھ کر بڑا مزہ آیا۔ دیکھیں آپی جب تک جلترنگ نہ پڑھ لوں چشمے سے پانی نہیں لاتی۔ اس پیاری پیاری سی محفل میں ہمیں بھی جگہ دیا کریں۔'' (گڑیا تمہارے آنے کی رونق ہی علیحدہ ہوتی ہے۔ ہر

ماہ آیا کرو...... سب کو اچھا لگتا ہے)

سدرہ خالد، وو کونہ سے۔ ”آنٹی آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے ہمیں بہنوں کی محفل میں جگہ دی۔ اگر آپ میری اسی طرح حوصلہ افزائی کرتی رہیں تو ہم بھی بہتر سے بہتر لکھنے کی کوشش کریں گے۔ آنٹی اگر خط ہمارا لیٹ بھی ملے تو پلیز ہم کو جگہ ضرور دینا کیونکہ ہماری طرف رسالہ بہت لیٹ ملتا ہے اب اپریل کا آٹھ تاریخ کو ملا ہے۔ بھائی ذیشان بھی اس طرح آگے کامیابی سے بڑھتے رہیں اور اللہ تعالیٰ انکل معراج رسول کو بھی جلد صحت یاب کردیں، آمین۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ سب سے پہلے تو پڑھی کانچ سی لڑکی بہت ہی زبردست تھی کس منہ سے تعریف کریں۔ عکس تو بہت ہی اچھا ناول جارہا ہے اور ہاں عمیرہ احمد میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اگر منظور ہو تو ضرور بتائیں۔ اس کے بعد زندگی اور شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں بہت اچھے طریقے سے اختتام کو پہنچا۔ ناول پھر کوئی خواب بنو بیوٹی فل تھا اور نمرہ احمد کا ناولٹ ابلیس بھی بہت اچھا تھا۔ باقی افسانے بھی اچھے تھے اور جلترنگ کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ بھائی عمیر کی شادی کی بہت بہت مبارک ہو۔ خدا ہمیشہ ان کی جوڑی سلامت رکھے، آمین۔ میں اکثر گنگناتی ہوں میں آصفہ ستار، فیصل آباد کا شعر زبردست تھا۔ آنٹی شگفتہ شفیق آپ کچھ اور بھی لکھا کرو۔“ (سدرہ...... کالی مرچیں تو میں نے اپنے سالن میں ڈال لیں۔ سندیسے اچھے ہیں مگر دیر سے ملے ہیں)

عذرا کنول، سمیرا کنول، ڈیرا غازی خان سے۔ ”انجم باجی آپ، محترم اسٹاف پاکیزہ اور تمام قارئین کو دل کی گہرائیوں سے محبت بھرا اسلام۔ اللہ سے دعا ہے کہ ماہنامہ پاکیزہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے، آمین۔ اس دفعہ ٹائٹل باجی مت پوچھیں۔ اتنا خوب صورت کہ ہم سحر زدہ ہی رہ گئے۔ حسب معمول شروعات عکس سے کی جیسے عمیرہ احمد خوب صورتی اور تجسس سے آگے بڑھا رہی ہیں ہمیں لگتا ہے چڑیا عکس کا عکس ہے۔ عمیرہ احمد ہماری موسٹ فیورٹ رائٹر ہیں۔ عمیرہ احمد کا نام ہی کامیاب اور خوب صورت تحریر کی ضمانت لگتا ہے۔ نمرہ احمد کو پاکیزہ میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ نمرہ کی کاوش ابلیس اچھی تھی۔ افسانوں میں پہلا قدم، اقبال بانو پہلے نمبر پر رہیں۔ آئینوں کی بستی میں، عطیہ عمر کی بھی بہترین کاوش تھی۔ شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں کا اختتام پسند آیا۔ ناہید سلطانہ اختر صاحبہ کا ناول زندگی خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ مکمل ناول پہلے عنیزہ سید کا پڑھا جو کہ بہت پسند آیا۔ مستقل سلسلوں میں دین کی باتیں، پاکیزہ ڈائری، میرا انتخاب، بہنوں کی محفل اور خصوصاً جلترنگ ہمیں بہت اچھے لگتے ہیں۔ انجم باجی ہماری مادری زبان سرائیکی ہے اور سرائیکی میں جب میں اپنی امی کو جلترنگ کا ترجمہ کرکے سناتی ہوں تو وہ بہت انجوائے کرتی ہیں بقول امی کے معیاری مزاح بہت مشکل فن ہے اور یہ فن پاکستان کی چند نامور خواتین رائٹر کے پاس ہے۔ اور ان رائٹرز میں انجم انصار کا نام سرِفہرست ہے۔ عذرا رسول صاحبہ کے آزمودہ ٹوٹکے فوراً سے پیشتر اپنی ڈائری میں اتار لیے۔“ (پسندیدگی کا شکریہ)

قمر شمس الحق، جھنگ سے۔ ”شیریں حیدر جی جس خوب صورتی سے آپ نے موتی بکھیرے تھے اس مالا کے اسی خوب صورتی سے انہیں سمیٹ کر اپنی اپنی جگہ پرفٹ کردیا۔ ویلڈن بہت زبردست ہر کردار کے ساتھ بھرپور انصاف تھا اور شجاع جو اتنا بگڑا ہوا نوجوان دکھایا تھا اس کی شادی کلثوم سے کرواکر خوش کردیا۔ بہت اچھا دی اینڈ تھا۔ نمرہ احمد کی تحریر آج کل کی اسٹوڈنٹ کے لیے مشعلِ راہ ہے وہ جو فوراً کسی نہ کسی کو اپنا آئیڈیل بنا کر شروع ہوجاتی ہیں پوجا کرنے کو دیکھو لولڑکیوں کیسے کیسے ابلیس پردے میں چھپے بیٹھے ہیں گھات لگا کر بچ کر رہنا ان ابلیسوں سے۔ عذرا بیگ کا پھر کوئی خواب بنو بس سو سو لگا۔ انجم آنٹی جی آپ نے تو نواز بے چارے کی شکل ہی تبدیل کروادی اسے گنجا بنادیا لیکن نہاں کا داغ دھو دیجیے گا پلیز اتنی نیک پروین سی تو ہے بے چاری۔ اور سرفراز کو سخت سے سخت سزا دیجیے گا کتنے لوگوں کا حال خراب کر دیا اس شرفو کے بچے نے۔ ایک غیرت مند شریف بچی کو کیسے اس نے بے آبرو کروایا۔ عنیزہ سید بہت اچھا لکھتی ہیں حساب بے زیاں میں اسٹارٹ بہت بورنگ لگا لیکن اینڈ کچھ ٹھیک تھا۔ مائرہ کی بیٹی کا نقشہ دل دہل گیا استغفر اللہ نہ تو ایسے کسی بچی کو نافرمان بنائے اور نہ ایسی نامکمل اولاد دے جو سزا بن جائے استغفر اللہ۔ عذرا جی کے آزمائے ہوئے ٹوٹکے سبقت

لے گئے ایک ہی جھٹکے میں سارے مسئلے حل، واہ جی واہ شان دار عذرا جی پہلی مرتبہ ہی سارے مسئلے کا حل پوٹلی میں چھپا کر لیے تھیں شکر ہے آؤٹ تو کردیا۔ بہنوں کی محفل تو ہوتی ہی شان دار ہے۔ اس فیڈبک پر آکر بہت مزہ آیا۔ امینہ عندلیب للہ تمہیں صحت کاملہ عطا فرمائے اور تمہیں ہر خوشی نصیب ہو، آمین۔ طلعت رانا اب غائب نہ ہونا پلیز۔ ہم بھی راجپوت ایسے ہوتے ہیں اصل والے نقلی نہیں آپ کے تبصرے بہت مزے کے ہوتے ہیں۔ شمائلہ سہیل جاوید جی کیا بات ہے آپ کو نزلہ کیوں ہونے لگا۔ میڈیسن سے آرام نہیں آرہا تو جوشاندے کو مسلسل تین دن رات کو سونے سے پہلے لیں۔“ (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

عفت گلزار عفی، لیہ سے۔ ”میں نے کہانی بھی لکھ کر بھیجی تھی جس کا عنوان تھا جیسی کرنی ویسی بھرنی اور اس علاوہ میں نے پاکیزہ کے لیے کافی مراسلات اور کچھ شاعری بھی ارسال کی مگر میری ڈاک پتا نہیں کہاں چلی جاتی ہے آپ تک پہنچ پائی بھی یا نہیں اگر پہنچی بھی ہے تو اس میں ایسی کیا خامی ہوتی ہے؟ آپ ہر بار میری تحریر کو ضائع کردیتے ہو اور اگر دوبارہ میں کوئی کہانی ارسال کروں تو اس میں کیا ہونا چاہیے مطلب ایک کہانی کے لیے کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے؟ پلیز آپ مجھے اس کے لیے معلومات دیجیے اور پتا ہے ان دنوں میں ایک کتاب لکھ رہی ہوں کتاب کا عنوان ہے عورت اور معاشرہ۔ جس میں، میں ماضی اور حال کی عورتوں کے مسائل اور اہم کارنامے بیان کروں گی اور عورت کے لیے معاشرے کے کیا تاثرات ہوتے ہیں وہ بھی بیان کروں گی۔ پلیز آپ سب میری کامیابی کے لیے دعا کیجیے گا کہ میری یہ کتاب ضرور چھپ سکے اور سب کو پسند بھی آئے۔“ (گڑیا سب سے پہلے تو آپ مطالعہ کریں۔ مضامین لکھنے سے پہلے باقاعدگی سے تبصرے بھیجیے۔ اس کے بعد مضامین بھی۔ میں آپ کی حوصلہ افزائی ضرور کروں گی)

تسنیم رضا ذوالفقار، فیصل آباد سے۔ ”پاکیزہ کے ذریعے یہ ولیمہ اور اس کے علاوہ تمام فنکشن، بہنوں کے تبصرے، آپ کے جوابات سب کی خوشی تھی پیاری بالکل اس طرح محسوس ہوتے ہیں جیسے آمنے سامنے بیٹھے ہوں۔ آپی! آپ تو ہنسانے والی آپی ہیں یہ کانچ سی لڑکی میں تو آپ نے ہولا کر رکھ دیا۔ ایک خوف کی لہر میرے اندر سرایت کرگئی۔ سرفراز کے عمل سے۔ اللہ اس قدر خوفناک حد تک پہنچے ہوئے سرفراز کو ہدایت دے اور عقل سے سوچنے کی صلاحیت دے، آمین۔ شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں کا، اینڈ ہوگیا مگر معراج اور قائم علی کو ان کی کھوئی بیٹیاں ملتے ملتے رہ گئیں۔ ایک تو ملی مگر مردہ حالت میں اور دوسری کا سراغ ملتے ملتے رہ گیا۔ پڑھ کر دل اداس ہوگیا۔ زندگی کی تسنیم کو اب ہدایت مل جائے اور اپنی ماں کا بھیجا پیغام مان لے خیر یہ تو رائٹر پر منحصر ہے۔ عنیزہ سید کی حساب زیاں جاں کی مائرہ نے تو حد کردی۔ اس قدر بھیانک سزا پانے کے بعد گھر لوٹی بھی تو ماں کے گلے نہ لگی۔ حیرت ہے ایسی اولاد پر۔ عذرا بیگ نے پھر کوئی خواب بنو۔ میں ریشم گلی اور رتی گلی کا بتا کر باقی آئندہ کا لیبل لگا دیا کہ کروا ایک ماہ انتظار۔ نمرہ احمد کا ابلیس پڑھ کر سر رضا حیات خاں کے کردار نے تو ہر انسان پر سے اعتماد اٹھا دیا۔ قرآن کا حافظ، تہجد گزار، نماز ٹھہر ٹھہر کر ادا پڑھنے والا، دوپٹا لینے والی اسٹوڈنٹ کو سراہنے والا آخر تک شک نہیں ہونے دیا کہ وہ ہی ابلیس نکلے گا، فلزا جیسی ماڈرن لڑکی کو اہمیت دینے کا مطلب یہ اخذ کیا کہ شاید اسے راہ راست پر لانے کے لیے ایسا کررہا ہے مگر اینڈ پڑھ کر بہت تکلیف ہوئی۔“ (یہ دنیا ہے۔ اس میں ہر طرح کے لوگ ہیں)

اب اجازت دیجیے اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ارضی وسماوی آفات تمام پریشانیوں، بیماریوں اور شیطانوں کے شر سے بچا کر رکھے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ اور عافیت کے ساتھ صرف اپنا محتاج رکھے، آمین، ثم آمین۔

دعا گو
آپ کی اپنی باجی
انجم انصار

کزنز اور سہیلیاں زیادہ ہوں گی)

س: کس روز آپ کو دولھا میاں زیادہ اچھے لگے؟

ج: ولیمے میں۔

س: عموماً کس لباس میں زیادہ اچھے لگتے ہیں؟

ج: ویسے تو ہر لباس ہی میں اچھے لگتے ہیں لیکن کرتہ شلوار ان پر بہت اچھا لگتا ہے۔ (یہ تو ہے)

س: کس کے غصے کا گراف زیادہ بلند ہے؟ اور یہ کتنے عرصے پر محیط ہوتا ہے؟

ج: میرے غصے کا گراف جتنا بلند ہوتا ہے اتنی ہی جلدی جھاگ کی طرح بیٹھ بھی جاتا ہے۔ ان کا غصہ بھی مختصر مدت کا ہوتا ہے اِدھر آیا اُدھر گیا۔

س: پہلا جھگڑا شادی کے کتنے عرصے بعد اور کس بنیاد پر ہوا تھا؟

ج: یاد نہیں، ویسے چھوٹے موٹے جھگڑے زندگی کی علامت ہوتے ہیں۔ ایسے جھگڑے کبھی نہیں ہوئے کہ ہم بولیں محلے والے سنیں۔

س: جھگڑے کا دورانیہ کتنا طویل تھا؟

ج: بہت مختصر، اسی لیے پتا بھی نہیں چلا کہ جھگڑا ہوا تھا اور اب کئی برس بعد بھی یہی صورتِ حال ہے۔

س: عموماً صلح میں پہل کون کرتا ہے؟

ج: یہ کرتے ہیں، میرے عظیم شوہر، میرے دوست اور بہت کچھ۔

س: آپ کے شوہر صاحبِ ذوق ہیں، آپ کو منانے کے لیے کبھی شاعری یا ترنم کو ذریعہ بنایا؟

ج: نثر سے کام چلا لیتے ہیں اور بڑی خوبی سے۔

س: آپ کے درمیان عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟

ج: وقت کی پابندی نہ ہونے پر۔

س: کون زیادہ وقت کا پابند ہے؟

ج: میں ہی ہوں۔

س: تاخیر سے گھر آنے پر سیاں جی کیا بہانہ بناتے ہیں؟

ج: بہانے کی ضرورت نہیں پڑتی، لمحے لمحے کی خبر دیتے ہیں۔ انہیں پتا ہے جھوٹ سے مجھے نفرت ہے۔

س: میاں بیوی کے درمیان اعتبار کا رشتہ کب قائم ہوتا ہے؟

ج: مستقل ایک دوسرے کے ساتھ خلوص، محبت اور سچائی کے ساتھ رہیں تو خود بخود اعتبار کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

س: ازدواجی زندگی میں کبھی ایسا پل آیا جب آپ کو کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا تب کیا حکمتِ عملی اختیار کی؟

ج: شکر ہے ایسا کوئی مرحلہ نہیں آیا راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔

س: کیا سمجھوتے کے بغیر ازدواجی زندگی کامیابی سے گزاری جاسکتی ہے؟

ج: زندگی سمجھوتوں ہی کا نام ہے۔ سمجھوتوں سے ازدواجی زندگی مزید خوب صورت بن سکتی ہے۔

س: گھریلو ماحول خوشگوار بنانے میں آپ کے ہم سفر کا کردار کتنا اہم ہے؟

ج: گھریلو ذمے داریوں میں وقت دیتے ہیں تو ماحول خود بخود خوشگوار اور حسین بن جاتا ہے۔

س: صاحب جی کی کون سی بات بہت خوشی دیتی ہے اور کون سی پریشان کر دیتی ہے؟

ج: خوشی کی بات یہ ہے کہ جھوٹ بول کر گھر سے روانہ نہیں ہوتے اور پریشان کن بات جب یہ نیند کی کمی کی شکایت کرتے ہیں۔

س: ازدواجی زندگی کی پائیداری کی بنیاد کیا ہے؟

ج: صرف اور صرف اعتمادِ باہمی۔

س: شریکِ حیات کے دل میں گھر بنانے کے ملہرے اصول کون سے ہیں؟

ج: (1) گھر کا ماحول خوشگوار رکھا جائے اس سے مرد بہت پُرسکون رہتا ہے۔ (2) ان ...موڈ اور مزاج دیکھ کر بات کی جائے (3) ان کی ...ورتوں کا خیال رکھا جائے۔

س: گھر کو جنت بنانا محض بیوی کی ذمے داری ...یا شوہر بھی اس میں حصے دار ہے؟

ج: دونوں کی باہمی کوششوں سے گھر جنت بنتا ...۔ دونوں برابر کے شریک ہیں۔

س: شادی کے بعد صاحب جی نے اپنا کون سا ...ام سب سے پہلے کروایا؟

ج: چائے بنوائی تھی جو ہم نے بڑی چاہ سے ...مالی تھی۔

س: گھر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں ...یا کام بڑھاتے ہیں؟

ج: بہت ہاتھ بٹاتے ہیں بلکہ کام سمیٹنے کے چکر ...میں رہتے ہیں۔

س: شادی کے بعد آپ نے وہ پہلی ڈش کون ...سی بنائی تھی جو صاحب جی کو بے حد پسند آئی اور کون سی ...ایسی ڈش تھی جس کے ذائقے کا تصور آج بھی میاں ...جی کو پریشان کر دیتا ہے؟

ج: کھیر بہت پسند آئی تھی۔ ایسی کوئی ڈش نہیں ...ہاں سبز مرچوں والی ڈش کا تصور بھی روح فرسا ہے۔

س: کبھی صاحب جی نے کوئی ڈش بنائی؟

ج: جی نہیں۔ اس معاملے میں کورے ہیں، ...بالکل کورے۔

س: کھانے کے معاملے میں صاحب جی کا ...معیار کیا ہے؟

ج: سادہ کھانا پسند ہے۔ ارہر کی دال، چاول، کچے قیمے کے کباب، سلاد۔

س: شدید بھوک کے عالم میں صاحب جی کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے؟

ج: معمولی سا غصہ تو آتا ہے مگر ایسے موقع پر کہہ دیتے ہیں کہ جو بن گیا ہو دے دیں۔

س: صاحب جی کا سب سے مہنگا اور سب سے سستا شوق کون سا ہے؟

ج: موقع اور وقت کے لحاظ سے سارے شوق ایڈجسٹ کر لیتے ہیں۔

س: کون زیادہ شاہ خرچ ہے اور کون بخیل؟

ج: شاہ خرچ میرے شوہر نامدار ہیں۔ میں بھی بخیل ہرگز نہیں ہاں کفایت شعار ضرور ہوں سوچ سمجھ کر خرچ کرتی ہوں اور انتہائی ضرورت کی چیزوں کو ترجیح دیتی ہوں۔ اس طرح گھر کا بجٹ متوازن رہتا ہے۔

س: گھر کا بجٹ کون بناتا ہے؟

ج: مشترکہ بجٹ بنتا ہے۔

س: صاحب جی آپ کی کتنے فیصد فرمائشیں پوری کرتے ہیں؟

ج: ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر ممکن فرمائش پوری کریں۔

س: عموماً کون سی فرمائش کرتی ہیں؟

ج: اچھی کتاب اور اچھے جرنائد کی۔

س: اس میں تو ان کا بھی بھلا ہو جاتا ہوگا؟

ج: یقیناً چونکہ دونوں مل جل کر پڑھتے ہیں۔

س: کون سی جگہ جانے کے لیے فوری تیار ہو جاتے ہیں؟

ج: فرصت ہو تو ہر جگہ جانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ادبی و سماجی تقریبات میں بخوشی جاتے ہیں۔

س: شاپنگ کے سفر میں ہم سفر کتنا ساتھ دیتے

ہیں؟

ج: دورانِ شاپنگ گاڑی میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ اچھا ہی ہے ورنہ شاپ پر ساری ڈیلنگ خراب کر دیتے ہیں کہ کتنے کی بھی مل رہی ہو لے لیں۔ دکاندار ان سے بہت خوش ہوتے ہیں اگر چلے جائیں تو۔ (زیادہ تر شوہر ایسے ہی ہوتے ہیں)

س: گھریلو اشیا کی خریداری دونوں کی باہمی پسند سے ہوتی ہے یا جب جس کو جو شے پسند آتی ہے خرید لیتے ہیں؟

ج: مل جل کر طے کرتے ہیں، پسند میری ہوتی ہے۔ (شاباش)

س: ایک دوسرے کی سالگرہ کا دن یاد رکھتے ہیں؟

ج: بالکل یاد رکھتے ہیں، کبھی کبھی ہماری بیٹی بھی یاد دلا دیتی ہے۔

س: سالگرہ کے لیے خاص اہتمام کیا ہوتا ہے؟

ج: یہ باہر ڈنر کرانے لے جاتے ہیں۔

س: یادگار شادی کی سالگرہ کونسی ہے؟

ج: پہلی سالگرہ بہت یادگار ہے آخر شادی کی پہلی سالگرہ تھی۔

س: شادی کی پہلی اور اب تک کی آخری سالگرہ پر شریکِ حیات کے رویے اور جذبے میں کیا واضح فرق محسوس کیا؟

ج: وقت کے ساتھ ساتھ اعتماد اور محبت میں اضافہ ہوا۔

س: اس میں آپ کا کردار کتنا اہم ہے؟

ج: میرا کردار کتنا اہم ہے یہ تو یہی بتائیں گے۔

س: اب تک صاحب جی کی جانب سے ملنے والے تحائف میں سے سب سے زیادہ کون سا تحفہ پسند آیا؟

ج: ہر تحفہ لاجواب ہے کس کس کی تعریف کروں۔

س: ایک دوسرے کو تحائف دینے کے لیے دونوں کسی خاص موقع کے منتظر رہتے ہیں یا جب جی چاہا دے دیا؟

ج: تحفہ دینے کا کوئی خاص موقع نہیں ہوتا۔

س: دونوں میں کون زیادہ رومینٹک ہے؟

ج: زندگی صرف رومانس کے سہارے نہیں چلتی۔ میں حقیقت پسند بھی ہوں نہ (مگر رومانس......رومانس ہوتا ہے)

س: محبت کا اظہار لفظوں میں کرنا ضروری سمجھتی ہیں یا رویہ ہی کافی ہوتا ہے؟

ج: اچھا اور بہترین رویہ ہی اظہارِ محبت ہے۔

س: موسیقی کیسی پسند ہے؟

ج: پُرسکون موسیقی کانوں کو بھلی لگتی ہے۔

س: کون سا گیت اکثر گنگناتی ہیں؟

ج: موج بڑھے یا آندھی آئے دیا جلائے رکھنا ہے
گھر کی خاطر سو دکھ جھیلیں گھر تو آخر اپنا ہے

س: مشاغل میں کتنے فیصد مطابقت ہے؟

ج: ماشاء اللہ 95% مطابقت پائی جاتی ہے۔ دونوں کے ذوق وشوق تقریباً یکساں ہیں۔ شادی کے بعد یہ خوشگوار انکشاف ہوا۔ (اس لیے آئیڈیل شوہر ملا)

س: بارش ہو رہی ہو اور ٹی وی پر کرکٹ میچ آ رہا ہو تب دونوں کس سے لطف اندوز ہوں گے؟

ج: بارش سے۔

س: مشہور ہے کہ ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے آپ کے میاں جی اس حوالے سے کتنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

ج: بھئی وہ شریف ابنِ شریف ہیں۔ اکثر

انت کے عملی مظاہرے کرتے رہتے ہیں۔

س: آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ صاحب جی کو اس ہتھیار سے کتنے فیصد زیر کرتی ہیں؟

ج: مجھے آنسو بہانے کی نوبت نہیں آتی۔ خدا کا شکر ہے آنسوؤں کے بغیر کام ہو جاتا ہے۔ (آپ کا ہی ماشاء اللہ پُراثر ہوگا)

س: آج آپ ایک جانی پہچانی شخصیت مانی جاتی ہیں آپ کی اس کامیابی میں آپ کے شوہر کا کردار کس حد تک ہے؟

ج: یہ مجھے بہت سپورٹ کرتے ہیں۔ میری سرگرمیوں پر خوش ہوتے ہیں اور آؤٹ ڈور میری معاملات کو آسان بناتے ہیں۔

س: آپ کے شوہر آپ کی صلاحیتوں کا فراخدلانہ اعتراف کرتے ہیں؟

ج: میری ادبی، سماجی، ثقافتی سرگرمیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں شادی سے پہلے اتنی محنت کی ہے تو اس کام کو اور آگے بڑھانا چاہیے۔

س: گھر کو کتنا وقت دیتی ہیں؟

ج: گھر میری پہلی ترجیح ہے۔ اگر عورت باہر کی دنیا میں گم ہے اور اپنے گھر کو نہیں دیکھا تو وہ زیرو پوائنٹ پر کھڑی ہوتی ہے۔ (شاباش)

س: بیٹی کی تعلیم وتربیت کے لیے کون زیادہ وقت دیتا ہے؟

ج: یہ آفس اور ادبی وسماجی وثقافتی سرگرمیوں میں زیادہ مصروف رہتے ہیں لیکن میں اپنی گھریلو ذمے داریوں سے غافل نہیں۔ بیٹی کی تعلیم وتربیت کو وقت دینا میری ذمے داری ہے۔

س: بیٹی کس سے زیادہ نزدیک ہے؟

ج: اپنے ابو سے کیونکہ یہ بھی اپنا کردار بخوبی نبھاتے ہیں۔

س: بحیثیت باپ صاحب جی کی خوبیوں اور خامیوں کا تناسب کتنا ہے؟

ج: سچ تو یہ ہے کہ اس حوالے سے بھی ان کی خوبیاں زیادہ ہیں۔

س: ایک کامیاب شوہر میں کون کون سی خوبیاں ہونی چاہئیں؟

ج: ذمے دار ہو، سمجھدار ہو، باعمل اور باکردار ہو۔

س: صاحب جی آپ کی اور آپ ان کی کون سی خوبی کی سب سے زیادہ معترف ہیں؟

ج: وہ ذمے دار ہیں اور میں وقت کی پابند سو ہم ایک دوسرے کی ان ہی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

س: صاحب جی کی زیادہ پسندیدہ اور ناپسندیدہ عادت کون سی ہے؟

ج: پرفیوم کا استعمال / کپڑوں پر سالن گرانا بہت گل وگلزار بنتے تھے اب کمی ہوگئی ہے۔

س: آپ کا پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، کتاب، ڈش، تہوار، تفریحی مقام، کھیل کون سے ہیں؟

ج: خلوص و محبت کا، سفید، چنبیلی، بہار، صبح کا، طنز ومزاح، قورمہ، عید، مری، اسلام آباد، کرکٹ۔

س: سسرال کا کونسا رشتہ بے حد پسند ہے؟

ج: ہر رشتہ پسند ہے ویسے سب سے اچھا رشتہ پیار کا ہے۔ (اصل جواب تو دیا نہیں)

س: گھر میں کس کے فیصلے کو حتمی سمجھا جاتا ہے؟

ج: جو بیلنس فیصلہ کرے۔ (وہ یقیناً آپ ہی ہوں گی)

س: مستقبل کے حوالے سے کیے جانے والے کتنے وعدے وفا ہوئے؟

ج: وعدوں پر دنیا قائم ہے۔ (آج کے وعدے تو کمزور ہوتے ہیں)

س: بہ اعتبارِ مجموعی اپنے شریکِ حیات کو کیسا پایا؟
ج: اچھا خاصا پایا۔ (خاصا سے کیا مطلب؟)
س: اپنے مجازی خدا کے لیے کوئی پیغام دیں گی؟
ج: آپ پر بھروسا ہے اور رہے گا' اسے ٹوٹنے نہیں دیجیے گا۔



اویس ادیب انصاری

س: آپ کا ملن کب ہوا؟
ج: 13 مئی 1994ء
س: پہلی مرتبہ بیگم کو کب اور کہاں دیکھا تھا؟
ج: ایک تقریب میں۔ (اچھا..... پسند کی شادی ہے)
س: تب پہلا تاثر کیا تھا؟
ج: خوشگوار۔
س: بیگم کا انتخاب کس بنیاد پر کیا؟
ج: شرافت اور خاندانی پس منظر کی بنیاد پر کیا۔
س: آپ نے فوری حامی بھر لی یا پس و پیش سے کام لیا؟
ج: ماں باپ سے مشورہ کیا اور حامی بھرلی۔ (اس دور کی لو میرج اسی طرح ہوا کرتی تھی)
س: منگنی کتنے عرصے رہی؟
ج: بات پکی ہو گئی تھی تقریباً پانچ ماہ تک۔ (زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا)
س: منگنی اور شادی کی درمیانی مدت میں روبرو یا ٹیلیفونک ملاقات ہوئی؟
ج: شادی سے پہلے فون پر بات ہوئی تھی۔ (مقرر شوہر تو کبھی ہار ہی نہیں سکتا)
س: تحائف کا تبادلہ ہوا؟
ج: جی نہیں۔
س: شادی میں کس کی طرف زیادہ ہلا گلا ہوا تھا؟
ج: ہماری طرف زیادہ ہوا۔
س: رونمائی میں کیا دیا تھا؟
ج: گھڑی اور انگوٹھی۔
س: شادی اور ولیمے میں سے کس روز آپ کی دلہن زیادہ اچھی لگ رہی تھیں؟
ج: ولیمے کے روز۔
س: آپ کو اپنی بیگم کس لباس میں گریس فل لگتی ہیں؟
ج: ہر لباس میں خاص طور پر ساڑی میں۔
س: شادی کے دوران کوئی یادگار واقعہ؟
ج: برات لے کر خاصی تاخیر سے پہنچا تھا کیونکہ میں بہت لیٹ لطیف ہوں سسرال والے وقت کے بہت پابند' مجھے ندامت ہو رہی تھی شگفتہ بھی وقت کی پابند ہیں۔ آج تک ہم دونوں اسی روش پر قائم ہیں۔

س: شادی کے بعد پہلی مرتبہ کون سے تفریحی مقام پر گئے؟
ج: ناردرن ایریا۔
س: شادی کے بعد آپ نے بیگم سے اپنا کون سا کام سب سے پہلے کروایا تھا؟
ج: چائے بنوائی تھی۔
س: گھر کے کاموں میں بیگم کا ہاتھ بٹاتے ہیں یا کام بڑھاتے ہیں؟
ج: پورا ہاتھ بٹاتا ہوں۔
س: شادی کے بعد بیگم نے وہ پہلی ڈش کون سی بنائی تھی جو آپ کو بے حد پسند آئی اور کون سی ایسی ڈش تھی جس کے ذائقے کا تصور آج بھی آپ کو پریشان کر دیتا ہے؟
ج: کھیر، گوشت کا سالن۔
س: کبھی آپ نے کوئی ڈش بنائی؟
ج: جی نہیں۔
س: کھانے کے معاملے میں آپ کا معیار کیا ہے؟
ج: سادہ اور خوش ذائقہ۔
س: شدید بھوک کے عالم میں آپ کا ردِعمل کیا ہوتا ہے؟
ج: غصہ آتا ہے۔
س: کس کے غصے کا گراف زیادہ بلند ہے؟
ج: ان کا زیادہ ہے۔
س: یہ کتنے عرصے پر محیط ہوتا ہے؟
ج: تقریباً چار گھنٹے پر۔ (یہ تو کچھ بھی نہیں ہے)
س: آپ کو غصہ آئے تو بیگم کا ردِعمل کیا ہوتا ہے؟
ج: خاموش ہو جاتی ہیں کبھی کبھی ادھار چکاتی (کتنے گھنٹے کا)
س: پہلا جھگڑا شادی کے کتنے عرصے بعد اور کس بنیاد پر ہوا تھا؟
ج: غالباً کہیں باہر جانے پر۔
س: صلح میں پہل کس کی جانب سے ہوئی؟
ج: میری جانب سے۔ (شاباش)
س: آپ کے درمیان عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟
ج: جب میں زیادہ بولوں۔
س: بیٹی کی تعلیم و تربیت کے لیے کون زیادہ وقت دیتا ہے؟
ج: یہ خود دیتی ہیں۔
س: بیٹی کس سے زیادہ نزدیک ہے؟
ج: دونوں سے بیگم کے خیال کے مطابق مجھ سے۔
س: بحیثیت ماں ان کی خوبیوں اور خامیوں کا تناسب کتنا ہے؟
ج: خوبیوں کا تناسب زیادہ ہے۔
س: آپ دونوں میں کون زیادہ رومینٹک ہے؟
ج: میں زیادہ ہوں۔
س: محبت کا اظہار لفظوں میں کرنا ضروری سمجھتے ہیں یار دیہ ہی کافی ہوتا ہے؟
ج: لفظوں میں۔
س: موسیقی کیسی پسند ہے؟
ج: زیادہ شور شرابے والی نہیں۔
س: کون سا گیت اکثر گنگناتے ہیں؟
ج: یہ جو چلمن ہے دشمن ہے ہماری۔
س: آپ کی تمام تر توجہ کرکٹ میچ پر ہو اور بیگم آپ کی رفاقت میں بارش سے لطف اٹھانا چاہ رہی ہوں تب آپ کیا کریں گے؟
ج: میچ چھوڑ دوں گا۔
س: مطالعہ کرنے کا سب سے بڑا فائدہ؟
ج: سیکھنے کا عمل جاری رہتا ہے۔

س: بیگم کا سب سے سستا اور سب سے مہنگا شوق کون سا ہے؟
ج: تقریباً سارے ہی سستے شوق ہیں یا مجھے لگتے ہیں۔
س: گھریلو اشیا کی خریداری دونوں کی باہمی پسند سے ہوتی ہے یا جب جس کو جو شے پسند آتی ہے خرید لیتے ہیں؟
ج: بیگم صاحبہ کی پسند سے ہوتی ہے۔ گھر کی وزیراعظم جو ہیں۔
س: شاپنگ میں کن چیزوں پر زیادہ پیسہ خرچ کرتی ہیں؟
ج: اپنے حساب سے ہر مفید چیز اور ہمارے حساب سے اسے مفید سمجھنا ضروری ہے۔ (مسکرا کر)
س: آئیڈیل بیوی؟
ج: ہر شوہر یہی کہہ سکتا ہے میری بیوی جیسی۔
س: کسی وجہ سے شاپنگ پر نہ جاسکیں تو بیگم کی شاپنگ پر بھروسے کرلیں گے؟
ج: بالکل کرلوں گا بلکہ اب تو عادی ہوچکا ہوں بھئی۔
س: آپ کی سالگرہ کا خاص اہتمام بیگم کی جانب سے اور ان کی سالگرہ پر آپ کی جانب سے کیا ہوتا ہے؟
ج: ہمیں تو اپنی سالگرہ یاد ہی نہیں رہتی بیگم صاحبہ یاد رکھتی ہیں اور کوئی نہ کوئی سوئٹ ڈش ضرور بناتی ہیں ورنہ کیک کا بندوبست کرتی ہیں اور میں ان کی سالگرہ پر ڈنر پر لے جاتا ہوں اور گفٹ دیتا ہوں۔ دونوں ہی حوالوں سے جیب میری ہی کٹتی ہے۔
س: ایک دوسرے کو تحائف دینے کے لیے کسی خاص موقع کے منتظر رہتے ہیں یا جب جی چاہا دے دیا؟
ج: جب جی چاہا خود ہی اپنی جیب کٹوالی۔

س: اب تک بیگم کی جانب سے ملنے وا تحائف میں سے سب سے زیادہ کون سا تحفہ پسند آیا؟
ج: پرفیوم...... ویسے ان کے دیے ہوئے تحفے کی تعریف کرتا ہوں۔
س: اکثر بیگمات شاکی ہوتی ہیں کہ ہمارے میاں کو تو ہماری شادی کی سالگرہ ہی یاد نہیں رہتی آپ کو شادی کی سالگرہ یاد رہتی ہے؟
ج: میں بھی ان ہی میں سے ایک ہوں، ہ بھول جاتا ہوں بیگم یاد دلاتی ہیں اور اہتمام بھی کر ہیں لیکن ڈنر پر میں ہی لے جاتا ہوں۔ یہ جرمانہ شا ہر شوہر کو ادا کرنا پڑتا ہے۔
س: شادی کی پہلی اور اب تک کی آخری سالگ پر شریکِ حیات کے رویے اور جذبے میں کیا فر محسوس کیا؟
ج: محسوس ہوا کہ اور اعتبار قائم ہوا ہے۔
س: اس میں آپ کا کردار کتنا اہم ہے؟
ج: میرا ان کے ساتھ بے لوث محبت کا برتاؤ اس کے ردِعمل کے طور پر ان کے چہرے پر اطمینان اظہار اور یہی اصل زندگی ہے۔
س: میاں بیوی کے مابین اعتبار کا رشتہ کیسے قا ہوتا ہے؟
ج: باہمی رویوں سے رفتہ رفتہ اعتبار کا رشتہ قا ہوجاتا ہے۔
س: دونوں ہی معروف ہیں، کبھی بیگم کی مقبولی کھلی؟
ج: کبھی نہیں بلکہ ہمیشہ خوشی محسوس ہوئی۔
س: بیگم گھر کو کتنا وقت دیتی ہیں؟
ج: سب سے زیادہ۔
س: عموماً بیویاں شوہر حضرات کی مصروفیت شاکی رہتی ہیں بیگم کی مصروفیت پر آپ کا ردِعمل کیا ہو ہے؟

ان سے ہمدردی محسوس ہوتی شاباش)
س: ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے آپ لے سے کتنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟
ج: بالکل بھئی میں واقعی شریف آدمی ہوں بھی دیتے ہیں)
س: کون زیادہ وقت کا پابند ہے؟
ج: بیگم صاحبہ (میک اپ جو نہیں کرتی ہیں)
س: اگر آپ کو اس ملک کا صدر بنا دیا جائے تو سے پہلے کون سا قانون نافذ کریں گے؟
ج: عورتوں کے جائز حقوق اور فلاح و بہبود کے نون نافذ کردوں گا۔
س: ایک کامیاب بیوی میں کون کون سی خوبیاں چاہئیں؟
ج: خوش اطوار، سمجھدار، خوش لباس، وفا شعار ی لکھی۔
س: آپ بیگم کی کون سی خوبیوں کے معترف
ج: یہ تمام خوبیاں ان میں موجود ہیں۔
س: بیگم کی کون سی خامی بہت کھلتی ہے؟
ج: جب میری پسند کا لباس نہ پہنیں۔
س: گھر میں کس کے فیصلے کو حتمی سمجھا جاتا ہے؟
ج: جس کا فیصلہ بہتر ہو لیکن عموماً فیصلے کا اختیار ہاتھ میں ہے۔
س: کیا سمجھوتے کے بغیر ازدواجی زندگی سے گزاری جاسکتی ہے؟
ج: سمجھوتے کے ساتھ ہی کامیاب زندگی ممکن
س: گھریلو ماحول خوشگوار بنانے میں آپ کی ہم دار کتنا اہم ہے؟
ج: جتنا میرا کردار ہے۔ (آپ کا تو ماشاء اللہ بہت بڑا ہاتھ ہے)
س: گھر کو جنت بنانا محض بیوی کی ذمے داری ہے یا شوہر بھی اس میں حصے دار ہے؟
ج: دونوں حصے دار ہیں۔ (اب تو بچے بھی ..... بلکہ اگر سسرال کا کوئی فرد ساتھ رہتا ہے تو وہ بھی حصے دار ہے)
س: شریکِ حیات کے دل میں گھر بنانے کے تین سنہری اصول کون سے ہیں؟
ج: وفاداری، چاہت، حسنِ سلوک۔
س: ازدواجی زندگی کی پائیداری کی بنیاد کیا ہے؟
ج: صرف اتحاد۔
س: شریکِ زندگی کے لیے آپ کے قائم کردہ معیار اور تصور پر بیگم کتنے فیصد پوری اتریں؟
ج: جی ہاں۔
س: مستقبل کے حوالے سے کیے جانے والے کتنے وعدے وفا کیے؟
ج: کچھ کچھ۔
س: آپ کا پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، کتاب، ڈش، تہوار، تفریحی مقام، کھیل کون سے ہیں؟
ج: خلوص و محبت کا، سفید، ہلکا نیلا، آسمانی، old spices، سردی کا موسم، شام کا وقت، معلوماتی کتاب، دال چاول، عیدالفطر، اسلام آباد، بیڈمنٹن۔
س: اپنی شریکِ حیات کے لیے کوئی پیغام دیں گے؟
ج: صرف یہ کہ مجھ پر یقین رکھیں ہمارے درمیان اعتبار، محبت و خلوص اور وفا کا رشتہ ہے انشاء اللہ زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہے گا۔



شادی میرے بیٹے کی

سلمیٰ غزل

ماؤں کی ساری زندگی اولاد کی تعلیم وتربیت اور پھر ابدی خوشیوں کے لیے دعائیں کرتے گزرتی ہے۔لڑکی کی شادی ہو تو خوشیوں کے ساتھ ساتھ جدائی کا دکھ بھی ہوتا ہے اور لڑکے کی ہو تو کچھ پانے کا احساس رگ وپے میں بجلی سی بھر دیتا ہے اور اس احساس سے میں دوسری مرتبہ دوچار ہو رہی تھی۔

میں بڑی بیٹی ڈاکٹر کہکشاں اور پھر بیٹے فیصل کے فرض سے سبکدوش ہو چکی تھی اور اب باری تھی سب سے چھوٹے بیٹے حماد کی جو Notre dame یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا ہے اور 23 دسمبر 2011ء اس کی شادی طے تھی۔

میری خوشیوں کو چار چاند اس وقت لگ گئے جب صبح پانچ بجے حماد نے اور رات 9 بجے فیصل نے سرزمینِ پاک پر امریکا سے قدم رکھے۔فیصل کی بیوی اور دونوں بیٹیاں ایک ماہ پہلے ہی پاکستان آچکے تھے تاکہ شادی کی تیاری کر سکیں۔شادی کی خوشی پھر تینوں بچوں نواسے، نواسیاں اور پوتیوں کا گھر میں ہونا...... مجھے لگتا تھا میں پھر سے جوان ہو گئی ہوں۔دونوں بیٹے رسم ورواج کے سخت خلاف اس لیے نہ مایوں نہ مہندی صرف 17 دسمبر کو میں نے گھر میں ڈھولکی کی تقریب رکھ لی۔گھر کے لوگ میرے بہن، بھائی اور ان کے بچے خوب ہلڑ بازی اور گانا بجانا ہوا۔پہلے ریفریشمنٹ اور پھر رات دیر گئے کھانا یوں رات دو بجے سب رخصت ہوئے اس طرح شادی کی تقریبات کا آغاز ہو گیا۔

میں تھوڑا سا اپنا تعارف کرادوں سلمیٰ غزل۔

...لی عرصے سے لکھ رہی ہوں لیکن پاکیزہ میں اب ...ا کی ہے جبکہ بچپن ہی سے یہ میرے زیرِ مطالعہ رہا۔اس لحاظ سے خود کو دنیا کی خوش نصیب ترین ماں ...تی ہوں کہ میری تینوں اولادوں نے ہر میدان اپنی قابلیت کے جھنڈے گاڑھ کر میرا سر فخر سے ...د کر دیا ہے۔

بیٹی اور داماد ''ڈو'' سے فارغ التحصیل فیصل نے بی اے سے ایم بی اے کرنے کے بعد Notre dam یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا اور اب ''بلیک ...چ ڈیکرز'' میں ڈائریکٹر ہے۔کم عمری اور یہ ...ہدہ...... اور چھوٹا حماد lums لاہور سے پڑھ کر ...ب اسی یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا ہے۔امریکا ...ں جہاں سے بھائی نے کیا تھا اور ماشاء اللہ 2012ء مئی میں اس کو ڈگری مل جائے گی اور ساتھ ہی اس کی deloitte کمپنی میں نوکری بھی ہو چکی ہے۔پھر ...ڑی بہو ایم بی اے امریکا سے اور چھوٹی ڈاکٹر ...پاکستان سے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ میری دونوں بہوؤں کا نام فرح ہے۔

23 دسمبر کو بعد نمازِ جمعہ نکاح اور اسی دن میجسٹک لان میں شادی تھی۔میرے اصرار کے باوجود حماد نے شیروانی پہننے سے انکار کر دیا تھا لیکن اپنے چھ فٹ دو انچ سے نکلتے ہوئے قد وقامت اور اسمارٹنیس ....کی وجہ سے وہ سوٹ میں بھی سب سے نمایاں اور خوب صورت لگ رہا تھا۔کراچی کے حالات نے اتنا ڈرا اور سہما دیا ہے کہ سب کی متفرقہ رائے تھی کہ نہ گھر سجایا جائے نہ گاڑی جبکہ دونوں بہن بھائیوں کی مرتبہ یہ سب ہوا تھا۔یعنی گاڑی سجانے کا مطلب تھا چوروں اور ڈاکوؤں کو دعوت...... آ بیل مجھے مار۔ بلکہ پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ حماد کا دوست گاڑی چلا رہا تھا اس کے ساتھ گارڈ بھی بیٹھا ہوا تھا ہتھیاروں سے لیس۔یوں لگ رہا تھا بیاہنے نہیں دلہن کو اغوا کرنے جا رہے ہیں۔بہو بیٹی، نواسیاں اور پوتیاں شرارے میں چھب دکھا رہی تھیں اور ساڑی میں بقول سب کے میں بھی ''قیامت'' لگ رہی تھی۔(میاں مٹھو) ''کہنے میں کیا حرج ہے۔''

بروقت میجسٹک لان پہنچے بے حد خوب صورت اعلیٰ انتظام، بہترین کھانا میری چھوٹی بہو ''گجراتی'' ہے اس لیے سادگی خلوص اور انکساری نمایاں تھی۔ دلہن سرخ اور ہرے امتزاج کے شرارے میں خوب صورت لگ رہی تھی اور بلیک سوٹ میں حماد کی تو شان





دائیں سے نواسی سلمیٰ غزل، پرنواسی عبدالقادر شوہر پیچھے بیٹا فیصل بہو فرح، بیٹی ڈاکٹر کہکشاں اور ڈاکٹر عبدالحمید خان داماد

ہی نرالی تھی۔

25 دسمبر کو ولیمہ تھا اور اسی دن کراچی میں عمران خان کا جلسہ...... ڈر اور خوف کہ ہنگامہ نہ ہو جائے جو کراچی کی روایت ہے۔ اس لیے روزے اور نفلیں مان لی تھیں مگر اللہ کے کرم سے سارے مہمانوں نے شرکت کر کے میری خوشیوں کو چار چاند لگا دیے۔ سوائے اس کے کہ ڈیفنس سے آنے والے لوگ رش کی وجہ سے بروقت نہ پہنچ سکے خاص طور سے میری بہنیں اور ان کی فیملی...... اس مرتبہ میں نے دولھا، دلہن کو اپنے ساتھ ہی مہمانوں کے استقبال کے لیے کھڑا کر لیا تھا۔ آج حماد کا سوٹ گرے اور فرح کا آف وائٹ مرجنڈا اور سی گرین کا مینیشن کا شرارہ تھا۔

دونوں پُراعتماد، مطمئن، خوب صورت اور خوش لگ رہے تھے اور سب سے مل رہے تھے اور میری نگاہیں بلائیں لیتے نہ تھک رہی تھیں۔ میرا بڑا بیٹا بہو، داماد بیٹی اور رشتے دار سب مہمانوں کی آؤ بھگت میں مصروف تھے۔ میرے دونوں سمدھیانوں نے بھی مع فیملی شرکت کر کے مجھے ممنون کر دیا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ میری بیٹی جو دونوں بھائیوں سے بڑی ہے اپنی خوب صورتی اور اسمارٹنیس کی وجہ سے چھوٹی لگ رہی تھی اور جب دونوں بھائی اسے آپی کہہ کر بلاتے تو سب کی حیرانی دیکھنے والی ہوتی۔

یہ تقریب اس لحاظ سے میرے لیے یادگار تھی کہ آج ہم دونوں میاں، بیوی اپنے آخری فرض سے بھی سبکدوش ہو گئے تھے اور اس کے لیے میں اپنے شریک حیات کی بھی ممنون ہوں کہ جن کے تعاون اور رہنمائی کے بغیر ایسا ممکن ہی نہیں تھا اور شکریہ بھیا اور بھابی بھی جنہوں نے بڑے ہونے کا فرض نبھایا۔

اور اب ہم دونوں میاں بیوی اس بڑے سے گھر میں ''گلی ڈنڈا'' کھیل رہے ہیں مگر خوش ہیں کہ پہلی جنوری کو فیصل معہ فیملی کے امریکا چلا گیا خیریت سے اور 13 جنوری کو ''حماد'' چلا گیا اور انشاء اللہ جاب اسٹارٹ ہوتے ہی ہم اس کی بیوی کو بھی روانہ کر دیں گے جو یقیناً میاں کے بغیر اداس ہے یعنی جون 2012ء کے آخر میں۔ قارئین سے التماس ہے کہ میرے بچوں کی دائمی خوشیوں کے لیے ضرور دعا کیجیے گا کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز اور گنہگار پر اپنی رحمت کا سایہ اسی طرح قائم رکھے اور میرے گھر کو بری نظر سے بچائے۔

آمین ثم آمین

خوشی کے رنگ

انجم انصار



موسم گرما اپنی بھرپور جولانیوں کے ساتھ رواں دواں ہے اور اس موسم میں رائٹرز کی جانب سے ان کی کتابوں کی تقریبات مجھے موسم بہار کا جھونکا سی لگیں۔ وہاں جا کر نہ صرف لطف آیا بلکہ طبیعت کی پژمردگی بھی ختم ہو گئی۔

پہلی تقریب ہماری بہت ہی سینئر مصنفہ اختر بگانہ کی بچی کہانیوں کے مجموعے امر کہانی کے سلسلے میں آرٹس کونسل میں ہوئی۔ اس تقریب کے مہمانِ خصوصی جمیل الدین عالی تھے۔ جن مہمانوں نے کتاب اور مصنفہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ان میں حاذق الخیری، پروفیسر علی حیدر ملک، نیر سوز، فاطمہ ثریا بجیا اور آپ کی باجی انجم انصار تھیں۔

صاحبِ صدر نے مختصراً کتاب اور کہانیوں کی تعریف کی...... اختر بیگانہ نے اپنی محبت اور سادگی بھرے لہجے میں مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

اس تقریب کی تلاوت وحمد ونعت کی سعادت سعد الدین سعید کے حصے میں آئی۔ ہما بیگ نے منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ اس محفل کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں محترمہ عذرا رسول نے شرکت کی۔ ان کے ساتھ ساتھ اس تقریب کو رونق بخشنے کے لیے رضوانہ پرنس، یاسمین (رشید) عرشیہ جنید، نسرین زبیر کوٹھاری بھی بطور خاص آئیں۔ باقی مہمان ہما بیگ کے اپنے سرکل سے تعلق رکھتے تھے اور سب ہی جانی پہچانی شخصیات تھیں۔ (ماشاءاللہ)

دو دن بعد ہی دوسری تقریب ڈیفنس لائبریری میں تھی۔ یہ رضوانہ پرنس کی چوتھی کتاب اور پہلے ناول قربتوں کی دوری کے سلسلے میں تھی۔ اس شام میری طبیعت خاص طور پر ناساز تھی...... مگر جانا ضروری تھا۔ دراصل محبت کرنے والے لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہو کر ایسا لگتا ہے جیسے وہ خوشی اپنی ہو اور زندگی میں جتنی بھی خوشیاں آئیں چاہے وہ کسی بھی حوالے سے آئیں وہ دل کو ایک عجیب سی طمانیت عطا کرتی ہیں۔ اس لیے میں ہمیشہ یہ دعا بھی مانگا کرتی ہوں، یا اللہ بے حساب خوشیاں عطا فرمانا...... اور اس خوشی بھری تقریب میں بہت ساری مصنفات سے مل کر میں قطعاً بھول گئی...... کہ ان دنوں میں سروائیکل پرابلم میں گرفتار ہوں اور میرے پورے جسم میں شدید درد ہے۔ بہر حال میں بفضلِ خدا ٹھیک ہوں اور اس کی ایک وجہ رضوانہ

پرنس کی یہ خوب صورت تقریب بھی تھی ۔ جس کے مہمانِ خصوصی دوست محمد فیضی تھے۔ اس تقریب میں سب سے طویل گفتگو محترمہ عذرا رسول کی رہی۔ انہوں نے فی البدیہہ بہت سی یادوں اور بہت سی باتوں کا ذکر کیا اور رضوانہ پرنس کو ایک اچھا رائٹر قرار دیا۔ تقریب میں جن مہمانانِ گرامی نے رضوانہ پرنس کے ناول اور ان کی شخصیت کے بارے میں رائے دی ان میں عذرا رسول کے علاوہ رخسانہ سہام مرزا، منزہ، ٹی وی آرٹسٹ عدنان صدیقی، رضوانہ کی ایک دیورانی، صاحبِ صدر اور آپ کی باجی انجم انصار۔ کمپیئرنگ رضوانہ کی ایک کزن شگفتہ نے کی۔ منظوم خراجِ عقیدت، ہما بیگ اور شگفتہ شفیق نے پیش کیا۔ سعیدہ باجی نے بہت خوب صورت آواز میں نعت رسولِ مقبول پڑھ کر ایک سماں باندھ دیا۔ اس تقریب کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس میں چینل ہم کی روحِ رواں مومل شنید صاحبہ نے بھی شرکت کی اور اسٹیج پر بیٹھنے سے منع کر کے ساری کارروائی سامنے بیٹھ کر دیکھی۔ سب سے زیادہ تالیاں عذرا رسول کے خطاب پر بجائی گئیں کہ ان کی شگفتہ باتیں لبوں پر واقعی مسکراہٹوں کے پھول کھلا دیا کرتی ہیں۔ رخ چوہدری، سائرہ غلام نبی، سیما رضا، نزہت اصغر، یاسمین رشید، نسرین زبیر کوٹھاری، عرشیہ جنید، عظمیٰ طارق سے مل کر دلی خوشی ہوئی۔ رضوانہ پرنس اپنے معصوم چہرے اور مسکراتے لبوں کے ساتھ اسٹیج پر بھی اور بعد میں شکریہ ادا کرتی نظر آئیں۔ اس تقریب کی روداد آپ رخ چوہدری کے قلم سے بھی پڑھیں۔ ہما بیگ اپنی والدہ کی تقریب کی کوریج اور تصاویر ہمیں اس وجہ سے نہیں بھیج سکیں کہ اختر بیگانہ گھر میں گر جانے کے باعث ایک طویل آپریشن سے گزر کر فارغ ہوئی ہیں اور ہنوز اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحتِ کلی عطا فرمائے اور مزید خوشیاں عطا فرمائے...... جن کا احوال ہم اپنے پاکیزہ میں شائع کرتے رہیں کہ آپ کی یہ خوشیاں ہماری اپنی ہیں اور آئیں اب رضوانہ پرنس تقریب کو رخ چوہدری کے قلم سے بھی پڑھ لیں۔

دوری میں قرب

اب تو کان ترس جاتے ہیں کسی دعوت نامے سننے کے لیے اور ایسے میں جب رضوانہ پرنس اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں اپنے نئے ناول قربتوں کی دوری کی افتتاحی تقریب کی دعوت دیتی ہیں تو ایک دم عجیب خوشی ہوتی ہے کہ جیسے عرصے بعد دھند چھٹی ہو دوسرے رضوانہ کا محبت بھرا اصرار اب انکار کس سے کیسے ہو۔ لہٰذا ''تارا'' چھوٹا بھائی ذیشان کا جب ذکر تو چوہدری صاحب حسبِ توقع انہوں نے فرمایا.....

''ارے یار پہلے بتانا تھا نا فلاں سے فلاں میٹنگ ہے۔ خیر انہوں نے ہمیں سن سیڈ کلب چھوڑا گاڑی سے اترے۔ اب ہم رضوانہ سے موبائل پہ راستہ پوچھتے رہے۔ ریحانہ اچھی ڈرائیور ہے مگر پھر بھی گھبرا رہی تھی۔ رضوانہ نے اچھا گائڈ کیا اور ہم لوگ جب ان کی تقریب میں پہنچے تو پتا چلا کہ رضوانہ نے درست کہا تھا۔ تقریب بہت بڑے پیمانے پر نہیں تھی۔ نہ ہی مدعوین کی تعداد زیادہ پھر بھی سادہ سی پُروقار سی تقریب میں بہت خلوص اور اپنائیت کی فضا نے ماحول کو ہتھیار رکھا تھا..... تقریب کی دلہن یعنی رضوانہ پرنس نے وائٹ شرٹ اور سرخ چوڑی دار پاجامہ زیب تن کر رکھا تھا۔ لب و لہجے میں ''ہم'' کا استعمال کرتی ہیں جو ان پر بہت سوٹ کرتا ہے۔ اس پر ان کی کزن کمپیئر...... شگفتہ ذیشان نے ان کو شہزادی کا لقب دے کر ان کو واقعی شہزادی بنا دیا۔ رضوانہ پرنس کی شخصیت کی نمایاں چیز ان کا بھولپن اور اچھا اخلاق ہے۔ مجھے تو جب وہ رخ میرا بچہ کہتی ہیں تو مجھے واقعی مہربان سی ماں لگتی ہیں جن کے ہاتھ چوم لینے کو دل چاہتا ہے۔ اس وقت انہوں نے مجھے میرا بچہ کہہ کر ساتھ لگایا تو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہم آ گئے۔



دائیں سے شگفتہ شفیق، عدنان صدیقی، چینل ہم کی مومل شنید، انجم انصار اور رضوانہ پرنس

آتے تو اس محبت سے محروم رہتے اور میں آپ سے یہ بات شیئر کرنا چاہتی ہوں کہ ڈیئر رضوانہ پرنس کا یہ انداز یہ محبت ہماری پہلی ملاقات پر بھی تھی۔ جب انجم کی طرف سے ہمیں دعوت نامہ ملا تھا کہ ہماری نئی ابھرتی ہوئی رائٹر رضوانہ پرنس کی کتاب کی رونمائی ہے تم لوگ ضرور آنا تو اس وقت بھی رضوانہ ایسے ہی ملی تھیں۔ میرا بچہ کہہ کر ساتھ لگایا جیسے ہم صدیوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ محبت کا یہ سلسلہ کہیں دور سے چلا آرہا ہے۔ ہرچند کہ ان باتوں کا تعلق احوالِ تقریب سے نہیں مگر ہے بھی کیونکہ میرے قارئین کو معلوم ہو جائے کہ ی اور رضوانہ کی دوستی کیسے ہوئی اور وہ میرے لیے سی اہم اور کتنی محترم ہیں کہ میرا دل چاہا کہ ان کی اس ہ میابی پر ان کے بارے میں لکھوں۔

تقریب میں رضوانہ پرنس کی اپنی فیملی ان کی دوشیزہ فیملی اور پاکیزہ کی فیملی کے لوگ تھے۔ پہلی ہی صف میں ان کی دوشیزہ فیملی سے (رخسانہ سہام) جن کو ملنے کا ہمیں بے حد اشتیاق تھا۔ خوب صورت سی ان خاتون کو سلام کیا انہوں نے محبت سے جواب دیا۔ غزالہ

رشید سے ''جھپی'' ڈال کر ملنے کی بات ہی اور ہے۔ ڈیئر منزہ پہلے سے زیادہ حسین اور اسمارٹ نظر آئیں۔ ماشاء اللہ اپنے بیٹوں کے ساتھ کھڑی ہوں تو ان کی چھوٹی بہن لگتی ہیں۔ منزہ ماشاء اللہ اپنا اتنا ہی خیال رکھیں کہ بہوؤں کی بھی چھوٹی بہن ہی لگیں، آمین۔ ان کی آنے والی (بہوؤں) سے معذرت۔

اپنی پیاری دوستوں سائرہ غلام نبی اور سیما رضا کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ بیان سے باہر ہے۔ لیجیے تقریب کے مہمانانِ گرامی آرہے ہیں۔ ہماری پیاری رضوانہ پرنس خوش رنگ تتلی کی طرح اڑتی پھر رہی ہیں۔ اس تقریب کی خاص بات یہ تھی کہ رضوانہ کے بھائی سلیم بھائی، شاہین، اور اسد بھائی۔ جن کے بارے میں رضوانہ نے لکھا کہ جب وہ دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے بھائیوں کے ساتھ مل کر ان کو سمندر میں پھینکنے کا سوچا تھا۔ جب بچپن گزر گیا تو یہی بھائی عزیز از جان ہوگیا ہے، ہے نا رضوانہ...... یہ بھائی ہوتے ہی عزیز از جان ہیں۔ تو اس تقریب میں ان کے بھائیوں، بھابیوں اور امی جان نے بھی شرکت کی بذریعہ اسکیپ ایک لڑکی جس کا نام میں بھول رہی ہوں۔ وہ اسکیپ کو مانیٹر کرنے پر مامور ہے۔ رضوانہ بچوں کی طرح خوش ہیں اور بار بار بھائیوں سے پوچھ رہی تھیں۔ ہائیں ابھی سب آرہا ہے۔ ہاں بیٹا ذرا اسکرین کا رخ اسٹیج کی طرف کرنا تاکہ اسٹیج کی کارروائی سب کو نظر آئے۔ دیکھیں سب لوگ آئے ہیں، میرے سب دوست میری خوشی میں شریک ہوئے ہیں۔ رضوانہ پرنس واقعی بچوں کی طرح بول کر دور بیٹھے اپنے بھائیوں کو اپنی خوشی میں شریک کررہی ہیں اور ساتھ ساتھ ہر آنے والے مہمان کو اتنی محبت، خلوص اور اپنائیت سے مل رہی ہیں کہ گویا دوسرے کو احساس ہوجائے کہ ہاں میں بھی ان کے لیے سب سے اہم ہوں اور اگر اس محفل میں شریک نہ ہوتے تو اتنی محبت اور عزت سے محروم رہ جاتے۔

دوست محمد فیضی صاحب ہر ادبی تقریب کا حصہ ہیں اور خوب ہیں، البتہ عدنان صدیقی کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ لیجیے رضوانہ پرنس کی محفل کے آنچل میں ڈھیروں تارے چمک رہے ہیں مگر لگتا ہے پھر بھی میری طرح آپ کو محفل ذرا پھیکی پھیکی سی اور خاموش سی لگ رہی ہے اور ہماری اس سوچ کے ساتھ ہی پاکیزہ کی روحِ رواں عذرا رسول اندر آئیں تو پھر جیسے چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ عذرا رسول کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں (سامعہ) ناظرین میں جنگ شروع ہوجاتی ہے کہ ہم عذرا کو دیکھیں یا ان کو سنیں اگر ان کے حسن میں کھو جائیں تو ان کی بات سمجھ میں نہیں آتی اور جو ان کی فی البدیہہ سنیں تو لفظ اور بھی خوب صورت ہوجاتے ہیں۔ پنک کلر میں اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے سب کو ساتھ لگا کر حال پوچھا۔

''اور چٹکلے لکھنے والی رخ تمہارا افسانہ ابھی آدھا پڑھا ہے۔'' ہم نے سانس روک لی کہ جانے کیا کہیں۔ کہا جتنا پڑھا اچھا ہے۔ باقی پورا پڑھ کر بتاؤں گی۔ اف عذرا جی ادھورے افسانے کی ادھوری تعریف کے بعد کیا میں پوری تعریف تک سانس روکے رکھوں اگر آپ کو بقیہ افسانہ پسند نہ آیا تو...... ویسے قارئین عذرا سے پوری تعریف سننے کا ایک آسان طریقہ ہے۔ میرے ذہن میں، ہم رضوانہ پرنس سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ فٹافٹ اچھا سا ناول لکھ کر اس کی رونمائی کی تقریب منعقد کریں تاکہ ہم اپنی روکی ہوئی سانس لے سکیں۔ دیکھیں انجم میں نے آپ کا نام بھی نہیں لیا اور سب مہمان جان گئے کہ اس خوب صورت سی محفل میں جو کمی سی تھی وہ باوقار سی انتہائی اچھی سی انجم انصاری کی تھی۔ انجم ہمیشہ مجھے منع کرتی ہیں۔ ''بیٹا میرے بارے میں کچھ نہ لکھا کرو۔'' تو دیکھ لیجیے انجم ٹھیک کہتی



رضوانہ پرنس، دوشیزہ کی منزہ سہام اور دیگر سہیلیوں کے ساتھ

ہیں، میں ان کے بارے میں لکھ ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ محبتوں کے تمام رشتے احترام کے تمام ناتے ہیں میرے ان سے۔ ایک دنیا آپ کی مداح ہے۔

قارئین پلیز اپنی اپنی جماہیوں کو اسٹاپ کہہ کر روک دیں کیونکہ رضوانہ پرنس نے اپنی اس غیر رسمی سی محفل کا غیر رسمی آغاز کرتے ہوئے کہا۔ ''بھئی عذرا انجم آپ اسٹیج پر چلیں۔'' یوں اللہ تعالیٰ کے اسم پاک سے تقریب کا آغاز ہوا تو خواتین کا ازلی پرابلم ہے سر اماپنو پھر سعیدہ باجی نے بہت خوب صورت نعت پڑھی۔ تو شگفتہ ذیشان نے کمپیئرنگ کے فرائض نبھائے اور انہوں نے دل کھول کر اپنی کزن کی تعریف کرتے ہوئے ان کو شہزادی کا اعزاز دیا اور اس بات پر ہم سو فیصد شگفتہ سے ''متفق'' ہیں۔ دیکھا پڑوسی وائرس کے اثرات۔ ہماری پیاری اردو کا پیارا لفظ ''متفق'' ہیں۔

سب سے پہلے رخسانہ سہام تشریف لائیں تو ان کے چاہنے والے تو چاہتے تھے کہ دیر تک بولیں مگر انہوں نے مختصر مگر جامع کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے انتہائی مناسب، خوب صورت انداز میں رضوانہ پرنس کی تحریر کو سراہا اور چلی گئیں اور پھر دل تھام لیجیے کہ باری ''عذرا رسول'' کی آئی اور عذرا کو دیکھنا سننا دونوں اچھا لگتا ہے۔ (اچھا لگتا ہے) یہ سیریل بھی جلد ہی آپ دیکھیں گے۔ فیصلہ کرنا دشوار ہوتا ہے کہ وہ زیادہ اچھا بولتی ہیں کہ زیادہ اچھی دکھتی ہیں۔ ہمیں تو دونوں انداز اچھے لگتے ہیں عذرا چونکہ صاحبِ کتاب کی کزن بھی ہیں۔

مگر رشتے سے ہٹ کر انہوں نے رضوانہ کے لیے جو کہا سچ کہا سچ کے سوا کچھ نہیں کہا۔ انہوں نے کہا کہ ویسے تو پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آجاتے ہیں مگر رضوانہ کے پاؤں مسہری میں نظر آئے ہیں۔'' اور خوب.... نظر آئے ہیں کہ ان چند سالوں میں انہوں نے چار کتابیں اپنے قارئین کو دی ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم

اور زیادہ آمین۔ جب دوست محمد فیضی صاحب آئے تو توقع تھی کہ وہ اپنی مزے دار باتوں سے دیر تک مائیک پر کھڑے رہیں گے مگر انہوں نے چند باتیں کی اور ان کی شوخ باتوں نے فضا کو خوشگوار کر دیا۔ اس تقریب کی سب سے خاص بات اور خاص مہمان فیضی صاحب کے بھانجے 6 سالہ عمر تھے جنہوں نے علامہ اقبال، میر جیسے اساتذہ کے اتنے مشکل شعر جن کو اردو ادب پڑھتے ہماری زبان کئی بار قلابازیاں کھا جایا کرتی ہے۔ اس ننھے مہمان اتنے پیارے انداز اور آواز میں سنائے کہ سب کو ان پر پیار آ گیا۔ اللہ کرے کہ ہر گھر میں عمر میاں جیسے اساتذہ کو پڑھنے والے عمر ہوں۔ ورنہ تو آج کے بچے عاطف اسلم کی شاعری یاد کرتے اور گاتے نظر آتے ہیں۔

پھر عدنان صدیقی آئے انہوں نے آتے ہی کہا۔ رضوانہ صاحبہ میں نے آپ کا یہ ناول پڑھا نہیں، اس لیے رائے نہیں دے سکتا مگر رضوانہ پرنس تڑپ گئیں۔ چل جھوٹے تم نے یہ ناول پڑھا ہے۔ موصوف بضد تھے کہ نہیں پڑھا۔ دونوں کی نوک جھونک چلتی رہی۔ رضوانہ جی آپ نے یہ ناول ان کو نہیں دیا تھا ناں اسی لیے انہوں نے پڑھنے سے انکار کر کے بدلہ لیا ہے۔ عدنان بھیا ڈونٹ وری مول شنید پیاری خاتون ہوسکتا ہے آپ کو اسی ڈرامے میں ہیرو کاسٹ کرلیں۔ سب سے آخر میں ہماری انجم آئیں...... تو دل چاہ رہا تھا کہ ان کے خوب صورت لہجے میں ڈھلے الفاظ کو ڈھیر سارا اور دیر تک سنا جائے مگر انہوں نے انتہائی وقار کے ساتھ کہا کہ رضوانہ بہت اچھی لکھاری ہیں۔ انہوں نے دیر سے لکھنا شروع کیا ہے اور چونکہ شگفتہ نے رضوانہ کو شہزادی قرار دیا ہے اس لیے انہوں نے تمام حاضرین کو شہزادے اور شہزادیاں قرار دے کر کہا کہ ظاہر ہے شہزادی کی محفل میں ان کے ہم پلہ ہم رتبہ مہمان بھی آئیں گے۔ اس تقریب میں ہمیں ایک پیاری سی دوست فین عریشہ جنید ملیں، اتنی محبت سے کہ دل خوش ہو گیا ہے جیتی رہیے۔ آخر میں تھوڑا سا رضوانہ پرنس کے بارے میں...... رضوانہ دوستی کے علاوہ میرا ایک اور رشتہ ہے۔ احساس کا، درد کا رشتہ...... میں دیکھ رہی تھی کہ تتلی کی طرح اڑتی ہوئی ہنستی مسکراتی......سی خاتون کی آنکھوں کے کنارے بار بار بھیگ رہے ہیں۔ کھنکتی آواز اور مسکراتے لہجے کے آسمان بابا اور پرنس کی یادوں کے گھیرے بادل ہیں اور وہ ڈھیر ساری بارش اندر کہیں ہو رہی ہے۔ اپنی ہی تقریب میں انہوں نے چند جملے بولے کہ حلق میں بھی بابا کی یاد کا گولا پھنس جاتا تو کبھی پرنس کی یاد کا...... بچوں اور بھائیوں، بھابیوں کی دیوانی رضوانہ کو اگر اس وقت شانہ مل جاتا تو وہ بابا اور پرنس کی یاد کو آنسوؤں میں بدل دیتی۔ امی جان کی طبیعت کی خرابی بھی دل کو ہولا رہی ہے۔ انہوں نے بھیگی آواز میں حاضرین سے کہا۔ ”دعا کیجیے ہماری امی ٹھیک ہو کر آجائیں ہم آپ کو ڈنر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ امی جان کو زندگی اور صحت دے ان کی زندگی اور صحت ہی ہمارے لیے خوشی اور ڈنر ہے۔ میری نظر میں رضوانہ پرنس کیا ہیں......؟ خوب صورتی، سادگی، محبت اور اخلاق کو یکجا کر دیں تو مسکراتی ہوئی رضوانہ پرنس سامنے آجاتی ہیں۔ رضوانہ جی آپ ڈھیر سارا جیئیں۔ ڈھیر سارے ناول اور افسانے لکھیں۔ ڈیئر مول امید ہے دیگر ڈراموں کی طرح آپ رضوانہ کے ناول پر خوب صورت سا ڈراما بنائیں گے۔ انشاء اللہ محترم قارئین میں کوئی باقاعدہ پروفیشنل احوال نگار نہیں ہوں۔ بس اپنی بساط برابر جہاں دوست جمع ہوتے ہیں ہم خوش ہوتے ہیں، دل چاہتا ہے اپنے قارئین کو بھی اس خوشی میں شریک کر لیں اور اس احوال نگاری میں اگر میری کوئی بات بری لگی ہو تو درگزر کر دیں۔“ (شکریہ)

☆☆☆



پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمدِ باری تعالیٰ

صنعت گری پہ جس کی زمانے کو ناز ہے
اس کے حضور میری جبینِ نیاز ہے
جب کُن کے دو حروف کو دیکھا تو یہ کھلا
دروازہ جلوہ گاہِ دو عالم کا باز ہے
ظاہر ترا جمال ہے، اے ربِ کائنات
تیرے کرم سے میری نظر پاکباز ہے
اب دل میں گونجتی ہے صدا ”لا الہ“ کی
روشن حریمِ غم میں چراغِ نماز ہے
جلوے خدا کے حسنِ خدائی ہیں اور کیا
اظہارِ کائنات تجلائے ناز ہے

مرسلہ: مسز فرح امجد، ٹاؤن شپ لاہور

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

دل میں آقا کی محبت چاہیے
عشقِ نبوی ﷺ میں صداقت چاہیے
زندگی اس کی ہے جو اُن کا ہوا
ہر عمل میں اُن کی سیرت چاہیے
نعت کے لکھنے کی خاطر اے خدا
حرف پہ لفظوں پہ قدرت چاہیے
میں غلام ابن غلام ابن غلام
مجھ کو بس آقا سے نسبت چاہیے
ان کی سیرت سے ہو وابستہ حیات
زندگی کو وہ حقیقت چاہیے
رحمتیں بس رحمتیں بس رحمتیں
رحمتِ عالم کی رحمت چاہیے
رحمتوں کے سائے میں زندہ رہوں
مجھ کو یارب ایسی قسمت چاہیے

شاعر: محسن علوی
مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

توبہ کے در

ہر روز سورج طلوع ہو کر جب غروب ہوتا ہے تو وہ اللہ کے پاس جا کے سجدہ کرتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے دوبارہ طلوع ہونے کی پھر ایک دن ایسا آئے گا جب اللہ تعالیٰ اسے طلوع ہونے کی اجازت نہیں دیں گے تب جو لوگ فجر کی سنتوں کا انتظار کر رہے ہوں گے وہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی قدرت دکھا رہے ہیں اور جو لوگ غفلت میں ہوں گے وہ رات سمجھ کر پھر سو جائیں گے۔ یہاں تک کہ سو سو کر تھک جائیں گے تب گھبرا کر اٹھیں گے پھر تین دن کے بعد سورج طلوع ہوگا مگر مغرب سے اور یہ وہ وقت ہوگا جب توبہ کے در بند کر دیے جائیں گے۔

(صحیح بخاری جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 709)

مرسلہ: صدف آصف، کراچی

منہ سے نکلی بات

ایک شخص امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک چھوٹے سوراخ سے بڑا بیل نکلا ہے اس نے ہر چند چاہا کہ دوبارہ سوراخ میں جائے وہ نہ جا سکا۔ آپؓ نے تاویل میں فرمایا کہ وہ بیل ”بات“ ہے جب منہ سے نکلتی ہے تو پھر اپنی جگہ نہیں جاسکتی۔

از: فرحت احمد، گلشن حدید، فیز 1 کراچی

انٹرویو کارنر

ڈیئر پاکیزہ قارئین! السلام علیکم، میں آپ کے لیے اجنبی سہی لیکن آپ ساری بہنیں میری اپنی ہو۔ آپ بھی حیران ہو رہے ہوں گے کہ میں کون ہوں چلیں، میں اپنا تعارف کروا ہی دیتی ہوں۔ میرا نام شازیہ ہاشم ہے۔ میرا تعلق ضلع قصور کے ٹاؤن..... کھڈیاں خاص سے ہے۔ حال ہی میں، میں نے ایم اے پارٹ ون ان اردو امتیازی نمبروں سے پاس کیا ہے اور پارٹ ٹو کی تیاریاں جاری ہیں۔ میری تاریخ پیدائش 25 دسمبر ہے۔ اور کیپری کورن ہوں لیکن اسٹار پر بالکل یقین نہیں رکھتی۔ صرف اس ذاتِ الٰہی پر بھروسا ہے۔ جس نے مجھے اور آپ کو پیدا کیا ہے۔ ہم آٹھ بہن بھائی ہیں۔ میں تیسرے نمبر پر ہوں مجھے اپنے سب بہن بھائیوں سے والہانہ محبت ہے۔ مجھے رشتوں میں ''ماں'' کا رشتہ بہت پسند ہے۔ میں اپنی مما سے بہت پیار کرتی ہوں اور اپنے ابو سے تو میں بے حد پیار کرتی ہوں۔ میری گہری دوستوں میں نبیلہ اور صائمہ شامل ہیں۔ میری فیورٹ شخصیت سیدنا دو عالم حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے اور میری پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے۔ جس کی تلاوت میں تقریباً دن میں تین مرتبہ کرتی ہوں اور اس کے علاوہ جامعہ میں تفسیر بھی پڑھاتی ہوں اور اقراء بنتہ الاطفال کی ایڈمنسٹریٹر ہوں۔ میری خواہش یہ ہے کہ میں اور میرے پیارے والدین حج کریں اور روضۂ اقدس ﷺ کی زیارت کریں اور ان پیاری جالیوں کو چوم کے آنکھوں سے لگالوں۔ مجھے سلائی کے علاوہ ہر کام آتا ہے۔ اب میں اپنی تعریف تو کیا کروں لیکن برائیاں بتادیتی ہوں انا پرست ہوں، غصہ جلد آتا ہے لیکن اتنی ہی تیزی سے ختم ہو جاتا ہے، بے پروا بہت ہوں اسی بے پروائی کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ حساس بھی بہت ہوں ہر کسی کا دکھ اپنا دکھ لگتا ہے۔ پاکستان کی حالت دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ ارضِ پاکستان کو قائم ودائم رکھے اور نظرِ بد سے بچائے۔ بس میں اپنے پاکیزہ کی پیاری اور پھول جیسی قارئین کو یہ پیغام دینا چاہتی ہوں کہ ''ہر کسی کے ساتھ محبت اور خلوص سے پیش آؤ کیونکہ یہ فاصلوں کو کم کر دیتا ہے۔''

شازیہ ہاشم، ضلع قصور

ہم لوگ

ہم لوگ جنت میں جانا چاہتے ہیں پر مسجد کیوں نہیں جاتے۔ رشوت تو دے سکتے ہیں پر غریب کو کھانا کیوں نہیں کھلاتے۔ غیبت تو کر لیتے ہیں پر اچھے کام کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے۔ گانے گاتے ہیں درود کیوں نہیں پڑھتے تین گھنٹے کی فلم تو دیکھ سکتے ہیں پر دس منٹ کی نماز ادا کیوں نہیں کر سکتے۔ سوچیے گا ضرور......؟

از جبیں ہاشمی، بھیرہ

نظم

شام کے ملگجے اندھیروں میں:
میری ٹیبل، دوستوں کے دیے ہوئے
تحفوں، پھولوں اور کارڈ سے بھری ہے
سناٹوں میں پھولوں کی خوشبو اب تک
کمرے میں پھیلی ہے
لیکن دل اداس ہے
میں نے پھولوں کی وہی سوکھی شاخ
دراز سے نکالی جو پچھلی سالگرہ پر
دیتے ہوئے تم نے کہا تھا
اس کے مرجھانے سے پہلے میں لوٹ آؤں گا
میں نے اپنے تشنہ سسکتے ہوئے لب
محبت کی اس مرجھاتی ہوئی شاخ پر رکھ دیے

اور آنکھیں بھینچ کر
تمام درد تمام آنسو اپنے اندر اتار لیے

شاعرہ: پروین عذرا تشنہ، کراچی

کالی مرچیں

☆سورج اور بیوی میں ایک بات مشترک ہے۔ دونوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جا سکتا۔

☆شادی...... ایک ایسا بندھن ہے جس میں دو شریف آدمیوں کو خوامخواہ آپس میں لڑنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

☆شادی...... دردِ دل کا علاج ضرور ہے لیکن اس سے بہت سے دردِ سر پلے پڑتے ہیں۔

☆شادی محبت کا نام ہے اور محبت اندھی ہوتی ہے اس لیے ایک ایسا ادارہ ہے جو اندھوں کے لیے قائم کیا گیا ہے۔

☆محبت چار حروف اور دو احمقوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

☆اس کام کو کل پر نہ ٹالیں، جو پرسوں ہو سکتا ہے۔

☆محبت ایلوپیتھک میڈیسن کی طرح ہے جو ایک پریشانی ختم کرتی ہے تو دس پیدا کرتی ہے۔

☆اپنے کرتوتوں کا نظریاتی جواز پیدا کرنے کا نام فلاسفی ہے۔

از: عفت شعیب، پنجاب

غزل

بہت اداس سے لگتے ہیں بام و در جاناں
گیا ہے آج تجھے کون چھوڑ کر جاناں
اب تو اشکوں سے سجی رہتی ہیں آنکھیں میری
جبھی بھرتے ہیں میرے خواب در بدر جاناں
لمحہ بھر کو مجھے ملنے نہیں دیتا مجھ سے
کوئی رہتا ہے میری ذات کے اندر جاناں
خوشی کی دھوپ جھلنے بھی نہ دے گی مجھے
میرے سر پر ہے تیرے ہجر کی چادر جاناں
آج شب نیند کو ترسیں گی کرن پھر آنکھیں
وہی گزرے ہوئے لمحات سوچ کر جاناں

شاعرہ: مہناز کرن، پشاور

کیا دھوپ میں بارش ہوتی ہے

جب میں نے اس سے پوچھا تھا
کیا دھوپ میں بارش ہوتی ہے؟
وہ ہنستے ہنستے رونے لگی
اور دھوپ میں بارش ہونے لگی
وہ نازک سی کلی مرجھا سی گئی
اور رو کر مجھ سے کہنے لگی
تم چھوڑ نہ جانا او ساجن
دل توڑ نہ جانا او ساجن
تم کیا جانو دھوپ کی بارش؟
تم کیا جانو ہجر کا غم
جب تم دور تھے مجھ سے او ساجن
میرے ہاتھ کی چوڑی اور کنگن
جب گیت تمہارے گاتے تھے
مجھے یاد بہت تم آتے تھے
میں ہنستے ہنستے روتی تھی
اور دھوپ میں بارش ہوتی تھی

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

خوب صورتی

☆آپ کے جسمانی خدوخال کی خوب صورتی سے بڑھ کر آپ کا رویہ خوب صورت ہونا چاہیے...... یہ مجسموں اور تصاویر سے بڑھ کر آپ کے لیے خوشی کا سامان مہیا کرے گا کیونکہ یہ ایک بہترین فن ہے۔

☆ہم خوب صورتی اور حسن کی تلاش میں دنیا کی خاک چھانتے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ہمارے اندر

موجود ہونی چاہیے اگر یہ ہمارے اندر موجود نہیں ہے تو ہم اسے کہیں بھی نہیں پاسکیں گے۔

☆ایسی زبان سے بڑھ کر خوب صورت کیا ہوگا جو مکروفریب سے عاری ہے...... ایسے کانوں سے بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا جو محض اچھی باتیں سنتے ہیں...... ایسی آنکھوں سے بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا جو محض دوسروں کی اچھائیاں ہی دیکھتی ہیں...... ایسے مزاج سے بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا جو دوسروں کو ناگوار نہیں گزرتا...... اور ایسی خیرات سے بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا، جس سے دوسروں کی بہت سی پریشانیاں اور مسائل حل ہوجاتے ہیں۔

مرسلہ: تانی چوہدری...... آکسفورڈ یو کے

جدائی کا موسم

بہاروں کی رُت میں جدائی کا موسم
اداسی ہے دل میں آنکھیں ہیں پُرنم
نہ آنکھوں میں کاجل نہ بانہوں میں گجرا
کہاں گم ہوئی ہم سے گیتوں کی سرگم
بہاروں کی آمد سے پھولوں کا کھلنا
موسم کی خنکی اور بوندوں کی رم جھم
چمک تھی نظر میں کرنوں کے مانند
صبح دم ہو جیسے پھولوں پہ شبنم
زمانہ محبت کا ایسے ہے گزرا
سمندر کی لہروں کا جیسے ہو سنگم
فسانے ہوئے اب مگر تھی حقیقت
تھا سپنا یہی کہ نہ چھوڑیں گے ساتھ ہم
اجل نے ہے توڑا یہ بندھن وفا کا
رضا جو ہے تیری اسی میں ہیں خوش ہم
نبھاتی ہیں ہم کو محبت کی رسمیں
بچھڑ کے ہوئے دور پھر بھی ہیں باہم
نہیں گوندھ سکتے گجروں میں کلیاں
یادوں کی مالا پروئیں گے ہر دم

شاعرہ: خالدہ نسیم، لندن

غزل

عشق کی چنگاریوں سے ہر خوشی جلنے لگی
وہ تسلی کیا کرے جب زندگی جلنے لگی
آج میرے حال پر کوئی بھی روئے گا نہیں
بے بسی سے بھی میری اب تو ہنسی جلنے لگی
ساتھ کیا دے گا کوئی جب ساتھ چلنا ہی نہیں
آرزوؤں کی خوشی کی، ہر کلی جلنے لگی
سسکیاں، آہیں، خلش اپنا مقدر بن گئیں
کیا بچا ہے پاس اپنے ہر خوشی جلنے لگی
اب کسی سے کوئی شکوہ نہ گلہ کرنا ہمیں
آخری سانسیں ہیں اب تو روح بھی جلنے لگی

شاعرہ: ثمیرا اشتیاق، قطر

دولت اور صحت

شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ انسان بھی کیا چیز ہے؟ دولت کمانے کے لیے اپنی صحت کھودیتا ہے اور پھر صحت کو واپس پانے کے لیے اپنی دولت کھودیتا ہے مستقبل کو سوچ کر اپنا حال ضائع کردیتا ہے پھر مستقبل میں اپنا ماضی یاد کرکے روتا ہے جیتا ایسے ہے جیسے کبھی مرنا ہی نہیں ہے اور مرا ایسے جاتا ہے جیسے کبھی جیا ہی نہیں۔

از: فائزہ شہزاد، حیات آباد پشاور

شرمندہ

انسپکٹر چور سے بولا۔ ”تم نے بڑی دلیری سے گھر کی دیوار پھلانگی۔ بڑی آسانی سے زیور چرایا اور بغیر آہٹ کے رفوچکر ہوگئے۔“

چور شرماتے ہوئے بولا۔ ”جناب اتنی تعریف کرکے شرمندہ تو نہ کریں۔“

مرسلہ: رفعت مبین رفی، کراچی

جلترنگ

انجم انصار

بڑی مشکل ہے

پریشان ہوکر میں نے اپنا سر تھام لیا تھا...... میرے ساتھ کیا ہورہا تھا...... میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ ٹانگ میں فریکچر ہوجانے کے باعث میں چھ ہفتے سے مسلسل بیڈ پر تھا۔ چونکہ یہ فریکچر کراچی میں ہوا تھا...... اس لیے میں اپنے بھائی کے ہاں ایک کمرے میں مقید ہوکر رہ گیا تھا۔

ٹی وی کے چینلو کبھی اتنی باقاعدگی سے نہیں دیکھے تھے جتنے روم اریسٹ ہونے کے بعد دیکھنے پڑے تھے۔ اور پھر یوں ہوا کہ جب میں ٹھیک ٹھاک ہوکر لاہور آیا تو مجھے ہر بات کے دو دو مطلب محسوس ہونے لگے۔

ایسی بھی کوئی بات نہیں تھی کہ میں ہمیشہ سے اس نہج پر سوچا یا محسوس کیا کرتا تھا۔ میں تو بڑا لاابالی سا لڑکا تھا...... جو بات کرنے سے پہلے یہ تک نہیں سوچتا تھا کہ کس سے، کیا بات کررہا ہوں اور اب ہر بات میں مجھے مختلف رنگ نظر آرہے تھے...... جس سے میں واقعی بہت گھبرا گیا تھا۔

ایک شام میں بڑی خالہ کے گھر گیا تو اُن کی بیٹی کمرے والا پردہ ہٹا کر بولی۔

”اخاہ...... اختر...... تم کب آئے کراچی سے؟“

وہ عمر میں مجھ سے دس مہینے بڑی تھی...... ہمیشہ میرا نام لے کر ہی مجھ سے بات کرتی تھی۔ اور اس نے یقیناً عام لہجے میں مجھ سے یہ جملہ بولا تھا مگر میرے ذہن میں فلموں کا ایک سین ناچ سا گیا...... جس میں ہیروئن موتیوں کی جھالروں والا پردہ ہٹا کر ساڑی کا پلو کندھے سے گرا کر آتے ہوئے اپنے گاہک نما مہمان سے کہہ رہی تھی۔ ”اوہ...... آپ آگئے...... کتنے دن باہر رہے آپ شہر سے کچھ اندازہ بھی ہے آپ کو......“

”اخاہ...... آج آپ آہی گئے۔“

”فاخرہ تمہارا دماغ خراب ہے...... ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی۔ تو میں کیسے آتا لاہور......“ گڑبڑا کر میں بڑبڑاتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

میری طبیعت پوچھنے کو بڑی مامی آئیں تو انہوں نے بتایا۔ ”اس اتوار کو شازیہ کی منگنی ہورہی ہے۔ مگر لڑکا نہیں آرہا...... میں نے تو کہا ہے کہ اس کو بھی لے کر آئیں، ابھی تک لڑکا دیکھا نہیں ہے ہمارے بھائیوں نے مگر اس کو ٹائم ہی نہیں مل رہا۔“

”ممانی جان وہ نفسیاتی مریض ہوگا...... سرخ پھولوں سے اور تیز چمکنے والی چیزوں سے ڈرتا ہوگا...... اگر بالفرض اس کے گھر والے زبردستی اسے لے بھی آئیں تو آپ مختلف چیزوں سے اسے چیک بھی کیجیے گا......“ میں اُن کے بگڑے زاویے دیکھ کر بھی نہیں سمجھ پایا کہ انہیں میری باتیں ناگوار محسوس ہورہی ہیں۔

”ارے بھیا...... ہمارا داماد ایسا ہے کہ دیکھنے دکھانے کے لائق ہے...... ابھی تک ہمارے خاندان میں تو ایسا کوئی نہیں آیا ہے۔ خاندان والوں کو تو دکھانا ہی نہیں چاہیے...... بغیر دیکھے ہی جل جل کر بکواس کرتے پھر رہے ہیں۔“

ممانی کی بکواسیات سن کر ظاہر ہے مجھے چپ رہنا ہی تھا۔ بھیا اور بھابی بھی کسی شادی سے آئے تو شرمیلے دولھا کی تعریفیں کرتے نہیں تھک رہے تھے"وہ سہرا ڈال کر آیا تھا...... اور مسلسل نظریں نیچی کیے منہ پر رومال رکھے بیٹھا رہا...... آج کل کے لڑکے ایسے کہاں نظر آتے ہیں۔"

"بھیا...... دولھا تبدیل ہوگیا ہوگا......؟"

میرے ذہن میں چھوٹو کا کردار روشن ہوگیا۔

"کیا مطلب......؟" بھابی نے آنکھیں پٹ پٹائیں کہ یہ تقریب اُن کی فیملی کی تھی جس کی تعریفیں بھیا کر رہے تھے۔

"میرا مطلب ہے کہ سہرے کی آڑ لے کر وہ دولھا آ گیا ہوگا جو دلہن کو چاہتا ہوگا۔ اس نے اصل دولھا کو کہیں بے ہوش کر کے پھینک دیا ہوگا اور خود تقریب میں سہرے کی آڑ لے کر آ گیا ہوگا۔"

"اختر تمہارا دماغ خراب تو نہیں ہوگیا۔ پاگل تو نہیں ہوگئے تم۔" اب میں اُن سے کیا کہتا کہ جو شخص زندگی میں پہلی مرتبہ اتنے ڈھیروں ڈھیر چینلو چھ ہفتے تک مسلسل دیکھتا رہا ہو...... تو پڑوسی ملک کی نشریات کے طلسماتی ڈراسوں کا اثر بالآخر کچھ نہ کچھ تو پڑنا ہی تھا۔ اس میں میری غلطی کہاں تھی؟ آپ ہی بتائیں۔

☆☆☆

ایب نارمل شوہرز

راشدہ خالہ کی نند کی بھانجی ہما کے میاں کے قصے ہمیں اس وجہ سے بھی معلوم تھے کہ اُن کا گھر ہمارے پڑوس میں تھا۔

شرافت بھائی شر اور آفت کی تفسیر تھے۔ گھر کے ایک، ایک کام میں گھسا کرتے تھے۔

"یہ چینی کے ڈبے کا ڈھکن کیوں کھلا ہوا ہے؟"

"نمک کے ڈبے میں یہ مرچیں کیسے مل گئیں؟"

"گلاس چکنے کیوں ہیں؟"

"چائے کی دیگچی صاف منجھی کیوں نہیں؟"

"باورچی خانے کی صافی اتنی گندی کیوں ہے؟"

"گھر میں اتنا پھیلاوا کیوں مچایا ہوا ہے...... کہ گھر میں آکر طبیعت میں ڈپریشن سا محسوس ہو رہا ہے۔"

ہما باجی لاکھ تاویلیں پیش کرتیں...... "بچہ بیمار ہے۔"

"آج سر میں درد ہے۔"

"آج ماسی کام کرنے نہیں آئی۔"

مگر وہ اُن کی کسی بات سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب شرافت بھائی گھر میں قدم رکھتے تو ایسا لگتا کہ کوئی بھونچال آ گیا ہے۔ ہما باجی کا چہرہ پریشان سا ہو جاتا تھا۔

یہی حالات بڑی چچی کے ہاں کے تھے...... ولید چچا جب اپنے آفس سے ریٹائر ہوئے تھے گھر میں ان کی حیثیت کسی لڑاکا ساس جیسی ہوگئی تھی۔

"بیگم! یہ تمہارا بڑا بیٹا ابھی تک سو کیوں رہا ہے؟"

"سنیں! وہ رات دیر سے آیا تھا......" چچی بیٹے کی طرفداری کرتیں۔

"اگر وہ رات کو دیر سے آئے گا تو سارا دن بے ہوش پڑا رہے گا۔"

"یہ کھانے کی میز پر ہر وقت برتن کیوں رکھے رہتے ہیں؟"

"بچے مختلف ٹائم آتے ہیں...... سب کے کھانے پینے کا ٹائم مختلف ہے ناں......" وہ وضاحتیں پیش کرتیں۔

"بیگم ہاتھ پیر چلا لیا کرو...... باورچی خانہ کوئی دو کوس پر نہیں ہے۔ وہاں سے دوبارہ بھی چیزیں لائی جاسکتی ہیں۔"

"اُف خدایا، کیسی پھوہڑ ہو بھئی...... چار دن سے الگنی پر کپڑے سوکھ رہے ہیں اور تم نے انہیں اٹھایا نہیں ہے۔"

"اُف، تم نے الماری کے اوپر گدھا گاڑی کا سامان رکھ دیا...... کسی کے گھر میں الماریوں کے اوپر آرائشی اشیا سجی نظر آتی ہیں اور ہمارے گھر میں تمام کاٹھ کباڑ......" ولید چچا کچھ اس قدر تنک مزاج ہوگئے تھے کہ آئے گئے کا خیال بھی نہیں رکھتے تھے۔

تب بے چاری چچی بڑی آزردگی سے کہا کرتیں۔

"بیوی کی عزت بھی آنی جانی شے ہوتی ہے۔ آ گئی اور چلی گئی...... اور ہماری تو زیادہ تر جاتی رہتی ہے۔"

تب میں نے اُن سے ہنس کر کہا تھا۔ "آپ کی عزت تو بجلی ہوگئی کہ اتنی آتی نہیں ہے جتنی جاتی ہے۔"

"ہاں" انہوں نے کچھ ایسے زعم بھرے لہجے میں کہا۔ مجھے احساس ہوا کہ ان کی ان خوشیوں نے ان کی ذہنی حالت پر خاصا گہرا اثر ڈالا ہے۔ ایسے حالات ہمارے معاشرے میں کوئی کم تھوڑی ناں ہیں۔ میں واقعی اندازہ کرسکتی ہوں...... ان پریشانیوں کا جو سلیقہ مند، پھوہڑ اور ایکٹو شوہروں کی بیویوں کی ہوا کرتی ہیں۔

میں ذاتی طور پر شوہروں کی ایسی کیٹگری کو ابنارمل قرار دیتی ہوں جو گھریلو دھندوں میں ملوث ہو کر اپنی بیویوں کو پھوہڑ قرار دینے کی مہم میں سرخرو ثابت ہوتے ہیں اور بے چاری بیویوں کی ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ (ظالم کہیں کے)

میرا یہ فرمان ذاتی ہے کہ گھر کی سلطنت میں شوہر کو چھیڑ چھاڑ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ ملکۂ عالیہ کے اختیارات کلی ہونے چاہئیں۔ جس میں بادشاہ سلامت کو مداخلت کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے مگر اس کے باوجود اکثر لوگ کرتے ہیں...... دراصل بیوی کو ہر شوہر دبا کر اور کلسا کر از حد خوش ہوتا ہے خیر اکثر منہ کی بھی کھاتے ہیں۔ بعض بیویاں آمرانہ رویہ رکھتی ہیں مگر زیادہ تر شوہر اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں...... آہ...... چالاک کہیں کے۔

مجھے شوہروں کی گھن گرج والی کوالٹی ذرا برابر پسند نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے نئے مقالے کا موضوع بھی "اُف...... بے چاری عورت" ہے۔

جس کا عالمی دن صرف آٹھ مارچ کو ہی منایا جاتا ہے۔ پورے سال میں...... صرف ایک دن...... آہ گویا فرائضِ نسواں تین سو چونسٹھ دن اور حقوقِ نسواں صرف ایک دن۔

خیر اپنے فرائض کو فرائض سمجھتے ہی کتنے لوگ ہیں۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی ابنارمل شوہروں کے بارے میں...... جن کی باتیں بے چاری بیوی پر پتھر بن کر لگا کرتی ہیں اور وہ دکھی بے چاریاں اپنے دکھ کسی کو بتا بھی نہیں سکتیں...... میری بات کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ کسی شوہر کو بولنا ہی نہیں چاہیے۔

بولنا چاہیے...... بالکل بولنا چاہیے......

جی ہاں...... باتونی شوہر، ہر بیوی کو اچھا لگتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے گھر میں خوب بولنا چاہیے مگر کیا بولنا ہے یہ ذرا سب شوہران اپنی، اپنی ڈائریوں میں نوٹ کرلیں۔

"بہت بہتر بیگم......"

"جو آپ کا حکم......"

"ایسا ہی ہوگا جیسا آپ نے کہا ہے......"

"بیگم آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین لی ہے......"

"یس میڈم......"

"جب جب آپ کی بات مانی ہے ہمیشہ فائدہ ہوا ہے......"

"ارے بیگم میرے گھر میں وہی ہوگا جو تم چاہو گی......"

"تم بتاؤ، میں کیا کروں......؟"

"تم بتاؤ میں کیا کہوں؟"

"جو تمہارا دل چاہے کہہ دینا اور میرا نام لے دینا......"

ایسے شوہروں کو...... کون پاگل...... کون ایب نارمل کہہ سکتا ہے...... ایسے شوہروں سے زیادہ عقل مند، ذہین، فطین تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا ہے...... ہے نا......؟

شرپسند عناصر

بعض لوگوں سے چڑ سی ہوتی ہے۔ شکل دیکھ کر خوامخواہ غصہ آتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ جھونٹے پکڑ کر اُن کا گھر سے عمل دخل ختم کردیں اور صاف صاف کہہ دیں کہ آئندہ اس گھر کا رخ مت کرنا مگر رشتے داریوں کی صلیبیں ہمارے سینے اور دماغ پر اس قدر دھری ہوتی ہیں کہ دل چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکتے۔ (آہ)

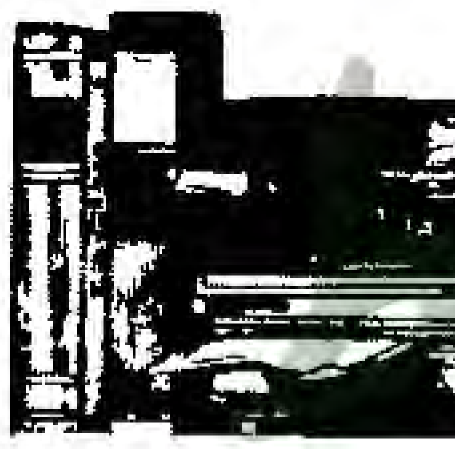
یہ بات بھی نہیں کہ ہماری دلی کیفیات سے ایسی شخصیات واقف نہیں ہوتیں، وہ ہماری جھلاہٹ، دبی دبی نفرت اور سرد رویے سے ففٹی پرسنٹ واقف ہوتی ہیں مگر اس کے باوجود وہ لپک کر ہمارے پاس آتی ہیں (ہائے رشتے داریاں)

اب آپ سوچ رہے ہیں کہ میں شاید گورنمنٹ اسکول کی کوئی تک چڑھی قسم کی ہیڈ مسٹریس ہونے کے ناتے ایسا رویہ رکھتی ہوں۔

نہیں بھئی، ایسی کوئی بات نہیں ہے...... اگر میرا نام شگفتہ کریم ہے تو میرے نام کے اثرات سو فی صد میری شخصیت میں رچے بسے ہیں۔ مجھ جیسا خوش مزاج تو شاید ہی کوئی ہو۔ آپ بے شک میرے اسٹاف سے آکر پوچھ لیں کہ وہ سب مجھ سے کتنی خوش ہیں۔

میں کسی ایک سے کام کوئی کام کہوں تو چار، چار تیار ہوجاتی ہیں۔ اب ایک چھوٹی سی بات ہے کہ کچھ عرصے سے میری کل وقتی ملازمہ چھٹی پر اپنے گاؤں گئی ہوئی ہے۔ مجھے بے حد تکلیف ہورہی تھی۔ گھر کو دیکھوں یا اسکول کو...... تب ایک ساتھ کئی ٹیچرز بولیں۔ میڈم! آپ نے ہم سے کیوں نہیں کہا...... ہمارا گھر تو آپ کے گھر کے قریب ہے۔ صرف دو بسیں بدل کر آنا پڑتا ہے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن گھر کی صفائی، روٹی، سالن تک کا کام میری ٹیچرز خود آکر کرجاتی ہیں۔ میں نے اپنی ملازمہ کو بھی پیغام بھجوایا ہے کہ اب آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اب لوگ بے شک جلتے ہیں تو میری بلا سے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر میری قسمت میں آرام لکھا ہے تو وہ ضرور مجھے ملے گا، اللہ نظرِ بد سے بچائے۔ میری ٹیچرز بہت اچھی ہیں۔ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں ظاہر ہے میرا احسن سلوک اچھا ہوگا جو وہ میرے کام آتی ہیں۔ میرے گھر پر آنے والی چاروں ٹیچرز کا ٹائم ٹیبل اُن کی اپنی مرضی کے حساب سے دیا ہے اب اگر باقی اسٹاف شور مچاتا ہے اور انہیں چمچیوں کے نام سے پکارتا ہے تو میری بلا سے ایسے شرپسند لوگ تو ہر جگہ ہوتے ہیں، ہے ناں......



میرا انتخاب

آمنہ حماد

شاعری نرم و نازک جذبات کی اساس ہے...... اظہار کے بنا جذبات بے مول رہ جاتے ہیں۔ جس طرح خوشبو کے بغیر پھول...... شاعری اظہار کا ایک خوب صورت ذریعہ اور طریقہ ہے...... جوش ملیح آبادی بھی غم زدہ محبت کے حصار میں قید ہیں۔ اس غزل کا انتخاب مومل رزاق نے اوکاڑہ سے کیا ہے۔

غزل

دل بجھ گیا ہے سینہ خالی ہوگیا ہے
بیٹھا ہوا ہوں حیراں کچھ جیسے کھو گیا ہے
کس نے یہ نصف شب میں چھیڑا رباب یارب
ہستی کا ذرہ ذرہ مدہوش ہوگیا ہے
کس زور میں رواں ہے دریائے غم کا دھارا
آیا ہے جو وہ اپنی کشتی ڈبو گیا ہے
آتا ہے مجھ کو کیا کیا بے اختیار رونا
جب کوئی پوچھتا ہے کیا تجھ کو ہوگیا ہے
آ نکلے ہو تو تم بھی کچھ دل کا حال سن لو
گزرا ہے جو اِدھر سے کچھ دیر رو گیا ہے
کل شب کو چاندنی میں پھر اُس کی یاد آئی
ہم جانتے تھے دل سے وہ محو ہوگیا ہے
چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی ہے گویا
دو دن میں جوش تیرا کیا حال ہوگیا ہے

شاعری انسانی کیفیات اور جذبات کو اجاگر کرنے کا نام ہے...... شاعر اپنے جذبات کو خوب صورت لفظوں میں کاغذ پر اتارتا ہے جسے شاعری کا نام دیا گیا ہے۔ رخسانہ خاور اپنی نظم مشورہ میں اپنے جذبات کا اظہار کررہے ہیں۔ اس کو تہذیب زاہد نے سرگودھا سے منتخب کیا ہے۔

مشورہ

تمہیں تلاش ہے جس کی
وہ شخص تو میں ہوں
بھٹک رہے ہو کہاں
یہ تم گھور اندھیرے میں
نہ آسمان پہ تارے
نہ راستے میں چراغ
نہ جگنوؤں کی قطاریں کہیں درختوں پر
تو پھر بتاؤ مجھے
ایسے گھور اندھیرے میں
مری تلاش سے کیا تم کو فائدہ ہوگا
کہ اس تلاش سے پہلے بہت ضروری ہے
دل و دماغ کی بینائی کو بحال کرو
اور اک چراغِ وفا، اپنے ساتھ لے کے چلو
خدانخواستہ تم یہ اگر نہ کر پاؤ
تو ایک کام کرو
مجھے ضروری سمجھتے ہو تم اگر جاناں
تو پھر تلاش مجھے میری روشنی میں کرو
کہ میں چراغ بھی ہوں
راستہ بھی، منزل بھی

ادراک کا ایک لمحہ پوری زندگی پر بھاری ہوتا ہے مگر کبھی کبھی اپنے ساتھ یا تو زندگی کی ساری رعنائی اور دلکشی سمیٹ کر لے جاتا ہے یا پھر روشنی کی کرنیں بکھیر

جاتا ہے۔ اوراک کے کچھ ایسے ہی لمحوں کا شکار جون ایلیا اپنی اس غزل میں نظر آتے ہیں۔ اس غزل کا انتخاب غانیہ سید نے کراچی سے کیا ہے۔

غزل

ہم نے شکست کھا کے بھی ذکرِ وفا نہیں کیا
خود کو ہلاک کرلیا خود کو فدا نہیں کیا
کیسے کہیں کہ اس کو بھی ہم سے کوئی لگاؤ ہے
اس نے تو ہم سے آج تک کوئی گلہ نہیں کیا
مجھ کو یہ ہوش ہی نہ تھا تو مرے بازوؤں میں ہے
یعنی تجھے ابھی تلک میں نے رہا نہیں کیا
جانے تری نہیں کے ساتھ کتنے ہی جبر تھے کہ تھے
میں نے ترے لحاظ میں تیرا کہا نہیں کیا
جو بھی ہو تم پہ معترض اس کو یہی جواب دو
آپ بہت شریف ہیں، آپ نے کیا نہیں کیا
خیرہ سران عشق کا کوئی نہیں ہے جنبہ دار
شہر میں اس گروہ نے کس کو خفا نہیں کیا

زندگی کے گزرتے لمحے جن میں بہت سی باتیں کہنے اور سننے کے باوجود ان کہی رہ جاتی ہیں ماضی کی ان یادوں اور انتظار کی کٹھن ساعتوں کو سلیم کوثر اپنی اس نظم میں بیان کررہے ہیں اور اس کا انتخاب ذریت نے واہ کینٹ سے کیا ہے۔

سندیسہ

اسے کہنا
کبھی ملنے چلا آئے
ہمارے پاؤں میں جو راستہ تھا
راستے میں پیڑ تھے
پیڑوں پہ جتنی طائروں کی ٹولیاں
ہم سے ملا کرتی تھیں
اب وہ اڑتے اڑتے تھک گئی ہیں
وہ گھنی شاخیں جو ہم پہ سایا کرتی تھیں
وہ سب مرجھا گئی ہیں
تم اسے کہنا
کبھی ملنے چلا آئے
لبوں پر لفظ ہیں
لفظوں میں کوئی داستاں، قصہ، کہانی
جو اسے اکثر سناتے تھے
کسے جا کر سنائیں گے
بتائیں گے
کہ ہم محرابِ ابرو میں ستارے ٹانکنے والے
درِلب بوسۂ اظہار کی دستک سے
اکثر کھولنے والے
کبھی بکھری ہوئی زلفوں میں ہم
مہتاب کے گجرے بنا کر باندھنے والے
چراغ اور آئینے کے درمیاں
کب سے سرِ ساحل کھڑے موجوں کو تکتے ہیں
اسے کہنا
اسے ہم یاد کرتے ہیں
اسے کہنا
ہم آکر خود اسے ملتے
مگر مقتل بدلتے موسموں کے
خون میں رنگین ہیں اور ہم
قطار اندر قطار
ایسے بہت سے موسموں کے درمیاں
تنہا کھڑے ہیں
جانے کب اپنا بلاوا ہو
کہ ہم میں آج بھی
اِک عمر کی وارفتگی اور وحشتوں کا رقص جاری ہے
وہ بازی جو بساطِ جاں پہ کھیلی تھی
ابھی ہم نے نہ جیتی ہے نہ ہاری ہے
اسے کہنا کبھی ملنے چلا آئے
کہ اب کی بار شاید
اپنی باری ہے

شاعری دل کا نغمہ ہے...... شاعر دلِ زندہ اور روشن دماغ رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری ہجر و وصال کی شاعری سہی لیکن وہ زندگی اور روشنی کے پیغام سے خالی نہیں۔ ہجر و وصال ہر ذی حیات کا مقدر ہے اور اس کا لطف محبت کرنے والے ہی جان سکتے ہیں...... حقیقت تو یہ ہے کہ عشق پیشہ لوگوں کی زندگی فراقِ مسلسل میں ہی بسر ہوجاتی ہے۔ یہی رنگ ظفر اقبال ظفر کی نظم محبت مر بھی سکتی ہے میں نظر آتا ہے اس کا انتخاب ارم نے حیدر آباد سے کیا ہے۔

محبت مر بھی سکتی ہے

تمہیں یاد ہوگا
سال بھر پہلے
گھٹاؤں کا، مسلسل بارشوں کا آخری دن تھا
غروبِ شام سے پہلے ہی سورج نے
ذرا سی دیر کو کھلی، روپہلی دھوپ اگلی تھی
پرندوں کی طرح
سہمے ہوئے، دبکے ہوئے لوگوں نے
امید بھری نظروں سے اوپر آسمانوں کی طرف دیکھا
مگر......!
میں نے تمہارے سرخ آنچل کی طرف دیکھا
تمہاری آنکھ میں
اڑتے ہوئے بے سمت بادل کی طرف دیکھا
مجھے وہ بات یاد آئی
کہ جب میں نے کہا تھا
دیکھو جاناں محبت مر بھی سکتی ہے
بڑی مجبوریاں ہیں، محبت ڈر بھی سکتی ہے
میری اس بات پر
تم نے ذرا سر کو اٹھا کر، تلملا کر مجھ کو دیکھا تھا
مجھے بزدل بھی کہا تھا
پھر جاتے ہوئے روتے ہوئے، یہ بھی کہا تھا نا
ظفر تم جھوٹ کہتے ہو
محبت ڈر نہیں سکتی، محبت مر نہیں سکتی
تو پھر یہ سرخ آنچل، ہاتھ پر تپتی ہوئی مہندی
تمہاری آنکھ میں جیسے کوئی ٹھہرا ہوا دریا
کوئی چلتا ہوا بادل، چلو تسلیم تو کرلو
محبت ڈر بھی سکتی ہے، محبت مر بھی سکتی ہے

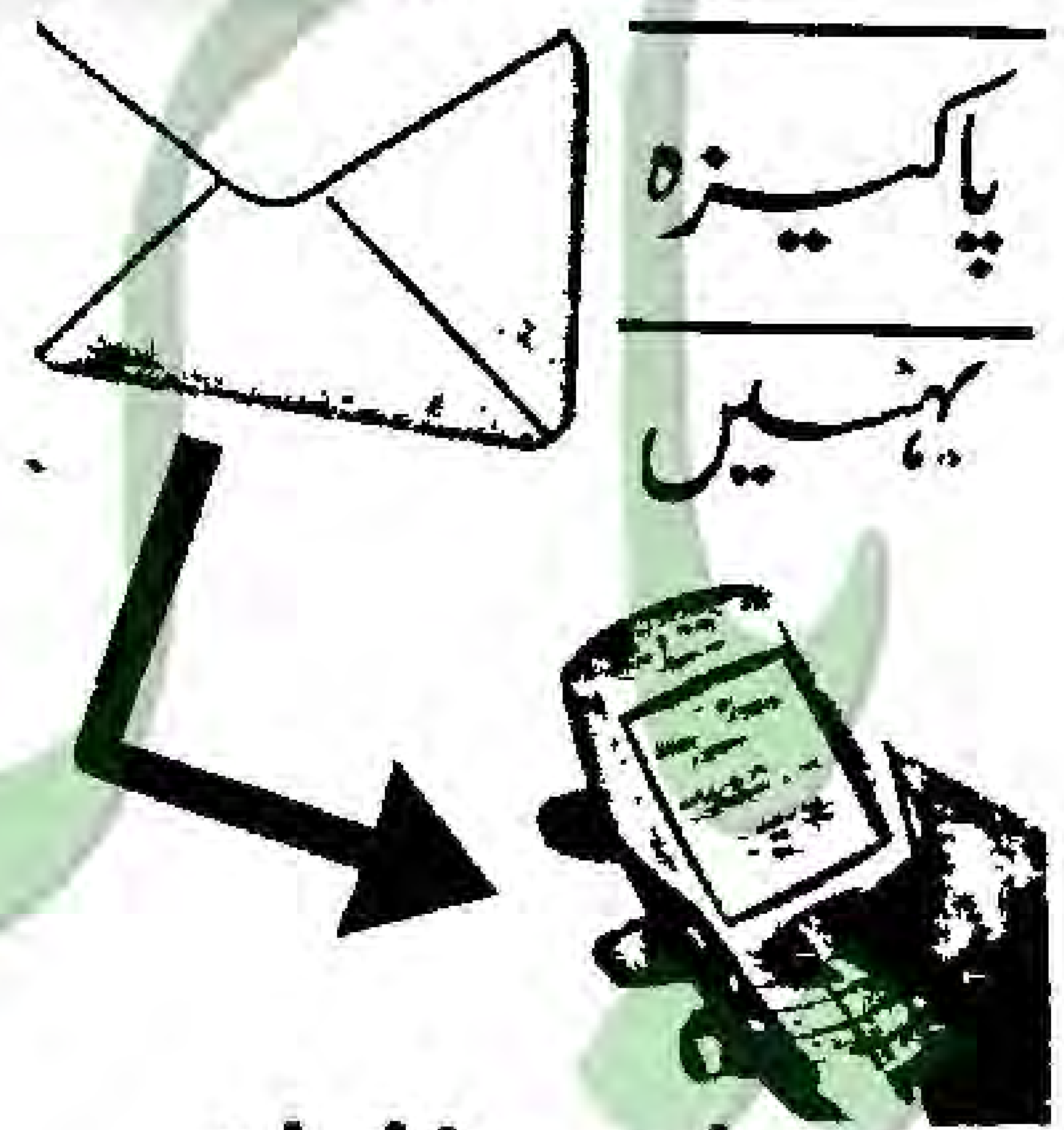
امجد اسلام امجد موسم سے اور موسموں کے ملنے اور جدا ہونے سے دل کا تعلق بیان کررہے ہیں اور اس نظم کو عالیہ احمد نے لاڑکانہ سے منتخب کیا ہے۔

نظم

وہ تو بھری بہار کے دن تھے
موسموں کے اس ملنے اور جدا ہونے سے
جانے دل کا کیا رشتہ ہے
جب اِک موسم دوسرے موسم سے ملتا ہے
جانے کیوں اس دل کے اندر دور کہیں پر
ایک چھناکا سا ہوتا ہے
جیسے کچھ شیشے کے برتن
اک وحشی آواز کو سن کر
نم ہاتھوں سے چھوٹ گئے ہوں
چھوٹے سے دوریت گھروندے
بنتے بنتے ٹوٹ گئے ہوں
بجھتی رات کا سناٹا کیوں
خوف رگوں میں بھرتا ہے
پت جھڑ کی دہلیز پہ ٹھہرا لمحہ کس سے ڈرتا ہے
وہ تو پورے چاند کی شب تھی
جب اِک تارا ٹوٹا تھا
وہ تو بھری بہار کے دن تھے
جب تو مجھ سے بچھڑا تھا

سندیسے

پاکیزہ بہنیں



پیارے پیغامات

☆بڑی مشکل سے سلانے لگا ہوں اپنی آنکھوں کو تیرے خواب کا لالچ دے کر۔ آج اِک بار میرے خواب میں آجانا کہ میری آنکھوں کا اعتبار رہ جائے۔

☆پریشانی خاموش ہونے سے کم، صبر کرنے سے ختم اور شکر کرنے سے خوشی میں بدل جاتی ہے۔

☆دوست اور خون دونوں کی جگہ دل میں ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ خون دل سے ہو کر گزر جاتا ہے اور دوست دل میں آکر دل میں ہی رہ جاتا ہے۔

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

خوشگوار یادیں

کتنے اچھے ہوتے ہیں وہ لوگ جو ایک ہی بار مل کر آنکھوں کے راستے دل میں اتر جاتے ہیں اور پھر دھڑکنوں میں بس کر ایسے گیت سناتے ہیں کہ ہر سانس میں انہی کا نام ہوتا ہے۔ وہ ملتے تو ایک لمحے کو ہیں مگر ان کی یادیں زندگی کی ساتھی بن جاتی ہیں۔ کتنی خوشگوار ہوتی ہے ایسے لوگوں کی یاد جب آجائے تو گویا وقت ہی ٹھہر جاتا ہے۔

از حمیرا ہاشمی، بھکر

پیاری بات

مسلمانوں کے لیے بہترین پیغام جو ایمان تجھے مسجد تک نہیں لے جا سکتا' ذرا سوچ وہ تجھے جنت تک کیسے لے جائے گا۔

شوق

خاوند: میں وہ نہیں جو شادی ہوئی اور بدل گیا۔ میرا وہی مزاج وہی ذوق ہے۔ شادی سے پہلے بھی مجھے شادی کا شوق تھا شادی کے بعد بھی مجھے شادی کا شوق ہے۔

از: مصباح رضا سید، فیصل آباد

کانچ سی لڑکی کے نام

دھنک رنگ بھرے ہیں نگاہوں میں میری
کھلے پھول ہر سو یہ کس کا ہے سوچا؟
خیالوں میں آیا وہ دل میں سمایا
کبھی اجنبی تھا ہوا پھر وہ اپنا
انوکھا سا احساس اس نے جگایا
لبوں پر ہنسی ابھری آنکھوں میں سپنا
میرا دل یہ چاہے پوچھوں میں اس سے
کبھی تیرے دل میں میرا نام آیا؟
کبھی چاند میں تم نے مجھ کو ہے دیکھا
کبھی کھلتے پھولوں میں مجھ کو ہے ڈھونڈا
خود بھی ہوں اس کی محبت میں پاگل
چاہوں! رہے بن کے مجنوں وہ میرا
میرے دل میں آکر میرا ہو کے رہنا
محبت کا بندھن وفا کا تقاضا

شاعرہ: خالدہ نسیم، لندن

اپنے دل کے ٹکڑے

شہاب اللہ خان کے نام

سدا جیون میں تم مسکراتے رہو
باتوں باتوں پہ بس کھلکھلاتے رہو
رہیں دور تم سے پریشانیاں
تم مستی مستی میں گیت گنگناتے رہو
ہو مانند تیرے سامنے ماہِ تمام
تم ہی تم اکیلے جگمگاتے رہو
تو صاحبِ دل ہو مرے دل کی صورت
چاہتیں ہی چاہتیں لٹاتے رہو
کھلیں پھول ایمان کے تیرے دل میں
خوشبو نیکی کی ہر سو پھیلاتے رہو
یہ دعا ہے میری صرف تمہارے لیے
تم سب کو دعاؤں میں یاد آتے رہو

از: صدف جاوید قریشی، ہری پور ہزارہ

یاد

تیرے ساتھ وہ گزرے لمحات یاد آتے ہیں
تیری باتیں، وہ فسانے، تعلقات یاد آتے ہیں
یاد ہے تیرے آنچل کی خوشبو بھی ہمیں
ہوا میں لہراتے ہوئے جذبات یاد آتے ہیں

از: سیما ممتاز عباسی، لاڑکانہ

اعتبار

تیری نگاہ میں اِک رنگِ اجنبیت تھا
کس اعتبار پہ ہم کھل کے گفتگو کرتے......؟

از: تانی چوہدری، آکسفورڈ، یوکے

میری راہیں

یادوں کے چراغ آج روشن ہیں
ماضی کی گزرگاہوں میں
کہاں تک مجھ کو جانا ہوگا
ابھی دھندلی راہوں میں
ملن کی خوش رنگ ساعت تک
یا جدائی کی ظالم گھڑیوں میں
جھومر سجا تھا ماتھے پر
مہندی لگی تھی ہاتھوں میں
جذبوں کی مدہم حدت تھی
خوشبو رچی تھی سانسوں میں
سنجوگ بنا تھا جیون کا
کچھ خواب سجے تھے آنکھوں میں
شبنم سے موتی بھرے ہیں
اب ہجر کی لمبی راتوں میں
جدائی کا موسم آٹھہرا!
کھلی کھلی میری آنکھوں میں
مانگ جو اجڑی سو اجڑی
کانچ چبھے تھے بانہوں میں
قوسِ قزح کے رنگ نہ ٹھہریں
بادل بھری اب آنکھوں میں

شاعرہ: خالدہ نسیم، لندن

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی



☆صغریٰ ....حیدرآباد
طلب کریں تو یہ آنکھیں بھی ان کو دے دوں میں
مگر یہ لوگ ان آنکھوں کے خواب مانگتے ہیں

☆فریدہ خان......گوجرانوالہ
بھری بہار میں اب کے عجیب پھول کھلے
نہ اپنے زخم ہی مہکے نہ دل کے چاک سلے

☆حمیدہ شریف......اسلام آباد
کیا بھلا مجھ کو پرکھنے کا نتیجہ نکلا
زخمِ دل آپ کی نظروں سے بھی گہرا نکلا

☆ماہ نور......کوئٹہ
جن کی آنکھوں میں دمکتے تھے محبت کے چراغ
ان کو اب ڈھونڈنے جاؤں تو کہاں پاؤں گا
وقت کی گرد میں دھندلائے ہوئے شہر کے لوگ
اجنبی بن کے ملے تب میں کدھر جاؤں گا

☆سیدہ زہرہ......لاہور
وحشتیں، خاموشیاں قبریں یہاں رہ جائیں گی
خالی خالی، اجڑی اجڑی بستیاں رہ جائیں گی
ہجرتیں کر کے چلے جائیں گے آخر سب مکیں
اور آویزاں گھروں پر تختیاں رہ جائیں گی

☆نائلہ خان......کراچی
اِک بھولی ہوئی بات ہے اِک ٹوٹا ہوا خواب
ہم اہلِ محبت کو یہ املاک بہت ہے

☆نازیہ مجاہد......کراچی
جب سے جدا ہوئے ہیں تیرے قافلے سے ہم
لوگوں نے اپنی راہ کا پتھر بنالیا

☆عائشہ خان......کراچی
وہ بھولتا ہے نہ دل میں اتارتا ہے مجھے
ہمیشہ مار محبت کی مارتا ہے مجھے
میں اس کا لمحۂ موجود ہوں مگر وہ شخص
فضول وقت سمجھ کر گزارتا ہے مجھے

☆مائرہ جبیں......کوئٹہ
یارو نئے موسم نے یہ احسان کیے ہیں
اب یاد مجھے درد پرانے نہیں آتے

☆فاطمہ مظہر......کراچی
گزری سفر میں زندگی اور حاصلِ سفر
کچھ منزلوں کے خواب تو کچھ رہ گزر کے خواب

☆رفعت سمیع......حیدرآباد
اب تجھے یاد دلانے کے لیے کچھ بھی نہیں
صرف ایک عہدِ وفا وہ بھی کہاں باقی ہے

☆سعدیہ مغل......کوٹری
اب تو مل جاؤ ہمیں تم کہ تمہاری خاطر
اتنی دور آگئے دنیا سے کنارا کرتے

☆ماریہ......کراچی
رہنے دیا نہ اس نے کسی کام کا مجھے
اور خاک میں بھی مجھ کو ملا کر نہیں گیا

☆ثانیہ......کراچی
خود سے روٹھوں تو کئی روز نہ خود سے بولوں
پھر کسی درد کی دیوار سے لگ کر رولوں
تو سمندر ہے تو پھر اپنی سخاوت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں پیاس کا دامن کھولوں

☆نادیہ......کوئٹہ
حیات اب بھی کھڑی ہے اسی دوراہے پر
وہی ہے جبر وہی اختیار کا موسم

☆صائمہ......کراچی
کبھی گزرے دنوں کے رنج میں ناشاد ہونے سے
یہ دل برباد ہوتا ہے کبھی آباد ہونے سے

☆نائلہ خان......پشاور
کوئی تازہ پھول لے کر ملنے آجائے تو پھر
اپنے زخمی جسم وجاں کو بھول جانا چاہیے

☆رومانہ سمیع......کوٹری
جب نئے موسم کے پہلو میں سکوں پاؤ نہ تم
میری تحریریں پرانی کاپیوں میں ڈھونڈنا
نارسائی کی اذیت جب کبھی سونے نہ دے
ہولے سے اٹھنا مجھے میرے خطوں میں ڈھونڈنا

☆مریم رافع......کوئٹہ
ستم یہ ہے کہ اب وہ شخص بھی ہم پہ بگڑتا ہے
کہ جس کی پست قامت کو بڑی دستار دی ہم نے

☆امینہ جہاں......کراچی
تم آسماں کی بلندیوں سے جلد لوٹ آنا
ہمیں زمیں کے مسائل پہ بات کرنی ہے

☆ملائکہ طارق......کراچی
رُتوں کا قاعدہ ہے وقت پہ یہ آتی جاتی ہیں
ہمارے شہر میں کیوں رک گیا فریاد کا موسم
نہ کوئی غم خزاں کا ہے نہ خواہش ہے بہاروں کی
ہمارے ساتھ ہے امجدؔ کسی کی یاد کا موسم

☆عالیہ ناز......حیدرآباد
بے شجر شہر میں گھر اس کا کہاں تک ڈھونڈوں
وہ جو کہتا تھا کہ آنگن میں صنوبر ہوگا

☆شمیم خان......کوئٹہ
برسوں کا ساتھ چھوڑ کر وہ اس طرح گیا
جیسے کوئی ستون گرا ہو مکان سے

☆فرح ملک......خانیوال
رُتوں پہ بس نہ چلا ورنہ یہ چمن والے
ہوائیں بیچتے نیلام رنگ و بو کرتے

☆فری ناز......کراچی
کیا کہیں کیسے بسر ہجر کی راتیں کی ہیں
عمر بھر چاند سے اِک شخص کی باتیں کی ہیں

☆کنول شہاب......پنجاب
ہمارے نام تو رسوائیاں ہی لکھی ہیں
وہ معتبر ہے اسے معتبر ہی رہنا ہے
کسی کے گھر کو گرا کر بنالیں اپنا مکاں
ہنر ہے یہ تو ہمیں بے ہنر ہی رہنا ہے

☆شفیقہ خان......حیدرآباد
شمعِ محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی لذت سے بیگانے رہے
رشتۂ الفت میں جب اُن کو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے

☆زبیدہ وہاب......کراچی
اے حسرتِ دیدار یہ کیا راز ہے آخر
وہ سامنے آتے ہیں تو دیکھا نہیں جاتا

☆زینب جاوید......لاہور
کبھی خوشی تو کبھی رنج بے شمار ملے
حیات ایک تھی لیکن بڑے تضاد ملے

☆☆☆

خوش ذائقہ

پاکیزہ بہنیں



لوکی کا رائتا

اشیا: لوکی، دو سو پچاس گرام۔ زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ لال مرچ پسی ہوئی، نصف چائے کا چمچ۔ دہی، ٹھنڈی کی ہوئی، تین کپ۔

ترکیب: لوکی چھیل کر دھولیں اور کش کرلیں۔ کش کی ہوئی لوکی کو تھوڑا سا نمک ڈال کر پانچ منٹ تک ابالیں۔ پانی نکال کر کش کی ہوئی لوکی کو ٹھنڈا کریں۔ ٹھنڈی دہی کو پھینٹ لیں اور نمک اور لال مرچ پسی ہوئی ملالیں۔ ابلی ہوئی لوکی ڈالیں اور اچھی طرح ملائیں۔ زیرے کو توے پر بھونیں اور اسے موٹا پیس لیں۔ پسا ہوا زیرہ اور حسبِ ذائقہ نمک ڈال کر لوکی کا رائتا پیش کریں۔

نوٹ: ابلی ہوئی لوکی سے زائد پانی نچوڑ لیں۔

بینگن کا بھرتا

اشیا: بینگن، ایک کلو گرام۔ پیاز، تین عدد درمیانے سائز کی۔ دھنیا، ایک چائے کا چمچ۔ ٹماٹر، چار عدد بڑے۔ ادرک، کٹی ہوئی دو چائے کے چمچ۔ ہری مرچیں، دو عدد۔ لال مرچ، پسی ہوئی دو چائے کے چمچ۔ تیل، تین کھانے کے چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ دھنیا کے کٹے ہوئے پتے، دو کھانے کے چمچ۔

ترکیب: بینگن میں سوراخ کر کے انہیں کھلی آنچ یا تندور یا پہلے سے گرم اوون میں روسٹ کریں یہاں تک کہ چھلکا اترنا اور بینگن سکڑنا شروع ہوجائے۔ اسے ٹھنڈا ہونے دیں۔ آپ اسے پانی میں ڈبو کر ٹھنڈا کرسکتے ہیں۔ چھلکا اتار کر اسے مکمل طور پر مسل دیں۔ پیاز چھیل کر کاٹ لیں۔ ٹماٹر دھو کر کاٹ لیں، ہری مرچوں کو دھو کر کاٹ لیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں، زیرہ ڈالیں۔ آدھے منٹ تک پکائیں۔ کٹی ہوئی پیاز ڈالیں اور بھونیں یہاں تک کہ وہ نرم ہوجائے پھر ادرک کٹی ہوئی، ہری مرچیں کٹی ہوئی ڈالیں اور آدھے منٹ تک پکائیں۔ لال مرچ پسی ہوئی اور مسلے اور بھنے ہوئے بینگن ڈالیں۔ درمیانی آنچ پر سات سے آٹھ منٹ تک پکائیں یہاں تک کہ تیل الگ ہوجائے۔ کٹے ہوئے ہرے دھنیے کے ساتھ سجائیں۔

نوٹ: اگر روسٹ کیے ہوئے بینگن کو فوراً پانی میں ڈبو دیا جائے تو اس کا چھلکا اتارنا آسان ہے اس ترکیب کے لیے بڑے سائز کے گول بینگن استعمال کریں۔ خریدتے وقت ایسے بینگن کا انتخاب کریں جو سائز کے مقابلے میں وزن میں ہلکے ہوں۔

آئس کریم فروٹ سلاد

اشیا: سمر فروٹ مکس (اسٹرابری، انگور، رس بھری) آٹھ کپ۔ انڈے (زردی اور سفیدی الگ الگ) دو عدد۔ دہی، ایک کپ۔ انگور کا سرخ رس، پون کپ۔ جیلاٹن پاؤڈر، ایک کھانے کا چمچ۔

ترکیب: آدھے پھل بلینڈر میں ڈال کر بلینڈ کرلیں اور چھلنی سے چھان لیں تاکہ سخت چیز باقی نہ رہے۔ پھلوں کے آمیزے میں دہی اور انڈے کی زردی ڈال کر خوب پھینٹ لیں۔ انگور کے رس کو گرم کریں جب ابلنے لگے تو جیلاٹن پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح حل کریں۔ جیلاٹن پاؤڈر کے محلول کو آہستہ آہستہ پھلوں کے بلینڈر شدہ آمیزے پر انڈیلیں اور چمچ ہلاتے رہیں پھر کسی پیالے یا سانچے میں ڈال کر فریج میں جمنے کے لیے رکھ دیں۔ انڈے کی سفیدی کو اچھی طرح پھینٹیں اور آدھ جمے ہوئے آمیزے میں ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ آمیزے کو دوبارہ سے فریزر میں جمیں اور جمنے دیں جب مکمل طور پر جم جائے تو نکالیں اور بقایا بچے ہوئے پھلوں کے ساتھ پیش کریں۔

عائشہ اقبال...... کراچی

لیموں اور پودینے کا شربت

اشیا: پودینے کے پتے، حسبِ ضرورت۔ چینی چار کھانے کے چمچ۔ برف، کرش کرلیں۔ لیموں کا رس، ایک کپ۔ سوڈا واٹر، دو گلاس۔ لیموں کے سلائس (سجانے کے لیے)

ترکیب: لیموں کے رس میں چینی کو حل کرلیں۔ اس میں سوڈا واٹر ڈال کر مکس کریں اور گلاسوں میں ڈالیں۔ اوپر سے برف، پودینے کے پتے ڈالیں اور لیموں کے سلائس سے سجا کر پیش کریں۔

چیکو اور کیلے کا ملک شیک

اشیا: چیکو، پانچ عدد۔ کیلے، پانچ عدد۔ فریش کریم، آدھا کلو۔ چینی، دو کھانے کے چمچ۔ پانی، آدھا کپ۔

ترکیب: سب سے پہلے چیکو اور کیلے کو چھیل کر [illegible] کرلیں جوسر میں چیکو اور کیلے کے ٹکڑے اور [illegible] ڈال کر خوب اچھی طرح بلینڈ کرلیں۔ خوب [illegible] پئیں اور گرمیوں کا لطف اٹھائیں۔

صبیح سمیع...... کراچی

حیدرآبادی مرچوں کا سالن

اشیا: ہری مرچیں موٹی والی، ایک پاؤ۔ پسا دھنیا، دو کھانے کے چمچ۔ پسا کھوپرا، دو کھانے کے چمچ۔ سفید زیرہ پسا ہوا، دو کھانے کے چمچ۔ چنے کی دال، ایک چائے کا چمچ۔ مونگ پھلی پسی ہوئی، دو کھانے کے چمچ۔ رائی، کلونجی، پسی ہوئی ایک چائے کا چمچ۔ میتھی دانے پسے ہوئے، آدھا چائے کا چمچ۔ کڑی پتا، دس بارہ۔ ہری مرچ چھوٹی، ایک چھٹانک۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ تیل، ایک کپ۔ پیاز، دو عدد بڑی۔ املی، گاڑھا رس، ایک کپ۔ لہسن ثابت، تین چار عدد۔ لال مرچ ثابت، چار پانچ۔

ترکیب: سب سے پہلے پیاز کو موٹا موٹا کاٹ کر توے پر ہلکا سا سینک لیں پھر دھنیا، زیرہ، رائی، کلونجی، چنے کی دال، مونگ پھلی، کھوپرا توے پر ہلکا سا سینک کر پیاز کے ساتھ سارے پسے مسالے بلینڈر میں ڈال دیں ساتھ میں چھوٹی ہری مرچ بھی ڈال دیں، اس میں لال مرچ نہیں ڈالنی۔ جب گاڑھا سا پیسٹ بن جائے تو پھر ایک پتیلی میں تیل گرم کر کے چند دانے رائی کلونجی، ثابت سفید زیرہ، لہسن ڈالیں ساتھ میں لال ثابت مرچ بھی ڈال دیں جب بگھار تیار ہوجائے تو اس میں پسا ہوا مسالا ڈال دیں اور اچھی طرح بھونیں۔ جب مسالا اچھی طرح بھن جائے تو اس میں دھو کر موٹی ہری مرچ ڈال دیں ساتھ ہی کڑی پتا بھی۔ کڑی پتا اس طرح ڈالنے سے زیادہ خوشبو آتی ہے۔ کچھ لوگ بگھار میں ڈال دیتے ہیں ساتھ میں املی کا رس بھی ڈال دیں، ہلکا سا پانی ڈال کر ہلکے چولہے پر رکھ دیں جب مرچیں گل جائیں تو اتار لیں۔ فریج میں رکھ کر چار پانچ دن بھی کھاسکتے ہیں ایک بات یاد رہے کہ یہ سالن ایک بار پک جانے کے بعد دوبارہ گرم نہیں ہوتا سادے چاول اور حیدرآبادی بریانی کے ساتھ بہت مزہ دے گا۔

نازیہ خان...... کراچی



روحانی مشورے

ادارہ

دل کی بند شریانوں کو کھولنے کا نسخہ

فجر کی نماز پڑھنے کے بعد
اول تین مرتبہ درود ابراہیمی پڑھیں۔
سات مرتبہ سورۂ فاتحہ (الحمد شریف) پڑھیں۔
ایک سو پندرہ مرتبہ یا سلام پڑھیں۔
تین مرتبہ درود ابراہیمی پڑھیں آخر میں۔

اب دو دیسی گلاب کی پتیوں کو اچھی طرح سے دھوکر ان پر دم کریں۔ دیسی گلاب کی یہ پتیاں چار سیاہ مرچ اور ایک چھوٹی الائچی کے ہمراہ اس طرح چبا کر کھائیں جیسے پان کھاتے ہیں۔ آپ کا نہار منہ کا یہ عمل چالیس دن جاری رہنا چاہیے۔ اللہ کے کرم سے دل کی بند شریانیں کھل جائیں گی۔ آپ بے شک اپنا ٹیسٹ کروا کے معلوم کرلیں۔ آپریشن کے پیسے کسی غریب، یتیم یا بیوہ کو دے دیں اور ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

سات سلام

ہر قسم کی پریشانی سے نجات کے لیے یہ سات سلام پڑھنا اپنی عادت بنالیجیے۔ بہت ساری بہنوں کی فرمائش پر میں یہ سات سلام اردو تلفظ میں لکھ رہی ہوں تاکہ انہیں پڑھنے میں دشواری نہ ہو۔

1۔ سَلامٌ قولم مِرّب بِرَ حِی م
2۔ سَلامٌ عَ لاَ...... اِبْ رَاہی م
3 سَ لامُنْ...... عَ لاَ...... موسا و ہارون
4۔ سَ لامُنْ...... عَ لاَ...... اِل یا سی ن
5۔ سَ لامُنْ...... عَ لاَ...... نوحِن فِل عَال مِی ن
6 سَ لامُنْ...... عَ لاَ...... مُرسَ لِی ن
7۔ سَ لامُنْ...... ہِیَ...... حت تامط لَ عِل فَج

نوٹ! یہ ساتوں سلام آپ قرآن پاک میں بھی دیکھ سکتی ہیں اور اس کا ترجمہ اور تفسیر پڑھ سکتی ہیں۔

دل کی تکلیف دور کرنے کے لیے

دل کی تکلیف خواہ کسی قسم کی بھی ہو۔ درد ہوتا ہو یا نالیاں بند ہوں۔ دن میں کسی بھی وقت اپنا سیدھا ہاتھ سینے پر رکھ کر آیتِ کریمہ پڑھیں۔ انشاء اللہ جلد شفا ہوگی۔ آیتِ کریمہ پڑھنا اپنی عادت بنالیں۔

رزق کی فراوانی کے لیے

نماز کی باقاعدگی کریں۔ شکرانے کے نفل روزانہ پڑھیں۔ اس کے علاوہ ہر نماز کے بعد صرف ایک تسبیح یا ولیُ یا نصیرُ پڑھیں۔ رزق کی فراوانی ہوگی۔ انشاء اللہ!

امتحان میں کامیابی کے لیے

پہلے اپنی ٹینشن پر قابو پایئے پھر آیت الکرسی کثرت سے پڑھیں، انشاء اللہ کامیابیاں آپ کے قدم چومیں گی۔

زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کے لیے آپ کثرت سے انا ربی غنی الکریم پڑھنے کی عادت ڈالیں۔

لڑکیوں کی شادی کے لیے

تمام بچیاں یہ تین تسبیح روزانہ پڑھیں۔ انشاء اللہ ان کی شادی بہت اچھی اور کامیاب ہوگی۔
پہلی تسبیح...... یا ولیُ یا والی
دوسری تسبیح...... لاحولَ ولاقوۃ الاّ باللہ
تیسری تسبیح...... یا حیُ یا قیومُ
یہ تینوں تسبیح کثرت سے پڑھیں۔

پیٹ میں کیڑے

جن بچوں یا بڑوں کے پیٹ میں کیڑے ہوں ان کی صحت عموماً خراب رہتی ہے۔ دبلے پتلے اور چڑچڑے سے ہوتے ہیں کہ غذا ان کے جسم پر نہیں لگ پاتی۔ یہ کیڑے بے شک کدو دانے ہوں، کیچوے ہوں۔ یا چھوٹے چھوٹے کیڑے (چُنّے) ہوں ان سے نجات حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ سورۂ کوثر پوری سورہ تین بار پانی پر دم کرکے نہار منہ پلائیں اور دن، رات وقفے وقفے سے سورۂ کوثر تین تین بار پڑھ کر پیٹ پر پھونک ماریں۔

اکیس روز کے اس عمل سے پیٹ میں ہر قسم کے کیڑے ختم ہوجائیں گے۔ ایک بات اور جب بھی پانی پئیں بے شک ایک بار ہی سہی سورۂ فاتحہ دم کر کے پینے کی عادت ڈالیں۔ سورۂ فاتحہ کا پانی پینے سے جسم کی چھپی ہوئی بیماریاں بھی ٹھیک ہوجاتی ہیں۔

مکان، دکان یا زمین کو خالی کرانے کے لیے

اگر آپ کو اپنی جائداد اپنے کرائے دار کے مزاج سے عاجز ہونے کے سبب خالی کرانا مقصود ہو یا اپنے ذاتی تصرف میں رکھنے کے خواہش مند ہونے کے باعث غیر پسندیدہ لوگوں کو اپنی جگہ سے ہٹانا چاہتے ہیں تو عشا کی نماز کے بعد دو رکعت نماز برائے حاجت پڑھیں اور سورۂ انشقاق (پارہ 30) کی آیت نمبر 4 کو تین سو مرتبہ پڑھ کر دعا مانگیں۔ وہ زمین اپنے اندر کی چیزوں کو باہر اگل دے گی اور خالی ہوجائے گی۔ انشاء اللہ!

☆☆☆

ماں کے نام

چاند کی روشنی سے دوستی کے قلم سے
چاہت بھرے الفاظ سے
لکھے ہیں آپ کے لیے چند الفاظ
سوئی نہیں ہوں سلا دو مجھ کو ماں
آجاؤ میرے پاس
مجھے لوری سن کر سلا دو ماں
اشک میری آنکھوں میں جم سے گئے ہیں
ماں
کرکے دل پہ جبر مجھے رُلا دو ماں
میری خوشیاں بھی لے لو
میری سانسیں بھی لے لو
پر تم سلامت رہو ماں
رب سے ہر دعا میں آپ کی مانگی ہے
لمبی زندگی ماں
نہ ہو جس میں کوئی غم
خدا سے ایسی دعا مانگی ہے ماں

صوفیہ قمر، کراچی

اس بات کی ضرورت کافی عرصہ سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، پوسٹ بکس نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

جسم پر گلٹیاں

میری عمر تقریباً ساڑھے اٹھائیس سال ہے اور شادی شدہ ہوں۔ میرا وزن 60 کلو گرام ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ میرے جسم پر گلٹیاں بن گئیں ہیں، کچھ سخت قسم کی ہیں اور کچھ نرم ہیں۔ یہ تقریباً پندرہ سال کی عمر سے بننا شروع ہوئی تھیں جو کہ عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی جارہی ہیں۔ یہ پہلے چھوٹی ہوتی ہیں پھر آہستہ آہستہ بڑی ہوجاتی ہیں۔ بعض دفعہ ان پر خارش ہوتی ہے درد نہیں ہوتا۔ پہلے میری دادی کو یہ بیماری تھی پھر ابو کو ہوئی، اب ہم دو بہن بھائیوں کو ہے۔ تین بہن بھائیوں کی عمر ابھی پندرہ سال سے کم ہے ان کو یہ بیماری نہیں ہے۔

والسلام یاسمین (راولپنڈی)

جواب: گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ چربی کی گلٹیاں ہیں، چربی یعنی گھی، تیل، مکھن چیز کا استعمال کم سے کم کریں اور 3 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc Fluor 3x دن میں 3 مرتبہ 5 قطرے لیں۔

☆......☆......☆

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

جولائی 2012

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________

پتا: ____________

____

چہرے پر دانے

میری عمر 22 سال ہے۔ میں ایک اسٹوڈنٹ ہوں اور مجھے تقریباً ڈیڑھ دو سال سے یہ مسئلہ ہے کہ جب رات کو سوتی ہوں تو چہرہ بالکل ٹھیک ہوتا ہے لیکن صبح سو کر اٹھنے پر سارا چہرہ باریک باریک پیلے دانوں سے بھرا ہوتا ہے، دانے گرمی دانوں کی طرح باریک اور سخت ہوتے ہیں۔ ایک دو دن ایسا رہنے کے بعد پھر چہرہ خود ہی ٹھیک ہوجاتا ہے۔ مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ یہ کیا مسئلہ یا بیماری ہے، الرجی ہے یا کوئی اور پرابلم...... نہ ہی یہ پتا چلتا ہے کہ کچھ کھانے سے ہوتی ہے یا کیا وجہ ہے۔ میں پرہیز بھی بہت کرتی ہوں، ایسا تقریباً ہر ہفتے بعد ہوتا رہتا ہے، چہرہ سرخ رہتا ہے۔ اس الرجی کی وجہ سے میرا رنگ بھی سیاہ ہوگیا ہے جو کہ اچھا خاصا فریش تھا۔ میں نے ابھی تک اس کا علاج نہیں کروایا۔ دانے نکلتے ہیں تو کوئی سوتھنگ لوشن استعمال کرتی ہوں۔ یہ مسئلہ صرف چہرے پر ہے۔

شاہدہ رانا (خانیوال)

جواب: پانی کا استعمال بڑھائیں، تیز مرچ والے کھانوں سے پرہیز کریں، شربت، کولڈ ڈرنکس سے بھی۔ خون ٹیسٹ FBS ، RBS کرا کے رپورٹ بھیجیں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Sulphur 200 کی ایک خوراک صبح نہار منہ 5 قطرے لیں اور ایک دن بعد Graphites 30 کے 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆......☆......☆

بچوں کا قد

میں نے پچھلے ماہ اپنے بچوں کا مسئلہ ٹوکن کے ساتھ لکھ کر بھیجا تھا لیکن نومبر کے ماہنامہ میں اس کا جواب نہیں تھا اس لیے اب دوبارہ لکھ رہی ہوں۔ میرا بیٹا عمر 20 سال، قد ساڑھے چار فٹ ہے۔ عمومی صحت بالکل ٹھیک ہے اچھی خوراک کھاتا ہے جنک فوڈ بالکل نہیں کھاتا۔ اس کا قد پچھلے دو تین سال سے بڑھنا رک گیا ہے۔ مہربانی فرما کر اس کا علاج تجویز کردیں اسٹوڈنٹ ہے اور غیر شادی شدہ ہے۔ نظر کمزور ہے اور تین سال پہلے اسے موڈ ڈس آرڈر ہوا تھا اور اب تقریباً 3 سال سے Epival کھا رہا ہے۔ پہلے 100mg روزانہ اور اب 2 ماہ سے 750mg کی ڈوز لے رہا ہے۔ نظر بھی کمزور ہے، ریٹنا کی کمزوری ہے۔

اس کے علاوہ بچی کے قد کے لیے بھی دوا چاہیے، بچی کی عمر 16 سال ہے اسٹوڈنٹ اور غیر شادی شدہ ہے۔ قد 5 فٹ ایک انچ ہے اس کی بھی نظر کمزور ہے ریٹنا کی کمزوری ہے باقی صحت ٹھیک ہے، کبھی کبھی معدے کا ہلکا سا مسئلہ ہوجاتا ہے۔ میرے سارے خاندان کے لوگ لمبے یا اچھے قد کے ہیں مہربانی فرما کر بچوں کے لیے اچھی سی تیز اثر دوا تجویز فرمائیں قد بڑھنے کی۔

شہریار خان، عدینہ خان (میانوالی)

جواب: بچوں کا قد نہ بڑھنے کی کئی ایک وجوہات ہوتی ہیں۔ کچھ ادویات بھی بالواسطہ یا

بلا واسطہ اس پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ماحول بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

بہر حال اپنے بچوں کو Baryta carb 30 اور Calc. Phos30 کے 5، 5 قطرے ½ کپ پانی میں 3 مرتبہ دن میں استعمال کرائیں۔ 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆......☆......☆

موسم سے حساسیت

میرا نام صائمہ ہے۔ میری بیٹی علینہ عمر ساڑھے گیارہ سال ہے، کے لیے میں دوا لینا چاہتی ہوں۔ قد 5 فٹ ہے وزن 49kG ہے۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ 4 سال کی عمر سے سردیوں کے آغاز اور گرمیوں کے آغاز میں نزلہ شروع ہوجاتا ہے جو کہ ٹھیک ہونے کے بجائے بگڑ جاتا ہے۔ سخت نزلہ کے ساتھ کھانسی بھی شدید ہوجاتی ہے، چھینکیں بھی شدید آتی ہیں، سینے سے کھڑ کھڑ کی آوازیں آتی ہیں، سب ڈاکٹر ایک جیسی دوائیاں دیتے ہیں۔ میں سخت ڈیپریس ہو چکی ہوں کہ وہ اتنی دوائیاں کھاتی ہے۔ مجھے پلیز ایسی ہومیو پیتھک دوائی بتائیں جس سے اس کا نزلہ ٹھیک ہوجائے۔

صائمہ خان (لاہور)

جواب: آپ کی بیٹی کا جسم موسم کی تبدیلی سے حساس ہے اس کے لیے کچھ عرصہ مختلف ادویات کا استعمال کرنا پڑے گا جو ہم آپ کے خط کے جواب میں بتاتے رہیں گے فی الوقت ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں Psorinum 200 کی ایک خوراک ہفتہ میں ایک بار یعنی 5 قطرے ½ کپ پانی لیں اور اس کے ایک دن بعد Allium cepa 30 اور Gelsemium 30 کے 5 قطرے ½ کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆......☆......☆

وزن کی زیادتی اور جلدی مسائل

میری عمر 24 سال ہے۔ میں غیر شادی شدہ ہوں۔ میں زیادہ تر بیمار ہی رہتی ہوں بظاہر بہت صحت مند دکھائی دیتی ہوں۔ جبکہ اندر سے بہت کمزور ہوں۔ ہر وقت چکر آتے رہتے ہیں پچھلے 4,3 سال سے میرا وزن بڑھتا جا رہا ہے۔ میری 5 فٹ ایک انچ height ہے۔ پہلے میرا وزن 48 تھا اب 58 ہوگیا ہے۔

میرا دوسرا مسئلہ الرجی کا ہے، یہ تقریباً پچھلے چار سال سے ہے۔ پہلی دفعہ جب نمودار ہوئی تھی تب پورے جسم میں حد سے زیادہ خارش کے ساتھ red color کے چکتے سے بنتے تھے ابھرے ہوئے۔ اب چکتے نہیں بنتے، اب باریک باریک دانے بنتے ہیں جلد سرخ ہوجاتی ہے..... جگہ جگہ سے خارش بہت زیادہ ہوتی ہے نہ صرف جسم کے اوپری حصے پر بلکہ جسم کے اندرونی حصے میں بھی ہوتی ہے جیسے گلے کے اندر، کانوں کے اندر بھی آگے پیچھے بھی ...... ایسے ہی آنکھوں میں، سر میں، دانتوں میں، ناخنوں

میں خارش کے ساتھ ساتھ ہڈیوں میں بھی درد ہے Joint soreness میں زیادہ ہے۔ چکر، بے چینی اور گھبراہٹ بھی بہت ہے۔ سر پہ پانی پڑنے سے آنکھیں red ہوجاتی ہیں بہت جلتی ہیں ایسی حالت ہے جیسے جسم میں بالکل جان نہیں رہتی، دل کی دھڑکن بھی تیز ہوجاتی ہے۔

تیسرا مسئلہ میری skin کا ہے اب فیس بہت خراب ہوچکا ہے، بہت دانے نکلتے ہیں ختم ہونے پر نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ سرخ رنگ کے دانے نکلتے ہیں، جلد کے اندر گلٹی نما موٹا سا دانہ ہے اس کو پوری طرح بننے اور ختم ہونے میں 4,3 مہینے لگ جاتے ہیں، ان دانوں سے جو مواد نکلتا ہے وہ زیادہ تر خون ہوتا ہے pus اتنا نہیں ہوتا۔ کچھ گلٹی نما موٹے موٹے دانے نکلتے ہیں اور کچھ باریک pus والے دانے نکلتے ہیں، ہاتھ لگانے سے درد بھی ہوتا ہے کوئی ایسی دوا تجویز کریں میرے لیے جس سے نہ صرف میری الرجی اور skin problem ٹھیک ہو جائے بلکہ میرا بڑھتا ہوا وزن بھی نارمل ہوجائے۔

جواب: سالوں سے آپ مسائل سے ہیں لیکن اس کے بارے میں نہیں لکھا کہ علاج کیا۔ یہ الرجی کب، کس طرح ہوئی یہ لکھا۔

آپ Apis اور Hep Sulf30 کے 5،5 قطرے دن میں 3 مرتبہ استعمال... تمام ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں، فروٹ اور سبزیوں کا استعمال کریں، قبض نہ ہونے دیں۔ پانی کا استعمال بڑھائیں۔

☆......☆......☆

مٹاپا اور اسکن

میرا پہلا مسئلہ مٹاپے کا ہے۔ میری عمر 25 سال ہے اور میرا وزن 73 کلوگرام ہے۔ میرا پیٹ اور کولہے کافی باہر نکلے ہوئے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اسمارٹ ہوجاؤں اور وزن کافی کم ہوجائے۔

دوسرا مسئلہ لیکوریا کا ہے جو کبھی کبھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے میں بہت پریشان رہتی ہوں۔

تیسرا اور آخری مسئلہ اسکن کا ہے۔ میری اسکن کافی آئلی ہے اور چہرے کے مسام بہت زیادہ کھلے ہوئے ہیں۔ اکثر چہرے پر دانے بھی نکل آتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میری اسکن کے مسام بند ہوجائیں اور اسکن فریش نظر آئے۔ برائے مہربانی اچھی دوائیں تجویز فرمادیں اور یہ بھی بتادیں کہ کھانے پینے میں کیا کیا پرہیز کرنا ہے۔ میں ایک گھریلو لڑکی ہوں گھر سے باہر بہت کم جانا ہوتا ہے مگر گھر میں 10 سے 15 منٹ واک ضرور کرتی ہوں پلیز جلد از جلد جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

شائستہ محمد رمضان

جواب: مٹاپے کا علاج اتنا آسان نہیں ہے جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ ڈائٹ بھی کنٹرول کریں،

ورزش بھی کریں کم از کم ایک گھنٹا روزانہ اور ایک ماہ تک مندرجہ ذیل ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں۔ Fucus Ves Q کے 15 قطرے دن میں تین مرتبہ ½ گلاس پانی میں لیں۔ Calc Sulf 30 اور Belladona30 کے 5,5 قطرے ½ کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔

تازہ پھل اور سبزیوں کا استعمال کریں۔

یادرکھیں وزن بڑھنے کی وجوہات میں خاندانی جسمانی ہارمونز کی کمی یا زیادتی بھی اہم وجہ ہے۔ ہم تفصیلی طور پر پہلے بتا چکے ہیں۔ کولڈرنکس اور شربت کسی بھی قسم کے استعمال نہیں کریں گی۔

گرم موسم کی خصوصی احتیاطیں

جن کو اختیار کرکے آپ موسم گرما کو انجوائے کرسکتے ہیں

1۔ گرم ٹھنڈا یا ٹھنڈا گرم نہ کریں۔ یعنی گرم جگہ سے ایک دم ائرکنڈیشنڈ میں نہ جائیں یا ٹھنڈی جگہ سے گرم جگہ نہ جائیں اسی طرح نہا کر فوراً پنکھے یا ائرکنڈیشنڈ میں نہ آئیں یا باہر لو میں نہ نکلیں۔

2۔ گرمی کی شدت کے حساب سے پانی کا استعمال کریں لیکن یادرکھیں پیاس کتنی بھی لگ رہی ہو گرمی سے آکر فوراً پانی نہ پئیں خصوصاً ٹھنڈا بلکہ پہلے ہاتھ منہ دھو کر خود کو ٹھنڈا کریں اس کے بعد پانی پئیں، دن میں کم سے کم 10 سے 12 گلاس پانی پئیں، بچوں کو 6 سے 8 گلاس پانی پلائیں دن میں لیکن یاد رہے کہ کھانے کے ساتھ اور کھانے کے فوراً بعد نہیں پئیں۔ نہار منہ، کھانے سے پہلے اور کھانے کے 2 سے ڈھائی گھنٹے بعد پانی کا استعمال صحت و ہاضمہ کے لیے مفید ہے۔

3۔ مصنوعی شربتوں سے ہر قسم کی کولڈرنک سے دور رہیں، ہاں لسی، ستو (سنت بھی ہے) بیل گیری، فالسہ، انناس، کیری، آم، لیموں کے تازہ جوس شربت حقیقی صحت اور تازگی کے لیے مفید ترین ہیں

4۔ موسمی پھل اور سبزیوں کا استعمال آپ کی صحت کو بحال رکھے گا۔

5۔ اسی طرح گرمی کی مناسبت سے کپڑوں کا استعمال بھی کرنا چاہیے۔ سر کو گرمی سے ضرور بچائیں۔

6۔ پسینے کو کبھی ٹھنڈ یا ہوا نہ لگائیں اس طرح جسم کے پٹھے اکڑ سکتے ہیں ان میں درد ہوسکتا ہے، دل کی حرکت بند ہوسکتی ہے یا فالج کا اثر ہوسکتا ہے۔

7۔ صفائی کا خیال رکھیں، روزانہ کم از کم ایک مرتبہ ضرور نہائیں۔

8۔ باہر لو چل رہی ہو یا گرمی کی شدت ہو تو کم از کم ایک گلاس پانی لے کر گھر سے نکلیں۔

9۔ جلد کو دھوپ کی تمازت سے بچانے کے لیے سن بلاک والا فیس واش لوشن استعمال کریں ہم سے بھی منگوا سکتے ہیں

10۔ یادرکھیں یہ وہ احتیاطی تدابیر ہیں جن کو اختیار کرکے آپ اپنی موجودہ صحت کو مزید بہتر کرسکتے ہیں۔ بیماریوں سے اور گرم موسم کی شدت سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

☆......☆......☆